انتخابِ بخاری شریف

(ترجمہ و تشریح)

جلد اوّل

تخریج احادیث
امام بخاری قدس اللہ سرہ العزیز ۲۵۶ھ

عربی شرح
علامہ ابن ابی جمرہ مالکی اندلسیؒ
۶۹۹ھ

اردو ترجمہ وتشریحی فوائد
حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ
۱۳۹۴ھ

زیر نگرانی
حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
۱۳۶۲ھ

احادیث شریفہ سے مسائل سلوک و تصوف، مسائل اخلاق و آداب اور مسائل فقہ کے استنباط پر وہ گرانمایہ کتاب جو ہر دور میں علماء، صوفیاء، اور دیندار حضرات کی توجہ کا مستقل طور پر مرکز رہی ہے۔ بخاری شریف کی منتخب احادیث کی بے نظیر شرح

ادارہ اسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

بخاری شریف کی منتخب احادیث کا ترجمہ اور بے مثل تشریح

رحمۃ القدوس ترجمہ بہجۃ النفوس شرح

(ترجمہ و تشریح)

تخریج احادیث

امام بخاری قدس اللہ سرہ العزیز ۲۵۶ھ

عربی شرح
علامہ ابن ابی جمرہ مالکی اندلسیؒ
۶۹۹ھ

اردو ترجمہ و تشریحی فوائد
حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

زیر نگرانی
حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
۱۳۶۲ھ

جلد اول

ابن ابی جمرہ

احادیث شریفہ سے مسائل سلوک و تصوف، مسائل اخلاق و آداب اور مسائل فقہ کے استنباط پر وہ گرانمایہ کتاب جو ہر دور میں علماء، صوفیاء اور دیندار حضرات کی توجہ کا متفقہ طور پر مرکز رہی ہے۔ بخاری شریف کی منتخب احادیث کی بے نظیر شرح

ناشر

ادارہ اسلامیات
پبلشرز۔ بک سیلرز۔ ایکسپورٹرز

★ دینا ناتھ مینشن مال روڈ، لاہور

★ ۱۹۰ انارکلی، لاہور، پاکستان

★ موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی

پہلی بار عکسی طباعت کیساتھ : جولائی ۱۹۸۰ء

باہتمام : اشرف برادرز، لاہور

ناشر : ادارہ اسلامیات
انارکلی ، لاہور

کتابت : فاروق احمد امین لاہور

طباعت : اصغر پریس، لاہور

قیمت : روپے

ڈالی وار

ادارہ اسلامیات
پبلشرز۔ بک سیلرز۔ ایکسپورٹرز

★ دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون [illegible]، فیکس [illegible]

★ ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان
فون [illegible]

★ موہن روڈ
چوک اردو بازار، کراچی فون [illegible]

ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

دارالاشاعت اردو بازار کراچی

ادارہ المعارف ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ۱۴

مکتبہ دارالعلوم ، مدرسہ دارالعلوم کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم   امابعد

اللہ رب العزت کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ہم اپنی ناکسی کے باوجود بخاری شریف کی احادیث کی وہ نادر و گرانمایہ شرح آپ کے سامنے اردو میں پیش کر رہے ہیں جس کی تعریف و توصیف میں تمام علماء و صوفیہ رطب اللسان رہے ہیں۔ یہ کتاب جو درحقیقت بخاری شریف کا ایک طرح سے خلاصہ اور تشریح ہے اپنے وقت کے مشہور امام علامہ ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ ([illegible]ھ) نے تالیف فرمائی۔

اس کتاب کی اہمیت اور عظمت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فتح الباری شرح صحیح البخاری کے مصنف، نامور عالم اور فقید المثال محقق حافظ ابن حجر عسقلانی اس کتاب کے حوالے جابجا اپنی کتاب میں پیش کرتے ہیں۔

احادیث سے مسائل سلوک و تصوف اور مسائل اخلاق و آداب کے استنباط پر اپنی نوعیت کی منفرد اور لازوال کتاب ہے، یہ کتاب ہر دور میں ہی اہل علم و عمل بزرگوں کی منظور نظر رہی ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ اس کتاب کے بہت بڑے مداح تھے اور انہیں کے حکم پر مشہور محدث اور حدیث کی مشہور کتاب اعلاء السنن ۱۸ جلدوں کے مصنف مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے اس کتاب کا خوبصورت اور آسان اردو میں ترجمہ کیا اور جابجا اپنے گرانقدر فوائد کا بھی اضافہ فرمایا۔

یہ کتاب تقسیم سے قبل طبع ہوئی تھی مگر شائقین کی کثرت کی وجہ سے جلد ہی ناپید ہو گئی تھی۔ ہماری خوش نصیبی ہے کہ اس کتاب کو دوبارہ اور پہلے سے بہتر انداز سے چھاپنے کی سعادت ہمارے حصہ میں آئی اور اب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اصل کتاب میں ہم نے کوئی ترمیم و اضافہ نہیں کیا البتہ وہ ذیلی عنوانات جو سابقہ ایڈیشن میں صفحہ سے باہر درج تھے اب صفحہ میں لے لئے گئے ہیں اور مکمل فہرست کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس محنت کو قبول فرمائے اور اس کتاب کی اشاعت کا ثواب والد ماجد مولانا محمد نکلحم رحمتہ اللہ علیہ اور جد امجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع نور اللہ مرقدہٗ کو پہنچا کر ہماری لغزشوں کو معاف فرمائے۔ آمین

اس کتاب سے استفادہ کرنیوالے حضرات سے درخواست ہے کہ وہ ہمیں اپنی دعواتِ صالحہ میں یاد رکھیں والسلام

ناشرین

(اشرف برادرز)

محمود اشرف ، مسعود اشرف ، سعود اشرف

ادارہ اسلامیات، لاہور

فہرست

رحمت القدوس جلد اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رحمۃ القدوس
ترجمہ
بہجۃ النفوس

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا
اللہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک
ولہ الحمد ولا نعبد الا ایاہ واشھد ان سیدنا ومولانا
محمدا عبدہ ورسولہ الذی اتخذہ اللہ خلیلا وحبیبا
واصطفاہ صلے اللہ تعالیٰ وسلم علیہ وعلی آلہ واصحابہ
وکل من تبعہ واقتفاہ

اما بعد

جب یہ احقر کتاب البحر المورود مؤلفہ قطب ربانی علامہ عبدالوہاب بن
احمد بن علی الشعرانی کے ترجمہ سے فارغ ہو گیا جو رسالہ شہریہ النور میں
الدر المنضود کے نام سے عرصہ تک شائع ہوتا رہا اور ماہ رجب ۱۳۵۴ھ میں
تکمیل کو پہنچ گیا ہے تو دل میں خود بخود خیال آیا کہ اس کے بعد کسی دوسرے
مفید مضمون کا سلسلہ شروع کیا جائے تو اچھا ہے چنانچہ مختلف خیالات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رحمتُ القدوس

ترجمہ

بہجۃ النفوس

الحمد للہ الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ و اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک لہ الحمد ولا نعبد الا ایاہ و اشھد ان سیدنا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ الذی اتخذہ اللہ خلیلا وحبیبا واصطفاہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ وکل من تبعہ واقتفاہ

اما بعد

جب یہ احقر کتاب البحر المورود مؤلفہ قطب ربانی علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی کے ترجمہ سے فارغ ہو گیا جو رسالہ شہریہ النور میں الدر المنضود کے نام سے عرصہ تک شائع ہوتا رہا اور ماہ رجب ۱۳۵۴ھ میں تکمیل کو پہنچ گیا ہے تو دل میں خود بخود خیال آیا کہ اس کے بعد کسی دوسرے مفید مضمون کا سلسلہ شروع کیا جائے تو اچھا ہے چنانچہ مختلف خیالات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رحمت القدوس

ترجمہ

بہجت النفوس

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ و اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک لہ الحمد ولا نعبد الا ایاہ و اشھد ان سیدنا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ الذی اتخذہ اللہ خلیلا وحبیبا واصطفاہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ وکل من تبعہ واقتفاہ

امابعد

جب یہ احقر کتاب البحر المورود مؤلفہ قطب ربانی علامہ عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی کے ترجمہ سے فارغ ہوگیا جو رسالہ شہریہ النور میں الدر المنضود کے نام سے عرصہ تک شائع ہوتا رہا اور ماہ رجب ۱۳۵۴ھ میں تکمیل کو پہنچ گیا ہے تو دل میں خود بخود خیال آیا کہ اس کے بعد کسی دوسرے مفید مضمون کا سلسلہ شروع کیا جائے تو اچھا ہے چنانچہ مختلف خیالات

دل میں گذرتے رہے مگر کسی ایک پر دل کو قرار نہ ہوا، اسی اثناء میں
میری منجھلی لڑکی جو ۸، ۹ مہینہ سے بعارضۂ حمی لازمہ علیل تھی شعبان ۱۳۵۴ھ
میں زیادہ علیل ہوگئی اور ۲۶ ر شعبان ۱۳۵۴ھ کو اتوار کے دن ۷، ۸ بجے صبح
کے درمیان اس نے اس دار فنا سے دارالبقا کیطرف انتقال کیا اور اپنی مفارقت
کا صدمہ والدین کے دل و جگر پر چھوڑ دیا

فانا للہ و انا الیہ راجعون، غفر اللہ لھا و رفع درجاتھا و
تقبل حسناتھا و رزقنا الصبر الجمیل،

اس صدمۂ جانکاہ سے قرار و سکون رخصت ہوا تو وہ خیال جو پہلے ہی غیر
مستقر تھا عدم استقرار کے ساتھ مضمحل بھی ہوگیا کہ دفعتہً ایک روز
جبکہ ناچیز مجلس بابرکت سراپا خیر و رحمت میں بخدمت حضرت
اقدس سیدی سندی مولائی و مرشدی ملاذی و معتمدی ظل اللہ علی العالمین
حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم حاضر تھا
حضرتؒ نے کتاب بھجۃ النفوس مؤلفہ امام مقتدی محدث حافظ
ابو محمد عبداللہ بن ابی جمرۃ الازدی الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ فرمایا
کہ یہ کتاب بہت عمدہ ہے جسمیں علامہ موصوف نے احادیث نبویہ کی شرح
کرتے ہوئے احادیث سے مسائل تصوف کا استنباط فرمایا ہے اور میرا دل
چاہتا ہے کہ کوئی اس کتاب کا ترجمہ کردے۔

حضرت کے اس ارشاد سراپا رشاد سے قلب مضطر میں داعیہ پیدا ہوا کہ
الدر المنضود کے اختتام کے بعد جو مضمون جدید لکھنے کا خیال تھا کہ
اس کے لئے اسی کتاب مبارک کو متعین کرلینا چاہئے جسمیں چند فائدے
ہوں گے، اولاً حضرت اقدس کی تمنا پوری ہوگی جن کی شان یہ ہے ؎

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں
می دہد یزداں مراد متقیں

حضرت کی تمنا مجھ جیسے ناکارہ کے ہاتھوں پوری ہو جائے تو کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ٹھکانے لگا دے۔

ثانیاً یہ کہ اہل اللہ کی تمنا جس کے ہاتھوں پوری ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی مدد اسکی ساتھ ہوتی ہے تو اس تالیف میں انشاءاللہ غیبی امداد میرے ساتھ ہوگی اور امید ہے کہ دولتِ اخلاص بھی نصیب ہو جائیگی جس پر مدارِ کار ہے۔

ثالثاً یہ کہ صدمۂ جانکاہ کے سکون میں اس سے مدد ملے گی کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ شغلِ قرآن و حدیث اور ارشاداتِ اہل اللہ سے قلب کو سکون ہوتا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

رابعاً یہ کہ حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم نے کتاب عنوانات التصوف کے آخر میں بعنوان تبصیر و تبشیر جو ایک اعلان فرمایا ہے اس سے ناظرین کتاب مذکور کو کتاب بہجۃ النفوس کے مطالعہ کا اشتیاق پیدا ہوا ہوگا اور عربی نہ جاننے والوں کو اس کے ترجمہ کا انتظار ہوگا تو اس کتاب کے ترجمہ کی تقدیم بہت سے اصحاب قلوب کے اشتیاق کی تکمیل اور کلفت انتظار کی رافع ہوگی؛ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تیمناً و تبرکاً اس مقام پر حضرت کے اس اعلان کو بلفظہ نقل کر دیا جائے تاکہ ناظرین میں سے اگر کسی کی نظر سے نہ گذرا ہو تو وہ بھی حضرت کے ارشاد سے اس کتاب کی عظمت و جلالت کا اندازہ کرلیں، وہذا لفظہ ادام اللہ ظلہ۔

تبصیر و تبشیر

ایک کتاب بہجۃ النفوس نظر سے گذری جو مختصر البخاری کی شرح ہے جو حضرت ماتن نے خود لکھی ہے متن بحذف اسانید و مکررات احادیثِ بخاری کی تلخیص ہے اور شرح میں احادیث سے اور

کہیں کہیں آیات سے بھی مثل مسائل علم ظاہری کے بکثرت مسائل علم باطنی بھی مستنبط کئے ہیں۔ فتح الباری میں کتاب کا جابجا حوالہ اس کے مستند ہونے کیلئے کافی دلیل ہے، چونکہ عنوانات التصوف کے ماخذ اور اس کتاب کا ایک حصہ ہمرنگ ہیں اس لئے اس فن کے شائقین کیلئے اس کا اعلام کر دیا گیا۔

اشرف علی ثامن ربیع الاول ۱۳۵۳ھ

اب خدا کا نام لیکر ترجمہ شروع کرتا ہوں اور بطور مقدمہ کے چند امور سے ناظرین کو مطلع کرنا چاہتا ہوں جن کا ترجمہ میں التزام کرنے کا ارادہ ہے۔

اوّل

یہ کہ اس وقت پوری کتاب کے ترجمہ کا ارادہ نہیں بلکہ صرف اس حصہ کا ترجمہ کیا جائے گا جس میں مسائل تصوف کا استنباط احادیث نبویہ یا آیات قرآنیہ سے کیا گیا ہے۔

دوم

یہ کہ ترتیب ترجمہ کی اسطرح ہوگی کہ اوّلاً حدیث متن کا مع حوالۂ باب کے ترجمہ ہوگا اس کے بعد بعنوان شرح اس حصہ شرح کا ترجمہ ہوگا جس میں مسائل تصوف کا استنباط مذکور ہے اس ترجمہ کے بعد اگر کسی مضمون کی تفصیل وتوضیح کی حاجت ہوگی تو اس کو بعنوان ف لکھا جائے گا۔

سوم

یہ کہ کتاب بہجۃ النفوس میں جتنے مسائل حدیث سے مستنبط کئے گئے ہیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو نمبر وار ذکر کیا ہے اسی طرح ترجمہ میں بھی ہر مسئلہ کو نمبر وار بیان کیا جائے گا مگر چونکہ ترجمہ میں

صرف مسائل تصوف کو لیا گیا ہے اس لئے ترجمہ کا نمبر اصل کتاب کے نمبر کے موافق نہ ہوگا مگر ہر مسئلہ کے بعد اصل کتاب کا نمبر لفظوں میں مع ابتدار وانتہار عبارت اصل کے مختصراً لکھ دیا جائے گا تاکہ اگر کوئی اصل سے مراجعت کرنا چاہے تو اس کو دشواری پیش نہ آئے۔

چہارم

یہ کہ احادیث متن کی صحت کے متعلق اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ سب احادیث صحیح بخاری کی احادیث ہیں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے لقب سے ممتاز ہے اور اس سے ناظرین کو اندازہ ہوگا کہ جو لوگ باوجود سب کچھ پڑھ لینے کے بھی علم تصوف کے منکر ہیں وہ بخاری شریف کو بھی سمجھ کر نہیں پڑھتے صرف دورہ ہی کر لیتے ہیں اگر وہ قرآن و حدیث کو سمجھ کر پڑھتے تو ہرگز اس علم کا انکار نہ کرتے نہ اہل تصوف پہ اعتراض کرتے

پنجم

یہ کہ کتاب بہجۃ النفوس جو مختصر البخاری کی شرح ہے اس کے مصنف بہت بڑے امام ہیں جن کا تذکرہ خاتمۃ الحفاظ علامہ سیوطی رح نے اپنی کتاب حسن المحاضرہ میں اور علامہ ابوالعباس سیدی احمد بن احمد بن عمر بن محمد اقیت نے کتاب نیل الابتہاج بتطریز الدیباج میں (جو کتاب الدیباج المذہب فی معرفۃ اعیان علماء المذہب (المالکی) کا تکملہ ہے اور اسی کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے) اور علامہ عبدالوہاب شعرانی نے کتاب الطبقات الکبریٰ میں بیان فرمایا ہے، چونکہ تراجم اسماء رجال کا علم جماعت علماء کیساتھ مخصوص ہے اس لئے ان کتابوں کی اصل عبارت اس جگہ عربی میں بلا ترجمہ نقل کی جاتی ہے۔ اگر ناظرین اہل علم میں سے کسی کو مصنف کا تذکرہ کسی اور کتاب میں بھی مل جائے تو درخواست ہے کہ مترجم کو اس سے مطلع فرمائیں تاکہ اس کو بھی خاتمہ کتاب میں ملحق کر دیا جائے۔

کہیں کہیں آیات سے بھی مثل مسائل علم ظاہری کے بکثرت مسائل علم باطنی بھی مستنبط کئے ہیں۔ فتح الباری میں کتاب کا جا بجا حوالہ اس کے مستند ہونے کیلئے کافی دلیل ہے، چونکہ عنوانات التصوف کے ماخذ اور اس کتاب کا ایک حصہ ہمرنگ ہیں اس لئے اس فن کے شائقین کیلئے اس کا اعلام کر دیا گیا۔

اشرف علی ثامن ربیع الاول ۱۳۵۳ ھ

اب خدا کا نام لیکر ترجمہ شروع کرتا ہوں اور بطور مقدمہ کے چند امور سے ناظرین کو مطلع کرنا چاہتا ہوں جن کا ترجمہ میں التزام کرنے کا ارادہ ہے۔

اوّل

یہ کہ اس وقت پوری کتاب کے ترجمہ کا ارادہ نہیں بلکہ صرف اس حصہ کا ترجمہ کیا جائے گا جس میں مسائل تصوف کا استنباط احادیث نبویہ یا آیاتِ قرآنیہ سے کیا گیا ہے۔

دوم

یہ کہ ترتیب ترجمہ کی اسطرح ہوگی کہ اوّلاً حدیث متن کا مع حوالۂ باب کے ترجمہ ہوگا اس کے بعد بعنوان شرح اس حصہ شرح کا ترجمہ ہوگا جس میں مسائل تصوف کا استنباط مذکور ہے ا۔۔ ترجمہ کے بعد اگر کسی مضمون کی تفصیل و توضیح کی حاجت ہوگی تو اس کو بعنوان ف لکھا جائے گا۔

سوم

یہ کہ کتاب بہجۃ النفوس میں جتنے مسائل حدیث سے مستنبط کئے گئے ہیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو نمبروار ذکر کیا ہے اسی طرح ترجمہ میں بھی ہر مسئلہ کو نمبروار بیان کیا جائے گا مگر چونکہ ترجمہ میں

صرف مسائل تصوف کو لیا گیا ہے اس لئے ترجمہ کا نمبر اصل کتاب کے نمبر کے موافق نہ ہوگا مگر ہر مسئلہ کے بعد اصل کتاب کا نمبر لفظوں میں مع ابتدار و انتہار عبارت اصل کے مختصراً لکھ دیا جائے گا تاکہ اگر کوئی اصل سے مراجعت کرنا چاہے تو اس کو دشواری پیش نہ آئے۔

چہارم

یہ کہ احادیث متن کی صحت کے متعلق اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ سب احادیث صحیح بخاری کی احادیث ہیں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے لقب سے ممتاز ہے اور اس سے ناظرین کو اندازہ ہوگا کہ جو لوگ باوجود سب کچھ پڑھ لینے کے بھی علم تصوف کے منکر ہیں وہ بخاری شریف کو بھی سمجھ کر نہیں پڑھتے صرف دورہ ہی کر لیتے ہیں اگر وہ قرآن و حدیث کو سمجھ کر پڑھتے تو ہرگز اس علم کا انکار نہ کرتے نہ اہل تصوف پہ اعتراض کرتے

پنجم

یہ کہ کتاب بہجۃ النفوس جو مختصر البخاری کی شرح ہے اس کے مصنف بہت بڑے امام ہیں جن کا تذکرہ خاتمۃ الحفاظ علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب حسن المحاضرہ میں اور علامہ ابو العباس سیدی احمد بن احمد بن عمر بن محمد اقیت نے کتاب نیل الابتہاج بتطریز الدیباج میں (جو کتاب الدیباج المذہب فی معرفۃ اعیان علمار المذہب (المالکی) کا تکملہ ہے اور اسی کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے) اور علامہ عبدالوہاب شعرانی نے کتاب الطبقات الکبریٰ میں بیان فرمایا ہے، چونکہ تراجم اسمار رجال کا علم جماعت علمار کیساتھ مخصوص ہے اس لئے ان کتابوں کی اصل عبارت اس جگہ عربی میں بلا ترجمہ نقل کی جاتی ہے۔ اگر ناظرین اہل علم میں سے کسی کو مصنف کا تذکرہ کسی اور کتاب میں بھی مل جائے تو درخواست ہے کہ مترجم کو اس سے مطلع فرمائیں تاکہ اس کو بھی خاتمہ کتاب میں ملحق کر دیا جائے۔

قال الحافظ السیوطیؒ فی ذکر من کان بمصر من الصلحاء
والزھاد والصوفیۃ الامام ابومحمد بن ابی جمرۃ
المقریٔ المالکی العالم البارع الناسک قال ابن کثیر
کان قوالا بالحق امارا بالمعروف توفی بمصر فی ذی القعدۃ
سنۃ خمس وتسعین وستمأۃ (حسن المحاضرۃ ص۲۳۲ ج۱)
وقال العلامۃ ابوالعباس التنبکتی فی نیل الابتھاج عبداللہ
بن ابی جمرۃ ابومحمد الولی القدوۃ العارف باللہ
الزاھد الصالح الامام العلامۃ المقریٔ المشھور مؤلف
مختصر البخاری وشرحہ بھجۃ النفوس فی سفرین لہ
کرامات عدیدۃ رأیتھا مجموعۃ فی کراریس مع اخبارہ
عن الاکابر ارباب القلوب وناھیک من حالہ وکراماتہ
ما ذکر انہ قال یوما بحمد اللہ تعالیٰ انہ لم یعص اللہ
قط، اخذ عنہ صاحب المدخل ونقل عنہ کثیرا فی
کتابہ توفی نفعنا اللہ بہ سنۃ تسع وتسعین وستمأۃ
اھ ملخصاً (ص۱۴۰)
وقال القطب الربانی العلامۃ عبدالوھاب الشعرانی
فی الطبقات لہ ومنھم الشیخ عبداللہ بن ابی جمرۃ
الاندلسی المرسی رحمۃ اللہ" الامام القدوۃ الربانی
رضی اللہ عنہ قدم مصر ولہ زاویۃ بخط جامع المقسم
وکان ذا تمسک بآثار النبی صلی اللہ علیہ وسلم و
حالۃ وجمعیۃ علی العبادۃ وشھرۃ کبیرۃ بالاخلاص
والاستعداد للموت والفرار من الناس وانجماع عنھم
الا فی الجمع وابتلی بالانکار علیہ حین قال إنہ یری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقظۃً وبیناً فہم و قام علیہ بعض الناس فانقطع فی بیتہ الی ان مات سنۃ تسع وتسعین وستمأۃ صد ۱۴۲

ششم

کتاب بہجۃ النفوس کے مستند ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں اس کے مضامین جا بجا ذکر فرماتے ہیں اور صاحب مدخل نے جا بجا حضرت مصنف کے اقوال مدخل میں نقل فرمائے ہیں بلکہ کتاب مدخل کی تصنیف کا سبب بھی حضرت مصنف کا امر وارشاد ہی بتلایا ہے وھذا لفظہ

وبعد فانی کنت کثیرا ما اسمع سیدی الشیخ العمدۃ العالم العامل المحقق القدوۃ ابا محمد عبد اللہ بن ابی جمرۃ یقول وددت انہ لوکان من الفقہاء من لیس لہ شغل الا ان یعلم الناس مقاصدھم فی اعمالھم ویقعد الی التدریس فی اعمال النیات لیس الا، اوکلاما ھذا معناہ فانہ ما اتی علی کثیر من الناس الا من تضییع النیات فلما رأنی ذکرت لبعض ما کان یجری عندہ من بعض الفوائد فی ذلک لبعض الاخوات فطلب ان اجمع لہ شیئاً لکی یعرف تصرفہ فی نیتہ وعبادتہ وعلمہ وتسبیبہ الخ (ج ۱ ص ۲)

ھفتم

حضرت مصنف نے ایک مقدمہ تو متن مختصر البخاری کا تحریر فرمایا ہے دوسرا مقدمہ بہجۃ النفوس کا تحریر فرمایا ہے جو شرح ہے۔ ان دونوں مقدموں میں سے اول کا تو پورا ترجمہ کیا جائے گا اور دوسرے کا پورا ترجمہ نہیں کیا جائے گا بلکہ مختصر طور پر ضروری مضامین لے لئے جائیں گے جن کی

ضرورت عام ہے اور جو مضامین اہل علم کے لئے مخصوص ہیں اُن کو ترک کردیا جائے گا کہ وہ اصل کتاب سے خود معلوم کرسکتے ہیں ۔

ہشتم

اس وقت تک ہمارے پاس کتاب بہجۃ النفوس کی صرف دو جلدیں پہنچی ہیں جن میں سو حدیثوں کی شرح ہے، اور مقدمۂ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ متن مختصر البخاری میں تین سو احادیث کے قریب ہیں۔ اگر بقیہ شرح بھی دستیاب ہوگئی تو انشاء اللہ اس کے بھی حصۂ تصوف کا ترجمہ کردیا جائے گا، ورنہ جس قدر موجود ہے وہ بھی انشاء اللہ بہت کافی ہے ۔

وھا انا اشرع فی المقصود متوکلاً علی ربی انه رحیم ودود بیدہ ازمة التوفیق والخیر والجود" رب یسر ولا تعسر وتمم بالخیر

ترجمہ مقدمہ مختصر البخاری

الحمد للہ حق حمدہٗ ۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا
محمد الخیرۃ من خلقہ وعلی صحابتہ المختارین بصحبتہٖ وبعدُ

چونکہ حدیث نبوی اور اس کا حفظ اللہ تعالیٰ کی (رضا کی) طرف قریب تر وسیلہ ہے جیسا کہ ان کے آثار سے معلوم ہوتا ہے جو اس کے متعلق وارد ہیں، من جملہ ان کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص میری امت تک ایک حدیث پہنچا دے جس سے کسی سنت کو رواج دے یا بدعت کو رد کر دے اس کیلئے جنت ہے ۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ
• جو شخص میری امت (کو پہنچانے) کیلئے ایک حدیث یاد کرے
اس کے لئے اکہتر (۷۱) نبیوں صدیقوں کا ثواب ہے ۔

اس بارہ میں اور بھی بہت آثار ہیں اور میں نے دیکھا کہ باوجود کتب احادیث کی کثرت کے ہمتیں اُن کے حفظ سے بوجہ سندوں (کی طوالت) کے قاصر ہیں تو میں نے سوچا کہ کتب احادیث میں سے ایسی کتاب کو لوں جو سب سے زیادہ صحیح ہو اور اس میں سے حسب ضرورت کچھ حدیثیں منتخب کروں اور سندوں (کو حذف کر کے اس) کا اختصار کر دوں بجز (صحابی) راوی حدیث کے (نام کے) کہ اس سے تو چارہ ہی نہیں، اسطرح اس کا اختصار کرنا آسان ہوگا اور انشاء اللہ اس سے بہت فائدہ ہو گا، تو میرا ارادہ یہ ہوا کہ وہ کتاب (جس کا اختصار کیا جائے صحیح) بخاری ہو کیونکہ وہ (حدیث کی) سب کتابوں میں زیادہ صحیح ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ بڑے بزرگوں میں سے ہیں ۔

اور مستجاب الدعوت بھی تھے (انکی دُعا قبول ہوتی تھی) اور انہوں نے اس کتاب کے پڑھنے والے کیلئے دعا بھی کی ہے۔

مجھ سے ایک قاضی نے جو صاحب معرفت اور (طلب حدیث میں) صاحب رحلت (و سیاحت) تھے، اُن بزرگوں سے نقل کرتے ہوئے جن کی فضیلت (و بزرگی) مسلّم تھی بوقت ملاقات فرمایا کہ امام بخاری کی کتاب کسی مصیبت کے وقت پڑھی جائے تو مصیبت ضرور دفع ہو جاتی ہے اور کشتی میں ساتھ لیکر سوار ہوا جائے تو کبھی غرق نہیں ہوتی، پس میں نے برکت حدیث کیساتھ ان برکتوں کو بھی لینا چاہا کیونکہ اس وقت دلوں کو زنگ لگ گیا ہے کیا عجب ہے کہ اللہ کا فضل ہو جائے اور تاریکی تنگ دور ہو جائے "، اور شاید (نفسانی) خواہشوں کی مصیبتیں جو اوپر تلے دلوں پر چھائی ہوئی ہیں جاتی رہیں اور امید ہے کہ ان عظیم الشان حدیثوں کے محفوظ کر لینے سے (دلوں کی کشتیاں) بدعتوں اور گناہوں کے سمندروں میں غرق ہونے سے بچ جائیں گی، پس اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جب یہ منتخب حدیثیں پوری ہو گئیں تو (شمار میں) کچھ کم تین سو حدیثیں تھیں، جن میں سب سے اوّل یہ حدیث تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا کس طرح ہوئی اور سب سے آخر وہ حدیث تھی جس میں جنتیوں کے جنت میں جانے اور اللہ تعالیٰ کا اُن پر اپنی دائمی رضا کے ساتھ انعام فرمانے کا ذکر ہے، تو میں نے اس ترتیب کے موافق اس کا نام جمع النهاية في بدأ الخير والغاية رکھا (جو بعد میں مختصر البخاری کے نام سے مشہور ہوئی) اور میں نے ان حدیثوں کو عنوانات ابواب مقرر کر کے الگ الگ نہیں کیا۔ اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور اس کے پڑھنے والوں اور سننے والوں کو خیر کی ابتدا مع انتہا کے کامل طور سے عطا فرمائیں " بس اب ہم

۱۱

خداوندکریم مالک عرشِ عظیم سے سوال کرتے ہیں کہ اپنے فضل سے اِن حدیثوں کو ہمارے دلوں کیلئے جلا اور دین کی بیماریوں سے شفاء بنا دیں کہ اُن کے سوا (ہمارا مالک اور) پروردگار کوئی نہیں۔"

وصلی اللّٰہ علیٰ سیدنا محمد
خاتم النبیین والحمد للّٰہ رب العٰلمین

خلاصہ مقدمہ

بہجۃ النفوس

اما بعد ہم نے اپنی کتاب مسمی بہ جمع النہایۃ فی بدأ الخیر والغایۃ کے دیباچہ میں جو کچھ لکھا ہے اس میں اس طرف اشارہ تھا کہ اس کتاب کے فوائد بہت زیادہ ہیں اور اور اس کی خوبیاں عام ہیں، اور میں نے اس خیال سے کہ ایک خیر کے بعد دوسری خیر حاصل کروں ان فوائد کے بیان کرنے کا ارادہ بھی کیا تھا تاکہ وہ کتاب بمنزلہ اصل کے ہو اور یہ (شرح) بمنزلہ شاخ اور پھل کے ہو کیونکہ پھلوں سے پورا فائدہ اسی وقت ہوتا ہے جبکہ ان کو توڑ لیا جائے، اور تاکہ اس کتاب کے یاد کرنے والوں کو فائدہ کی بلکہ ان فوائد کی قدر معلوم ہو جو اس کے اندر موجود ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو ہر ہر فائدہ کیلئے جس پر ایک حدیث دلالت کرتی ہے الگ باب باندھا ہے اور اسی واسطے وہ ایک حدیث کو بعض دفعہ چند ابواب میں بار بار ذکر کرتے ہیں اور بعض دفعہ حدیث کے ٹکڑے کر کے ہر باب میں بقدر ضرورت ایک حصہ لاتے ہیں، میں نے یوں مناسب سمجھا کہ ان حدیثوں میں سے جو (مختصر ہیں) جمع کی گئی ہیں ہر حدیث کو ایک باب قرار دوں اور (واقعی) وہ باب ہی ہے اور بڑا باب ہے، جسکی کنجی ظاہر حدیث (اور اس کے الفاظ) ہیں اور جو ابواب (فقہیہ) اس سے نکلتے ہیں وہ سب راستے ہیں جو اسی دروازہ کے تابع ہیں، پھر میں نے حدیث کے (پورے) الفاظ کو تلاش کیا تاکہ

ان شیریں اور غایت درجہ شیریں الفاظ کی برکتوں سے وہ نور حاصل کروں جس سے دل کی جہالتوں کی پیاس بجھے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی لفظ کی زیادتی یا کمی کسی مفید معنی ہی کے واسطے ہوتی ہے، کیونکہ آپ خواہش (نفس) سے نہیں بولتے تھے۔ اسی لئے اکثر علماؔ نے فرمایا ہے کہ حدیث کو فار اور واو کے ساتھ نقل کرنا چاہئے (کہ جہاں واو ہو وہاں واو لایا جائے جہاں فار ہو وہاں فار ایک کی جگہ دوسرا حرف نہ لایا جائے گو معنی نہ بدلیں) جیسا کتاب عزیز (قرآن شریف) کو نقل کیا جاتا ہے، اور ایک جماعت نے علمار میں سے یہ بھی فرمایا ہے کہ حدیث کو بالمعنیٰ روایت کرنا بھی جائز ہے (کہ معنی محفوظ رہیں گو الفاظ بدل جائیں) لیکن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تو یہ حالت تھی کہ جب اُن کو کسی لفظ کے صیغہ میں کچھ شبہ ہو جاتا اگرچہ اس سے معنی پر کچھ بھی اثر نہ ہوتا اس کو بھی یہ کہہ کر ظاہر کر دیتے تھے کہ میرا گمان یوں ہے، میرا خیال یہ ہے، (کہ حضورؐ نے اس طرح فرمایا یا اسطرح) اور اس کا سبب بجز دو باتوں کے اور کچھ نہ تھا، ایک تو نقل کی سچائی، دوسرے اس خاص لفظ کی برکت کو محفوظ رکھنا (جو حضور کی زبان سے نکلا ہے) تاکہ وہ برکت فوت نہ ہو۔ اسی کی نظیر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حکایت ہے کہ انہوں نے حج کے راستہ میں ایک مقام پر اپنی اونٹنی کو چکر دیا کسی نے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا وجہ تو میں نہیں جانتا مگر میں نے (اس مقام پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے تو میں نے بھی ویسی کیا جو آپ نے کیا تھا، غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اور آپ کے جملہ افعال صحابہ کے نزدیک سراپا برکات و انوار تھے اور کیوں نہ ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کی ترغیب دی اور تنبیہ فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

قل اِن کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ــــ

"فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت فرمائے گا۔"

(اسمیں عموم کے ساتھ اتباع کا حکم ہے) اور عموم کیساتھ حکم اتباع کا مقتضی یہ ہے کہ ہر چھوٹی بڑی بات میں خواہ فعل ہو یا قول پورا اتباع کیا جائے اور حضرات صحابہ سے اس قسم کے واقعات بہت منقول ہیں جو تلاش کرنیوالے کو مل جائیں گے، یہی آئمہ دین سو وہ بھی حدیث نبوی کا بڑا احترام فرماتے تھے حتیٰ کہ وہ اُن کے نزدیک قرآن ہی کے مثل تھی اس کے الفاظ وحروف سے بھی (قرآن کی طرح) احکام کا استنباط فرماتے تھے اور کیسے احکام کا؟ جن سے دفتر بھرے ہوئے ہیں اور اسی پر اپنے مذاہب کی بنیادیں قائم فرماتے تھے، احترام حدیث کا تو یہ حال تھا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ (ایک دفعہ) خلیفہ (وقت) ان کے مکان پر حاضر ہوا تو آپنے گھر سے نکلنے میں دیر کی، جب باہر تشریف لائے تو خلیفہ نے عرض کیا اے مالک! تم ہمیشہ امراؤ (خلفاء) کو ذلیل ہی کرتے ہو، فرمایا نہیں بخدا، مگر (دیر کی وجہ یہ ہوئی کہ) میں نے آپ کی آواز سنی تو یہ سمجھا کہ آپکا میرے پاس آنا صرف اس لئے ہوا ہے کہ حدیث (نبوی) کیمتعلق مجھ سے کچھ پوچھنا ہے اور میں اس وقت بے وضو تھا مجھے گوارا نہ ہوا کہ حدیث (نبوی) کے متعلق بے وضو گفتگو کروں، اس لئے میں نے وضو کی اور فوراً باہر آگیا اس کے سوا مجھے کچھ نہیں (کہ دیر ہوئی یا سویر) نیز امام مالک سے یہ بھی منقول ہے کہ جب طلبہ اُن کو درس دینے کیلئے (گھر سے) بلاتے تو دریافت فرماتے کہ تم کیا پڑھنا چاہتے ہو، اگر وہ یہ کہتے کہ فقہ (پڑھنا) چاہتے ہیں تو اُسی حالت میں باہر آجاتے جس حالت میں اس وقت ہوتے اور اگر یہ اطلاع دی جاتی کہ حدیث (پڑھنا) چاہتے ہیں تو اچھی طرح وضو کرتے خوشبو لگاتے، عمدہ سے عمدہ لباس پہنتے، مشک واگر کی دھونی

لیتے پھر حدیث پڑھانے کیلئے بیٹھتے، اس قسم کے واقعات اُن سے بکثرت منقول ہیں اور چونکہ وہ حدیث نبوی کی (اس درجہ) تعظیم کرتے تھے اسی لئے اُن کا نام امیر المومنین فی الحدیث رکھا گیا۔ رہا حدیث کے الفاظ سے احکام کا استنباط کرنا اور اس کے فوائد کی تلاش میں رہنا تو اس کی مثال یہ ہے کہ امام مالک رح[ع] سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فاذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلا شفعۃ سے تین مسئلے مستنبط فرمائے ہیں (جن کو اہل علم اصل کتاب سے سمجھ سکتے ہیں) اور اس قسم کی مثالیں امام مالک سے اور ان کے سوا دوسرے ائمہ سے بکثرت منقول ہیں جو تلاش کرنیوالے کو مل سکتی ہیں غرض میرا دل ہمیشہ اس بات کا مشتاق رہا جس کو میں نے اوپر بیان کیا ہے کہ مختصر البخاری کی شرح کروں اور فوائد حدیث کو بیان کروں اور ایک خبر کو دوسری خبر کے ساتھ ملاؤں، اسی سوچ اور فکر میں دن گذرتے گئے یہاں تک کہ مجھ سے ایک شخص نے جو اصل (کتاب) کو پڑھ چکا تھا درخواست کی کہ ان معانی و مطالب کو ظاہر کردوں جو دل میں چھپے ہوئے ہیں، تو میں نے اسکی درخواست اس امید پر منظور کی کہ شاید اللہ تعالیٰ مجھے اور اسے اور جو اس کتاب کو بعد میں پڑھے اور تصدیق و رقت قلب سے پڑھے اس کے ذریعہ نفع دیں۔ (پس اب معلوم کرو کہ) یہ کتاب شریعت کے فرائض و سنن و مستحبات و آداب و احکام کے بہت سے موتیوں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، نیز اس میں علم

[ع] چونکہ مصنف رح مالکی ہے اس لئے امام مالک ہی کے استنباط کو مثال میں بیان فرمایا ورنہ تمام ائمہ مجتہدین کی یہی حالت ہے کہ حدیث نبوی کے لفظ لفظ سے مسائل کا استنباط فرماتے اور ان کے اشارات و دلالات سے احکام کا استخراج کرتے ہیں ۱۲ ظ

حقیقت پر حقیقت (و واقعیت) کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے، اور علم حقیقت و شریعت کو جمع کرنے کا طریقہ بھی بتلایا گیا ہے (کیونکہ جو حقیقت شریعت پر منطبق نہ ہو وہ زندقہ ہے) نیز ان طریق ناجیہ کو بھی بیان کیا گیا ہے جن کی طرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (اس ارشاد میں) اشارہ فرمایا ہے (کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے جن میں نجات پانے والا فرقہ وہ ہے جو اس راستہ پر چلے جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب) اور ان کے مخالف طریقوں پر بھی اشارہ کیا گیا اور ان سے ڈرایا گیا ہے، اور بعض دفعہ میں نے اُن مسائل پر جو ایک حدیث سے معلوم ہوئے آیاتِ (قرآنیہ) اور اس کے مناسب دوسری احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جو اسکی مؤید ہیں، جن میں سے بعض کی تو الفاظ سے ہی تائید ہوتی ہے اور بعض کی معانی سے، اور اس کے بعد کچھ حکایات بھی بیان کردی ہیں تاکہ (ناظرین کا) ذہن تیز ہو اور مقصود واضح ہو جائے۔ اور بعض دفعہ کسی کسی جگہ میں نے نفس کو غفلت پر (زجرو) توبیخ کرنے کی ہدایت کی ہے کہ شاید گمراہی سے باز آجائے۔ نیز میں نے اس کتاب میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ اور ان کے آداب اور حسن عبارت اور نقل کی احتیاط اور حسن خطاب پر بھی تنبیہ کی ہے اور اس سے جو آداب شرعیہ مستنبط ہوتے ہیں ان کو بھی بتلایا ہے جب کہ الفاظ حدیث میں ان امور سے تعرض ہو، کیونکہ ان امور میں سے کسی کو غفلت کیساتھ چھوڑ دینا مناسب نہیں اس لئے کہ یہی حضرات (اللہ کے) برگزیدہ اور مقرب بندے اور منتخب اور بلند درجے والے ہیں۔ علماء نے حق تعالیٰ کے ارشاد ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی (جو کوئی رسول کی مخالفت کرے بعد ازیں کہ ہدایت اس پر واضح ہو چکی اور مؤمنین کے راستہ کے سوا دوسرا راستہ اختیار کریگا ہم اس کو اسی حالت پر چھوڑ دیں گے جو اس نے اختیار

کی ہے اور جہنم میں جھونک دیں گے) کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ مؤمنین سے مراد حضرات صحابہ اور قرنِ اوّل (کے مسلمان) ہیں، دوسرے یہ کہ یہی وہ حضرات ہیں جن سے بلا واسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب بالمواجہہ ہوا ہے اور انہوں نے خوبصورتی کیساتھ سوال کر کے ان اشکالات سے تسلی حاصل کی جو ان کے دلوں میں واقع ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بہترین جواب دیا اور اچھی طرح حقیقت کو واضح فرما دیا، صحابہؓ نے اس کو سُنا اور سمجھا، اس پر عمل کیا اور اچھی طرح عمل کیا، محفوظ کیا اور ضبط کے ساتھ یاد رکھا پھر (دوسروں کے سامنے) نقل کیا اور سچائی کے ساتھ نقل کیا، پس اُن کے لئے بڑی فضیلت ہے کیونکہ انہی کے ذریعہ سے ہمارا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ سے پھر حق جل وعلا کے سلسلہ سے ملا ہیں اُن کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ اُن کے حق کے لحاظ سے بھی اور سبقت کی وجہ سے بھی، اللہ تعالیٰ اُن کو بہترین جزاءِ عطا فرمائے جو کسی محسن کو عطا کی گئی ہو اور ان کے الفاظ کیونکر چھوڑے جا سکتے ہیں حالانکہ ہم نے اُن کے حق واجب کا دسواں حصہ بھی بیان نہیں کیا، اور اگر کوئی ملحد (بددین) اُن پر اعتراض کرے اور اس نعمت کی ناشکری کرے جو اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کے ذریعہ سے ہم کو عطا فرمائی ہے تو اس کا منشا اس کا جہل اور سوءِ فہم اور قلت ایمان ہے (اور کچھ نہیں) کیونکہ اگر اُن پر بھی تنقیص کا کوئی شائبہ پہنچ سکتا ہے تو دین کا کوئی پایہ قائم نہیں رہ سکتا، وہی تو ہم تک (دین کے) پہنچانے والے ہیں اگر یہ مقدس ناقل بھی مجروح ہو گئی توع احادیث و آیات کا معاملہ

ع اس تقریر سے اُن لوگوں کو سبق لینا چاہیئے جو حدیث۔ انکار کرتے ہیں اور حضرات صحابہ اور محدثین کرام کی محنت و مشقت کا احسان نہیں مانتے ۱۲ ظ

خطرناک ہو جائے گا جس سے تمام مخلوق تباہ ہو جائیگی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ وعلیہ وسلم کے بعد اور وحی نہیں آسکتی (اب اگر اس وحی میں بھی شک و شبہ کو دخل ہو گیا تو مخلوق کا کہاں ٹھکانا رہے گا) حق تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں لانذرکم بہ و من بلغ (کہ اے رسول فرما دیجئے کہ یہ قرآن مجھ پر اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ تم کو بھی ڈراؤں اور ان لوگوں کو بھی جن کے پاس یہ پہنچ جائے) اور مبلغ (و ناقل) کا عادل (و معتبر) ہونا تبلیغ کی صحت کیلئے (پہلی) شرط ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم (میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں اُن میں سے جس کے بھی پیچھے ہو گے راستہ پالوگے) اور (ظاہر ہے) کہ ہر ستارہ میں چمک اور روشنی ضرور ہے (تو ہر صحابی کا صاحب نور ہونا لازم ہے) اللہ تعالیٰ ہم کو صحابہ کے ساتھ محبت رکھنے والوں اور اُن کے طریقہ پر چلنے والوں میں سے کرے (آمین) اور باایں ہمہ میں اپنے کو لغزشوں سے بری نہیں سمجھتا مگر میں نے اس (تصنیف کے) معاملہ میں اپنا پیشوا (اور رہنما) حضرت عبداللہ بن عباس کے ایک ارشاد کو بنایا ہے جب اُن سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا تو مہینہ بھر تک آپنے جواب نہ دیا لوگوں نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی! آپکے سوا اس مسئلہ کا جواب دینے والا ہمارے پاس کوئی نہیں، فرمایا اب جبکہ تم نے تقاضہ کیا ہے تو میں (جواب دینے کی) کوشش کروں گا اگر درست ہوا تو اللہ کی طرف سے فضل و رحمت سمجھو اور غلط ہوا تو میری اور شیطان کی طرف سے سمجھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو سچے ہیں (ہماری غلطی کو آپ کیطرف منسوب نہ کرو۔ پس میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور اُن کے اصحاب کو اپنے مقصود کے لئے اللہ کی طرف وسیلہ بنا لیا اور اس کتاب کا نام بھجۃ النفوس و تحلیھا بمعرفۃ مالھا وما علیھا تجویز کیا ہے اور میں اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں۔ وھو حسبی ونعم الوکیل

باب اوّل

حدیث بدأ الوحیٰ

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اولاً وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی کہ آپ سوتے ہوئے جو خواب بھی دیکھتے اس کا ظہور ایسا ہوتا جیسا صبح کی پو پھٹتی ہے پھر آپ کو خلوت سے محبت دی گئی، آپ غارِ حرا میں خلوت گزیں ہونے اور اس میں کئی کئی رات مسلسل عبادت کرتے اور اس زمانۂ خلوت کیلئے توشہ (کھانے پینے کا سامان) ساتھ لے آتے پھر سامان ختم ہو جاتا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس جاتے اور اتنے ہی دنوں کیلئے اور توشہ لے آتے یہاں تک کہ آپ کے پاس غار حرا ہی میں (پیغام) حق آ پہنچا فرشتہ آپ کے سامنے آیا اور اس نے کہا پڑھیئے، آپ نے فرمایا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، حضور فرماتے ہیں کہ (اس جواب پر) فرشتہ نے مجھے پکڑا اور (سینے سے لگا کر) زور سے دبایا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہونے لگی تو چھوڑ دیا اور پھر کہا پڑھیے میں نے (وہی جملہ اب بھی) کہا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ فرماتے ہیں کہ (اس جواب پر) مجھے پھر اس نے پکڑا اور دوبارہ زور سے دبایا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہونے لگی تو چھوڑ دیا اور پھر کہا پڑھیئے میں نے پھر وہی کہا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں تو اس نے اس دفعہ بھی پکڑا اور سہ بارہ زور سے دبایا پھر چھوڑ کر کہا

اقرا باسم ربك الذی خلق ○ خلق الانسان من علق

اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم)

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان آیتوں کو سیکر اس حالت میں

واپس ہوئے کہ آپ کا دل کانپ رہا تھا اور حضرت خدیجہ کے پاس پہنچ کر

فرمایا مجھے کمبل اڑھا دو، کمبل اڑھا دو، چنانچہ انہوں نے کمبل اوڑھا دیا

(اور آپ کمبل اوڑھ کر کچھ دیر لیٹے رہے) یہاں تک کہ گھبراہٹ دور ہوگئی

تو آپ نے حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ مجھے تو اپنی جان کا اندیشہ ہوگیا ہے

(کیونکہ وحی کا ثقل بہت ہوتا ہے حضور نے عمر بھر اس کو محسوس کیا ہے تو

پہلے دن جس قدر ثقل ہوا ہوگا اس کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟ حضور کو اس

ثقل ہی کی وجہ سے اپنی جان کا خطرہ ہوا) حضرت خدیجہ نے عرض کیا

ہرگز نہیں خدا کی قسم! وہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی

کرتے، اپاہجوں کا بوجھ اٹھاتے، ناداروں کو کمانے (کھانے) کے قابل بناتے

مہمان کی میزبانی کرتے اور قابل امداد حادثات میں مدد فرماتے ہیں، اس

کے بعد حضرت خدیجہ آپ کو ساتھ لیکر ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ

کے پاس گئیں جو حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی تھے اور زمانہ جاہلیت

میں نصرانی بن گئے تھے، عبرانی زبان میں لکھنے پر قادر تھے چنانچہ انجیل کا

جتنا حصہ مقدر ہوتا عبرانی میں لکھ لیتے تھے، اس وقت وہ بہت بوڑھے

اور نابینا ہوگئے تھے، حضرت خدیجہ نے کہا اے ابن عم! ذرا اپنے بھتیجے

کا قصہ تو سنو! ورقہ نے حضور سے کہا میرے بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو، تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا ان سے بیان کر دیا جس پر

ورقہ نے کہا یہ تو وہی معزز فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام

کے پاس بھیجا تھا۔ کاش! میں اس وقت جوان ہوتا (جب کہ آپ کو تبلیغ

کا حکم دیا جائے گا۔) کاش میں اس وقت تک زندہ ہی رہتا جب آپ

کو آپ کی قوم (مکہ سے) نکال دیگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(تعجب سے) فرمایا! کیا یہ لوگ مجھے نکالنے والے ہیں ؟ (حالانکہ اس وقت تک وہ میرا بڑا احترام کرتے اور صادق امین کے نام سے پکارتے ہیں) ورقہ نے کہا ہاں، (آج تک) کوئی بھی اپنی قوم کے پاس یہ چیز نہیں لایا جو آپ لائے ہیں مگر اس کے ساتھ دشمنی ضرور کی گئی اور اگر میں نے وہ دن پایا جو آپ کو پیش آنے والا ہے تو آپ کی پوری مدد کروں گا۔ مگر ورقہ کو اس کے بعد زیادہ دن نہ گذرے کہ وفات پا گئے، اور (کچھ دنوں کے لئے) وحی رک گئی (تاکہ آپ کو اس کا اشتیاق بڑھے)۔

ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فترت وحی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دن میں چلا جا رہا تھا اچانک آسمان کیطرف سے میں نے ایک آواز سنی، اوپر کو آنکھ اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، مجھے (یہ منظر دیکھ کر) ڈر لگا تو (گھر کو) واپس ہوا اور حضرت خدیجہ سے کہا مجھے گرم کپڑا اوڑھا دو، کمبل اوڑھا دو۔ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں

یا ایھا المدثر قم فانذر وربك فکبر وثیابك فطھر والرجز فاھجر ولا تمنن تستکثر ولربك فاصبر

اس کے بعد وحی کا دریا جوش میں آگیا اور پے در پے آنے لگی۔

شرح

یہ حدیث فوائد کثیرہ پر مشتمل ہے جن میں احکام بھی ہیں، آداب بھی اور قواعد ایمان میں سے بہت سے قواعد اور سلوک و ترقی کے مقامات کی معرفت بھی، اور ان مطالب و معانی ہی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث حضرت عائشہ سے بیان فرمائی تاکہ وہ دوسروں تک اسے پہنچا دیں اور اُن کو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی کا طریقہ

معلوم ہو، اور ان فوائد کی وجہ سے حضرت عائشہؓ نے اس حدیث کو بیان فرمایا اور لوگوں نے اُن سے روایت کی، اور ہم انشاء اللہ حسب توفیق الٰہی ان میں سے کسی قدر پر تنبیہ واشارہ کریں گے۔

۱- **ہدایت امر وہبی ہے کسبی نہیں** حدیث کا یہ لفظ کہ "پھر آپ کو خلوت کی محبت دی گئی (اس بناء پر کہ یہ صیغہ اس پر دال ہے کہ یہ محبت کسی دینے والے نے دی، خود نہیں ہوگئی) اس بات کی دلیل ہے کہ ہدایت محض اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کسی انسان وغیرہ کا اس میں دخل نہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت میں ابتداء ہی سے یہ بھلائی رکھدی تھی، آپ کے ساتھ کوئی ترغیب دینے والا نہ تھا۔

خلوت کی حقیقت خلوت کے معنی ہیں کہ انسان اکیلا ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی چیز کی محبت دی گئی جو آپ کی شریعت میں عبادت کی جڑ اور عبادت کا اعلیٰ فرد ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلوت بڑی عبادت ہے، غرض خلوت خود ایک عبادت ہے اور اگر اس کے ساتھ کوئی اور طاعت بھی مل جائے (مثلاً ذکر وفکر وغیرہ) تو وہ نعبد ہے اور نور علی نور ہے"۔

(الوجہ الثالث قولہا ثم حبب الیہ الخلاء الی قولہ فہو نور علی نور)

ف ہدایت کی دو قسمیں ہیں ایک راستہ معلوم کرنا دوسرے راستہ پر پڑ جانا پہلی قسم اختیاری ہے جو انسان کو اسباب دلائل میں غور کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور دوسری وہبی ہے۔ حضرت مصنف نے اسی دوسری قسم کے متعلق فرمایا ہے کہ کسی انسان کو اس میں دخل نہیں مگر عادت الٰہی یہ ہے کہ جو شخص صدق طلب اور کوشش کے ساتھ راستہ معلوم کر لیتا ہے اس کو راستہ پر چلنے کی بھی توفیق ہو جاتی ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا اور عالم اسباب میں جملہ اسباب کی یہی حالت ہے کہ اسباب پر تو انسان کو کچھ اختیار حاصل ہے مگر مسببات پر

اختیار حاصل نہیں وہ محض وہبی ہے جیسے زراعت کرنا انسان کے اختیار میں ہے مگر بیج کا بارآور ہونا اس کے اختیار میں نہیں مگر عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ جو زراعت باقاعدہ کرتا ہے اس کو ثمرہ مل ہی جاتا ہے۔

ف حضرت مصنف کا یہ ارشاد کہ خلوت خود عبادت ہے اور اگر اس کے ساتھ کوئی اور طاعت بھی مل جائے تو نور علی نور ہے، یہ وہ بات ہے جو حضرت حکیم الامت نے بارہا بیان فرمائی ہے کہ اگر کسی سے کچھ بھی کام نہ ہو سکے تو کم از کم ایک وقت روزانہ ایسا مقرر کرے جس میں سب سے الگ ہو کر خاموش بیٹھا رہا کرے انشاء اللہ یہ بھی اسکو راستہ پر لگا دے گا۔"

۲۔ تبتل کلی خلاف سنت ہے

حضرت عائشہؓ کا ارشاد کہ، پھر حضرت خدیجہ کے پاس واپس جاتے اور اتنے ہی دنوں کیلئے توشہ لے آتے، اس بات کی دلیل ہے کہ (مخلوق سے) بالکل الگ ہو جانا اور (بیوی بچوں سے) ہمیشہ کے لئے بے تعلق ہو جانا سنت نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار (حرا) میں اس طرح گوشہ نشینی اختیار نہیں کی کہ گھر والوں کو بالکل ہی چھوڑ دیا ہو بلکہ آپ صرف چند دنوں کے لئے عبادت کرنے وہاں جاتے پھر گھر والوں کی ضروریات کیلئے واپس آجاتے پھر (کچھ دنوں) کے لئے وہاں تشریف لے جاتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیث میں تبتل (و انقطاع کلی) سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

لا رھبانیۃ فی الاسلام

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے

(کہ نکاح ہی نہ کیا جائے اور مخلوق سے بالکل الگ تھلگ رہا جائے) اور یہ ممانعت ان لوگوں سے متعلق ہے جو رہبانیت کو سنت (اور ثواب) سمجھ کر اختیار کریں اور جو شخص اس لئے بے نکاح رہے کہ اس کو نکاح

قدرت ہی نہیں یا تو اس وجہ سے کہ اس کے پاس (نان و نفقہ) کی گنجائش نہیں یا اس وجہ سے کہ نکاح اس کو موافق نہیں وہ اس ممانعت کے تحت میں داخل نہیں، (الوجہ الثامن من قولہ فیہ دلیل علی ان المتبتل الکلی والانقطاع الی اللہ اثم الی قولہ فلا یدخل تحت ھذا النھی)

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو بیوی بچوں کے تعلق کو تصوف کے خلاف سمجھتے اور اُن سے بے تعلقی کو خلوت اور یکسوئی کیلئے شرط سمجھتے ہیں ۱۲

۳- حقوق واجبہ ادا کرنے کے بعد ہی خلوت ہو سکتی ہے

یہ ارشاد اس کی بھی دلیل ہے کہ عبادت حقوق واجبہ کو پوری طرح ادا کرنے کے بعد ہی ہو سکتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کے پاس اُن کے حقوق ادا کرنے ہی کو (خلوت سے) واپس آتے تھے اسی طرح دوسرے حقوق واجبہ کا ادا کرنا اور پوری طرح ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ اس کے بعد مستحبات میں مشغول ہونا چاہیے (الوجہ التاسع فیہ دلیل علی ان العبادۃ لا تکون الا بعد اعطاء الحقوق الی قولہ وحینئذ یرجع الی مندوبات)

ف خلاصہ یہ کہ حقوق واجبہ کو تلف کر کے خلوت و عبادت کرنا حقیقت میں عبادت نہیں بلکہ ہلاکت ہے گو ظاہر بیں اس کو عبادت سمجھتے ہوں ۱۲۔

۴- طریق تربیت دوسرے طریقوں سے افضل ہے

اس ارشاد میں اسکی دلیل بھی ہے کہ مرید کے لئے (طریق) تربیت (کہ تدریجاً ترقی کرے) دوسرے طریقوں سے افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اول (سچے) خواب سے ہوئی پھر ترقی فرماتے گئے یہاں تک کہ درجۂ کمال کو پہنچ گئے اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر ہیں پس اگر تربیت کے سوا کوئی دوسرا طریقہ افضل ہوتا تو آپ اس کے زیادہ مستحق تھے۔

(الوجہ الثانی عشر فیہ دلیل علی ان التربیۃ للمریدین افضل من غیرھا الی قولہ لکان اولی بہ من غیرہ)

ف اس سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو شیخ کی ایک نظر میں صاحب نسبت ہونے کے متمنی ہیں اُن کو سمجھ لینا چاہیئے کہ کامیابی کا یہ طریقہ افضل نہیں بلکہ افضل یہی ہے کہ تربیت کے طریقہ سے کامیابی حاصل ہو (وھذا ھو ذوق مشائخنا الاسیما حکیم الامت منھم)

۵۔ مبتدی کیلئے خلوت ہی مناسب ہے

اس ارشاد میں اس کی بھی دلیل ہے کہ مبتدی کے لئے خلوت اور گوشہ نشینی ہی بہتر ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا ء امر میں اکیلے ہی رہتے تھے اور جب اس انتہا پر پہنچ گئے جو آپ کے لئے مقدر تھی پھر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ گھر والوں کے درمیان رہ کر ہی عبادت کرتے تھے۔ اب آپ کی یہ حالت ہو گئی کہ سجدہ کے وقت گھر والوں کا پیر دبا دیتے تاکہ وہ اپنا پیر سمیٹ لیں (اور سجدہ کے لئے جگہ ہو جائے) اور ابتدا میں آپ نے اس پر قناعت نہیں فرمائی کہ گھر میں رہ کر گھر والوں سے یکسو رہیں بلکہ غار کی طرف تشریف لے جاتے تھے جیسا اوپر گذرا۔

(الوجہ الثالث عشر فیہ دلیل علی ان الاولی باھل البدایۃ الخلوۃ والاعتزال الی قولہ حتی خرج الی الغار)

ف خلاصہ یہ کہ خلوت در انجمن مبتدی کے لئے مناسب نہیں بلکہ اس کو خلوت کاملہ کی ضرورت ہے۔ خلوت در انجمن منتہی کا درجہ ہے اس کو اہل وعیال اور احباب کی صحبت توجہ الی اللہ سے مانع نہیں ہوتی، مگر منتہی کو بھی دن رات میں ایک وقت خلوت کاملہ کیلئے مقرر کرنا چاہیئے۔

(لقوله تعالیٰ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد بلوغہ درجۃ الکمال واذکر اسم ربك وتبتل الیہ تبتیلا بعد قولہ ان لك فی النہار سبحا طویلا)

۶۔ خلوت کمال عبادت اور صلاح دین میں معین ہے

اس حدیث میں اسکی بھی دلیل ہے کہ خلوت سے انسان کو کمال عبادت اور دین کی درستی میں مدد ملتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں سے الگ ہوکر گوشہ نشین ہو گئے اور خلوت میں رہنے لگے اسی وقت آپ کو یہ خیر عظیم (یعنی نبوت) حاصل ہوئی پس جو شخص بھی آپ کے موافق عمل کریگا اس کو خیر حاصل ہوگی اور مقاماتِ ولایت میں سے اللہ تعالیٰ نے جو درجہ بھی اس کے لئے مقدر فرمایا ہے اس پر پہنچ جائے گا۔ (الوجہ الرابع عشر فیہ دلیل علی ان الخلوۃ اعون للانسان علی تعبدہ الی قولہ بحسب ما قسم اللہ من مقامات الولایۃ

۷۔ خلوت کیلئے توشہ ساتھ لیجانا سنت ہے

حدیث میں اس کی بھی دلیل ہے کہ جائے اعتکاف یا خلوت گاہ یا مقام مراقبہ میں داخل ہونے وقت توشہ ساتھ لینے کی کوشش کرنا چاہئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلوت کی عبادت کیلئے کھانے پینے کا اتنا سامان لیجایا کرتے تھے جس سے مدت قیام میں زندگی کا سہارا ہو، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ توشہ ساتھ لیکر جانے میں صفت عبدیت اور اپنی احتیاج وضعف کا اظہار ہے، کیونکہ انسان کو ان امور کی طاقت بجز اللہ سبحانہ کی اعانت کے کبھی حاصل نہیں ہوسکتی اور بدون توشہ کے جانے میں ایک گونہ دعویٰ کی شان ہے اگرچہ زبان سے کچھ نہ کہا جائے اور نہ دل سے نیت کی جائے تو ایسا کرنیوالے پر اندیشہ ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ اس کو اسی کی ذات کے حوالہ نہ کردیں پھر وہ اپنا ارادہ

پورا کرنے سے عاجز ہو جائے جو اس راستہ میں اس نے کیا تھا، اسی لئے بعض حضرات صوفیہ شدت اتباع سنت کی وجہ سے اپنی خلوت گاہ میں داخل ہونے کے وقت ایک روٹی ساتھ لے لیتے تھے۔ اور اس کو اپنے تکیہ کے نیچے رکھ دیتے اور کئی کئی دن تک مسلسل روزہ رکھتے اور روٹی میں سے کچھ نہ کھاتے، کسی مرید نے ان کی یہ حالت دیکھ لی تو اس نے تکیہ کے نیچے سے روٹی نکال لی، ایک دن شیخ نے روٹی کو تلاش کیا اور (تکیہ کے نیچے) نہ پایا تو مریدوں پر بہت جھلائے اور ان کی اس حرکت پر بہت ناراض ہوئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ جب آپ کو اس کی ضرورت نہیں (اور بدوں کچھ کھائے پئے مسلسل روزے رکھ لیتے ہیں) تو اس روٹی کو یہاں کس لئے رکھتے ہیں؟ فرمایا کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ قوت جو میرے اندر دیکھتے ہو میری ذاتی قوت ہے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے۔ اب بتلاؤ اگر میں (اپنی اصلی حالت کو بھول جاؤں (اور) حالت بشریت ہی کی طرف لوٹا دیا جاؤں تو (اس وقت) میں کیا کروں گا؟ (کیا اس وقت بھی بدون کھائے پئے روزہ رکھ لوں گا ہرگز نہیں) غرض وہ (بزرگ) اپنے ضعف کی حالت کا اور عادتاً جتنی قدرت انسان کو دی گئی ہے اس کا لحاظ کر کے کام کرتے اور اس کے سوا جو کچھ (ظاہر) ہوتا اس کو اپنے اوپر اللہ کا فضل (واحسان) سمجھتے تھے، اور ان سب حالات میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے تھے جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے نیز اس میں ایک اور بھی حکمت ہے وہ یہ کہ توشہ ساتھ لے کر جانے میں (پریشانی) کا سدباب ہے کیونکہ جب توشہ آپ کے سامنے ہوگا تو نفس کو کوئی انتظار اور تعلق (باقی) نہ رہیگا حدیث میں آیا ہے کہ جب انسان کے پاس قوت ہوتی ہے تو اس کو اطمینان نصیب ہو جاتا ہے، یہ حکم اس وقت ہے جبکہ حلال طریقہ سے روزی مل سکے ورنہ اللہ روزی دینے والا ہے اور بڑی قدرت والا ہے (وہ غیب سے روزی دیں گے اور

اس صورت میں توشہ لینے کی ضرورت نہیں) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب قاعدہ کے موافق روزی نہ ملتی تو اپنے پیٹ پر بھوک کی وجہ سے تین تین پتھر باندھ لیتے تھے اور توشہ کا سامان کرنے کی اصلاً کوشش نہ فرماتے بلکہ اس کا خیال بھی نہ فرماتے ؛ (الوجہ الخامس عشر فی دلیل علی التسبب فی الزاد الیٰ قولہ ولا ینظر الیہ)

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو ترکِ اسباب کو شرطِ تصوف سمجھتے اور مشغولئ اسباب کو مانعِ طریق سمجھتے ہیں ۱۲

۸۔ اپنے گھر والوں کو جائے خلوت سے مطلع کر دینا چاہیئے حدیث میں اس کی بھی دلیل ہے کہ انسان جب عبادت کے لئے باہر جائے تو اپنے گھر والوں کو اور متعلقین کو اس جگہ کی اطلاع کر دے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غارِ (حرا) کی طرف جاتے تو آپکے گھر والوں کو جگہ کی بھی خبر ہوتی تھی اور اس بات کی بھی کہ آپ کس لئے وہاں جا رہے ہیں اور اسمیں چند حکمتیں ہیں (ایک) یہ کہ اس کو اور اس کے گھر والوں کو کسی بیماری یا حادثہ وغیرہ کا پیش آجانا ہر وقت ممکن ہے تو اگر گھر والوں کو اس کی جگہ معلوم ہوگی تو ایسے عوارض پیش آنے کے وقت اُن کو اس کے پاس جانے میں سہولت ہوگی (دوم) یہ کہ گھر والوں کو اپنی جگہ (اور اپنا ارادہ) بتلانے سے اُن کو خوشی پہنچے گی اور پریشانی دور ہو گی ورنہ وہ مختلف مقامات کی طرف خیال دوڑائیں گے جہاں اس کا جانا ممکن (ومحتمل) ہے تو اُن کو خبر کر دینے میں اس پریشانی کا ازالہ ہو جائیگا اور خوشی اس واسطے ہوگی کہ اُن کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ عبادت کے لئے سب سے الگ رہنا چاہتے اور عبادت میں مشغول ہونا چاہتے ہیں (کسی دشمن وغیرہ کے خوف سے جنگلوں میں نہیں چھپتے) اور مسلمان کو (خصوصاً گھر والوں کو) خوش کرنے میں جس قدر ثواب اجر ہے معلوم ہے (سوم) یہ کہ اسمیں اپنے گھر والوں

اور دوستوں کو بھی خلوت و عبادت کی دعوت (اور ترغیب) ہے اگرچہ (صراحت کیا تھا) اُن سے کچھ نہ کہا جائے کیونکہ جو کام بار بار کسی کے سامنے کیا جاتا ہے تو عام عادت یہ ہے کہ اس کے دل کو بھی حرکت ہوتی (اور اس کا شوق اور رغبت پیدا) ہوتی ہے (چہارم) یہ کہ جب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ عبادت کے واسطے گوشہ نشین ہے اور اسی میں لگا ہوا ہے تو جو کوئی اس سے تعلق رکھنا چاہے گا اسی قاعدہ کے موافق تعلق رکھے گا اور اس کے کام میں خلل انداز نہ ہوگا اور جو کوئی اس طریقہ پر نہ رہنا چاہے گا وہ اس سے تعلق ہی نہ رکھے گا تو یہ اس سے بچا رہے گا اور اس کے اختلاط اور صحبت سے جو تشویش لاحق ہوتی وہ بھی نہ ہوگی (الوجه السادس عشر فيه دليل على ان المرأ اذا خرج لتعبد ه ان يعلم اهله الى قوله وزال عنه ما يلحقه من التشويش فى مخالطته)

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو ذکر وشغل میں مشغول ہو کر اپنے گھر والوں کو پریشان کرتے ہیں اور ان کی راحت کا سامان نہیں کرتے اُن کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ایسا تصوف جوگیوں کا تصوف ہے۔ شریعت اسلامیہ اور سنت محمدیہ کے ہرگز موافق نہیں۔

۹۔ اسباب معاش میں تھوڑی سی مشغولی قاطع عبادت نہیں

حدیث میں اسکی بھی دلیل ہے کہ ضروریات (بشریہ) میں تھوڑی سی مشغولی عبادت کیلئے قاطع (اور مضر) نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت روز تک مسلسل عبادت کرنے کیلئے باہر تشریف لیجاتے اور واپسی کے متعلق یہ نہیں بیان کیا کہ بہت دنوں کیلئے واپس ہوئے تھے (۱۰) جس سے معلوم ہوا کہ واپسی تھوڑی مدت کیلئے ہوتی تھی اور قلیل کثیر کے تابع ہوتا ہے، پھر آپ کا عبادت کیلئے دوبارہ لوٹ جانا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اس ضرورت میں مشغول رہتے ہوئے بھی جس کی وجہ سے گھر تشریف لائے تھے آپکا دل عبادت ہی میں اٹکا رہتا تھا۔

تو آپ ہمیشہ عبادت ہی میں رہتے تھے، جیسے معتکف حاجت بشریہ کیلئے نکلنا اور کھانا خریدنے جاتا ہے مگر اعتکاف کی حرمت (وعزت) اس کے ساتھ قائم رہتی ہے اور یہی کہا جاتا ہے کہ وہ (مسجد سے باہر جانے کے وقت بھی) معتکف اور (اللہ کی طرف) متوجہ ہے اگرچہ اس وقت وہ دوسرے کاموں میں مشغول ہوا ہے جن کا ابھی ذکر ہوا۔

ہمارے اس قول کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) عرش کے سایہ میں پناہ دیں گے جبکہ سایہ عرش کے سوا اور کسی جگہ سایہ نہ ہوگا، منجملہ اُن کے ایک وہ شخص ہے جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے، تو (دیکھو) اس شخص کو (ضرورت کے وقت) مسجد سے باہر جانا مضر نہیں ہوا کیونکہ دل اسی سے اٹکا ہوا تھا اور اس کو کتنی بڑی خبر (اور کیسا درجہ اور کیسی عزت) دی گئی اسی وجہ سے اہل تصوف ہر حال میں اپنے دلوں کو حضور (دائم) اور داد کے ساتھ آباد رکھنے کی کوشش کرتے ہیں خواہ کسی مباح کام میں مشغول ہوں یا خلوت میں (بیٹھے) ہوں، پھر چونکہ اُن کا باطن صاف ہوگیا ہے تو اُن کا نام بھی صوفیہ (یا صوفی) ہوگیا جو کہ صفا سے مشتق ہے (الوجہ السابع عشر فیہ دلیل علی ان الشغل الیسیر الضروری لا یکون قاطعا للعبادۃ الی قولہ وھو مشتق من الصفاء)

۱۰۔ حدیث کا یہ لفظ کہ فرشتہ نے مجھے پکڑا اور زور سے دبایا، اس بات کی دلیل ہے کہ کسی کو (سینہ) سے لگا کر دبانا اس کے باطن میں ایک نورانی قوت پیدا کر دیتا ہے جو تمام بدن میں پھیل جاتی ہے اور جو چیز القاء کی جائے اس کے تحمل میں معین ہوتی ہے (جبکہ دبانے والا صاحب نور اور صاحب قوت روحانیہ ہو) کیونکہ جس وقت جبریل علیہ السلام کا بدن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے مل گیا تو آپ کے اندر اس کے اثر سے

یہی بات پیدا ہوگئی کہ آپ نے اس (وحی) کا تحمل کیا جو آپ پر القار کی گئی اور
فرشتہ کی باتیں سننے کے لئے (استقلال کے ساتھ) کھڑے رہے اور اس دولت
کو آپ کے وارثوں میں سے اہل تصوف نے پالیا ہے جو (حضور کے) متبع اور
محقق ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ سے منقول ہے کہ اُن کے پاس کچھ لوگ
اعتراض کی غرض سے آئے تو انہوں نے جواب دینے سے انکار کیا .... اور
اس وقت اُن کے پاس ایک عام آدمی بکریاں چرانے والا موجود تھا شیخ
نے اس کو بلا کر سینہ سے لگایا پھر کہا تم ان لوگوں کے سوالات کا جواب
دے دو، چنانچہ اس شخص نے جواب دیا اور بلیغ جواب دیا لوگوں نے پھر اس
کے سامنے کچھ سوالات پیش کئے وہ ان کا جواب بھی تفصیل اور منع اور اعجاز
کے ساتھ دیتا رہا یہاں تک کہ تمام علمار کو جو اس وقت موجود تھے گفتگو میں بند
کر دیا۔ شیخ نے اس کو پھر بلایا اور سینہ سے لگالیا تو جیسا پہلے جاہل تھا ویسا
ہی ہو گیا کہ کسی بات کا بھی علم نہ رہا، وہ کہنے لگا اے حضرت! اہل اللہ تو جب
کوئی چیز دیدیا کرتے ہیں اس کو واپس نہیں لیا کرتے فرمایا ہاں بات تو
یہی ہے مگر تجھ کو اس طریق سے کچھ مناسبت نہیں (یعنی تجھ کو یہ دولت تیری
طلب پر نہیں دی گئی تھی بلکہ علمار کی تنبیہ کے لئے بلا طلب دی گئی تھی
اس لئے ضرورت رفع ہو جانے کے بعد واپس لے لی گئی) پھر اس کو (اس کے
درجہ کے مناسب) خیر کی بشارت دی اور جو فرمایا تھا وہی ہوا تو جب ایک
انسان کے دوسرے انسان کو گلے لگانے میں یہ اثر ہوا حالانکہ وہ (حضور کا) وارث
تھا تو جس وقت خود مورث اعلیٰ (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کا بدن
روح الامین کے بدن سے ملا ہو گا۔ کیسا کچھ اثر ہوا ہو گا (اس کو خود ہی سمجھ لو)
(الوجہ الثلاثون) وفیہ دلیل علی ان اتصال جرم الغاط بالمغطالی
قولہ بجسد الروح الامین۔

ف قلت وھذا ھو الحق فی حکمۃ غط جبرئیل للنبی صلی اللہ۔

علیہ وسلم وضمہ الیہ واما ما قیل من انہ علیہ السلام ضمہ الیہ تادیبا لہ وان شدۃ الغطات مبالغۃ فی التادیب فدعوی مجردۃ لا دلیل علیہا فی لفظ الحدیث لاحتمال ان یکون الضم لان یحدث فی باطنہ صلی اللہ علیہ وسلم قوۃ نوریۃ منتعشۃ تکون عونا علی حمل ما یلقی الیہ وشدۃ الغطۃ تدریجاً لحمل الثقل لان کلام اللہ تعالیٰ حین نزولہ ثقیل یشہد لذلک قولہ عزوجل انا سنلقی الیک قولاً ثقیلا واذا کان الفعل محتملا لوجہین یجب حملہ علی الوجہ الذی یلیق بشان الرسول علیہ صلوٰۃ اللہ وسلامہ ما ہبت الدبور والقبول ومن این لنا ان نقول ان جبرئیل کان معلما ومؤدبا لہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یدل علی ذلک دلیل والذی ثبت بالآیات والآثار انما ہو کونہ رسولا وسفیرا محضا وان اللہ تعالیٰ کان ہو معلما لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومؤدبا لہ کما ورد فی الحدیث علمنی ربی فاحسن تادیبی والعجب من الشارح انہ مع علمہ بان حکمۃ الغط انما ہو احداث قوۃ نوریۃ فی باطنہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف اتبع غیرہ من الشراح فی حملہ ذلک علی التادیب فی الوجہ الخامس والعشرین من فوائد ہذا الحدیث وقد کنت ترجمت ہذین الوجہین اولا ثم ضربت علیہما ولم ارض بان یقف علی ذلک العوام فیتوحشوا منہ وقد امرنا بان نکلم الناس علی قدر عقولہم وفہمہم واللہ یتولی ہداک ۱۲ ظ

۱۱۔ مجاہدۂ نفس کے بعد ہی کامیابی حاصل ہوتی ہے

حدیث میں صوفیہ کے اس قول کی دلیل ہے کہ تحلیہ (بالحاء المہملہ) عہ تخلیہ (بالخاء المعجمہ) عہ کے بعد ہی ہوا کرتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً تخلیہ (اور مجاہدہ) اختیار فرمایا۔

عہ یعنی کامیابی اور وصول الی اللہ ۱۲

عہ مجاہدۂ نفس ۱۲

یہاں تک کہ آپ کی کوشش اور طاقت ختم ہوگئی، پھر چونکہ آپ کا تخلیہ دوسروں کے تخلیہ سے افضل واشرف تھا اور انسان اس درجہ کے مناسب تخلیہ سے عاجز ہے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو اپنے (سینہ سے) چمٹا کر دبایا یہاں تک کہ آپ کو اس تخلیہ کے لائق تخلیہ حاصل ہوگیا (جو آپ کو عطا ہونے والا تھا) اسی واسطے آپ فرماتے ہیں حتی بلغ منی الجهد (کہ فرشتہ نے مجھ کو اتنا دبایا کہ مجھے تکلیف ہونے لگی) غرض جبریل کا آپ کو دبانا تخلیہ (کی تکمیل) ہی (کیلئے) تھا یہاں تک کہ آپ مجاہدۂ نفس کے انتہائی مقام پر پہنچ گئے اور وحی کا آپ کی طرف القاء ہونا یہ تخلیہ تھا (اور چونکہ آپ کی وحی دوسروں کی وحی سے افضل ہے جس کی دلیل قرآن کا اعجاز اور قیامت تک اس کا محفوظ رہنا ہے تو آپ کا تخلیہ دوسروں کے تخلیہ سے افضل واکمل و اشرف ہے ۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے کہ جو شخص طریق (باطن) میں تربیت اور تدریج کے ساتھ داخل ہوا ہو وہ اس شخص سے افضل ہے جو دوسرے طریقوں سے داخل ہوا کیونکہ یہ سب معاملات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے تربیت اور تدریج ہی کے طور پر تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف اسی وقت ترقی فرماتے تھے جبکہ پہلے مقام کے ادب کو مستحکم فرما لیتے اور اس کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیتے اور جن فوائد پر وہ مشتمل ہے اس سے بخوبی واقف ہو جاتے اور یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ میں لوگوں کو اسی شخص سے زیادہ نفع پہنچا ہے جس نے تربیت کے طریقہ پر کمال حاصل کیا اور جو شخص اس طریقہ کے سوا کسی اور طریق سے چلا ہو اس سے بہت کم لوگوں کو فائدہ ہوا (الوجه الثانی والثلاثون فيه دليل لاهل الصوفة حيث يقولون ان التحلى لا يكون الا بعد التخلى الى قوله وقل من ينتفع على من يكون دخوله بغير ذلك)

ف تخلیہ اور تحلیہ تصوف کے اصطلاحی الفاظ ہیں تخلیہ مجاہدۂ

نفس کو کہتے ہیں اور تحلیہ مشاہدہ اور حصول مقامات کو، پھر طریق باطن میں داخل ہونے والوں کی تین قسمیں ہیں بعضے اولاً مجاہدہ کرتے ہیں پھر مشاہدہ سے کامیاب ہوتے ہیں یہ طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت سے مشابہ ہے اور چشتیہ کا طریقہ یہی ہے بعض لوگ اولاً مشاہدہ میں مشغول ہوتے ہیں پھر مجاہدہ کرتے ہیں یہ طریقہ نقشبندیہ کا ہے اور بعضے تخلیہ و تحلیہ ساتھ ساتھ کرتے ہیں اور آجکل کے محققین طریق کار کا دستور العمل یہی ہے جس کو اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ آجکل لوگوں کی عمریں کم ہیں اور اذکار و اشغال زیادہ ہیں تخلیہ و تحلیہ کی الگ الگ تکمیل کا اُن کو وقت نہیں ملتا اور مقصود تمام طرق سے حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ چشتیہ کا اصلی طریقہ سنت نبویہ کے زیادہ موافق ہے ۱۲

۱۲- مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں ایک کسبی ایک وہبی

حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ تخلیہ (یعنی مجاہدہ) کی دو قسمیں ہیں ایک کسبی (اختیاری) دوسرے وہ جو اللہ سبحانہ کی طرف سے (بلا اختیار عبد) فائض ہو تخلیہ کسبیہ تو جیسا اوپر گذر چکا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غار میں خلوت و عبادت اختیار کی، اور تخلیہ وہبیہ وہ ہے جس کے متعلق اس وقت گفتگو ہو رہی ہے یعنی (جبریل علیہ السلام کا آپ کو) سینہ سے لگانا اور دبانا۔ پھر سالکین میں سے بعض تو وہ ہیں جن کا تخلیہ کسبی ہی ہوتا ہے وہبی نہیں ہوتا اور بعض وہ ہیں جن کا تخلیہ صرف وہبی ہوتا ہے کسبی نہیں ہوتا جیسے ابراہیم بن ادہم اور فضیل بن عیاض وغیرہما، اور بعضوں کے لئے دونوں قسم کا تخلیہ جمع ہو جاتا ہے اور وہ اپنے اختیار سے بھی مجاہدہ کرتے ہیں اور غیب سے بھی اُن پر مجاہدہ فائض ہوتا ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (معاملہ) کیا گیا اور ایسے بہت ہیں اور یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتے ہیں عطا فرما دیتے ہیں (الوجہ الرابع و الثلاثون فیہ دلیل علی ان التخلی علی ضربین مکتسب و فیض من اللہ سبحٰنہ

الیٰ قولہ وھو فضل اللہ یوتیہ من یشاء)

ف خلاصہ یہ کہ مجاہدہ اس طریق میں لازم ہے بدون اس کے کامیابی نہیں ہوتی خواہ مجاہدہ باختیار خود کیا جائے یا غیب سے فائز ہو یا دونوں طریقے جمع ہو جائیں پس اگر کسی کو بدون مجاہدہ کے کامیاب دیکھا جائے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس پر غیب سے مجاہدہ فائض ہوا ہے۔

۱۳۔ مخاطب سے اولاً ایسی گفتگو کی جائے جو جلدی اسکی سمجھ میں آجائے

جبرئیل علیہ السلام کا (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہنا کہ اپنے رب کے نام سے پڑھیے یعنی اپنے رب کا نام لیا کیجیے (جس نے آپ کو پیدا کیا اور انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا) اس بات کی دلیل ہے کہ مخاطب سے اولاً ایسی گفتگو کرنا چاہیئے جو اس کی سمجھ میں جلدی آجائے جس کے سمجھنے میں دشواری نہ ہو اور بحث (و تامل) کی حاجت نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاً اس بات پر متوجہ کیا ہے کہ خود اپنی پیدائش میں غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا اور کیسی حکمت اور خوبصورتی کے ساتھ قطرۂ آب سے جیتا جاگتا آدمی بنادیا اور یہ نہیں فرمایا کہ خدا نے آسمانوں، زمینوں اور ستاروں وغیرہ کو پیدا کیا، بلکہ ان باتوں کو بعد میں بیان فرمایا جبکہ حضور کو اپنی ذات اور اپنے حالات کا پوری طرح علم ہو گیا اور مدد الٰہی سے وہ بات حاصل ہو گئی جس سے تمام چیزوں پر (عقل کا) تسلط ہو جاتا ہے (کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو اپنی ذات کو پہچان لیتا ہے اسے سب چیزوں کا پہچاننا سہل ہے اپنی ذات کی معرفت سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بعد جملہ عالم کی معرفت آسان ہے۔ (الوجہ الخامس والثلاثون قول جبریل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اقرأ باسم ربک الی قولہ وحصل لہ من المادۃ الالٰہیۃ ما یتسلط بہ علی ذلک۔)

ف اس سے صوفیہ کی تائید ہو گئی جو مراقبات کی بہت تعلیم کرتے ہیں اور فہم مخاطب کی پوری رعایت کرتے ہیں اگرچہ مراقبہ خلقت انسان کی تعلیم آج کل کم کیا جاتی ہے مگر ضرورت ہے کہ اس پر توجہ کی جائے کیونکہ معرفت کا یہ بہت بڑا دروازہ ہے۔

۱۴۔ فکر تمام اعمال سے افضل ہے: اس میں اس کی بھی دلیل ہے کہ فکر اور سوچ تمام اعمال (کی روح اور سب) سے افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد خلق الانسان من علق (کہ انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا) ایسے مضمون پر مشتمل ہے جس کے اندر غور و فکر کی ضرورت ہے تاکہ مخاطب کو اس کے ذریعہ سے (وجود باری کا) علم قطعی اور پختہ یقین اور سچا ایمان حاصل ہو جائے اور (ظاہر ہے کہ) غور و فکر کے بعد جو ایمان و تصدیق حاصل ہو وہ سرسری ایمان جیسا نہیں (بلکہ اس سے افضل و اکمل ہے) اسی حقیقت کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے تفکر ساعة خیر من عبادة سنة کہ ایک ساعت کی غور و فکر سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے اور ایک روایت میں ہے خیر من عبادة الدھر کہ زمانہ بھر کی عبادت سے افضل ہے۔ کیونکہ جب انسان غور و فکر سے کام لیتا ہے تو اس کا ایمان قوی ہو جاتا ہے اور حق ظاہر و واضح ہو جاتا ہے اور جس قدر فکر گہرا ہو گا اسی قدر ایمان قوی ہو گا اسی وجہ سے بعض بزرگوں نے (اپنے مریدوں سے) فرمایا ہے کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ خلوت اور یکسوئی کے ساتھ آئینۂ فکر پر ہمیشہ نظر جمائے رکھنا اسی وقت تمہارے سامنے حق ظاہر ہو گا (الوجه السادس والثلاثون فیه دلیل علی ان الفکرة افضل الاعمال الی قوله فهناك یبین لك الحق)

ف۔ اس میں بھی صوفیہ کی تائید ہے کیونکہ ان کو فکر کا اہتمام بہت زیادہ ہے اور اسی سے ان کو علمائے اہل ظاہر کے مقابلہ میں امتیاز حاصل ہے، علماء ظاہر عبادات و اذکار میں فکر سے کام نہیں لیتے اسی طرح مبدأ و معاد کا مراقبہ نہیں

کرتے اور صوفیہ بدون فکر اور توجہ قلب کے کسی عمل کو صحیح نہیں سمجھتے اور یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو طریق باطن میں داخل ہونے کے بعد بھی بے فکری اور بے پرواہی سے کام لیتے اور مشائخ کو پریشان کرتے ہیں اُن کو سمجھ لینا چاہئیے کہ اس طریق میں تیقظ اور بیداری شرط اولین ہے بے فکری کیساتھ یہ راستہ طے نہیں ہوسکتا ۔

طرق العشق کلہا آداب

ادّبوا النفس ایہا الاصحاب !

رزقنا اللّٰہ تعالیٰ وجمیع الطالبین الفکر والحضور الدائم والتیقظ والادب وختم لنا بالحسنیٰ ۱۲

(۱۵) صفات عظمت و جلال کیساتھ صفات رحمت و لطف و کرم کو بھی سوچنا چاہئیے

اس میں اس کی بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال میں تفکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کے عفو و کرم اور احسان کو بھی سوچنا چاہئیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد خلق الانسان من علق کے معنی تو اوپر گذر چکے کہ اللہ تعالیٰ نے اسمیں جس مضمون کو بیان فرمایا ہے اس میں غور کیا جائے اور یہ (فکر) عظمت و جلال (کے غلبہ) کو مقتضی ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا اقرأ وربك الاکرم پڑھیئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے اور یہ نام اُن تمام ناموں کے معانی پر مشتمل ہے جو (اللہ تعالیٰ کے) لطف و احسان کو ظاہر کرتے ہیں ، ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ اپنے فضل کے صدقہ سے ہمارے ساتھ اسی کے موافق معاملہ فرمائیں ، اور تنہا اللہ تعالیٰ کی عظمت میں فکر کرنا اور اس کے مقابل صفات کو نہ سوچنا جو ممنوع ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ جو شخص تنہا عظمت ہی میں فکر کرتا ہے اس پر اندیشہ ہوتا ہے کہ یہ فکر اس کو ہلاکت کے سمندر یعنی یاس اور نا امیدی میں نہ پہنچا دے اور جب

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت واحسان کو بھی سوچے گا تو اس سے مامون رہے گا (الوجہ السابع والثلاثون فیہ دلیل علی ان التفکر فی عظمت اللہ الی قولہ امن من ذلک)

ف۔ صوفیۂ محققین کو اس کا بہت زیادہ اہتمام ہے کہ صفات عظمت و جلال اور صفات لطف وکرم دونوں کا ساتھ ساتھ مطالعہ کیا جائے تاکہ نہ دلیری اور بیباکی پیدا ہو نہ یاس اور ناامیدی ۱۲

۱۶۔ تکلیف کے وقت دوا کرنا سنت ہے حدیث میں اس کی بھی دلیل ہے کہ جس کو کوئی تکلیف پیش آئے اس کو اپنی عادت کے مطابق دوا (اور تدبیر و علاج کرنا ثابت ہے) جب تک اس میں کوئی حرام چیز نہ ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب خوف کا اثر ہوا تو آپ نے گرمی حاصل کرنے کی تدبیر کی جس کے (ایسے وقت میں) آپ عادی تھے۔ چنانچہ فرمایا مجھے کمبل اڑھا دو، کمبل اوڑھا دو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے تداوی کل نفس بما اعتادت، ہر شخص اپنی عادت کے موافق علاج کرے۔ (الوجہ الثامن والثلاثون فیہ دلیل علی ان من اصابہ امر فلہ ان یتداوی الی قولہ تداوی کل نفس بما اعتادت)

ف۔ بعض لوگ دوا اور علاج کو توکل کے خلاف سمجھتے ہیں ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی متوکل نہیں ہوسکتا جب آپ نے دوا اور علاج سے پرہیز نہیں کیا تو اس کو خلاف توکل ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔

۱۷۔ کلام میں اختصار مطلوب ہے حدیث کا یہ لفظ کہ آپ نے جو کچھ دیکھا تھا درقہ سے بیان فرما دیا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ کلام میں اختصار ہی مطلوب اور بہتر ہے۔ کیونکہ

حضرت عائشہ نے فرشتہ کے ساتھ جو قصہ آپ کو پیش آیا تھا پہلے بیان کر دیا تھا پھر اس کی طرف ضمیر لوٹا کر اشارہ فرما دیا تھا اور قصہ کا دوبارہ ذکر کرنے اور گفتگو کو طول دینے کی ضرورت نہیں سمجھی اور یہ جملہ اہل عرب کی فصیح گفتگو میں سے ایک ہے (یا یہ کہ اہل عرب کی فصیح گفتگو کا یہی طریقہ ہے) (الوجہ الاربعون قولہا فاخبرھا الخبر الی قولہ وھومن فصیح کلام العرب)

ف صوفیہ کو آداب کلام کا بہت اہتمام ہے فضول اور زائد از کار باتوں سے بہت احتیاط کرتے اور اختصار کلام کی تاکید کرتے ہیں بشرطیکہ ایسا اختصار نہ ہو جو مقصود ہی کو ادا نہ کرے ۱۲

۱۸- واقعات مہمہ کو اپنے گھر والوں اور مخلص دوستوں سے بیان کر دینا جائز ہے

حدیث میں اسکی بھی دلیل ہے کہ آدمی کو جب کوئی امر مہم (مہتم بالشان واقعہ) پیش آئے تو اس کو جائز ہے کہ اس کو اپنے گھر والوں اور معتقد دوستوں سے بیان کر دے بشرطیکہ وہ دیندار اور صاحب عقل ہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ واقعہ (فرشتہ کے آنے اور دبانے اور وحی لانے کا) پیش آیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اس کو بیان فرما دیا اور حضرت خدیجہ کا درجہ دین اور درستی رائے اور عقل صائب میں جو کچھ ہے وہ کسی سے مخفی نہیں (الوجہ الخامس والاربعون فیہ دلیل علی ان المرء اذا اصابہ امر مہم الی قولہ بحیث لا یخفی)

۱۹- اہم واقعات میں اہل علم وعقل سے رجوع کرنا چاہئے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کو جب کوئی اہم واقعہ پیش آئے تو اہل علم اور اہل عقل سے اس کو دریافت کرے (اگرچہ وہ اپنے سے چھوٹے ہی ہوں) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو جب یہ واقعہ پیش آیا تو آپ ورقہ کے پاس تشریف لے گئے سو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ عالم اور سب سے افضل تھے (الوجہ السابع والثلاثون فیہ دلیل علی ان المراد اذا وقع له واقع الی قوله وافضلهم بعد النبی صلے اللہ علیہ وسلم)

ف اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ورقہ حضرت صدیق اکبر سے بھی افضل تھے کیونکہ جس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ورقہ کے پاس تشریف لے گئے اس وقت تک حضرت صدیق کو آپ نے اسلام کی دعوت ہی نہ دی تھی پھر جس وقت حضرت صدیق کو اسلام کی دعوت دی گئی اور وہ ایمان لے آئے تو وہ سب سے افضل ہو گئے کیونکہ ورقہ کے متعلق علماء میں اختلاف ہے کہ انہوں نے حکم تبلیغ سے پہلے جو آپ کی نبوت کی تصدیق کی ہے وہ ایمان کیلئے کافی تھی یا نہیں ؟ اور حضرت صدیق کے کمالِ ایمان پر اور اس بات پر کہ وہ انبیاء کے بعد سب سے افضل ہیں علماء امت کا اتفاق ہے ۔

ف اپنے چھوٹوں سے مشورہ کرنا اور اہم واقعات میں اُن سے رجوع کرنا حضرات صوفیہ کا خاص طریقہ ہے ۔

۲۰۔ تعریف میں مبالغہ نہ کرنا چاہئے حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کی تعریف کی جائے تو انہی صفات حمیدہ کو بیان کیا جائے جو اس کے اندر موجود ہیں اس سے زیادہ کچھ نہ کہا جائے ، چنانچہ حضرت عائشہؓ نے ورقہ کے اسی قدر محامد بیان فرمائے جو اُن کے اندر موجود تھے زیادہ کچھ نہیں فرمایا (الوجہ التاسع والاربعون فیہ دلیل علی ان من وصف احدا الی قوله ولم تزد علیها)

ف اہل طریق نے اس کی بہت تاکید کی ہے کہ کسی کی تعریف میں مبالغہ نہ کرنا چاہیئے ۔

۲۱۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب انسان کو کسی بزرگ کے پاس جانے کی حاجت ہو تو کسی رہنما کو آگے کرے اگر مل سکے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورقہ کے پاس تنہا نہیں تشریف لے گئے بلکہ حضرت خدیجہ کو ساتھ لیا جن کی ورقہ سے قرابت تھی۔ (الوجہ الحادی والخمسون فیہ دلیل علی ان المرأ اذا عرضت لہ حاجۃ الی قولہ التی ھی من قرابۃ ورقۃ)

ف۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ رہنما کے ذریعہ سے گفتگو میں سہولت ہو گی اور کوئی بات خلاف مزاج پیش نہ آئے گی۔

۲۲۔ بزرگوں کے سامنے چھوٹوں کو احتیاط سے گفتگو کرنا چاہیئے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے سامنے چھوٹوں کو احتیاط کے ساتھ گفتگو کرنا اور سب کے درجہ اور رتبہ کا حق ادا کرنا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت خدیجہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ کا لحاظ کر کے ورقہ سے یوں کہا کہ "اپنے بھتیجے کا قصہ تو سنو! اس میں آپ کے منصب کو محفوظ رکھا گیا، کیونکہ عرب کا عام قاعدہ یہ ہے کہ بڑے کو باپ اور برابر والے کو بھائی اور چھوٹے کو بیٹا کہا کرتے ہیں مگر (حضرت خدیجہ نے اس قاعدہ کو چھوڑ کر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھتیجے کا لفظ اختیار کیا کیونکہ اس میں آپ کی زیادہ عزت تھی، اگر وہ (عام قاعدہ کے موافق) یوں کہتیں کہ اپنے بیٹے کی بات سنو! تو ورقہ کا درجہ آپ کے درجہ سے بہت بڑھ جاتا کیونکہ بیٹے کا درجہ باپ سے بہت کم ہے اور اگر یوں کہتیں کہ اپنے بھائی کی بات سنو تو یہ بھی ٹھیک نہ ہوتا کیونکہ محاورۂ عرب میں بھائی کا لفظ برابر والے کے لئے بولا جاتا ہے (اور ورقہ عمر میں حضور سے زیادہ تھے) تو دیکھو) حضرت خدیجہ نے کلام میں (کیسی) احتیاط کی اور ہر ایک کے درجہ کا حق (کس خوبی سے) ادا کیا

کیونکہ خطاب کے موقعہ پر اہل عرب کی عادت یہ ہے معزز کم عمر کو بھتیجا کہہ کر پکارتے ہیں (اس میں اس کی عزت کا بھی لحاظ ہوتا ہے اور کم عمری کا بھی) کیونکہ چچا کا حق بھتیجے پر اتنا نہیں ہوتا جتنا باپ کا بیٹے پر ہوتا ہے

(الوجہ الثانی والخمسون فیہ دلیل علی ان من کان صغیرا بین اھل الفضل الی قولہ لان العم لیس لہ حق علی ابن اخیہ مثل ابنہ)

ف صوفیہ کو بھی گفتگو میں احتیاط کا بہت اہتمام ہے اس سے اہل ظاہر کو سبق لینا چاہیے۔

۲۳۔ صاحب واقعہ کو اپنا واقعہ خود بیان کرنا چاہیئے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص کو واقعہ پیش آیا ہو عالم کے سامنے وہ خود ہی اس کو بیان کرے دوسرا بیان نہ کرے کیونکہ حضرت خدیجہ نے ورقہ سے یوں کہا " ذرا اپنے بھتیجے کی بات تو سنو! حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے واقعہ بیان فرما چکے تھے (اُن کو سب کچھ معلوم تھا، اگر بیان کرنا چاہتیں تو کر سکتیں تھیں مگر) انہوں نے خود نہیں بیان کیا بلکہ (اس کام کو) صاحب واقعہ کے حوالہ کیا۔ چنانچہ اس کے بعد ورقہ نے حضور سے دریافت کیا تو آپ نے خود سارا واقعہ بیان فرمایا۔

(الوجہ الرابع والخمسون فیہ دلیل علی ان الواقع اذا وقع لہ مری الی قولہ واحالت علی صاحب القضیۃ)

ف یہ بھی آداب کلام میں سے ایک ادب ہے کہ صاحب واقعہ خود واقعہ کو بیان کرے۔

۲۴۔ انسان اپنے لئے خیر کی تمنا کر سکتا ہے

حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ انسان اپنے لئے خیر کی تمنا کر سکتا ہے۔ کیونکہ ورقہ نے اس بات کی تمنا کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت (اور تبلیغ) کے وقت جوان ہوتے۔

(الوجه السادس والخمسون فيه دليل على ان الانسان يتمنى الخير لنفسه ثم ذكر اختلاف العلماء فی ایمان ورقه فمن قائل یقول لم یحصل له الایمان بعد لانه لم یبلغ عمره زمن الرسالة ومن قائل يقول قد حصل له الایمان وهو الاظهر الی آخر ما قال)

ف اور یہ تمنا آیت لا تتمنوا ما فضل اللہ به بعضکم علی بعض کے خلاف نہیں کیونکہ مقصود جوانی کی تمنا نہ تھی (جو کہ غیر اختیاری ہے) بلکہ نصرت رسول کی تمنا تھی جو کہ امر اختیاری ہے، اور تمنا کے احکام کی تفصیل بیان القرآن سے آیت مذکورہ کے تحت میں ملاحظہ ہو ۱۲

۲۵- قانون عادت پر حکم لگانا جائز ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص کسی چیز سے واقف ہوتا ہے وہ قانون عادت کے موافق اس کے انجام کو پہچان لیتا ہے اور اس کو جائز ہے کہ مقدمات (اور مبادی) کو دیکھ کر انجام کے متعلق حکم لگا دے، کیونکہ ورقہ کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت (و نبوت) عطا ہوئی ہے تو وہ سمجھ گئے کہ آپ (وطن سے) ضرور نکالے جائیں گے، انہوں نے مقدمات کی صحت سے انتہا (اور انجام) کی حقیقت کو معلوم کر لیا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ تھی جو کسی رسول میں مختلف نہیں ہوئی جیسا ورقہ نے بیان کیا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ (قانون) عادت کے موافق حکم لگا دینا جائز ہے بشرطیکہ اس سے کسی امر دینی میں اختلال واقع نہ ہو (ذکرہ الشارح فی الوجه الرابع والاربعین ثم اعادہ فی الوجه السابع والخمسین ههنا)

ف حضرات صوفیہ بھی کسی کی کامیابی یا ناکامی کے متعلق مقدمات کو دیکھ کر حکم لگا دیتے ہیں جیسا طالبین سے مخفی نہیں پس ان پر اعتراض کی گنجائش نہیں مگر یہ ظاہر ہے کہ مشائخ کے ایسے احکام ظنی ہوتے ہیں قطعی نہیں ہوتے۔

۲۶- واقعات ملکوت کا انکشاف تربیت اور تقویت ایمان کا سبب ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ "میں نے نگاہ اوپر اٹھائی تو وہی فرشتہ جو غارِ حرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا" اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں سے ایک قدرت کا اظہار ہے جب وہ کچھ کرنا چاہتے ہیں تو اس سے کہہ دیتے ہیں ہوجا، وہ ہوجاتا ہے، تو جیسا اللہ تعالیٰ نے زمین کو بنی آدم کے لئے فرش بنایا ہے کہ جس طرح چاہتے ہیں اس میں چلتے پھرتے (اور کام کرتے) ہیں۔ اسی طرح فرشتوں کے لئے ہوا کو (فرش) بنا دیا ہے وہ جس طرح چاہتے ہیں اس میں چلتے پھرتے (اور کام کرتے) ہیں جس نے زمین کو زمین پر چلنے والوں کے لئے تھام رکھا ہے وہی ہوا کو اور اس کے اوپر چلنے والوں کو تھامتا ہے، اس کی قدرت میں علت اور معلول کچھ نہیں مگر یہ حقیقت (لوگوں کی) نگاہوں سے مخفی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منظر صرف آپ کی تربیت اور ترقی کے لئے دکھلایا گیا تھا تا کہ آپ کا ایمان اور یقین قوی ہوجائے اور علم الیقین عین الیقین بن جائے اور یہی طریقہ حضور کے مبارک وارثوں کے لئے جاری ہے، جب وہ اس قسم کے واقعات (بطور کشف کے) دیکھتے ہیں۔ اُن کا ایمان قوی ہوجاتا اور یقین کو ترقی ہوجاتی ہے جس سے ان کی تربیت اور مقامات ولایت میں ترقی ہوتی ہے۔

(الوجه الثانی والستون قوله علیه السلام فرفعت بصری الی قوله وترقیاً فی مقامات الولایة)

ف مگر ایسے انکشافات کے درپے ہونا اور اُن کے نہ ہونے سے غمگین ہونا ممنوع ہے کیونکہ یہ امور مقاصد میں سے نہیں ہیں اور نہ انسان کے اختیار کو ان میں دخل، اور غیر اختیاری امور کے درپے ہونا پریشانی کا سبب ہے۔ اگر کسی کو اس قسم کے واقعات پیش آجائیں اور وہ ان کے وقوع کو نعمت سمجھے اور جس کو پیش نہ آئیں وہ عدم وقوع کو نعمت سمجھے اور کام میں لگا رہے اور صدا غم نہ کرے کیونکہ مقصود

ان پر موقوف نہیں ۱۲

۲۷۔ عمل کرو اور کثرت عمل پر نظر نہ کرو

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ولا تمنن تستکثر میں (ایک تفسیر پر)

صوفیہ کے اس قول کی دلیل ہے کہ (ہر وقت) کام میں لگا رہنا اور توجہ اور حضور دائم کیساتھ رہنا چاہیئے ادھر ادھر التفات نہ کرنا چاہیئے کیونکہ جب اپنے عمل کی کثرت (و زیادت) پر نظر کرنا سستی (اور کسل) پیدا کر دیتا ہے جیسا اوپر مذکور ہوا (یعنی ۲۷ میں جس کا ترجمہ نہیں کیا گیا) تو عمل کے سوا اور چیزوں پر نظر کرنا کیا کچھ ہوگا (اس سے تو یقیناً سستی اور کوتاہی زیادہ ہوگی۔ اسی طرح ان کا یہ قول بھی ہے کہ الوقت سیف (وقت ایک تلوار ہے) مطلب یہ ہے کہ وقت کو کام کر کے ختم کرو اس کو (بیکار) ٹالوگے تو وہ تم کو ختم کر دے گا، اور (ادھر ادھر التفات کرنا) اس واسطے (بھی منع ہے) کہ حظوظ (نفس) اور کثرت عمل پر نظر کرنا ہلاکت ہے۔ اور جب سالک اسباب ہلاکت کی طرف متوجہ ہوتا ہے ہلاک ہو جاتا ہے۔ (الوجہ الثامن والستون فیہ دلیل لاھل الصوفیۃ فی قولھم باستصحاب العمل الیٰ قولہ کان ھالکا ۱۲)

ف آیت لا تمنن تستکثر کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ اپنے صدقہ کو زیادہ سمجھ کر احسان نہ جتلاؤ، ایک قول یہ ہے کہ اس غرض سے کسی کو ہدیہ نہ دو کہ اس کے عوض میں زیادہ آئے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ اپنے عمل کو زیادہ سمجھ کر عبادت کو قطع نہ کرو، شارح نے وجہ سابع وستون میں ان سب اقوال کو بیان فرمایا ہے، اور صوفیہ کا یہ قول جو یہاں مذکور ہوا تیسری تفسیر سے مؤید ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب دوم
سلا۲

حدیث حلاوۃ الایمان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
تین چیزیں جس میں ہوں اس نے ایمان کی حلاوت پالی،
(ایک) یہ کہ اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ اس کو محبوب ہوں اور
(دوسرے) یہ کہ جس آدمی سے محبت کرے صرف اللہ ہی کے واسطے محبت کرے
اور (تیسرے) یہ کہ کفر کی طرف لوٹنے (اور اس میں مبتلا ہونے) سے ایسا گھبرائے
جیسا آگ میں ڈالے جانے سے گھبراتا ہے۔

شرح

یہ حدیث صاف طور سے بتلاتی ہے کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو
حلاوت کیساتھ ہو دوسرے وہ جو بدون حلاوت کے ہو، اور اسی کے قریب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ ایمان دو ہیں ایک وہ جس کا حاصل کرنے والا
جہنم میں داخل نہ ہوگا اور (دوسرا) وہ جس کا حاصل کرنیوالا جہنم میں ہمیشہ نہیں
رہیگا (ریالیتنی عرفت من اخرجہ) پس جس ایمان کا حاصل کرنیوالا جہنم میں داخل
ہی نہ ہوگا یہ وہی ایمان ہے جو حلاوت کیساتھ ہو اور جس ایمان کا حاصل کرنے والا
جہنم میں ہمیشہ نہ رہے گا یہ وہ ہے جو بغیر حلاوت کے ہو (اب ہم حدیث کے
فوائد پر گفتگو کرتے ہیں۔

۲۸- حلاوتِ ایمان حسی ہے محض عقلی نہیں

جس حلاوت کا یہاں ذکر ہے
علماء میں اس کے متعلق اختلاف

ہے کہ یہ حلاوت حسی ہے یا معنوی،

ایک جماعت نے جو کہ فقہا ہیں اس کو معنوی (اور غیر محسوس) پر محمول کیا ہے
اور ایک جماعت نے لفظ (حدیث) کو ظاہر پر رکھا اس میں تاویل نہیں کی اور حلاوت
کو حسی (حلاوت ہی) پر محمول کیا ہے یہ (حضرات) صوفیہ ہیں اور اس مسئلہ میں
حق ان ہی کیساتھ ہے واللہ اعلم، کیونکہ (حلاوت اور شیرینی سے محاورات میں حسی
حلاوت ہی متبادر ہوتی ہے تو) انہوں نے جو مطلب سمجھا ہے اس میں حدیث کے لفظ
کو ظاہر پر رکھا (گیا) ہے کوئی تاویل نہیں کی (گئی) اور جب تک ظاہر لفظ کیخلاف کوئی
دلیل نہ ہو اس وقت تک بہتر یہی ہے کہ حدیث کو ظاہر پر رکھا جائے تاویل نہ
کی جائے، اور صوفیہ نے جو مطلب بیان کیا ہے اس کی تائید حضرات صحابہ رضی اللہ
عنہم اور سلف صالحین اور اہل معاملات کے احوال سے ہوتی ہے چنانچہ اس کے متعلق
جو حکایات منقول ہیں ان میں سے ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ جب
اُن کو کفر پر مجبور کرنے کیلئے گرم پتھر پر لٹا کر سخت سے سخت تکلیف دی گئی تو
وہ احد احد ہی کہتے رہے کیونکہ عذاب کی تلخی ایمان کی حلاوت کیساتھ مل کر فنا ہوگئی
تھی (وہ حلاوتِ ایمان کی چاشنی میں ایسے مست تھے کہ عذاب کی تلخی محسوس نہ
ہوئی) اسی طرح ان کے انتقال کیوقت گھر والے تو واکرباہ (ہائے مصیبت) پکار رہے
تھے اور وہ واطرباہ (ہائے خوشی) کہہ رہے اور یوں فرما رہے تھے غداً القی الاحبۃ
محمداً وحزبہ، کل کو میں (اپنے) دوستوں سے ملوں گا محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اور ان کی جماعت سے ملاقات کروں گا، تو (دیکھو) موت کی تلخی حلاوت لقاء سے
جو کہ (حقیقت میں ایمان کی حلاوت تھی مل گئی (اور فنا ہوگئی) تھی اس لئے وہ موت
کے وقت خوش تھے اور دوسرے رو رہے تھے، دوسرے ایک اور صحابی کا واقعہ
(حدیث میں آتا) ہے کہ رات کو چوروں نے اُن کا گھوڑا کھول لیا اس وقت وہ نماز میں
تھے اور چور کو گھوڑا لیجاتے ہوئے دیکھ بھی لیا تھا مگر نماز کو نہیں توڑا، لوگوں نے
اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ میں جس (مزہ) میں تھا وہ اس سے زیادہ

قیمتی تھا۔ اور وہ (مزہ) کیا تھا ؟ وہ حلاوت ہی تو تھی جو اس وقت اُن کو (نماز) میں محسوس ہو رہی تھی، تیسرے دو صحابیوں کا واقعہ ہے (جو صحیح حدیث میں وارد ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک غزوہ میں (ایک گھاٹی پر) لشکر اسلام کی حراست (اور پہرہ) کے لیے متعین فرمایا تھا تو اُن میں سے ایک تو (اپنے ساتھی کی اجازت سے) سو گئے اور دوسرے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے " یہ نماز ہی میں تھے کہ دشمن کی طرف سے جاسوس آیا اور اس نے کمان میں تیر رکھ کر ان کے مارا جو (ٹھیک نشانہ پر لگا) اور صحابی کے بدن میں پیوست ہو گیا صحابی نے (تیر کو نکال کر پھینک دیا مگر نماز کو قطع نہ کیا بدستور اسی میں مشغول رہے۔ جاسوس نے دوسرا تیر مارا وہ بھی ان کے جسم میں پیوست ہو گیا " مگر نماز کو نہ توڑا۔ اس نے تیسرا تیر مارا وہ بھی ان کے لگا تو اس وقت (نماز ختم کی اور آپ) انہوں نے اپنے ساتھی کو جگا کر فرمایا اگر مجھے مسلمانوں پر خطرہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں نماز کو (ابھی) ختم نہ کرتا (بلکہ اور طول دیتا) اس کا سبب بجز اس کے سوا اور کیا تھا کہ اُن کو نماز میں بہت زیادہ حلاوت محسوس ہو رہی تھی جس نے تیروں کی (سوزش اور) کلفت کو زائل کر دیا تھا اور اہل معاملات سے تو اس قسم کے بہت واقعات منقول ہیں جن کے ذکر سے کلام طویل ہو جائے گا اور جتنے واقعات ہم نے بیان کر دیئے ہیں (اثبات مدعیٰ کیلئے) یہی (بہت) کافی ہیں (اس لئے ہم کلام کو طول دینا نہیں چاہتے)

الوجه الاول الحلاوة المذكورة هل هي محسوسة الى قوله وفيما ذكرناه كفاية.

ف حضرات صوفیہ کے نزدیک یہ مسئلہ بدیہی اور نہایت بدیہی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر سلاطین دنیا کو اس دولت کا پتہ لگ جائے جو ہمارے پاس ہے تو وہ تلواریں لیکر ہم پر چڑھ آئیں اور اس کو چھیننے کی کوشش کریں، اُن کو ذکر اللہ اور حضور دائم اور معرفت الٰہی میں ایسی حلاوت محسوس ہوتی ہے کہ

دنیا کی کسی چیز میں وہ حلاوت نہیں ملتی، ذکر اللہ اور طاعت اُن کی طبیعت ثانیہ اور غذا بن جاتی ہے۔ پس یہ حدیث ہی طریق تصوف کے اثبات میں تنہا کافی ہے کیونکہ حلاوت ایمان کے مطلوب ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا اور یہ حلاوت بدون طریق تصوف اور محبت صوفیہ کے نصیب نہیں ہوتی جس کو شک ہو وہ ہر دروازہ پہ جا کر دیکھ لے یہ دولت اس کو صوفیہ کے سوا کسی کے پاس نہ ملے گی اس وقت وہ اس قول کی تصدیق کرے گا ؎

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی
کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

۲۹ - اللہ اور رسول کے ساتھ محبت کی علامت حب فی اللہ اور نفرت عن الکفر ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں جو تین باتیں بیان فرمائی ہیں وہ سب (درحقیقت) پہلی ہی بات کی طرف راجع ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ محبوب ہوں، کیونکہ اللہ اور رسول کی محبت کو وہ باتیں لازم ہیں جو بعد میں ذکر کی گئی ہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد جو دو باتیں بیان فرمائی ہیں اُن کے ذکر سے فائدہ اور مقصود یہ ہے کہ جو کوئی اللہ اور رسول کی محبت کا دعویٰ کرے اس کو ان دو موقعوں پر اپنے نفس کا امتحان کرنا چاہیئے، اگر کسی سے محبت ہو تو دیکھے کہ اس سے کیوں محبت کرتا ہے؟

اور (یہ سوچے کہ) اگر اس کو کفر پر مجبور کیا گیا (نعوذ باللہ منہ) تو اس وقت اس کے نفس کی کیا حالت ہوگی؟ کیونکہ بعض دفعہ نفس میں اللہ اور رسول کی محبت کا دعویٰ پیدا ہو جاتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو علامتیں بیان فرما دی ہیں جو دعویٰ اور حقیقت میں

فرق کو ظاہر کرتی ہیں اور اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

وعلی اللّٰہ فتوکلوا ان کنتم مومنین

"اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم مومن ہو"

(یہاں بھی توکل کو بطور علامت ایمان کے بیان کیا گیا ہے) کیونکہ ایمان کی حقیقت یہی ہے کہ مومن اپنے پروردگار پر جملہ امور میں بھروسہ اور اعتماد رکھے، اگر یہ بات نہیں تو وہ محض دعویٰ ہے اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرے اور ان دو علامتوں میں سچا نہ نکلے تو اس کی محبت نرا دعویٰ ہے جس میں حقیقت نہیں ہے۔ (الوجہ الثانی قولہ علیہ السلام ان یکون اللّٰہ و رسولہ احب الیہ الی قولہ فہیہ دعویٰ لا حقیقۃ)

ف یہ بات مشاہد ہے کہ صرف اللہ کے لئے کسی سے محبت کرنا صوفیہ کرام میں زیادہ ہے ورنہ عام طور سے لوگوں میں جو محبت دیکھی جاتی ہے وہ کسی غرض کی وجہ سے ہوتی ہے، حب فی اللہ، کا وجود زیادہ تر صوفیہ ہی میں ہے پس اس سے بھی صوفیہ کے طریق کی تائید ہوتی ہے۔

ف جب اللہ اور رسول کی محبت کی علامت حب فی اللہ ہے تو شیخ کو لازم ہے کہ کسی کو سلسلہ میں داخل کرنے سے پہلے اس بات کو جانچ لے کہ اس کو شیخ سے محض اللہ واسطے تعلق محبت ہے یا اور کسی غرض کی وجہ سے ہے، کیونکہ بعض لوگ مقاصد دنیا میں کامیاب ہونے کے لئے بھی سلسلہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں، اگر کسی کو محض اللہ کیلئے شیخ سے تعلق محبت نہ ہو بلکہ کسی اور وجہ سے ہو اس کو داخل سلسلہ نہ کرنا چاہیئے کیونکہ وہ اللہ اور رسول کا طالب بن کر نہیں آیا بلکہ دنیا کا طالب ہو کر آیا ہے۔

۳۰- ایمان کا پھل عمل ہے اور عمل کی پختگی اتباعِ سنت ہے اور پختگی کے بعد ہی پھل میں حلاوت آسکتی ہے

حلاوتِ ایمان کی حقیقت کمال ایمان ہے اور کمالِ ایمان کی علامت وہی ہے جو حدیث میں بیان کی گئی ہے (یعنی کسی سے اللہ واسطے محبت کرنا اور کفر سے ایسا گھبرانا جیسا آگ میں ڈالے جانے سے گھبراتا ہے) اور پھل میں شیرینی اسی وقت آتی ہے جب وہ پختہ ہو جائے پس ایمان کا پھل عمل تو ہے اور عمل کی پختگی اتباعِ سنت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کا عمل قبول نہیں فرماتے جب تک پختہ نہ ہو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ، اور عمل کی پختگی کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ اس کو ریا اور بدعت سے پاک صاف رکھے پس عمل کا خلاف سنت ہونا اس کے لئے ایک آفت ہے جو پختگی سے مانع ہے اور جب پھل پختہ ہی نہ ہوگا تو ظاہر ہے کہ شیرینی کے درجہ تک بھی نہ پہنچے گا۔ غرض جب عمل میں کوئی آفت آجائے گی (خواہ ریا سے یا مخالفت سنت سے) تو وہ پختہ نہ ہوگا (اور جب پختہ نہ ہوگا) تو قبول بھی نہ ہوگا، چنانچہ بعض عوام اسی دائرہ کے اندر ہیں کیونکہ وہ سنت سے جاہل ہیں اگرچہ ان میں سے بعضوں کو علوم کا دعویٰ ہے مگر جس علم کا عالم سنت (نبویہ) سے جاہل ہو وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مصداق ہے، ان من العلم لجھلا کہ بعض علم بھی جہل ہے، اور پوری پختگی (اور عمدگی) تو خاص ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ اور عمل کی کمال عمدگی یہ ہے کہ محض اللہ اور رسول کی محبت کی وجہ سے عمل کیا جائے اور کوئی غرض نہ ہو جیسا اس حدیث میں وارد ہوا، اس وقت اس کے عمل کی (اللہ تعالیٰ کے یہاں) قدر کی جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی نسبت) فرماتے

ہیں انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا، (کہ وہ مسکینوں یتیموں کو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے کھانا کھلاتے اور یوں کہتے ہیں کہ ہم تم کو صرف اللہ کے لئے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکریہ نہیں چاہتے) (الوجہ الثالث بیود علی الحدیث سوال وفیہ حلاوۃ الایمان عبارۃ عن کمالہ الی قولہ انما نطعمکم لوجہ اللہ، وترجمۃ ملخصًا)

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو بدون عمل ہی کے کمال ایمان کے مدعی ہیں، نیز ان کی غلطی بھی واضح ہوگئی جو عمل میں اتباع سنت کا اہتمام نہیں کرتے، ان لوگوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ایمان کا پھل عمل ہے اور درخت اپنے پھل ہی سے پہچانا جاتا ہے۔ جس درخت پر پھل نہ آئے گو وہ بالکل بیکار نہیں مگر زیادہ کار آمد بھی نہیں پس ایمان بلا عمل دوسری قسم کا ایمان ہے جس سے یہ شخص ہمیشہ کے لئے تو جہنم میں نہ رہے گا مگر یہ بھی ضرور نہیں کہ جہنم میں داخل ہی نہ ہو الا ان یشاء اللہ اور جو عمل سنت کے موافق نہ ہو وہ پختہ اور شیریں نہیں ہوسکتا اس لئے جس کو حلاوت ایمان حاصل کرنا ہو اس کو اتباع سنت کا اہتمام کرنا اور بدعات سے بچنا چاہیئے۔ آج کل بہت کم لوگ ہیں جو بدعات سے محفوظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے آمین!

۳۱۔ حضرات سلف کا ایمان اتباع شریعت ہی کی وجہ سے کامل تھا

حضرات سلف کا ایمان اسی لئے کامل تھا کہ وہ (شریعت کی) امر ونہی کا اتباع کرتے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے اور باہم ایک دوسرے کی خیر خواہی کرتے تھے۔ چنانچہ جب وہ کسی سے ملتے تو یوں کہتے تھے "آؤ ایمان حاصل کریں" (وہ آپس میں باتیں کرتے

کو ایمان سمجھتے تھے، تو اُن کے ایمان کا درخت عمدگی اور شیرینی میں انتہائی درجہ کو پہنچ گیا تھا، اور آج کل تو یہ باتیں مفقود ہوگئیں اور اسی بات کا ظہور ہو گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی (کہ آدمی اس وقت تو ایسے ہیں جیسے پھل والا درخت اور عنقریب ایسے ہو جائیں گے جیسے کانٹوں والا درخت) سو واقعی وہ کانٹوں والے درخت ہی ہو گئے کیونکہ انہوں نے امر ونہی کا اتباع چھوڑ دیا اور آپس میں ایک دوسرے کی خیر خواہی چھوڑ دی، اُن کے دلوں میں کھوٹ آ گیا، اب خیر خواہی کی جگہ کھوٹ نے اور اتباع شریعت کی جگہ مخالفت نے لے لی، اور لوگوں کی عام حالت یہ ہو گئی کہ اُن میں سوائے کلمہ گو ہونے کے ایمان کی کوئی شان باقی نہ رہی، کلمہ پڑھ لینے کے سوا اُن کے جتنے بھی کام ہیں مقتضائے ایمان کے خلاف نہیں ہیں پس جڑ تو باقی رہ گئی مگر پھل یعنی عمل ضائع ہو گیا۔ جیسے پھل والے درخت کی جگہ جھڑ بیری کا درخت رکھ دیا گیا ہو کہ پہلا درخت تو پھل دیتا اور حلاوت بخشتا تھا اور دوسرا کانٹے ہی اگاتا ہے، آج کل عام مسلمانوں کی تو یہی حالت ہے بجز شاذ و نادر تھوڑے سے آدمیوں کے (کہ وہ سلف کے طریقہ پر قائم ہیں) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا یزال طائفۃ من امتی ظاہرین علی الحق الی قیام الساعۃ لا یضرھم من خالفھم میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہیگی کسی کی مخالفت سے اس کو نقصان نہ پہنچے گا، پس یہ جماعت جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اس کے ایمان کا درخت ہمیشہ بار آور اور اس کا پھل غایت درجہ شیریں رہیگا جیسا حضرات سلف رضی اللہ عنہم کا ایمان تھا، اور اگر (دنیا میں) ان کا وجود نہ ہوتا تو آسمان (بارش کا) ایک قطرہ نہ برساتا اور (زمین سے) ذرا سی بھی سبزی نہ اُگتی اور اُن لوگوں کی وجہ سے جن کا اوپر ذکر آیا ہے (عالم میں) تباہی آجاتی، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی خاطر سے اور ان کی رفعت ظاہر کرنے کیلئے ان سچے ایمان

والوں کی وجہ سے دوسروں کو بھی مہلت دیدیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے ہم کو بھی اپنے اولیاء میں داخل کردیں۔ (قولہ ادنیٰ من تقدم من السلف کان ایمانھم کاملا بتتبعھم الخ مرو النھی الی قولہ جعلنا اللہ من اولیائہ بمنہ و یمنہ)

ف کمال اتباع شریعت ہی کا دوسرا نام طریقت ہے، کیونکہ طریقت کا مقصود عمل کو ریا وغیرہ سے پاک کرکے اخلاص کی دولت حاصل کرنا اور حلاوت ایمان سے کامیاب ہونا ہے اور معلوم ہو چکا ہے کہ حلاوت ایمان بدون اتباع شریعت اور کمال اتباع سنت کے حاصل نہیں ہو سکتی، پس یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو شریعت کو طریقت سے اور طریقت کو شریعت سے جدا سمجھتے ہیں۔

باب سوم ۳

حَدِیثُ البَیعَةِ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ سے) فرمایا مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے، چوری نہ کرو گے زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے، اور (کسی پر) ایسا بہتان نہ باندھو گے جو کھڑ کے گھڑ لیا جائے، اور اچھی باتوں میں میری نافرمانی نہ کرو گے پس جو کوئی اس (عہد) کو پورا کرے گا اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور جو ان (گناہوں) میں سے کسی کا ارتکاب کریگا اگر دنیا ہی میں اس کو سزا دے دی گئی تو وہ اس کے (گناہوں کے) لئے کفارہ ہے اور جس نے ان (گناہوں) میں سے کسی کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے خواہ اس کو معاف کر دیں یا عذاب کر دیں، پس ہم نے اسی پر آپ سے بیعت کی۔“

۳۲۔ شرح — بیعت کی حقیقت اور اس کی اقسام

بیعت ایک قسم کا عہد ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک بیعت عامہ دوسرے بیعت خاصہ۔ بیعت عامہ کی پھر دو قسمیں ہیں ایک وہ جو بدون کسی شرط کے صحیح ہے۔ دوسرے وہ جو چند شرطوں کے بعد صحیح ہے

جو بیعت بدون کسی شرط کے صحیح ہے اس کی مثال باپ کی ولایت ہے بیٹے پر، مرد کی اپنی بیوی پر اور غلاموں پر (کیونکہ بیٹے کا بیٹا ہونا عورت کا بیوی ہونا، غلام کا غلام ہونا باپ اور شوہر اور آقا کی ولایت کو مستلزم ہے۔ پس یہ بھی ایک عہد ہے جس کے حقوق کا ادا کرنا اُن کے ذمہ ہے۔) اور یہ ولایت (باپ اور شوہر اور آقا کو) اللہ تعالیٰ کے حکم سے حاصل ہے، اس لئے اس میں شرطوں کی ضرورت نہیں اور اس کا بیان حدیث کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ کی شرح میں آئے گا اور جو بیعت عامہ بدون شرطوں کے صحیح نہیں اس کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو بذات خود ثابت ہے اور شرطوں سے اس کی تاکید ہو جاتی ہے اور کسی وجہ سے حکمت الٰہی اس کی مقتضی ہوئی دوسری وہ جو بذاتِ خود ثابت ہے اور شرطوں سے ایک حق کی تاکید ہو جاتی اور دوسرا حق بڑھ جاتا ہے اور تیسری وہ جو بدون شرطوں کے صحیح نہیں بلکہ شروط ہی سے اس کا وجود ہوتا ہے۔ پہلی قسم کی مثالیں بیعت الست بربکم ہے (جو عالم ارواح میں تمام آدمیوں سے لی گئی ہے) کیونکہ خود ربوبیت ہی سے بندگی (کا حق بندوں) پر ثابت ہو چکا تھا (عہد لینے کی ضرورت نہیں تھی) مگر اس بیعت سے جو اس وقت لی گئی حق مؤکد ہو گیا، اور کسی وجہ سے حکمت (الٰہی) اس کی مقتضی ہوئی اور وہ حکمت (ایک تو) یہ تھی کہ اس کی بیعت پر بندوں کا مکلف ہونا موقوف تھا کہ احکام کی بجا آوری پر (اُن کو) ثواب دیا جائے اور مخالفت پر عذاب دیا جائے (رہا یہ کہ بندوں کا مکلف ہونا اس پر کیوں موقوف رکھا گیا تو اس میں) محض شرعی علت ہے عقلی یا منطقی نہیں، (اس کے سوا جو اور حکمتیں ہوں گی ہم اُن کا احاطہ نہیں کر سکتے) دوسری قسم کی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا ہے، کیونکہ جب آپ کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا تو اسی سے آپ کی بیعت

(سب پر) ثابت ہوگئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے النبی اولی بالمومنین من انفسھم کہ نبی کا مسلمانوں پر اُن کی جانوں سے زیادہ حق ہے تو (دیکھو) اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُن کی جانوں سے بھی مقدم کر دیا ہے (تو آپ کا حق خود بخود ہم پر ثابت ہو چکا) پھر (لوگوں کا) حضور سے بیعت کرنا آپ کی رسالت کی تصدیق اور آپ کے احکام کا انقیاد (ظاہر کرنے کے لئے) تھا اور لوگوں کا آپ کی تصدیق کرنا اسی بیعت کی تاکید ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے (تمام بندوں کے ذمہ) آپ کیلئے ثابت کر دی ہے۔

اور تیسری قسم کی مثال خلیفۂ اسلام کی بیعت ہے اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ خلیفہ کسی کو اپنے بعد خلافت کیلئے نامزد کر دے جیسا حضرت صدیق نے حضرت عمر کو نامزد کر دیا تھا دوسرے یہ کہ خلیفہ کی موت کے بعد مسلمان کسی پر اتفاق کر لیں جیسا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان پر اتفاق کیا اور یہ حکم قیامت تک کیلئے ثابت ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین میری سنت کو اور خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑو، (یہ تو بیعت عامہ کی تفصیل تھی) اور بیعت خاصہ وہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مسلمانوں کی) ہر جماعت کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ جب وہ سفر کیا کریں تو کسی کو اپنا امیر بنا لیا کریں اور اسی کے حکم میں ہر وہ کام ہے جو اس کے مشابہ ہو۔ کیونکہ یہ بیعت ایک خاص وجہ سے ہے اور اس کا نفع جو کچھ ہے بیعت عامہ کے منافع سے معلوم ہو جائے گا۔ جن کو انشاء اللہ ہم بیان کریں گے، کیونکہ بیعت خاصہ کو بیعت عامہ کے ساتھ (خاص) مشابہت ہے، رہی بیعت کی حقیقت تو ظاہر ہے کہ

یہ منجملہ (معاملات) بیوع کے ایک بیع ہے (جس کے معنی ہیں بیچنا، فروخت کر دینا) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بایعونی فرمایا ہے عاهدونی نہیں فرمایا اور اس لفظ کے معنی میں غلامی کے کسی قدر اوصاف پائے جاتے ہیں جن کو ہم بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ اور جب یہ بیعت منجملہ بیوع کے ایک بیع ہے تو اب اس کی ضرورت ہے کہ مبیع کو متعین کیا جائے اور ثمن کو بتلایا جائے (کہ بیعت میں کس چیز کو بیچا جاتا ہے اور اس کے عوض میں ثمن کیا ملتا ہے ؟)

پس (معلوم کرنا چاہیئے کہ) اس جگہ مبیع تو نفس کا اختیار ہے کہ (بیعت کرنے والا) اپنے اختیار (و ارادہ) کو فنا کر دے اور جس سے بیعت کر رہا ہے اپنے کو اس کے حوالہ کر دے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق اس میں جو چاہے تصرف کرے۔ اور یہ ایک قسم کی غلامی ہے کیونکہ آقا غلام کی ذات کا مالک بن جاتا ہے جس کے بعد غلام کا کوئی اختیار اور تصرف باقی نہیں رہتا کیونکہ جو شخص کسی کی ذات کا مالک ہوتا ہے اس کے تمام منافع کا مالک ہو جاتا ہے، پس بیعت کرنیوالا اطاعت و انقیاد میں غلام کے مشابہ ہے، مگر اس کا مال اسی کی ملکیت رہتا ہے صاحب بیعت کی ملک نہیں ہو جاتا کیونکہ یہ شخص صرف اطاعت و انقیاد میں غلام کے مشابہ ہے، جملہ احکام میں نہیں، رہا ثمن (اور معاوضہ) تو وہ جنت ہے بشرطیکہ بیعت (کے حق) کو پوری طرح ادا کر دیا جائے کیونکہ بیعت عقبہ کے موقعہ پر جب صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اُن کو اس بیعت کے عوض کیا ملیگا؟ تو آپ نے فرمایا 'جنت'، صحابہ نے عرض کیا کہ ہم (اس پر) راضی ہیں اور بیعت کو نہیں توڑیں گے (بلکہ اس کا حق ادا کریں گے) غرض شارح علیہ السلام نے بیع اور مبیع اور ثمن سب کچھ بتلا دیا ہے اور یہی حکم ہر اس بیعت کا ہے جو حضورؐ کے بعد (کسی سے) شریعت کے موافق کی جائے کہ اس کا

ثمن بھی جنت ہی ہے، جبکہ اس کو توڑا نہ جائے۔ کیونکہ ہر بیعت، بیعت رسول کی تجدید وتاکید ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنا اللہ عزوجل سے بیعت کرنا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ کہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ (درحقیقت) اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنا بیعت الست بربکم کا ایفا اور اسی کی تاکید ہے (قولہ فی الوجہ الاول فانما انواعہا فعلی ضربین الیٰ قولہ وفاء وتاکید لبیعۃ الست بربکم ملخصا)

ف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعتِ مسافرین کو جو حکم دیا ہے کہ کسی ایک کو اپنا امیر بنالیا کریں۔ یہ بیعتِ صوفیہ کی دلیل ہے کیونکہ سالکین طریق بھی ایک سفر میں ہیں اور بڑے سفر میں ہیں جو سفر ظاہر سے اہم اور بہت اہم ہے، پس جب سفر ظاہر میں کسی کو امیر بنانا سنت ماثورہ ہے تو اس سے اہم سفر میں کسی کو امام بنانا خلاف سنت کیونکر ہوسکتا ہے،

ف جب بیعت کی حقیقت معلوم ہوگئی کہ وہ منجملہ بیوع کے ایک بیع ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیعت طریق کے لئے ہاتھ میں ہاتھ لینا ضروری نہیں بلکہ مرید اور شیخ کی طرف سے زبانی معاہدہ کافی ہے۔ باقی اس میں شک نہیں کہ حضور نے صحابہ سے جس وقت بھی بیعت لی ہے، خواہ بیعت اسلام ہو یا بیعت جہاد یا بیعت اتباع احکام وہ ہاتھ میں لیکر واقع ہوئی ہے اس لئے مشائخ نے بھی یہی صورت اختیار کی مگر صورت بیعت کو لازم اور مقصود سمجھ لینا اور اصل مقصود کو پس پشت ڈال دینا سخت غلطی ہے جس میں آج کل لوگ مبتلا ہیں۔

ف جب یہ معلوم ہو چکا کہ بیعت ایک قسم کی غلامی ہے تو ضرور ہے

کہ اس میں جلدی نہ کی جائے۔ مرید کو اس وقت بیعت کا ارادہ کرنا چاہیئے جب اس کا نفس شیخ کی غلامی کیلئے پوری طرح تیار ہو جائے اور شیخ کو اس وقت بیعت لینا چاہیئے جب اس کو اطمینان ہو جائے کہ یہ شخص اطاعت و انقیاد کیلئے آمادہ ہو چکا ہے۔

ف شیخ کو مرید میں تصرف کا حق شریعت کی حدود کے اندر ہے اس سے زیادہ نہیں پس جو لوگ مریدوں کے مال کو اپنا مال ان کی بیبیوں کو اپنی باندیاں سمجھتے ہیں وہ جاہل اور گمراہ کن ہیں۔

ف جب یہ معلوم ہو چکا کہ سالکین کی بیعت شیخ کے ہاتھ پر ایسی ہے جیسے جماعتِ مسافرین اپنے میں سے ایک کو امیر بنا لیتی ہے تو ضرور ہے کہ بیعت ہونیوالا یہ بات جانتا ہو کہ وہ کس لئے شیخ کو اپنا امام بنا رہا ہے اور بیعت لینے والا طریق سے پوری طرح واقف ہو اس کی منازل و ضروریات کو اچھی طرح جانتا ہو تا کہ جماعت کو سیدھے راستہ پر لے چلے۔

قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللّٰہ علی بصیرۃ انا و من اتبعنی و سبحٰن اللّٰہ وما انا من المشرکین

۳۳۔ توحیدِ کامل حاصل کرنا چاہیئے اور کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہ سمجھنا چاہیئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کرو گے، عام لفظ ہے کیونکہ شئی ہر چھوٹی بڑی چیز کو شامل ہے، اور اس لفظ کے عموم پر عمل کرنے ہی سے فرقۂ ناجیہ محمدیہ کو دوسرے فرقوں میں سے امتیاز حاصل ہوا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل میں تو بہتر ۷۲ فرقے ہو گئے تھے اور میری امت میں تہتر ۷۳ فرقے ہوں گے جن میں سے سوا ایک کے جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوگا اور

سب جہنمی ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیعت کے موقع پر اس فرقہ کی علامتیں بتلا دی ہیں تاکہ حضور کا اور آپ کے اصحاب کا طریقہ واضح ہو جائے کیونکہ ــــــــــــ

ـــــ (اولاً) حضرات صحابہ ہی کو اس بیعت (کی شرائط) کا مخاطب بنایا گیا ہے (تو یقیناً وہ اسی راستہ پر تھے جو یہاں بیان کیا گیا ہے) پس اس سے فرقۂ ناجیہ کا پتہ لگ گیا کہ جس نے اس لفظ کو حقیقی عموم پر باقی رکھنے میں صحابہ کا اتباع کیا وہ تو اُن کے راستہ پر ہے اور اگر اس میں تخصیص کی خواہ قلیل ہو یا کثیر وہ اُن کا مخالف ہے اور جس درجہ کی تخصیص ہو گی اسی درجہ کی مخالفت ہو گی۔

(الوجہ الثانی قولہ علیہ السلام علی ان لا تشرکوا باللہ شیئًا ھذا لفظ عام الی قولہ قلیلا کان او کثیرا)

ف شارح نے اس مقام پر بہت تفصیل کے ساتھ اُن تمام فرقوں کا رد کیا ہے جو توحید اسلامی میں فلسفہ کے اثر سے خلل ڈالتے ہیں اس کے بعد توحید اسلامی اور عقیدۂ اہل سنت کو وضاحت سے بیان فرمایا اور دلائل سے اس کو ثابت کیا ہے ہم نے اس تفصیل کو سر دست چھوڑ دیا ہے کیونکہ ہمارا مقصود اس وقت صرف مسائل تصوف کا انتخاب ہے مگر خلاصہ کے طور پر اتنا بتلا دینا ضروری ہے کہ محققین صوفیہ کمال توحید کی تعلیم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی برابر اور اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے نہ وہ حلول کے قائل ہیں نہ اتحاد کے، نہ وہ جبریہ ہیں نہ قدریہ، نہ معتزلہ، اور فلاسفہ کی طرح عقل پرست ہیں وہ اُسی صاف اور سیدھے راستہ پر

چلتے ہیں جو حضرات صحابہ کا طریقہ ہے۔

ف بعض لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم غیب اور حاضر و ناظر سمجھتے ہیں اور بعض لوگ اولیاء اللہ میں ایسی قدرت مانتے ہیں کہ وہ بدون اللہ تعالیٰ کی اجازت اور مرضی کے بھی جو چاہتے ہیں کر سکتے ہیں۔ گویا کارخانۂ قدرت اُن کے ہاتھ میں ہے۔ یہ سب توحید سے دور اور شرک سے قریب تر ہیں۔

"لیس کمثلہ شیئ و من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ و ماتفعلون الا ان یشاء اللہ"

ان کو تصوف کی ہوا بھی نہیں لگی کیونکہ تصوف کمالِ اتباع شریعت کا نام ہے اور شریعت نے کمال توحید کی تعلیم کی ہے جس سے یہ لوگ کوسوں دور ہیں۔

باب چہارم

حدیث قتال المسلمین

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لیکر لڑنے پر آمادہ ہوں تو قاتل اور مقتول (دونوں) جہنم میں جائیں گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قاتل (کا) یہ (مآل تو ظاہر) ہے مگر مقتول کا یہ حال کیوں ہے؟ فرمایا اس لئے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر حریص اور آمادہ تھا۔

۴۴۔ شرح : فساد نیت اور افعال قلب پر بھی مواخذہ ہوتا ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتول اپنی حرص اور فساد نیت کی وجہ سے جہنم کا مستحق ہوا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حرص بھی ایک عمل ہے جس میں (بعض دفعہ) فساد نیت شامل ہو جاتی ہے (اور بڑے وبال کا باعث بن جاتی ہے) پس مقتول قاتل کے ساتھ ان دونوں صفتوں میں شامل ہو گیا (یعنی قاتل ہونے میں بھی اور جہنمی ہونے میں بھی) کیونکہ انسان کی قدرت میں جتنا تھا وہ دونوں کر چکے (ورنہ) کسی کی عمر کو باقی رکھنا یا ختم کر دینا یہ انسان کی قدرت میں نہیں اور مقتول بھی تو قاتل کی عمر ختم کر چکا کیونکہ وہ اس کے قتل پر حریص اور آمادہ تھا (اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ظلم کی دو قسمیں ہیں ایک حسی جو محسوس طریقہ

پر فعل سے ظاہر ہو دوسرے معنوی جو نیت اور ارادہ کے درجہ میں ہو ظلم حسی کے احکام تو فقہ میں مذکور ہیں اور شارح نے بھی اس سے کسی قدر تعرض کیا ہے) ہاں ظلم معنوی کے متعلق گفتگو باقی ہے اور وہ اس مقام کے مناسب ہے تو (سمجھنا چاہیئے کہ) اس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ محض نیت ہی کا درجہ ہو عملاً ظلم کا صدور نہ ہو نہ ظلم کا سبب بنا ہو۔ دوسرے یہ کہ نیت کے ساتھ عملاً بھی ظلم کا صدور ہوا یا اس کا سبب بنا (مگر ظلم محسوس نہیں ہوتا) قسم اول کی مثال حسد اور بغض اور تمام بری نیتیں ہیں جن سے شرعاً منع کیا گیا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخوانا،

باہم حسد اور بغض نہ کرو ایک دوسرے سے منہ موڑ کر نہ چلو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بن کر رہو۔

تو یہ بری نیتیں مال و آبرو کی طرح نہیں ہیں کہ ظالم و مظلوم دونوں کا حساب کر لیا جائے اور جس کی زیادتی ہو اس سے بدلہ لے لیا جائے بلکہ یہ (باہم حسد و بغض رکھنے والے) دونوں قاتل و مقتول کی طرح ہیں ان دونوں کو معاً عذاب ہوگا اور ایک کا عذاب دوسرے کے عذاب کو کچھ کم نہ کرے گا کیونکہ خیر و شر میں باطنی امور (اور قلبی ارادہ و نیت) کا اثر ظاہری افعال سے زیادہ ہے اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو جائے تو سارا بدن درست ہو جاتا ہے اور وہ بگڑتا ہے تو سارا بدن بگڑتا ہے، سن لو وہ دل ہے، (اگر دل خراب ہوگا تو بدن کے سارے افعال بگڑ جائیں گے) اور دل سے مراد یہ عضو نہیں (جس کو اطباء دل کہتے ہیں) بلکہ وہ نیت و ارادہ مراد ہے) جو دل کے اندر ہوتا ہے۔ اس کی زیادہ توضیح و تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا وہ ارشاد ہے جو آپ نے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے فرمایا کہ اگر تم سے ہوسکے کہ ہر صبح اور ہر شام تمہارے اوپر ایسی حالت میں آئے کہ دل میں کسی کی طرف سے کھوٹ نہ ہو تو ایسا (ضرور) کرو پھر فرمایا برخوردارمن ! یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے گویا مجھے زندہ کر دیا اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے اس حال میں صبح و شام کی کہ کسی پر ظلم کی نیت نہیں رکھتا اس کے سب گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور اس کی ضد (اور خلاف صورت) کے متعلق ارشاد ہے

من غشنا فلیس منا

"جس نے ہم سے (یعنی مسلمانوں سے) فریب کیا وہ ہم میں سے نہیں"

اور جو کسی مسلمان کو ضرر پہنچانا چاہے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ضرر پہنچائیں گے اور جو کسی مسلمان سے فریب کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرمائیں گے اس بارہ میں آیتیں اور حدیثیں بہت ہیں اور جو ظلم نیت اور عمل (دونوں) کیساتھ ہو اس کی مثال قطع رحم ہے (یعنی رشتہ قرابت کو توڑنا کیونکہ جب دو آدمی باہم قطع رحم کریں گے تو ہر ایک اس وعید کا مستحق ہوگا جو اس کے متعلق وارد ہوگا ، اور یہ عذر نہیں چل سکتا کہ پہلے دوسرے نے قطع رحم کیا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

تصل من قطعک تعطی من حرمک

جو تم سے قطع تعلق کرے اس سے ملو جو تم کو نہ دے اس کو دو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو رحم نے عرض کیا کہ قطعیت (یعنی قطع تعلق) سے پناہ مانگنے والے کا ٹھکانا آپ ہی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ جو تجھ کو ملائے گا میں اس کو (اپنے سے) ملاؤں گا

جو تجھ کو قطع کرے گا میں اس کو (اپنے سے) الگ کر دوں گا، کہا بیشک اے پروردگار! (میں اس پر راضی ہوں) فرمایا تو بس تیرے واسطے یہی ہے، اور جو ظلم نیت سے ہو اور عمل سے نہ ہو مگر ظلم کا سبب بنا ہو اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کے ساتھ دھوکہ اور فریب کرنے کی کوشش کرے یا اس کو رنج دینا (اور تکلیف پہنچانا) چاہے اگرچہ اس کو وہ تکلیف نہیں پہنچی جس کا اس نے قصد کیا تھا، کیونکہ نیت کا فاسد کرنا اور (ظلم کا) سبب بننا دونوں یکساں ممنوع (اور حرام) ہیں خواہ کسی کو تکلیف پہنچے یا نہ پہنچے تو یہ بھی انہی کے برابر ہے جن کا ذکر اوپر گذرا کسی کا ظلم دوسرے سے کم نہیں کیونکہ ہر ایک نے اپنے بھائی (مسلمان کو ایذا دینے) کے لئے درپردہ ایسی کوشش کی جس سے شرعاً منع کیا گیا ہے یعنی نیت فاسد کی اور برائی کا سبب بنا، اسی لئے اُن بزرگ علماء عاملین نے جن کو نور بصیرت عطا ہوا ہے گنہگاروں کی ذات سے بغض نہیں رکھا بلکہ وہ صرف اُن کے افعال سے بغض رکھتے تھے جن سے شریعت نے منع کیا اور مذمت کی ہے اور گنہگاروں کی ذات پر اُن کو ترس آتا تھا کہ تقدیر سے وہ ان گناہوں میں مبتلا ہو گئے اور اپنی ذات پر اندیشہ رکھتے تھے کہ مبادا اُن کو یہ ابتلاء پیش نہ آ جائے (کیونکہ انبیاء کے سوا معصوم کوئی نہیں ہر شخص کا ہر گناہ میں مبتلا ہو جانا محتمل ہے) پس یہ حضرات بغض بھی رکھتے تھے کیونکہ اس کا اُن کو (شریعت کی طرف سے) حکم کیا گیا ہے، اور ترس بھی کھاتے تھے کیونکہ گنہگاروں کی سرشت ہی میں یہ گناہ رکھا ہوا تھا اور اس اندیشہ سے کہ کبھی خود اُن میں مبتلا نہ ہو جائیں ڈرتے بھی تھے اور اس (مضمون) پر تنبیہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کافی ہے ولا تأخذکم بہما رأفۃ فی دین اللہ (کہ تم کو زنا کاروں پر حد قائم کرنے میں شفقت مانع نہ ہو) یعنی جو شفقت بوجہ ایمان کے

تمہاری طبیعت میں پیدا ہوگئی ہے وہ تم کو ان حدود کے ضائع کرنے پہ نہ ابھار دے بلکہ جن کے قائم کرنے کا تم کو مکلف (وماموں) کیا گیا ہے (سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے گنہگاروں کی ذات پہ شفقت کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ اس بات سے منع فرمایا ہے کہ شفقت کی وجہ سے حدود و احکام کو ضائع کیا جائے اور (ان دونوں باتوں کے جمع کرنے کی) توفیق دینے والا اللہ ہی ہے۔

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام و سندان باختن

قوله الوجه في الوجه الرابع فاعلمهم انه استوجب ذلك بحرصه وقوله في الوجه الثامن وبقى الكلام هٰهنا على الظلم المعنوى الى قوله والله الموفق)

ف یہ امراض قلوب ہی تو وہ ہیں جن کے ازالہ کا اہتمام صوفیہ کرام فرماتے ہیں اور اسی کے لئے مجاہدات کئے جاتے ہیں کیونکہ فطری امور آسانی سے نہیں بدلا کرتے جبل گردد جبلت نگردد، اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ تکبر حسد، بغض، کینہ، فساد نیت و ارادہ وغیرہ شرعاً حرام ہیں اور آیات و حدیث میں بکثرت ان پہ وعید وارد ہے، پھر دیکھنا ہے کہ ان کے ازالہ کے طریق کا کس طرح انکار کیا جاتا ہے۔ اگر کسی کو یہ دعویٰ ہو کہ بدون اس طریق کے بھی جو صوفیہ نے بیان فرمایا ہے۔ ان امراض کا ازالہ ہو سکتا ہے تو وہ بیان کرے اور بتلائیے کہ وہ کون سا طریقہ ہے یقیناً وہ کوئی طریقہ بیان نہ کر سکے گا۔ اور مجبوراً طریق صوفیہ کی تصدیق کریگا۔

ف الفاظ حدیث بظاہر عام ہیں مگر بالاجماع مراد خاص مخصوص ہے جبکہ قاتل و مقتول دونوں ناحق پہ ہوں اور عمداً قتل پہ آمادہ ہے ہوں کیونکہ اگر دو مسلمان طریقۂ جنگ سیکھنے کیلئے تلواروں سے مشق کر رہے ہوں اور غلطی سے

ایک قتل ہو جائے تو یہ صورت وعید حدیث میں داخل نہیں بلکہ اس کو قتل خطا کہا جائے گا اسی طرح اگر ایک حق پر ہو اور دوسرا ناحق پر مثلاً چور یا ڈاکو نے کسی کا مال چھیننے یا چرانے کیلئے حملہ کیا اور دوسرے نے اپنے مال کی حفاظت کیلئے مقابلہ اور مدافعت سے کام لیا تو اگر چور یا ڈاکو مارا گیا تو وہ بدترین مقتول ہوگا اور قاتل پر وعید نہ ہوگی اور دوسرا مارا گیا تو وہ شہید ہوگا اور قاتل جہنمی ہوگا

اسی طرح اگر خلیفۂ اسلام سے کسی نے بغاوت کی اور بغاوت کی کوئی معقول وجہ نہیں اس صورت میں اگر خلیفۂ اسلام باغی کو قتل کردے تو قاتل پر کوئی الزام نہیں اور مقتول گنہگار ہے، اور اگر بغاوت کی معقول وجہ ہے اور باغی کے نزدیک خلیفۂ اسلام کی خلافت شرعاً صحیح نہ تھی اور خلیفۂ اسلام کے نزدیک اس کی خلافت شرعاً صحیح تھی اس صورت میں دونوں اس وعید میں داخل نہ ہوں گے جو یہاں مذکور ہے، جیسا حضرات صحابہ کرام میں جنگ باہم ہوئی ہے اور دونوں جماعتیں شہادت حدیث کے مطابق جنتی تھیں تو اُن کا قتال عموم حدیث کے تحت میں داخل نہ تھا، غرض حدیث میں قتال کی وہ خاص صورت مراد ہے جب کہ قاتل و مقتول دونوں نے ایک دوسرے کے قتل کا ارادہ محض ظلم اور تعدی کی وجہ سے بدون کسی حق یا تاویل وشبہ کے کیا خوب سمجھ لو۔

(وھذا التفصیل مما فتح اللہ علیہ الشارح وانما ذکرناہ فی الفوائد لخروجہ عما نحن بصددہ من مسائل التصوف ولم نر بُداً من التنبیہ علیہ لکونہ من مزال الاقدام ۱۲)

باب پنجم

حدیث لیلۃ القدر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لیلۃ القدر میں بوجہ ایمان اور طلب ثواب کے قیام کرے اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

شرح یہ حدیث صاف طور سے شب قدر کی فضیلت پر دلالت کر رہی ہے اور اس کے متعلق چند باتیں بیان کرنے کی ہیں۔

۲۵- نماز عشاء کے بعد نوافل پڑھ لینا بھی قیام لیل ہے

حدیث کا یہ لفظ ' جو لیلۃ القدر میں قیام کرے'

اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ پوری رات کا قیام مراد ہو یا کسی خاص حصہ کا، اگر خاص حصہ کا قیام مراد ہے تو اس میں بھی دو احتمال ہیں ایک یہ کہ قیام رمضان کی طرح اول شب کا قیام مراد ہو جو نماز عشاء کے بعد ہوتا ہے (کیونکہ احادیث میں قیام رمضان کی جو فضیلت وتاکید وارد ہے حضرات صحابہ نے اس کو اول شب میں بعد عشاء کے تراویح کی صورت سے ادا کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ (عشاء کے بعد نماز پڑھنے کو بھی قیام لیل کہا جاتا ہے کیونکہ صحابہ سے زیادہ حضور کی مراد کون سمجھ سکتا ہے) دوسرے یہ کہ آخر شب کا قیام مراد ہو جسے تہجد کہتے ہیں اور حضور نے توسعاً (مجازاً) اس کو قیام سے تعبیر کر دیا جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قم اللیل الا قلیلاً کہ رات کو قیام کیجئے سوائے تھوڑے حصہ کے اور اس (قیام) سے مراد تہجد ہے کیونکہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام (کچھ دیر)

سونے[ع] کے بعد ہی ہوتا تھا اور لغت میں اسی کا نام تہجد ہے اور جس قیام میں اس قدر تجوف ہے اس میں یہ سب احتمالات (جاری) ہیں مگر زیادہ ظاہر واللہ اعلم یہ ہے کہ اس سے مراد تہجد ہے جو سونے کے بعد ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو اختیار کر لیا اور آپ کا دائمی عمل یوں ہی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی صورت اختیار فرماتے تھے جو افضل و اولیٰ اور سب سے راجح ہو، اگر اس کے سوا کوئی صورت افضل ہوتی تو آپ اسی کو اختیار فرماتے اور مفضول (وادنیٰ) کو چھوڑ دیتے" (الوجہ الاول قولہ علی [illegible] یتم الی قیامہ وقرائتہ المنفرد)

ف اس سے معلوم ہوا کہ عشاء کے بعد کچھ نماز نفل پڑھ لینے سے بھی قیام لیل ادا ہو جاتا ہے اس پر حضرت حکیم الامت نے بار ہا تنبیہ فرمائی ہے اور بہت لوگ اس سے غافل ہیں اور یہ غفلت بعض دفعہ اُن کو ثواب تہجد سے محروم کر دیتی ہے جبکہ رات کو آنکھ کھلنے کا بھروسہ نہ ہو ۱۲

(۳۶) سُنت کے موافق گیارہ یا تیرہ رکعات کے ساتھ تہجد پڑھنا (تہجد میں) ساری رات نماز پڑھنے سے افضل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام گیارہ رکعات یا تیرہ رکعات کے ساتھ باختلاف روایات ثابت ہوا ہے آپ نے رمضان یا غیر رمضان میں اس پر زیادتی نہیں فرمائی تو اب سوال یہ ہے کہ شب قدر میں اتنا قیام کفایت کا ادنیٰ درجہ ہے یا انتہائی اہم درجہ ہے تو سو یہ ظاہر ہے کہ قیام (شب قدر) کا انتہائی درجہ یہی ہے (جو حضور سے ثابت ہے) جس کی دو دلیلیں ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات مقدسہ کے لئے اعلیٰ اور بہتر صورت ہی اختیار فرماتے تھے اعلیٰ درجہ کو چھوڑ کر ادنیٰ درجہ اختیار فرماتے تھے دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں کے ساتھ قیام کرے تو وہ دونوں اس کو کافی ہیں اور ایک روایت میں سورۂ آل عمران کے آخر کا ذکر ہے اور کافی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دو آیتیں قیام لیل سے کفایت کریں گی اور اس شخص کو تہجد گذار کہا جائے گا اور جب ہم نے یہ مان لیا کہ اس کو تہجد حاصل ہو گیا جس کو (حدیث میں) قیام لیل کہا گیا ہے تو ان دو آیتوں کو دو رکعتوں میں پڑھ لینے ہی سے اس کو وہ ثواب مل گیا جو اسے ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے جن میں شب قدر نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شب قدر ہزار مہینوں سے افضل ہے (پس قیام شب قدر کا ادنیٰ درجہ تو یہ ہوا کہ سورۂ بقرہ یا آل عمران کی دو آیتوں سے دو رکعتیں پڑھ لی جائیں

[ع] قلت ولی فیہ نظر لحدیث عائشۃ فی الصحیح من کل اللیل قد اوتر کان یوترا ولہ واوسطہ ثم انتھی وترہ الی السحر ای آخر اللیل او کما قالت والمراد باعتبار قیام اللیل وکان صلی اللہ علیہ وسلم یجعل آخر صلوٰۃ باللیل وترا کما امر بہ فافھم ۱۲ ظ

اور جو درجہ حضورؐ نے اختیار فرمایا ہے وہ اعلیٰ درجہ ہے) اگر کسی کو یہ شبہ ہو گیا کہ گیارہ یا تیرہ رکعتیں انتہائی درجۂ کمال کو کیونکر پہنچ سکتی ہیں حالانکہ بعض لوگ اس سے بھی زیادہ قیام کرتے اور رات بھر نماز پڑھتے ہیں تو رات بھر قیام کرنے والے سے وہ شخص کیونکر افضل ہو جائیگا جس نے گیارہ یا تیرہ رکعت ہی سے قیام کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک گیارہ یا تیرہ رکعت سے قیام کرنے والا رات بھر نماز پڑھنے والے سے افضل ہے۔ کی دلیل عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث ہے (جو آئندہ آئے گی) اور اس حدیث کی شرح میں بھی اس سوال کا جواب آئیگا جس کو شوق ہو اس مقام کا مطالعہ کرے اور جب یہ بات ثابت ہو گئی تو اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت آپ کا درجہ، آپ کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کس قدر بلند ہے۔ اور آپ کی وجہ سے آپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس امت پر کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے واسطے (شب قدر) میں تہجد کی دو دو رکعتوں کا ثواب ایک ہزار مہینہ کی دشوار تر عبادت یعنی (ہزار مہینے تک) جہاد کرنے سے بھی افضل کر دیا ہے جن کی مقدار تیس ہزار دن اور تیس ہزار رات ہوتی ہے جس کا مجموعہ ساٹھ ہزار کا زمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو اپنی نعمت کے شکر کی توفیق دے اور اس نعمت کا اہل بنائے اور اپنے فضل سے اس نعمت کے حاصل کرنے پر ہماری مدد فرمائے (آمین) اور اسی کے مثل امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کا ایک فضل و احسان جس کے حاصل کرنے میں کچھ بھی دقت نہیں یہ ہے، (خدا ہم کو اس امت کے صلحا میں داخل فرمائے) کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننے لگو تو شمار نہ کر سکو گے، اور دوسرا ارشاد یہ ہے لئن شکرتم لازیدنکم اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر نعمتوں کو زیادہ کر دوں گا اس میں اللہ تعالیٰ نے نعمت کے بڑھانے کا وعدہ شکر پر موقوف کیا ہے لا اور بیشمار نعمتوں کا شکر ادا کرنا بہت دشوار تھا تو) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کوئی ہر صبح اور ہر شام یوں کہہ لیا کرے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ اللھم ما اصبحت بی او امست لی من نعمۃ فمنک وحدک لا شریک لک لک الحمد ولک الشکر اس نے اللہ تعالیٰ کی اُن تمام نعمتوں کا شکر ادا کر دیا جو اس پر (فائض) ہوئی ہیں تو اس فضل عظیم کو (تو) دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ہمارے تھوڑے سے لفظوں کو بیشمار نعمتوں کا شکر بہ قرار دیکر اور اسی پر ہمارے لئے نعمت بڑھانے کا ذمہ لے لیا۔

(قوله قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان ماثبت عنہ من الاحدی عشرۃ رکعۃ الی قولہ وضمن لنا المزید)

ف کیا اب بھی کسی کا منہ ہے جو صوفیہ کے طریق کو خلاف سنت کہہ سکے، تم نے دیکھا کہ محققین صوفیہ ملت بھر نماز پڑھنے سے گیارہ یا تیرہ رکعات کے ساتھ تہجد کو افضل سمجھتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا اور بعض روایات میں جو اس سے زیادہ کا ثبوت ہے وہ بطور معمول کے نہ تھا جیسا ان روایات کے الفاظ سے واضح ہے ۱۲

۳۷۔ عمل کے وقت تصحیح نیت اور استحضار ایمان مطلوب ہے

حدیث کا یہ لفظ لوجہ ایمان اور طلب ثواب کے، اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان کا استحضار ہر جزو عمل کیساتھ مطلوب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر یہ شرط بیان فرمائی ہے کہ شب قدر کا قیام تصحیح نیت کے ساتھ کیا جائے (یعنی صرف ایمان اور طلب ثواب کی وجہ سے قیام ہو اور کوئی غرض نہ ہو) پھر علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے بعض کا قول ہے کہ یہ استحضار ہر وقت ضروری ہے اور بعض کا قول ہے کہ صرف عمل شروع کرنے کیوقت ضروری ہے اور عمل کے ہر جزو کے ساتھ استحضار ہونا کمال عمل کی شرط ہے جمہور اس پر ہیں اور یہ لفظ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عمل کیوقت ایمان کے استحضار سے ایمان کو ترقی ہوتی ہے کیونکہ مسلمان کو تو پہلے ہی سے ایمان حاصل ہے پس عمل کیوقت اس کو نیت میں حاضر کر لینا ترقی کا قائم مقام ہے۔

(قولہ الوجہ الرابع عشر فیہ دلیل علی ان استصحاب الایمان مطلوب والوجہ الخامس عشر فیہ دلیل علی ان استحضار الایمان زیادۃ الی قولہ قام مقام الزیادۃ)

ف صوفیہ کو تصحیح نیت کا بہت اہتمام ہے اور اسی سے اُن کو علماء ظاہر سے امتیاز حاصل ہے علماء ظاہر کو اعمال قلب کا اہتمام نہیں پس یہ حدیث صوفیہ کی مؤید ہے۔

ف۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ طلب ثواب صحت نیت کے منافی نہیں اس باب میں

جملہ صوفیہ بھی نصوص کے خلاف چلے ہیں چنانچہ عام طور سے اُن کے کلام میں یہ مضمون ملتا ہے کہ عارف کو طالب ثواب اور طالب جنت نہ ہونا چاہئیے۔ بلکہ طالب رضا ہونا چاہیے مگر جب کہ جنت محبوب کی ایک نعمت ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ بندے اس نعمت کی طرف رغبت کریں جیسا لمثل ھذا فلیعمل العاملون وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون ٥ سے ظاہر ہے تو جنت کی طلب عین محبوب کی طلب ہے ہاں اگر جنت کی طلب محض حظ نفس کیلئے ہو محبوب کی نعمت سمجھ کر نہ ہو تو بیشک یہ طلب معرفت کے منافی ہوگی۔

۳۸۔ عمل کا بڑا ثواب مغفرت ہے اس سے بڑھ کر کوئی جزا نہیں

حدیث سے یہ لفظ کہ اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال کا اصل ثواب اور اعلیٰ ثمرہ مغفرت ہے (کہ گناہ معاف ہو جائیں گے) کیونکہ شب قدر سے قیام کا ثواب مغفرت ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ قیام ہزار مہینوں کے اس عمل سے افضل ہے جو اللہ کے راستہ میں جہاد کی صورت سے ہو (پس اگر مغفرت سے بڑھ کر کوئی ثواب ہوتا تو اتنے بڑے عمل پر اسی کو مرتب کیا جاتا اس سے معلوم ہوا کہ اس سے زیادہ کوئی ثواب نہیں) کیونکہ مغفرت ہی سب کی اصل ہے اور ہلاکت سے نجات دینے والی یہی ایک چیز ہے اور اگر کسی وقت رحمت کے ساتھ مغفرت نہ ہو تو (بندے کا) ہلاک ہونا ممکن ہے، اور اسی وجہ سے کہ مغفرت میں یہ خصوصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مغفرت ہی کے ساتھ مخصوص و سرفراز فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے لیغفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک وما تأخر اس کے سوا اور کوئی ثواب بیان نہیں فرمایا۔ غرض عقل و نقل (دونوں) اس بات کو بتلاتے ہیں کہ انسان کو جو نعمتیں بھی عطا کی جائیں اُن میں سب سے افضل مغفرت ہے کیونکہ اگر اس کی نیکیاں زیادہ ہو جائیں تو کثیر بھی یہ احتمال رہیگا کہ نجات ہوگی یا نہ ہوگی اور جس کی مغفرت ہوگئی اس پر کسی قسم کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے گا (الوجہ السابع عشر قولہ علیہ السلام غفر لہ ما تقدم الی قولہ لم یبق علیہ شئی یخاف منہ)

۳۹۔ ایمان سب اعمال سے اعلیٰ ہے

حدیث میں اس کی بھی دلیل ہے کہ ایمان تمام اعمال سے اعلیٰ (اور بڑھ کر) ہے کیونکہ اگر شب قدر کا قیام انوار ایمان

سے خالی ہوا تو یہ ثواب نہ ملے گا جس کا اوپر ذکر آچکا اور جب ایمان کے انوار بھی اس کے ساتھ شامل ہوں تو اس کے عوض میں اعلیٰ درجہ کا ثواب ملیگا جو کہ مغفرت ہے اللھم اجعلنا ممن غفرت لہ فی الدارین بلا محنۃ انک جواد کریم (قولہ الوجہ الثامن عشر فیہ دلیل علی ان الایمان اعلی الاعمال الی قولہ جواد کریم)

ف صوفیہ کا یہ خاص مذاق ہے وہ دولت ایمان کو سب سے بڑھ کر سمجھتے اور اس کی تکمیل کا اہتمام کرتے ہیں۔

ف اس مقام سے علماء ظاہر کو بھی سبق لینا چاہیئے اور طالبان سلوک کو بھی کہ اصل چیز مغفرت ہے بندہ کو اسی کا طالب ہونا چاہیئے درجات عالیہ کا طالب ہونا چاہیئے جس کو مغفرت حاصل ہوگئی اس کو سب کچھ مل گیا حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم فرمایا کرتے تھے کہ درجات کی تمنا اہل درجات کو مبارک ہو ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ جہنم سے نجات ہو جائے چاہے پھر جنتیوں کی جوتیوں ہی میں جگہ ملے۔

باب ششم ۶

حدیث ان الدین یسر

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین آسان ہے اور ہرگز کوئی شخص سختی (اور مبالغہ) کے ساتھ دین پر غالب ہونے کا ارادہ نہ کریگا مگر دین ہی اس کو ہرا دیگا، پس سیدھے چلو، قریب قریب ہو اور خوشخبری حاصل کرو اور صبح وشام کیوقت سے اور کسی قدر رات کے آخری حصہ سے (کام میں) سہارا لو،

۳۰ شرح دین آسان ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "دین آسان ہے" چند وجوہ کو محتمل ہے اور ہر وجہ کے لحاظ سے حدیث کی شرح اخیر تک مختلف ہوگی پس ہم ہر وجہ پر الگ کلام کریں گے اور ایک وجہ کے موافق حدیث کی شرح پوری کر کے دوسری وجہ پر کلام کریں گے (علی ہذا القیاس) چنانچہ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حضور نے جو دین کو آسان فرمایا ہے تو ممکن ہے کہ دین سے ایمان مراد ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسلام مراد ہو اور ممکن ہے کہ دونوں مراد ہوں۔ ایمان تو تصدیق کا نام ہے (کہ دل سے توحید و رسالت کو مان لے) اور اسلام انقیاد (اور اطاعت) کا نام ہے (کہ احکام شرعیہ کو بجالائے) اور زیادہ ظاہر یہی ہے کہ دونوں مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولکن قولوا اسلمنا اور اس کے بعد فرمایا ہے ولما یدخل الایمان فی قلوبکم (کہ جب تک ایمان دل کے اندر نہ ہو ایمان کا دعویٰ نہ کرو بلکہ اسلام کا اقرار کرو) تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے ظاہر (اسلام) کو قبول نہیں فرمایا کیونکہ باطن میں تصدیق نہ تھی نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار کہ منافقوں کا ٹھکانا جہنم کا سب سے نیچا طبقہ ہے تو باوجودیکہ منافقین نے ظاہر میں اطاعت کرلی

تھی جس کا نام اسلام ہے مگر اُن کے پاس ایمان نہ تھا اس لئے اسلام نے اُن کو کچھ نفع نہ دیا اسی
طرح اس کے عکس کو سمجھ لو (کہ ایمان بھی بدون اسلام کے نافع نہیں ہوتا) اور جب یہ بات ثابت
ہوگئی کہ اسلام اور ایمان آپس میں لازم و ملزوم ہیں تو دین سے یہاں دونوں ہی مراد ہیں۔ اب اس
کی ضرورت ہے کہ ان دونوں کی سہولت کو بیان کیا جائے، پس ایمان کے آسان ہونے کیلئے تو جاریہ کی
مشہور حدیث کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باندی سے دریافت فرمایا اللہ
کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں، پھر پوچھا اور میں کون ہوں؟ کہا آپ اللہ کے رسول ہیں،
اس پر حضور نے اس کے مالک سے فرمایا اس کو آزاد کردو یہ مومنہ ہے تو دیکھو حضور نے اس کو
اتنی بات پر مومنہ قرار دیا کہ اس نے آپکے رسول ہونے کا اقرار کرلیا اور اللہ تعالیٰ کو موجود اور
قاہر و حاکم مان لیا تھا کیونکہ اس نے آسمان کیطرف اشارہ کیا تھا اور اہل عرب بلندی و رفعت کو
اسی طرح ظاہر کیا کرتے ہیں اور بلندی و رفعت کے لئے قہر و غلبہ لازم ہے (تو آسمان کی طرف
اشارہ کرکے اس نے اللہ تعالیٰ کے قاہر و غالب ہونے کا اقرار کیا تھا) اور اس سے یہ لازم نہیں آتا
کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص مکان میں ہیں جیسا بعض ملحدوں نے سمجھا ہے۔ تعالی اللّٰہ عن ذالک
علوا کبیرا اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہیں کیونکہ لغت اور محاورہ عرب کے موافق حدیث کا
کوئی لفظ اس پر دلالت نہیں کرتا، اور اسی حدیث کی بنا پر بعض اہل سنت نے فرمایا ہے کہ جو شخص
اللہ تعالیٰ کی بعض صفات سے ناواقف ہو وہ کافر نہیں اور یہ بات صحیح اور بہت صاف ہے کیونکہ اگر
اس قول کو نہ مانا جائے تو عام مسلمانوں کی تکفیر لازم آئیگی اور صحابہ و سلف صالحین کا اجماع ہے کہ
ان کا ایمان صحیح ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے نحن امۃ امیۃ لا نقرأ ولا
نکتب، ہم ان پڑھ امت ہیں لکھے پڑھے نہیں ہیں (اور جب آپ کی امت ان پڑھ ہے تو
وہ اُن علوم کی مکلف نہیں ہوسکتی جو پڑھے لکھوں کو بھی دشواری سے حاصل ہوتے ہیں) اور اس کے
تحت میں وہ لوگ داخل نہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کیطرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں
جو اُن کے لئے زیبا نہیں (کیونکہ ان پڑھ ہونے کا یہ اثر تو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا
علم نہ ہو اور یہ اثر نہیں ہوسکتا کہ ذات باری کی طرف ایسی باتیں منسوب کرنے لگے جو اس کی شایانِ
شان نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت تمام قلوب میں بالخصوص مسلمانوں کے

دلوں میں فطرۃً موجود ہے اس لئے جاہل سے جاہل بھی تمام عیوب سے ذات باری کو منزہ سمجھتا ہے) غرض جب ایمان کیلئے اتنی بات کافی ہے (جو حدیث جاریہ میں مذکور ہے) تو بلاشک وہ آسان ہے۔ رہا اسلام تو اس کے آسان ہونے کیلئے ضمام بن ثعلبہ کی مشہور حدیث کافی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کو دریافت کیا تو آپ نے فرمایا رات دن میں پانچ نمازیں پڑھنا، کہا کیا میرے ذمہ اس کے سوا بھی کچھ نماز ہے، فرمایا نہیں، مگر یہ کہ تم اپنی خوشی سے پڑھو (تو اختیار ہے) پھر حضور نے فرمایا اور رمضان کے روزے رکھنا کہا کیا میرے ذمہ اس کے سوا بھی کچھ روزے ہیں، فرمایا نہیں مگر یہ کہ تم اپنی خوشی سے رکھو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور زکوٰۃ دینا، کہا کہ میرے ذمہ اس کے سوا بھی کچھ (صدقہ) ہے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تم اپنی خوشی سے دو (اور حج کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ اس وقت تک حج فرض نہ ہوا تھا لیکن حدیث جبریل میں اسلام ہی کے بیان میں حج کا ذکر موجود ہے) راوی کہتے ہیں کہ یہ شخص یوں کہتا ہوا لوٹا کہ خدا کی قسم میں نہ اس سے زیادہ کروں گا نہ اس میں کمی کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ اپنی بات کا سچا نکلا تو فلاح کو پہنچ گیا اور فلاح پانے والا وہ ہے جو آخرت میں اپنی مراد کو پہنچ جائے تو جب اسلام کیلئے اتنی ہی مقدار کافی ہے اور اتنا کام کرنیوالا بھی فلاح کو پہنچنے والا ہے تو بلاشک اسلام آسان ہے۔

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو دین کو دشوار سمجھتے ہیں اور اُن واعظوں کی بھی غلطی ظاہر ہوگئی جو بال کی کھال نکال کر عوام کے سامنے دین کو دشوار طریقے سے بیان کرتے ہیں، باقی اس کا یہ مطلب نہیں کہ دین میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے سوا اور کوئی حکم نہیں ہے کیونکہ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ نماز کیلئے وضو لازمی ہے اور پاکی ناپاکی کے مسائل جاننے کی بھی ضرورت ہے نیز نماز کیلئے بدن ڈھانکنا ضروری ہے جس کے واسطے کپڑا خریدنا ہوگا تو بیع وشراء کے احکام جاننا بھی ضروری ہیں کیونکہ حرام کمائی کے لباس سے نماز قبول نہیں ہوتی اسی طرح حج اور زکوٰۃ مالدار پر واجب ہیں اس کے لئے بھی احکام مال کا جاننا ضروری ہے کیونکہ حرام مال سے نہ حج قبول ہوتا ہے نہ زکوٰۃ مگر ان احکام کا جاننا کچھ دشوار نہیں ہے کیونکہ بحمد اللہ ہر زمانہ میں علماء موجود رہتے ہیں اور ہر بستی کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنی بستی میں ایک عالم ضرور رکھیں تو اس سے پوچھ پوچھ کر سارے احکام معلوم ہو سکتے ہیں یا ہر شخص کو

کتابیں پڑھنے کی ضرورت نہیں ادا اگر کوئی چاہے کہ بدون علمائے دیانت کے ہی دین آجائے تو اس طرح نماز بھی نہیں آسکتی بلکہ دنیا کا کوئی کام بھی بدون کسی استاد کے نہیں آسکتا، اگر پوچھنے اور سیکھنے کا نام ہی دشواری ہے تو دین سے زیادہ دنیا دشوار ہے خوب سمجھ لو۔

ف محققین صوفیہ بالخصوص مجددین امت کا یہ خاص مذاق ہے کہ وہ دین کو آسان سے آسان صورت میں مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اس زمانہ میں حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی دامت برکاتہم وطال بقاءہم نے دین کے ہر شعبہ کو بالخصوص طریق سلوک کو جس آسان صورت میں ظاہر فرمایا ہے غالباً اس کی نظیر صدیوں سے بھی نہ دیکھی گئی ہوگی۔

ف اسلام کی بنیاد جن پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے درحقیقت انہی میں سارا دین موجود ہے بشرطیکہ ان کو صحیح طور سے ادا کیا جائے، اگر ایمان کامل کے ساتھ نماز، روزہ، زکوٰۃ، اور حج ہی کو ہم اچھی طرح ادا کرنے لگیں تو بس انہی سے ہمارے اخلاق بھی مہذب ہو جائیں گے معاملات بھی درست ہو جائیں اور دلوں کے کھوٹ بھی نکل جائیں مگر افسوس تو یہ ہے کہ ہم ان کو اچھی طرح ادا نہیں کرتے صرف نام کر دیتے ہیں تو ہمارا دین بھی برائے نام ہی ہوتا ہے، ان ہی چیزوں کو اچھی طرح ادا کرنے کا نام تصوف ہے جس کو نامعلوم لوگوں نے کیا سے کیا سمجھ لیا ہے۔

۴۱۔ مجاہدہ اگر مبالغہ اور مغالبہ کی حد تک نہ ہو تو ممنوع نہیں بلکہ مطلوب ہے،

حدیث کا یہ لفظ کہ "ہرگز کوئی سختی کیساتھ دین پر غالب ہونے کا ارادہ نہ کریگا مگر دین ہی اس کو ہرا دیگا" اس بات کو بتلاتا ہے کہ جو شخص دین میں اتنی محنت کرے جو مبالغہ کی حد کو نہ پہنچے تو وہ اس ممانعت سے خارج اور قسم محمود میں داخل ہے کیونکہ یہ تو (درحقیقت) دین کی مضبوطی اور ہمت اور درجہ کی بلندی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف وفی کل خیر

مضبوط مسلمان کمزور مسلمان سے بہتر ہے اور یوں سب ہی اچھے ہیں

اس حدیث نے بتلا دیا کہ ضعیف کا درجہ قوی سے کم ہے، اگرچہ ضعیف کو بھی اتنی خیر حاصل ہے جو اسکی خلاصی کیلئے کافی ہے جبکہ ایمان کی اس مقدار کو پورا کرے جس کے بدون چارہ نہیں، جیسا

اوپر بیان کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی باوجود ضعیف ہونے کے افضلیت (اور بہتری) سے خارج نہیں کیا مگر اس مضمون سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ (دین میں) مطلوب کمال ہی ہے جس کا نام قوت اور ترقی ہے، ہاں اگر کوئی شخص درجہ کمال سے عاجز ہو تو اس کو کسی قدر نیچے درجہ کی طرف لوٹنا چاہیئے جو اس کی طاقت (اور ہمت) کے مناسب ہو اور درجہ کمال تک حاصل کرنے میں مبالغہ اور مغالبہ کی حد سے بچنا چاہیئے کیونکہ (اس صورت میں) دین اس کو ہرا دیگا جیسا اوپر بیان کیا گیا مثلاً اگر کوئی شخص ایمان اور اسلام میں جو کہ دین کے دو پہلو ہیں تعمق (اور تکلف) سے کام لے تو یقیناً دین اس کو عاجز کر دیگا کیونکہ اسکی عمر ختم ہو جائیگی اور دونوں میں سے کسی ایک کا دسواں حصہ بھی پورا نہ کر سکے گا مثال کے طور پر ایمان ہی کو لے لیں اگر کوئی یہ ارادہ کرے کہ بغیر تقلید کے (اپنی عقل سے) ایمان حاصل کرنا چاہیئے اور اس کے بعد وہ استدلال و استنباط (اور دلائل و مقدمات کی چھان بین) میں مشغول ہو تو اس کی عمر ختم ہو جائیگی اور مقصود تک نہ پہنچ سکے گا چنانچہ اس مقام پر رئیس المحققین ابوالمعالی (ابن الجوینی) رحمۃ اللہ علیہ نے عجز کا اقرار کر لیا ہے، معتبر طریقہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے اہل اسلام کو اور ان کے علوم (نقلیہ) کو (ایک طرف) چھوڑ کر بڑے سمندر میں قدم ڈالا (یعنی تحقیق عقلی کے سمندر میں داخل ہوا) اور اس مقام پر غوطہ لگایا جس سے مسلمانوں کو (شریعت میں) منع کیا گیا ہے (یعنی ذات و صفات باری کی تحقیق عقل سے شروع کی) اور یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ میں تقلید سے بھاگتا اور خود (اپنی عقل سے) حق کو پانا چاہتا تھا مگر اب میں ان سب باتوں سے ہٹ کر سچی بات کی طرف واپس آگیا ہوں (کہ تحقیق عقل سے حق کو کوئی نہیں پا سکتا بلکہ اتباع رسول ہی سے پا سکتا ہے) اور ابن جوینی کا ناس ہو (یہ خود اپنی بابت فرماتے ہیں کہ میں نے فضول وقت ضائع کیا) تو جب رئیس المحققین کا یہ قول ہے جس نے بغیر تقلید کے حق کو معلوم کرنا چاہا تھا اور اس کو اپنے عجز کا اقرار ہے تو ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جو ان کے بعد اس قسم کا ارادہ کرتے ہیں ایسے ہی اگر کوئی یہ ارادہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کے جو حقوق بندوں پر ہیں اُن کو پوری طرح ادا کرنا چاہئے تو اس کی عمر ختم ہو جائیگی اور اس کا دسواں حصہ بھی ادا نہ کر سکے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز میں فرماتے ہیں

یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا اُن سے ڈرنے کا حق ہے

اور یہ وہ چیز ہے کہ انسان اس کا تو تھوڑا حصہ ہی ادا کر کے رہ جاتا ہے پورا تو اس سے کیا ادا ہوگا) اور اسکی توضیح کیلئے (حضرت) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث کافی ہے کہ انہوں نے رات بھر نماز پڑھنے اور ہر دن روزہ رکھنے کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو اس کی طاقت نہیں، یہ تو دین کی دو باتوں کی حالت ہے (کہ انسان اُن کو بھی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا) تو دین کے بقیہ اجزاء کو عظمت (خداوندی) کے لائق کیونکر ادا کر سکیگا، پس لامحالہ اس پر یہ بات صادق آگئی کہ دین اسکو ہرادیگا تو خلاصی کا طریقہ اور بہتر صورت یہی ہے کہ (دین کا) درجہ کمال اس طرح حاصل کیا جائے کہ زیادہ مبالغہ نہ ہونے پائے چنانچہ ایمان میں تو اسکی صورت یہ ہے کہ پہلے یقین اور تصدیق کیساتھ شریعت کے موافق ایمان حاصل کیا جائے اور (دل سے) تمام شکوک و شبہات کو دور کیا جائے جب یہ بنیاد مضبوط اور پختہ ہو جائے تو اسکے بعد دلائل (توحید) میں اس طریقہ سے غور و فکر کیا جائے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حکم کیا ہے کہ آسمان اور زمین کی مخلوقات میں تامل کرے تاکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل قائم ہو اسی کا ایک شعبہ یہ ہے کہ آسمان کے ستاروں کو اُن کی مختلف حالتوں کو سورج کو اور چاند کو اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کو اور اس کے سوا دوسری باتوں کو جو اسکے اندر پائی جاتی ہیں) غور سے دیکھے، نیز زمین کے مختلف حصوں میں غور کرے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ زمین کے مختلف قطعات آس پاس ہیں اور انگوروں کے باغات اور کھیتیاں اور کھجوریں ہیں جن میں سے بعض اوپر جا کر دو تنے والی ہو جاتی ہیں اور بعض ایک ہی تنہ والی ہو جاتی ہیں (تو کیا یہ قدرت کی نشانیاں نہیں ہیں کہ ایک ہی زمین سے کہیں کچھ پیدا ہو رہا ہے کہیں کچھ؟ یہی زمین کی مٹی کہیں انگور بن جاتی ہے، کہیں انار؟ کسی جگہ پھول بن جاتی ہے کسی جگہ گیہوں اور جو کوئی زمین عمدہ ہے کوئی بنجر اسی طرح پانیوں کو دیکھو کوئی شیریں ہے کوئی شور، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ھذا عذب فرات سائغ شرابہ وھذا ملح اجاج، و من کل تأکلون لحما طریا وتستخرجون حلیۃ تلبسونھا وتری الفلک فیہ مواخر، یہ ایک پانی تو میٹھا ہے اور بہت شیریں جس کا پینا خوشگوار ہے اور دوسرا پانی نمکین ہے

اور بہت تلخ اور ہر ایک سے تم (مچھلی کا) تازہ گوشت کھاتے اور (موتیوں کا) زیور نکالتے ہو جو تمہارے پہننے کے کام آتا ہے اور تم اس میں کشتیوں کو پانی چیرتے ہوئے چلتی دیکھتے ہو اسیطرح زمین کے پھلوں میں غور کرو اور اُن کے مزوں کا اختلاف دیکھو حالانکہ اُن کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور ایک ہی قطعہ میں اُگتے ہیں (مگر اسپر بھی کوئی پھل میٹھا ہے کوئی کھٹا کسی کا رنگ کیسا ہے کسی کا کیسا!) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تسقی بماء واحد ونفضل بعضها علی بعض فی الاکل کہ بعضے پھل ایک ہی پانی سے (ایک ہی قطعہ زمین میں) سیراب کیے جاتے ہیں مگر ہم ایک کو دوسرے پر مزے میں فوقیت دیتے ہیں، استدلال ونظر (وفکر) کا یہ طریقہ کمال ایمان (حاصل کرنے) کیلئے کافی ہے جیسا ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل (ابراہیم) علیہ السلام کو علم الیقین عطا کرنے کیلئے یہی طریقہ اختیار کیا تھا چنانچہ فرماتے ہیں وکذلك نری ابراهیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین اور ہم اسی طرح ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمانوں اور زمینوں کی مخلوقات دکھاتے ہیں تاکہ (وہ ان میں غور کریں) اور یقین والوں میں سے ہو جائیں اور اسی علم کیطرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے تعلموا الیقین فانی اتعلم یقین کا درجہ حاصل کرو کیونکہ میں بھی اس کو حاصل کرتا ہوں۔ اب جو شخص اس حد سے جو علم الیقین تک پہنچا دینے کیلئے کافی ہے آگے بڑھنا چاہے وہ مبالغہ کی حد میں داخل ہوگا جو اسکی طاقت سے باہر ہے پس لا محالہ دین اس کو ہرا دیگا، یا تو اس وجہ سے کہ دلائل بکثرت ہیں اور (عمر کا) زمانہ کم ہے یا اس وجہ سے کہ اس کو (دلائل میں) شک اور شبہ پیش آجائیگا (تو علم الیقین حاصل نہ کرسکیگا) اور اسلام میں (مبالغہ کی حد سے بچنے کی) صورت یہ ہے کہ اول فرض کو ہر پہلو سے پوری طرح ادا کرے، جب اس میں کامیاب ہو جائے تو اپنی ہمت کے موافق مستحبات میں مشغول ہو اور کسی ایک واجب یا ایک مستحب میں اتنا غلو نہ کرے کہ دوسرے میں خلل ڈالدے کیونکہ اعمال میں مبالغہ کی یہی صورت ہے جس کا انجام خسارہ ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف سے دستگیری فرمائیں اور توبہ کی توفیق دیدیں۔ اسکی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دن ملے اور دریافت کیا

کہ یا رسول اللہ! آپ کس چیز کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں؟ فرمایا میں عقل کیساتھ مبعوث ہوا ہوں (یعنی مجھ کو ایسی شریعت دی گئی ہے جس پر چلنے کیلئے عقل وفہم کی ضرورت ہے) عرض کیا یا رسول اللہ اور ہمارے پاس (اتنی) عقل کہاں ہے؟ فرمایا عقل کی تو کوئی حد نہیں ہے (اور عقل کامل کا حاصل کرنا واقعی دشوار ہے) لیکن جو شخص اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھے اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھے اس کو عاقل کہا جائیگا، پھر اگر اس میں کوشش کرتا رہا ہو تو اس کو عابد کہا جائیگا اور اگر عبادت میں کوشش کرتا رہا تو اس کو جواد (اور باہمت) کہا جائیگا (اس سے معلوم ہوا کہ عبادت میں کوشش اسی وقت محمود ہے جبکہ علم اور عقل کے ساتھ ہو) اب اگر کوئی شخص بدون عقل کی رہنمائی کے جو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے اتباع و احتیاط کا پتہ دیتی ہے عبادت میں کوشش کرنے اور نیک کاموں میں جوانمردی دکھلانے لگے تو یہ ان لوگوں میں داخل ہوگا جن کی کوشش دنیوی زندگی ہی میں برباد ہوگئی ہے مگر وہ یہی گمان کئے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں (کیونکہ ایسا شخص اپنی بیعقلی کیوجہ سے یقیناً عبادت میں گڑبڑ کریگا اور بعض دفعہ کسی ایک مستحب کے لئے بہت سے فرائض و واجبات کو برباد کریگا) اسیطرح اگر کوئی یہ چاہے کہ تمام عبادات کو ہر پہلو سے پوری طرح حد کمال پر پہنچا دے تو یہ بھی مبالغہ اور غلو میں مبتلا ہوکر دین سے ہار جائے گا دو وجہ سے، ایک تو یہ کہ بندہ اس سے عاجز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہت دوڑنے والا نہ راستہ طے کرتا ہے نہ سواری کو زندہ چھوڑتا ہے کیونکہ طاقت بشریہ اس کی متحمل نہیں ہے (کہ ہمیشہ ہر زمانہ میں ایک ہی حالت پر رہے تو یقیناً زیادہ محنت سے اسکی صحت برباد ہوگی اور ایک دن بالکل بیکار و معطل ہو جائیگا) دوسرے یہ کہ بعض دفعہ ایک ہی وقت یا اکثر اوقات میں بہت سے واجبات اور متعدد مستحبات اس کے سامنے جمع ہو جائیں گے اور یہ ان سب کو ادا نہ کر سکے گا بلکہ کسی ایک ہی کو بجا لائیگا اسوقت اسوجہ سے کہ اس نے اپنے دل میں ایک بات ٹھان لی تھی (کہ دین کا پورا حق ادا کرونگا) دین اس (پر غالب ہوگا اور اس) کو ہرا دے گا بس دین میں کمال کی یہی صورت ہے کہ اول ان چیزوں کو لے جن کیطرف ہم نے اشارہ کیا ہے اور بقیہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے جو کچھ بیان کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ، اسکے موافق عمل کرے (قوله الوجه الثانی قوله صلی اللہ علیہ وسلم ولن

یشار المدین احد الی قولہ علی ما سیشاقی انشاء اللہ تعالیٰ)

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو مجاہدہ کو مطلقاً مذموم سمجھتے اور صوفیہ پر اعتراض کرتے ہیں اُن کو سمجھ لینا چاہیئے کہ مجاہدہ اسی وقت مذموم ہے جبکہ حد اعتدال سے خارج اور مبالغہ میں داخل ہو ورنہ محمود اور مطلوب ہے اور بدون مجاہدہ کے کمال دین حاصل نہیں ہو سکتا، جیسا حدیث اول کی شرح میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

ف نیز اُن لوگوں کی غلطی بھی واضح ہوگئی جو دلائل عقلیہ فلسفیہ سے ذات و صفات باری کو معلوم کرنا چاہتے ہیں اُن کو جان لینا چاہیئے کہ اس طریقہ سے ایمان کامل حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ سیدھا راستہ وہی ہے جو شریعت نے بتلایا ہے کہ اول تقلید سے شریعت کے موافق عقائد کو پختہ اور صحیح کیا جائے اس کے بعد ملکوت سموات و مخلوقات ارض میں تامل و تفکر کیا جائے اور واقعہ یہ ہے کہ جب سے اسلام میں فلسفہ آیا ہے اسی وقت سے مسلمانوں کے عقائد میں کمزوری آگئی اور وہ جوش مذہبی ٹھنڈا ہو گیا جو اسلاف میں کامل درجہ پر تھا۔

ف یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت اسلامیہ عقل سلیم کے عین مطابق ہے مگر سلامتِ عقل فلسفہ یا سائنس سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ عقلاء کی صحبت اور شریعت پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے جب انسان شریعت پر چلنا شروع کرتا ہے تو عمل کی برکت سے اس پر تمام احکام کی حکمتیں منکشف ہوتی چلی جاتی ہیں جس کو شک ہو وہ اہل عقل یعنی حضرات صوفیہ کرام کی صحبت میں رہ کر اور اُن کی تعلیم پر عمل کر کے تجربہ کر لے۔

ف انسان کو اسکی کوشش نہ کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کے لائق عبادت ہو بلکہ یہ کوشش کرنا چاہیئے کہ اپنی ہمت اور طاقت اور شان بشریت کے مطابق کام ہو جائے۔ شان خداوندی کے لائق کون کام کر سکتا ہے؟ اور کس چیز سے یہ حق ادا ہو سکتا ہے؟ ؎

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش | عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش | کس نتواند کہ بجا آورد

حدیث میں ہے اللھم لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک اور اسی لئے حضرات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام طاقت و ہمت کے موافق کام

کرنے کے بعد بھی اپنی عبادت کو کسی درجہ میں شمار نہ کرتے تھے بلکہ ہمیشہ تقصیر کا اعتراف کرتے رہتے تھے کیونکہ شانِ ربوبیت کا پورا حق کوئی بھی ادا نہیں کرسکتا اور یہی وہ چیز ہے جس نے بڑے بڑے عابدین و زاہدین کو حد تواضع و عجز سے باہر نہیں جانے دیا، ہاں کوئی ابلیس کی طرح نادان ہو تو وہ بےعقلی اور حماقت کی وجہ سے اپنی عبادت پر ناز کرنے لگتا ہے اور یہ تکبر اس کو تباہ و برباد کردیتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

۴۲۔ حدِ اعتدال پر رہنا ہی کمال ہے اور اسی پر بشارتِ کامیابی کا استحقاق ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فسددوا وقاربوا سیدھے چلو اور قریب قریب رہو اس میں دو احتمال ہیں، ممکن ہے کہ دونوں کا ایک ہی مطلب ہو اور ممکن ہے کہ ہر لفظ جدا معنی کیلئے ہو، پہلی صورت میں تو دونوں کا حاصل یہ ہے کہ متوسط حالت کو اختیار کیا جائے اور دوسری صورت میں سیدھا چلنے کا تو یہی مطلب ہوگا کہ درمیانی حالت پر چلا جائے اور درمیانی حالت یہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو بتلائی تھی کہ روزہ بھی رکھو، افطار بھی کرو، رات کو اٹھو بھی اور سوؤ بھی، کیونکہ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے گھر والوں کا بھی تم پر حق ہے، اس کے بعد عموم کے ساتھ یوں فرمایا واعط لکل ذی حق حقہٗ اور ہر حقدار کو اس کا حق پہنچاؤ، پس سیدھا چلنا تو یہ ہوا کہ انسان تمام امور میں اسی قاعدہ پر چلے جو فرائض و مستحبات کیلئے مقرر ہے نہ کسی ایک جانب میں فنا ہو نہ دوسری جانب میں کوتاہی کرے اور قریب قریب چلنے کا مطلب ہے کہ اگر کوئی حد اعتدال پر نہ رہ سکے اور کسی عذر کی بنا پر اس سے عاجز ہو تو وہ اس کے قریب قریب ہی رہے، کیونکہ قریب کا بھی وہی حکم ہے جو اصل کا ہے مگر شرط یہ ہے کہ قریب قریب رہنے کی حالت میں کسی واجب کے اندر خلل واقع نہ ہو کیونکہ واجب میں کوتاہی کرنا کسی حال میں جائز نہیں اور کوئی مستحب اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا بلکہ کسی کو حد اعتدال کے قریب بھی وقت کہا جاسکتا ہے جبکہ واجبات کو ہر پہلو سے پوری طرح ادا کرچکا ہو اس کے بعد

اپنی استطاعت کے موافق کسی مستحب میں مشغول ہوا ہو، مگر کسی عذر کی وجہ سے جیسے بیماری وغیرہ حد اعتدال سے پہنچنے سے رہ گیا ہو اس صورت میں کہا جائیگا کہ یہ اعتدال کے قریب ہے، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے اپنی کتاب میں ان دونوں جماعتوں کا تذکرہ فرمایا ہے یعنی اُن کا بھی جو حد اعتدال پر قائم رہتے ہیں اور ان کا بھی جو قریب قریب چلتے ہیں چنانچہ پہلی جماعت کے بارہ میں ارشاد ہے والسابقون السابقون اولٰئک المقربون اور سبقت کرنیوالے تو سبقت ہی کرنیوالے ہیں یہ لوگ مقرب ہیں، اور دوسری جماعت کیمتعلق جو اس درجہ کو نہیں پہنچ سکے مگر قریب قریب ہے ارشاد ہے اِن تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم وندخلکم مدخلا کریما اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو جن سے تم کو منع کیا گیا ہے تو ہم تمہاری چھوٹی خطاؤں سے چشم پوشی کریں گے اور تم کو عزت کے درجہ پر پہنچا دیں گے۔ ہم اس مضمون کو یعنی درجۂ اعتدال اور اس کے قریب درجہ کو ایک مثال سے واضح کرنا چاہتے ہیں تاکہ جلدی سمجھ میں آجائے مثلاً کوئی طالب طلب علم کیلئے آئے اور اس بات کی کوشش کرے کہ عالم بنکر علماٗ میں داخل ہوجائے تو اگر وہ اس ارادہ میں کامیاب ہوگیا تو سبحان اللہ وہ تو اہل کمال میں داخل ہوگیا یہ تو حدِ اعتدال ہے اور اگر اس میں ناکام رہا تو اس کو علم کا کچھ حصہ اپنی ہمت کے موافق حاصل کرلینا چاہیئے جاہل نہ رہنا چاہیئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم علم (دین) کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اس صورت میں یہ شخص حد اعتدال سے تو عاجز رہا مگر اس کے قریب قریب رہا، اسی طرح نفل عبادت میں فرائض کو پوری طرح ادا کرنے کے بعد مشغول ہو، اب اگر اتنی ہمت ہو کہ عابدین میں شامل ہوجائے تو ہمت کرے (اور عابد زاہد بن جائے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں کہ بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے کام کرتا ہے (یعنی اب میں اس کے تمام اعضا کی حفاظت کرتا ہوں کہ اُن سے کوئی کام میری مرضی کیخلاف نہ ہونے پائے بلکہ جو کام ہو میرے حکم کے تحت ہو) اور اگر عابدین کے درجہ میں داخل ہونے سے عاجز ہو تو نفل عبادت سے کچھ حصہ لیلے اپنے کو اس سے بالکل کورا نہ۔

دیکھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن بندہ کی نماز کو اوّل دیکھا جائے گا اگر پوری ہوئی تو خیر ورنہ اگر کچھ کمی رہی تو اللہ تعالیٰ (فرشتوں سے) فرمائیں گے دیکھو اگر اس کے پاس کچھ نفل نمازیں ہوں تو فرائض کی کمی کو اُن سے پورا کر دو اسیطرح تمام فرائض کیساتھ معاملہ ہوگا کہ جس فرض میں کمی رہی ہوگی اسکی ہم جنس نفل سے کمی کو پورا کر دیا جائے گا تو جو شخص محض فرائض ہی پر اکتفا کرے اور قصد کرکے اس مرتبہ کو بالکل چھوڑدے جسکی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے تو اس پر یہ اندیشہ ہے کہ قیامت میں فرائض کی کمی پوری نہ ہو اور عذاب کا مستحق ہو جائے۔ اس مضمون پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خواب دیکھا (جو حدیث میں پورا بیان کیا گیا ہے جس کا ایک جزو یہ ہے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا سر پھوڑا جا رہا ہے (یا اس کے سر کو لوہے کی کنگھی سے چیرا جا رہا ہے) حضور نے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب دیا گیا یہ وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا تھا تو یہ رات کو اس سے غافل ہو کر سوتا رہا اور دن میں اس پر عمل نہ کیا اسکے ساتھ قیامت تک یہی معاملہ ہوتا رہے گا اور یہ بات معلوم ہے کہ رات کو اٹھنا اور تہجد میں قرآن پڑھنا واجب نہیں پھر اس کو عین واجب کے ترک پر کیوں عذاب ہوا؟ حالانکہ عذاب ترک واجب پر ہی ہوا کرتا ہے یا واجب میں خلل ڈالنے پر (ترک مستحب پر نہیں ہوتا) مگر بات یہ ہے کہ رات کا اٹھنا اگرچہ مستحب تھا لیکن اس شخص کو ایہ مستحب بھی عذاب سے بچا دیتا کیونکہ اس سے واجب کی کمی پوری ہو جاتی تو دراصل) واجب میں خلل ڈالنے ہی کی وجہ سے عذاب ہوا تفصیل اسکی یہ ہے کہ جب دن میں قرآن پر عمل نہ کیا تو واجب میں خلل ڈالا پھر اس نے مستحب کام بھی نہ کیا یعنی رات کو نہ اٹھا جس سے فرض کی کمی کو پورا کر دیا جاتا (تو عذاب کا مستحق ہوا) پس حقیقت میں تو عذاب صرف ترک واجب پر ہوا مگر ظاہر میں دونوں پر ہوا (ترک مستحب پر بھی اور ترک واجب پر بھی) اسی طرح اگر کوئی بقدر ضرورت ایمان حاصل کرنے کے بعد علم الیقین کا درجہ حاصل کرنے کی ہمت رکھے تو اس کو یہ درجہ حاصل کرنا چاہیئے اور اگر اس سے عاجز ہو جائے تو کچھ حصہ ضرور حاصل کرلے اپنے کو اس سے بالکل کورا نہ رکھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے یقین حاصل کرتے رہو کیونکہ میں بھی اسکو حاصل کر رہا ہوں اور غالباً اب ہم تصدیق اور یقین کی حقیقت پر کافی طور سے اشارہ کر چکے ہیں اس لئے اب زیادہ تفصیل نہیں کرنا چاہیئے بلکہ

حدیث کے دوسرے معانی پر کلام شروع کرتے ہیں کہ اس تفسیر کی بناء پر حضورؐ کے ارشاد وابشروا
اور خوشخبری حاصل کرو میں بشارت کے دو درجے ہیں ایک وہ جس کی حد معلوم ہے کو قبول اعمال
اور اُن پر ثواب ملنے کی امید وارد ہوا اور یہ ثواب محدود ہے جیسا حضورؐ کے ارشادات سے معلوم ہو چکا ہے
اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو ذرہ برابر نیکی کرے گا اس کے ثواب کو دیکھ لیگا اور دیکھنے میں محدود
ہی آسکتا ہے اور ایک درجہ بشارت کا وہ ہے جس کی حد معلوم نہیں اور یہ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ
نے اپنے اس ارشاد میں وعدہ فرمایا ہے ویزیدھم من فضلہ اور اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے
فضل سے بھی زیادہ دیں گے سو اس زیادتی کی حد معلوم نہیں ہاں اتنا معلوم ہے کہ زیادتی ہوگی
اور اس میں اس بات پر بھی اشارہ ہے کہ بشارت کے مستحق وہی لوگ ہیں جو عمل کرنیوالے ہیں
کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت کا ذکر عمل کے بعد کیا ہے کہ پہلے سیدھے چلنے
اور قریب قریب رہنے کا حکم دیا اس کے بعد اُن لوگوں کو بشارت دی جو اس کے موافق عمل کریں
اور یہ ایسا ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے والذین ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ
اولئک یرجون رحمۃ اللہ ط کہ جن لوگوں نے اللہ کے راستہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا
وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اس میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا کہ جو لوگ یہ اعمال بجا
لائیں گے وہی رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں اسی طرح یہاں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جو سیدھے
چلیں گے اور قریب رہیں گے وہی بشارت حاصل کریں گے۔ (قولہ فی الوجہ الاوّل
الوجہ الثالث قولہ علیہ السلام فسددوا وقاربوا والوجہ الرابع قولہ
والبشروا الی قولہ ھوالذی یستبشر

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی ظاہر ہوگئی جو بدون عمل ہی کے کامیابی کے امیدوار ہیں
حالانکہ قرآن و حدیث میں بشارت کو عمل پر مرتب کیا گیا ہے۔

ف۔ اسباب نجات میں کوتاہی کرنے کو بھی بعض اسباب عذاب میں شمار کر لیا جاتا ہے جیسے
کسی شخص کو سزا جیل ہو جائے اور جیلر سے اس کا سبب دریافت کرے تو وہ کہتا ہے کہ اس
نے عدالت کی توہین کی تھی اور کمپنی کو کوئی زبردست سفارش بھی میسر نہ ہوئی اسلئے جیل میں داخل
ہوا، تو حالانکہ زبردست سفارش کا حاصل نہ کرنا کوئی جرم نہیں مگر چونکہ سفارش بھی بعض دفعہ

نجات کا سبب ہوجاتی ہے اس لئے اس کے ترک کو اسباب عذاب میں بیان کیا جاتا ہے اسی طرح
عالم بے عمل کو دراصل ترک عمل پر عذاب ہوتا ہے مگر چونکہ رات کو اٹھ کر نماز میں قرآن پڑھنے
سے قیامت کے دن وہ اسکی شفاعت کرتا ہے جو اسباب نجات میں سے ایک بڑا سبب ہے تو اس کے
ترک کو بھی مجازاً اسباب عذاب میں شمار کر لیا گیا خوب سمجھ لو ۔

۳۴ - صبح و شام اور پچھلی رات میں عمل کا اہتمام کرو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد
کہ صبح و شام اور کسی قدر پچھلی رات میں کام کرنے سے سہارا لو ۔اس میں استعانت دو طرح
سے ہے ایک تو اس وقت کی عمدگی اور خوبی سے دوسرے ان اوقات کے عمل سے ، وقت سے
استعانت کی وجہ تو یہ ہے کہ دن کے ابتدائی اور آخری حصہ میں ہوا معتدل ہوتی اور
نفس کو نشاط ہوتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ان دونوں وقتوں کا عمل دوسرے
اوقات کے عمل سے زیادہ عمدہ اور پاکیزہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتاب میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے واصبر نفسك
مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه
اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھئے جو اپنے پروردگار کو صبح و شام یاد کرتے ہیں اور
اس کی رضا کے طالب ہیں نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی سب کو یہ ارشاد فرمایا
ہے ۔ اذكرني ساعة بعد الصبح وساعة بعد العصر اكفك ما بينهما
کہ اے ابن آدم! تو مجھے کچھ دیر صبح کے بعد اور کچھ دیر عصر کے بعد یاد کر لیا کر! تو ان دونوں
کے درمیانی حصہ کا تیرے لئے میں خود ضامن ہوں گا اور رات کا آخری حصہ بھی ایسا ہی
ہے کہ اس وقت ہمیشہ بدن میں زیادہ قوت ہوتی ہے کیونکہ نیند اور غذا کے ہضم
سے راحت و آرام لے چکتا ہے اور اس وقت دل کو یکسوئی اور نشاط بھی زیادہ ہوتا ہے
اور اس کی فضیلت بھی بہت وارد ہے جس میں سے ایک یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا پروردگار ہر رات اور ایک روایت میں ہے کہ ہر رات
کے آخری تہائی حصہ میں آسمان اول کی طرف نزول فرماتا اور بندوں کو اس طرح خطاب

فرماتا ہے کوئی دعا کرنیوالا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں ؟ کوئی مغفرت چاہنے والا ہے کہ میں اسکی مغفرت کردوں، کوئی توبہ کرنیوالا ہے کہ میں اسکی توبہ قبول کروں پس جب اللہ تعالیٰ ہر رات کے آخری حصہ میں اس طرح بندوں کو پکارتے ہیں تو اب یہ محال ہے کہ اس وقت کوئی دعا کرے یا توبہ یا استغفار کرے اور اسکی درخواست رد ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کیا کرتے، اور یہاں نزول سے مراد فضل و احسان و رحمت کیساتھ متوجہ ہونا ہے حلول یا انتقال (مکانی) کیساتھ نزول مراد نہیں (کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہیں) اور استعانت بالعمل کا یہ مطلب ہے کہ ان اوقات کو مختلف قسم کی طاعات سے آباد کیا جائے اور جب یہ اوقات طاعات میں مشغول ہوں گے تو اب صرف وہی اوقات باقی رہ جائیں گے جو راحت کیواسطے مقرر کئے گئے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں بیان فرمایا ہے

یا ایہا الذین آمنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلث مرات من قبل صلاۃ الفجر وحین تضعون ثیابکم من الظہیرۃ ومن بعد صلاۃ العشاء ثلث عورات لکم۔

اے ایمان والو! تمہارے غلاموں اور نابالغ لڑکوں کو تین وقتوں میں اجازت لیکر آنا چاہیئے

۱۔ فجر کی نماز سے پہلے

۲۔ اور جب دوپہر کو تم اپنے کپڑے اتار دو

۳۔ اور عشاء کی نماز کے بعد

یہ تین اوقات تمہارے پردہ کے ہیں، پس اب اس حدیث کا مطلب ایسا ہی ہوا جیسا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے روحوا القلوب ساعۃ بعد ساعۃ کہ (اپنے) دلوں کو کچھ کچھ دیر کے بعد راحت دیا کرو مگر اس حدیث میں جس کی ہم شرح کر رہے ہیں حضور نے اُن اوقات کی تعیین بھی فرمادی ہے جو عبادت کے واسطے مقرر کئے گئے ہیں یعنی ان کی عبادت دوسرے اوقات کی عبادت سے افضل قرار دی گئی ہے (قولہ فی الوجہ الاول الوجہ الخامس قولہ علیہ السلام واستعینوا بالغدوۃ الیٰ قولہ

ای جعلت العبادۃ فیھا افضل من سائر الاوقات)

ف حضرات صوفیہ کو ان اوقات میں عبادت و ذکر کا خاص اہتمام ہے جیسا جاننے والے جانتے ہیں کیا اب بھی طریق صوفیہ کا انکار کیا جائے گا؟

ف اس حدیث سے اور اسکی شرح میں جو احادیث مذکور ہوتی ہیں اُن سے محققین صوفیہ کی تائید ہوتی ہے جو عبادات و مجاہدات میں اعتدال کی تعلیم فرماتے اور مبالغہ او رغلو سے منع فرماتے ہیں کیونکہ غلو کا انجام تعطل ہے یا ایک مستحب کیلئے بہت سے واجبات و فرائض کو برباد کرنا۔

۴۴۔ فراغ قلب اور اوقات نشاط کو غنیمت سمجھو

ہماری تقریر سے دو باتیں مستنبط ہوئیں ایک یہ کہ نفس کے نشاط اور فراغ (و یکسوئی) کو غنیمت سمجھنا چاہیئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اسکو صاف طور سے بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے اغتنم خمسا قبل خمس وعد فیھا فراغک قبل شغلک وصحتک قبل سقمک کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو اسی میں یہ ہے کہ فراغت کو مشغولی سے پہلے اور تندرستی کو بیماری سے پہلے غنیمت سمجھو دوسرے یہ کہ وقت کے حسن و اعتدال کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے کیونکہ اس سے عبادت میں مدد ملتی ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ابردوا بالصلوٰۃ (کہ گرمی کے زمانہ میں ظہر کی نماز کو ٹھنڈے وقت میں ادا کرو (قولہ فی الوجہ الخامس من الوجہ الاول فعلی ماذکرنا من التعلیل یترتب علیہ من الفقہ وجھان الی قولہ ابردوا بالصلوٰۃ)

ف فراغ و یکسوئی اور اوقات نشاط کو غنیمت سمجھنا اور اس کا اہتمام کرنا حضرات صوفیہ کا خاص مذاق ہے ؎

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے ۔ بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہائے ہوئے ۱۲

۴۵۔ سلوک باطن میں تدریج کیساتھ تربیت ہونا چاہیئے

اس وقت تک پہلی وجہ کے موافق گفتگو تھی اب دوسری وجہ کے موافق حدیث کی شرح کرتے ہیں وہ یہ کہ دین کے آسان ہونے سے یہ مراد ہو کہ جن اعمال کے بجالانے پہ نجات کا وعدہ اور خلاصی پانیکی ضمانت ہے وہ آسان ہیں (کیونکہ یہ اعمال معدودہ ہیں) جو تم پہ فرض کئے گئے ہیں

اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا دلنشین ارشاد الدین احد الا غلبہ کہ سختی کے ساتھ ہرگز کوئی دین کا مقابلہ نہ کریگا مگر دین اس کو ہرا دیگا، یہ مطلب ہوگا کہ مستحبات میں اتنا غلو نہ کرو کہ فرائض میں خلل واقع ہو جائے تو اس صورت میں دین تم کو ہرا دیگا اور دینداری کا درجہ نہ پاسکو گے جیسا بعض لوگ ایک طرف سے کسی ایک ہی مستحب کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور دوسری طرف واجب کو چھوڑ بیٹھتے ہیں اسی طرح بعضوں کو پاکی (ناپاکی) میں ایسا وسوسہ دامن گیر ہو جاتا ہے کہ آخر کار فرائض میں کوتاہی ہونے لگتی ہے (مثلاً نماز کا وقت جا رہا ہے یا جماعت فوت ہو رہی ہے اور اس وہمی کا وضو ہی پورا نہیں ہوتا) اسی طرح بقیہ عبادات نافلہ کا حال ہے کہ اگر ان میں تعمق اور تکلف سے کام لیا گیا تو فرائض میں خلل واقع ہوگا اس صورت میں دین اس پر غالب ہوگا اور یہ ہار جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی جو اصل چیز تھی اسی کو اس نے بگاڑا ہے اور یہ نہیں ہوسکتا کہ جڑ کو کمزور کر کے شاخوں سے قرب حاصل کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ارشاد فرماتے ہیں کہ "قرب حاصل کرنے والے کسی چیز سے بھی ہرگز میرے مقرب نہیں بن سکتے جو فرائض سے زیادہ مجھے محبوب ہو اس کے بعد بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے تو میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب اس کو محبوب بنا لیتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے اور ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے پکڑتا ہے"۔ اس میں اس بات پر بھی اشارہ ہے کہ (طالب کو) سلوک اور ترقی (باطن) میں تدریج کے ساتھ بڑھنا چاہیئے اور پہلے ہی (قدم پر) سارا رات دن عبادات نافلہ میں سختی کے ساتھ مشغول ہونے سے رکنا چاہیئے جو شخص ابتدائی حالت میں ایسا کریگا یقیناً دین اس کو ہرا دیگا کیونکہ جو راستہ اس نے اختیار کیا ہے نفس ابھی اس کا عادی نہیں ہوا ہے چنانچہ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن صبح کی نماز میں سلیمان بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کو نہ پایا دوسرے دن انکی والدہ ام شفا پر گذر ہوا تو ان سے دریافت کیا کہ میں نے سلیمان کو صبح کی نماز میں نہیں دیکھا (کیا بات ہے) کہا وہ رات بھر نماز پڑھتے رہے پھر نیند غالب ہو گئی (اس لئے نماز سے رہ گئے) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے تو صبح کی نماز جماعت سے ادا کرنا قیام لیل سے زیادہ محبوب ہے۔ تو دیکھو حضرت عمرؓ نے جماعت کی نماز کو رات بھر کے تہجد سے افضل قرار دیا حالانکہ قیام لیل میں جتنی فضیلت ہے معلوم ہے مگر چونکہ رات کو اٹھنا مستحب تھا اور اس کی وجہ سے فرض کی ایک

فضیلت[ع] میں خلل واقع ہوا تو حضرت عمرؓ نے اس کو پسند نہ فرمایا (بلکہ کراہت ظاہر کی) اگر وہ رات کے ایک حصہ میں نفلیں پڑھتے اور ایک حصہ میں سوتے اور نماز جماعت سے ادا کرتے تو درجۂ کمال حاصل کر لیتے اور کسی ضروری فضیلت میں نقصان واقع کر کے مغلوب ہوتے، غرض جب آدمی اپنے نفس کیساتھ نرمی کا برتاؤ کرے اور عبادات نافلہ کا (تدریجاً) اپنے کو عادی بنائے یہاں تک کہ جتنا کام اس نے اختیار کیا ہے وہ اسکی عادت اور طبیعت ثانیہ بن جائے تو عبادت اسکے لئے آسان ہو جائے گی اور انتہائی درجہ پر پہنچ کر بھی اسے کچھ مشقت معلوم نہ ہوگی بلکہ ایسا معلوم ہوگا کہ جیسا اس نے کچھ بھی زیادہ کام نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت سماد رحمۃ اللہ علیہ سے جو (مؤلف) رسالہ کے مشائخ میں سے ہے منقول ہے کہ اُن کی نفل عبادت اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ وہ اپنی دکان میں خرید و فروخت کرنے کے ساتھ روزانہ ہزار رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔

اور اس بنا پر فسددوا وقاربوا میں قاربوا کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمت کے قریب قریب رہو یعنی جان توڑ کے کوشش نہ کرو جو مبالغہ کی حد کو نہ پہنچ جائے ورنہ دین تم کو عاجز کر دیگا اور سددوا کے معنی یہ ہوں گے کہ ہر شخص کی کوشش اپنی جسمانی طاقت و ہمت اور مزاج کیموافق ہونا چاہیئے اور اسی بات کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے بہت سے عابد تباہ ہو گئے ہیں کیونکہ وہ شروع ہی سے ان اہل نہایت کاملین کا مقابلہ کرنے لگتے ہیں جو ان کے مثل نہیں ہیں (بلکہ ان سے اعلیٰ درجہ پر ہیں مگر یہ لوگ انہی جیسے کام کرتے ہیں اور انہی کے طریقہ پر چلنے لگتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جلدی ہی کام کو جواب دیکر رہ جاتے ہیں کیونکہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جس کی مشابہت، اور برابری کا انہوں نے ارادہ کیا تھا وہ طاقت جسمانی اور اعتدال مزاج میں ان سے بڑھا ہوا تھا اور (اگر برابر یا کم بھی تھا تو) اس نے تدریجی ترقی سلوک کیساتھ اپنے کو اس درجہ کا عادی بنایا تھا جو اس وقت اس کو حاصل ہے یہاں تک کہ عبادت کا یہ درجہ اس کی عادت ثانیہ اور مزاج بن گیا جیسا حضرت سماد کا واقعہ ہم نے بیان کیا ہے اور اسی لئے یمن بن رزق رحمہ اللہ نے جو دونوں طریقوں

ع حنفیہ کے قریب جماعت سنت مؤکدہ قریب واجب ہے اور دوسرے آئمہ کے نزدیک سنت ہے چونکہ شارح مالکی ہیں اسلئے جماعت کو فضیلت کے درجہ میں رکھا ورنہ حنفیہ کے نزدیک اس کا درجہ فضیلت سے زیادہ ہے ۱۲ ظ

کے امام نے فرمایا ہے کہ اے مبتدیو! تم منتہیوں کی مشابہت اور برابری سے بچو اور بہت بچو کیونکہ وہاں ایسے مقامات ہیں کہ تم اُن میں (ابھی) پختہ نہیں ہوئے ہو۔

پس اب وہ طریقہ جس سے مبتدی انشاء اللہ مقصود کو پہنچ سکتا اور کامیاب بن سکتا ہے یہ ہے کہ اول پانچ نمازوں کو جو اس پر فرض ہیں اور آسان بھی ہیں واجبات اور مستحبات کیساتھ پختگی سے ادا کرے انکی پوری محافظت اور مداومت کرے جب یہ اسکی طبیعت ثانیہ بن جائے تو اس کے بعد نرمی اور اعتدال کیساتھ نوافل شروع کرے جیسا ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے (قولہ فی الوجہ الثالث من الوجہ الثانی ولن یشاد الدین احد الا غلبہ ای لئے نوغلوا فی المندوبات الی قولہ فی الوجہ الرابع منہ علی ما اشرنا الیہ فی النوافل)

ف بعض لوگ صوفیہ کے مجاہدات و ریاضات وکثرت عبادات کو دیکھ کر اعتراض کر دیا کرتے ہیں کہ یہ مبالغہ کی حد میں داخل ہے اور بدعت ہے اُن کو سمجھ لینا چاہیئے کہ حد مبالغہ اور بدعت میں وہ کثرت عبادت و ریاضت داخل ہے جو نفس پر زیادہ مشقت کا سبب ہو اور اگر کوئی تدریجاً عبادت میں ترقی کرے کہ نفس کو زیادہ مشقت نہ ہو اور حقوق واجبہ میں بھی خلل نہ ہو تو یہ ہرگز بدعت نہیں کیونکہ حضرات صحابہ اور تابعین میں بھی بعض حضرات نے بہت زیادہ عبادت و ریاضت کی ہے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیا کرتے تھے اسی طرح حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سے بھی ایسے واقعات منقول ہیں بھلا جسکی آنکھ کی ٹھنڈک نماز ہو جس کو عبادت میں بجائے مشقت و کلفت کے حلاوت وطمانیت حاصل ہوتی ہو اور حقوق واجبہ کا ادا کرنا راحت قلب کا سبب ہو اور اس میں کوتاہی کرنے سے دل بےچین ہو جاتا ہو اس کیلئے کثرت عبادت و ریاضت کو کیونکر مذموم کہا جا سکتا ہے۔

۴۶- کسی حال پر مداومت نصیب ہو جانا بھی ترقی ہے

اس تفسیر کی بناء پر حضور کے ارشاد

والبشروا (خوشخبری حاصل کرو) کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ جب کسی نے فرض کے بعد بقدر ہمت نفل کو بھی اختیار کیا تو اس کو ترقی کی خوشخبری حاصل کرنا چاہیئے یعنی اس کو خوش ہونا چاہیئے کہ آئندہ اعمال میں اور ترقی ہوگی اسی حد پر نہ رہے گا) کیونکہ بشارت کامل درجہ۔

یہی ہے (کہ ترقی کی بشارت دی جائے) یہاں تک کہ افعال مرضیہ اور مقامات بلند پر اپنی امید کے موافق پہنچ جائے، حقیقی بشارت وہی ہے جو آئندہ کے متعلق ہو اور حالت موجودہ میں جس بات کا وعدہ کیا گیا ہو اس کا بیان کرنا مجازاً بشارت ہے حقیقتاً بشارت نہیں حقیقی بشارت کی مثال یہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن مالک کو دی تھی جبکہ وہ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے پر معتوب ہوئے پھر اُن کی توبہ قبول کی گئی تو حضور نے فرمایا اے کعب! خوشخبری حاصل کرو ایسا دن نصیب ہونے کی جو تمہاری زندگی کے تمام دنوں سے بہتر ہے، کیونکہ اس وقت حضور کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے بعد ان سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو گا اس لئے فرمایا کہ یہ دن تمہاری زندگی کے تمام دنوں سے افضل ہے چنانچہ اس کے بعد ان سے کوئی خطا یا مخالفت سرزد نہیں ہوئی بلکہ صدق (حال) اور عبادت (واعمال) پر جمے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بہترین حالت پر اُن کو اٹھا لیا (اور حسن مآل بدرجۂ کمال نصیب ہوا) اور اسی لئے اہل سلوک نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مقام پر پہنچ کر ادب کے ساتھ اس پر جما رہے تو وہ اس سے اعلیٰ مقام پر ترقی کرتا ہے اور جب تک اسکی حالت یہ رہیگی (کہ ہر مقام کے ادب کو محفوظ رکھے) ہمیشہ ترقی کرتا رہیگا یہاں تک کہ مقامات عالیہ کی انتہا پر (اپنی لیاقت کے موافق) پہنچ جائے گا، صوفیہ کا یہ ارشاد اس بشارت پر بھی مبنی ہے جیسا ہم نے بیان کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ جب آدمی فرض کو پوری طرح ادا کرتا اور جتنی نفل میسر ہو اس پر اپنے کو جمائے رکھتا اور مداومت کرتا ہے تو خود یہ مداومت بھی ترقی ہے اور اسی پر وہ بشارت کا مستحق ہے اس مطلب کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دوسرے ارشاد سے ہوتی ہے جبکہ آپ کو دو بھائیوں کی اطلاع دی گئی جن میں ایک دوسرے سے چالیس دن پہلے (جہاد میں شہید ہو کر) مر گیا تھا اور دوسرا چالیس دن بعد اپنے گھر میں بستر پر مر گیا) تو لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہلے کی فضیلت ظاہر کی اور یوں کہا کہ خدا اس کو بھی پہلے کیساتھ ملادے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوسرے نے جو (پہلے کے بعد) بہت سی نمازیں پڑھی ہیں تم کو کیا خبر کہ ان نمازوں نے اسکو کہاں پہنچا دیا نماز کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے دروازہ پر آب شیریں کی لبریز نہر بہتی ہو، اور وہ اسمیں روزانہ پانچ دفعہ غوطہ لگاتا ہو تو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اسکے بدن پر کچھ بھی میل رہ جائیگا

اسی لئے اہل سلوک نے فرمایا ہے کہ کسی حال پر مداومت رکھنا بھی ترقی اور زیادتی ہے اُن کا یہ ارشاد اسی حدیث پر مبنی ہے جو ہم نے ابھی بیان کی۔"

(قولہ الوجہ الخامس من الوجہ الثانی قولہ علیہ السلام واَبشروا الی قولہ عملاً بالحدیث الذی اوردناہ)

۴۷۔ ابتدا میں کام کا جوش ہوتا ہے پھر ٹھنڈا پڑ جاتا ہے

اس تفسیر کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیٔ من الدلجۃ کا مطلب یہ ہوگا کہ صبح کے وقت سے مدد لو یعنی چاشت کی نماز پڑھو اور شام کے وقت سے سہارا لو یعنی ظہر و عصر کے درمیان نفلیں پڑھو اور کسی قدر رات کے آخری حصہ سے مدد لو یعنی آخر رات میں تہجد پڑھا کرو اور حضورؐ نے رات کے متعلق کسی قدر اسلئے فرمایا کہ رات کا آخری حصہ ایک ایسا جزو ہے جسکی کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درجۂ افضلیت کی تعیین ایک حدیث میں کر دی ہے کہ بہترین نماز (تہجد) داؤد علیہ السلام کی نماز ہے وہ آدھی رات سوتے اور ایک تہائی میں نماز پڑھتے اور چھٹے حصہ میں پھر سو رہتے تو یہ حد اور تعیین تو درجۂ افضلیت کی ہے کہ جس کو فضیلت کا درجہ لینا ہو وہ ایسا کرے مگر اسوقت درجۂ کفایت میں گفتگو ہے جس سے استعانت اور مدد حاصل ہو سکے اور اس درجہ کو محدود نہیں کیا جا سکتا کہ وہ رات کا کتنا حصہ ہو دسواں یا بیسواں یا کم زیادہ) اب اگر کوئی فضیلت کی صورت اختیار کر سکے تو سبحان اللہ ورنہ درجۂ کفایت ہی کو لے لے جس سے مدد اور سہارا مل سکے حضورؐ کا اس درجہ کی تعیین نہ فرمانا یہ امت پر توسع اور آسانی کیلئے ہے کیونکہ یہ وقت نیند اور غذا کا وقت ہے (اس میں اگر درجۂ کفایت کو محدود کر دیا جاتا تو ہر شخص کو عمل آسان نہ ہوتا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ حضورؐ ان اوقات کو مختلف قسم کی عبادات سے معمور رکھنے کی ترغیب دے رہے ہیں کیونکہ اس سے مدد اور سہارا ملتا ہے اور جس چیز سے مدد ملتی ہو اسے چھوڑنا نہیں چاہیئے ورنہ اندیشہ ہے کہ یہ شخص مراد کو نہ پہنچ سکے گا اسی لئے بہتر یہ ہے کہ اول آسان اور سہل طریقہ سے کام شروع کرے اور اسی طرح کام کرتا رہے تاکہ استعانت

اور مدد سے محروم نہ رہے پھر اگر درجۂ کمال کی ہمت پائے تو اس کو بھی ہاتھ سے نہ دے اور اگر کوئی شغل یا مرض اس سے مانع ہو تو درجۂ کفایت کو ہرگز نہ چھوڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مضمون کو ایک دوسری حدیث میں صاف طور سے بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے لکل عابد شراھۃ ولکل شراھۃ فترۃ فطوبی لمن کانت فترتہ الی سنۃ، ہر عابد کو (ابتدا میں کام کا) ایک جوش ہوتا ہے اور ہر جوش (کسی وقت) ٹھنڈا پڑ جاتا ہے پس مبارک ہے وہ جس کا جوش سنت کے موافق ٹھنڈا ہو اور سنت کے موافق جوش کا ٹھنڈا ہونا یہی ہے جبکی طرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے کہ ان تینوں سے وقتوں میں کچھ نفل عبادت کر لیا کرے پس اے سبحان اللہ! حضور کے ذریعہ اور آپ کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے ہم پر کیسا احسان فرمایا ہے؟

اور اس میں اہل سلوک و اہل تربیت (کے اس معمول) کی دلیل ہے کہ وہ ابتدا میں رات اور دن کی نفلوں کو دو دو رکعت سے شروع کرنا پسند کرتے ہیں اس کے بعد جتنی ہمت اور نشاط پائے بڑھاتا رہے (مگر ابتدا میں اپنے ذمہ دو رکعت سے زیادہ لازم نہ کرے) تاکہ درجۂ استغنائت و کفایت سے محروم نہ رہے جیسا ابھی بیان ہوا، یہاں تک کہ تدریجاً مراد کو پہنچ جائے کیونکہ جو شخص ان اوقات میں اپنی ہمت کے موافق عبادت کریگا وہ جتنا چاہے مراتب عالیہ میں ترقی کر سکے گا اور اس کو کچھ تعب نہ ہوگا اور اس طرح وہ ہمیشہ زیادتِ (عبادت) کیساتھ ترقی کرتا اور نقصان کو چھوڑتا رہے گا یہاں تک کہ اس انتہائی درجہ پر پہنچ جائے گا جو انسانی حالت کا مقتضا ہے۔ قولہ الوجہ السادس من الوجہ الثانی قولہ علیہ السلام واستعینوا بالغدوۃ الی قولہ الی نہایۃ ما تقتضیہ حال البشریۃ ملخصا)

ف سالکین طریق کو اس مقام سے سبق لینا چاہیئے کہ ابتدا میں کام کا جتنا جوش ہوتا ہے وہ ہمیشہ نہیں رہا کرتا پس لازم ہے کہ ابتدا میں سہل اور آسان طریقہ اختیار کیا جائے اور تدریجاً ترقی کی جائے ابتدا میں زیادہ جوش سے کام کرنا اور بعد میں کم کر دینا بہتر نہیں ہے اور اگر کوئی عذر لاحق ہو تو ان خاص اوقات میں جن کا حدیث میں ذکر آیا ہے کم از کم دو رکعتیں نفل کی ضرور پڑھ لیا کریں کہ اس سے ترقی میں مدد ملتی ہے۔

۴۸- ہمیشہ عزیمت ہی پر اصرار نہ کرو بلکہ ضرورت کے وقت رخصت پر بھی عمل کرو

تیسری توجیہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد الدین یسر کا یہ مطلب ہو کہ جو دین تم کو دیا گیا ہے وہ ادیان سابقہ کی نسبت سے آسان ہے تم کو انہی احکام کا مکلف کیا گیا ہے جو تمہاری طاقت کے موافق ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت سے وہ دشواریاں اٹھادی ہیں جو پہلی امتوں کے اوپر تھیں چنانچہ ان کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ بنا دیا گیا، مثال کے طور پر یہ (دیکھو) کہ ہمارے واسطے (گناہوں سے پاک ہونے کیلئے) توبہ کو مشروع کیا گیا ہے جس کی حقیقت ندامت اور استغفار اور (آئندہ کو) گناہ سے رک جانا ہے اور پہلی (بعض) امتوں کیلئے توبہ کا طریقہ قتل تھا اسی طرح نجاست ظاہرہ سے پاک ہونے کیلئے ہمارے واسطے دھونا اور نہانا مقرر کیا گیا ہے اور پہلے لوگوں کے لئے ناپاک چیز کترنا اور کاٹنا تھا۔[ع۵]

ع۵ قلت و لفظ الشارح نصه وكذلك ايضاً النجاسة طهارتها لنا بالغسل ولهن قبلنا بالقطع و المقراض الخ واصله ما ورد في الحديث عند ابن ماجة عن عبد الرحمن بن حسنة ان النبي صلى الله عليه وسلم قال كان بنو اسرائيل اذا اصابهم البول قرضوه بالمقاريض فنهاهم رجل منهم فعذب في قبره واخرج الحاكم وصححه عن ابي موسى ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ان بني اسرائيل كان اذا اصاب احدهم البول قرضه بالمقراض كذا في الخصائص الكبرى للسيوطي (ج۲ ص۲۱) وحديث عبد الرحمن بن حسنة رواه ابن حبان في صحيحه ايضاً كما في الترغيب (ص۳۶) وكل ذلك لا دلالة فيه على كونهم مامورين بقرض ما تنجس من البدن واعضاءه بل الظاهر حمله على قطع ما تنجس من الثياب و امثالها يؤيده مارواه الطبراني في الكبير عن ابي موسى مرفوعاً في حديث طويل فقال ان صاحب بني اسرائيل كان اشد على البول منكم كان معه مقراض فاذا اصاب ثوبه شئ من البول قصه ذكره الهيثمي في مجمع الزوائد (ج۱ ص۲۰۸) وقال فيه علي بن عاصم وكان كثير الخطاء والغلط وينبه على

اسی طرح قسم کا کفارہ ہمارے واسطے شروع ہوا ہے۔ پہلی امتوں کیواسطے نہ تھا۔ اسی طرح

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) غلطہ فلا یرجع اھ قلت ومع ذلک فقد اثنی علیہ یعقوب بن شیبۃ وقال قد کان رحمہ اللہ من اھل الدین والصلاح والخیر البادع وشدید التوقی وقال وکیع ما زلنا نعرفہ بالخیر وقال الذھلی قلت لاحمد فی علی بن عاصم وذکرت لہ خطأہ فقال احمد کان حماد بن سلمۃ یخطئ خطأ کبیرا واو می احمد بیدہ ولم یر بالروایۃ عنہ بأسا کذا فی تھذیب التھذیب (ص۳۴۵ ج ۷) فالرجل حسن الحدیث ولیس بمتروک ولا ممن اجمع علی جرحہ، وقد اختار صاحب التفسیر المظھری رحمۃ اللہ تعالیٰ حمل القطع والقرض علی قطع الثیاب قرضا کما یظھر من ترجمۃ تفسیرہ بالھندیۃ (ص۹۶ ج ۲) نعم قد ورد عند ابن ابی شیبۃ فی المصنف عن عائشۃ قالت دخلت علی امرأۃ من الیھود فقالت ان عذاب القبر من البول قلت کذبت قالت بلی انہ لیقرض منہ الجلد والثوب فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقت کذا فی الخصائص الکبریٰ (ص۳۱ ج ۲) قلت لعائشۃ رضی اللہ عنھا حدیث فی عذاب القبر غیر ھذا اخرجہ الشیخان بطریق مسروق عنھا ان یھودیۃ دخلت علیھا فذکرت عذاب القبر فقالت لھا اعاذک اللہ من عذاب القبر فسألت عائشۃ الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عذاب القبر فقال نعم عذاب القبر قالت عائشۃ رضی اللہ عنھا فما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد صلی صلاۃ الا تعوذ من عذاب القبر وجمع الحافظ طرقہ فی الفتح (ص۱۸۶-۱۸۷ ج ۳) فلم یذکر ھذہ الزیادۃ التی وقعت عند ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ، فان صح الحدیث فلیس فیہ ما یوجب حملہ علی قرض الجلد من الجسم لاحتمال ان یکون المراد بہ قطع الجلد من النعل ومن الفروا الذی ھو من جنس اللباس حملہ علی ذلک شیخ شیخنا مولانا السید احمد الدھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ المدرس المدرسۃ العالیۃ بدیوبند وبتعین حملہ علی ذلک لوجوہ الاول ان قرض الجلد لم یرد مرفوعا فی حدیث غیرہ ولم یرد فیہ ایضاً من قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانما ورد من قول الیھودیۃ وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقت

راجع الی اخبارها بعذاب القبر فقط کما یدل علی ذلک ما فی لفظ الصحیح من قوله نعم عذاب القبر الی جمیع ما اخبرت به والثانی ان الجلد لم یرد مبینا فی حدیث ما علی ما ادی الیه نظری بان المراد به جلد البدن وقد ورد فی حدیث ابی موسی التصریح بان صاحب بنی اسرائیل انما کان یقص ثوبه من البول فینبغی حمل الجلد علی ما یلائم الثوب وهو ما ذکرناه من جلود النعال والفرو ونحوها والثالث ان حمله علی جلد البدن غیر معقول المعنی لکونه داخلا فی تکلیف ما لا یطاق کما هو الظاهر وقال الجصاص فی تفسیر قوله تعالیٰ لا یکلف الله نفسا الا وسعها فیه نص علی ان الله تعالیٰ لا یکلف احدا ما لا یقدر علیه ولا یطیقه ولو کلف احدا ما لا یقدر علیه ولا یستطیعه لکان مکلفا له ما لیس فی وسعه، ولم تختلف الامة فی ان الله لا یجوز ان یکلف الزمن المشی والاعمی البصر والاقطع الیدین البطش لانه لا یقدر علیه ولا یستطیع فعله ولا خلاف فی ذلک بین الامة وقد وردت السنة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم ان من لم یستطع الصلاة قائما فغیر مکلف للقیام فیها ومن لم یستطع القعود فیها فغیر مکلف للقعود بل یصلیها علی جنب یومیٔ ایماء لانه غیر قادر علیها الا علی هذا الوجه ونص التنزیل قد اسقط التکلیف عمن لا یقدر علی الفعل ولا یطیقه، وزعم قوم جهال نسبت الی الله فعل السفه والعبث فزعموا ان کل ما امر به احد من اهل التکلیف او نهی عنه فالمأمور به غیر مقدور علی فعله والمنهی عنه غیر مقدور علی ترکه و قد اکذب الله قیلهم بما نص علیه من انه لا یکلف الله نفسا الا وسعها مع ما قد دلت علیه العقول من قبح تکلیف ما لا یطاق وان العالم بالقبیح المستغنی عن فعله لا یقع منه فعل القبیح اھ (ص ۵۳۰-۵۳۸ ج ۱) قلت ویمکن ان یحمل قول هذا القائل علی نفی القدرة الحقیقیة المرادة فی قوله لا حول ولا قوة الا بالله فیستقیم الکلام ولا یرد علیه ما اورد فافهم وبالجملة فان الله تعالیٰ قد نفی التکلیف

واسطے جائز ہے پہلے لوگوں کیلئے جائز نہ تھا، اس کے سوا اور بہت سے احکام ہیں (جن میں اس امت پر بہت آسانی کی گئی ہے) اور اگر اللہ تعالیٰ ہم کو طاقت سے زیادہ کا مکلف کر دیتے تو یہ بھی جائز تھا کیونکہ وہ حاکم اور قاہر ہیں اُن کے حکم کو رد کرنیوالا کون ہے؟ لیکن محض اپنے فضل و احسان سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو عافیت (اور راحت) عطا فرمائی کہ انہی احکام کا مکلف کیا جو ہماری طاقت کے موافق ہیں چنانچہ فرماتے ہیں لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت و ہمت سے زیادہ کا مکلف نہیں فرماتے اور کسی شخص کو قدر وسعت (و ہمت) سے زیادہ کا مکلف نہیں فرماتے اور جو شخص قدر وسعت کا مکلف کیا گیا ہو (یقیناً) وہ اس کے لئے آسان ہو گا، اسکی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری بھول چوک اور دل[ع] کے وسوسوں کو معاف فرما دیا ہے (اسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بما لا یطاق عن کل نفس علی ما یقتضیہ عموم قولہ نفساً الواقع فی حیز النفی فلا یجوز القول بکون الامم السالفۃ مکلفۃ بما لیس فی وسعہا ظاہرا و یجب حمل کل ما ورد فی تفسیر الاصر الذی کان علیہم علی ما یمکن دخولہ فی الوسع والطاقۃ، نعم کانوا قد کلفوا باحکام ھی اشد و اثقل مما کلفنا بہ ولکنہا کانت فی وسعہم لکونہم اقویاء منا واللہ تعالیٰ اعلم۔

ولا ریب ان الدین الذی تدینا بہ یسر لا حرج فیہ اصلا فان نبینا صلے اللہ علیہ وسلم قد جاءنا بالحنفیۃ السمحۃ البیضاء التی لیلہا و نہارہا سواء و قال تعالیٰ ما جعل علیکم فی الدین من حرج، فالحمد للہ الذی بنعمتہ و عزتہ و جلالہ تتم الصلحت وصلی اللہ تعالیٰ علی افضل الکائنات و اشرف المخلوقات سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ و ذریتہ و ازواجہ الطیبات الطاہرات صلوٰۃ دائمۃ مؤبدۃ تنسیق الغایات ۱۲ ظ

ع قلت و اصلہ ما ورد فی الحدیث عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تجاوز عن امتی ما وسوست بہ صدورھا مالم تعمل بہ او تتکلم متفق علیہ (مشکوٰۃ ص۹) وفی لفظ لہما ان اللہ تجاوز لی عن امتی ما حدثت

طرح کوئی زبردستی[ع] ہم سے ناجائز کام لے تو گناہ زبردستی کرنے والے پر ہوگا ہمارے

ع زبردستی کی تفصیل کتب فقہ سے معلوم کی جائے اور یہ بھی کہ زبردستی کی صورت میں انسان کون سے ناجائز کام کرسکتا ہے اس کو عام نہ سمجھنا چاہیئے ۱۲ ظ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) به انفسها مالم تتكلم او تعمل به كذا فى الخصائص للسيوطى (ص۲۱۰ ج۲) وفيه ايضاً اخرج احمد وابن حبان والحاكم وابن ماجه عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله وضع عن امتى الخطاء والنسيان وما استكرهوا عليه"

وفيه ايضاً اخرج الفريابى فى تفسيره عن محمد بن كعب قال مابعث الله تعالىٰ من نبى ولا ارسل من رسول انزل عليه الكتاب الا انزل الله عليه هذه الآية وان تبدوا ما فى انفسكم او تخفوه يحاسبكم به الله الآية، فكانت الامم تأتى على انبيائها ورسلها ويقولون لو اخذ بما تحدث به انفسنا ولم تعمله جوارحنا فيكفرون ويضلون فلما نزلت على النبى صلى الله عليه وسلم اشتد على المسلمين ما اشتد على الامم قبلهم فقالوا يا رسول الله ايؤاخذ بما تحدث به انفسنا ولم تعمله جوارحنا قال نعم فاسمعوا واطيعوا واطلبوا الى ربكم فذلك قوله تعالىٰ آمن الرسول الآية فوضع الله عنهم حديث النفس الا ماعملت الجوارح لها ما كسبت من خير وعليها ما اكتسبت من شر اھ (ص۲۱۰ ج۲) والكلام ههنا من وجوه، الاولى ان التجاوز عن الوسوسة والخطاء والنسيان مختص بهذه الامة ام يعمها وغيرها من الامم والثانية ان كان ذلك مما اختصت به هذه الامة وكانت الامم قبلها يؤاخذون بما وسوست به صدورها او بما اتت به خطاء اونسياناً فهل ليس ذلك منافيا لقوله تعالىٰ لا يكلف الله نفسا الا وسعها، والثالثة ان لم يكن ذلك منافيا له فهل الاحتراز عن

اوپر نہ ہوگا) اسی طرح نماز میں کھڑا ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھنے کی اجازت ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) الوسوسة والخطاء والنسیان مما یدخل فی اختیار العبد،

والجواب اما عن الاولیٰ فالظاهر اختصاص هذه الامة بذلك کما یشعر به قوله صلی الله علیه وسلم ان الله تجاوز عن امتی الخ فان المتبادر منه عدم التجاوز عن الامم غیرها ومن هنا عده السیوطی من الخصائص حیث قال باب اختصاص النبی صلی الله علیه وسلم بان امته وضع عنهم الاصر الذی کان علی الامم قبلهم واحل لهم کثیرا مما شدد علی من قبلهم ولم یجعل علیهم فی الدین من حرج ورفع عنهم المؤاخذة بالخطاء والنسیان وحدیث النفس (ص ۲۰۹ ج ۲) واما عن الثانیة فان المؤاخذة بحدیث النفس والخطاء والنسیان لیس منافیاً لقوله تعالیٰ لا یکلف الله نفسا الا وسعها واما عن الثالثة فان الاحتراز عن حدیث النفس ونحوهما مما یدخل فی اختیار العبد، اما عن الخطاء والنسیان فلان منشارهما الغفلة وعدم التیقظ والاحتراز عن ذلك فی وسع العبد لان التیقظ والتذکر لیس خارجاً عن اختیاره ومن هنا صرح الشیخ ابن ابی جمرة رحمه الله تعالیٰ بان العارفین الکمل قد ارتفعوا عن الخطاء والنسیان ولکن ذلك مما یتعسر علی العامة وقت اشتغالهم بامور الدنیا فلا یکادون ان یظفروا بالاستحضار الدائم والتیقظ والحال هذه فلاجل التعذر والحرج تجاوز الله عن هذه الامة الخطاء والنسیان واما عن حدیث النفس فلان اعمال القلب لها درجات عدیدة ذکره الامام الغزالی قدس الله سره فی الاحیاء (ص ۳۶ ج ۳) وبینهما شیخنا اطال الله بقاءه فی رسالة المصححة فی حکم الوسوسة وهی جزء من رسالة المسماة بالتشرف باحسن بیان وهذا نصه قال الحنفی ان المراتب خمسة هاجس وخاطر وحدیث نفس وهم وعزم، فالشیئ اذا وقع فی القلب ابتداً ولم یحل فی النفس

بیٹھنے کی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر پڑھنے کی اور اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اشارہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سمی هاجسًا فاذا كان هو نفسًا ودبر من اول
الامر لم يحتج الى المراتب التى بعده، اذا جال اى تردد فى نفسه بعد
وقوعه ابتداءً ولم يتحدث به عملًا وعدمًا سمى خاطرًا فاذا حدثته نفسه
بان يفعل به اولا يفعل على حد سواء من غير ترجيح لاحدهما على الآخر
سمى حديث النفس فهذه الثلاثة لا عقاب عليها ان كانت فى الشر ولا
ثواب عليها ان كانت فى الخير فاذا فعل ذلك عوقب او اثيب على الفعل لا
على الهاجس والخاطر وحديث النفس، فاذا حدثته نفسه بالفعل وعدمه
مع ترجيح الفعل لكن ليس ترجيحا قويا بل هو مرجوح كالوهم سمى همّا
فهذا يثاب عليه ان كان فى الخير ولا يعاقب عليه ان كان فى الشر كما
فى الحديث فاذا قوى ترجيح الفعل حتى صار جازمًا مصممًا لا يقدر على
الترك سمى عزمًا فهذا يثاب عليه ان كان فى الخير ويعاقب عليه ان كان
فى الشر قلت والوسوسة عام لجميع المراتب الثلثة الهاجس والخاطر وحديث
النفس، مجمع اقسامها غير مؤاخذ به وعدم المؤاخذة على حديث النفس
بالحديث الصحيح وعلى الباقيين بالاولى لانه اذا ارتفع حديث النفس ارتفع
ما قبله بالاولى، وان خالجك ان الحكم بارتفاع حديث النفس يتوقف
على كون المراد به فى الحديث ما اصطلحتم عليه وما الدليل عليه؟
فاعلم بان هذا الاصطلاح عين اللغة والنصوص محمولة على اللغة ما لم
يطرأ عليها اصطلاح شرعى ولم يطرأ فيحمل على ما ذكرنا فافهم والسر
فى عدم المؤاخذة على الهاجس انه ليس من فعله وانما هو شئ ورد عليه
لا قدرة له عليه ولا صنع، والخاطر الذى بعده وان كان قادرًا على دفعه
بصرف الهاجس اول وروده ولكنه لما كان دون حديث النفس وهو مرفوع
بالحديث كان مرفوعا بالاولى كما ذكرنا. وبهذا انحل اشكال عويص وهو

سے نماز ادا کرنے کی اجازت ہے اسی طرح پانی نہ ملے تو تیمم کی اور سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھنے اور نماز میں قصر کرنے کی اجازت ہے اس کے سوا اور بہت سی سہولتیں ہیں جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سہولتوں کے متعلق فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسا عزیمتوں پر عمل کرنے کو پسند کرتے ہیں اسی طرح یہ بھی چاہتے ہیں کہ اُن کی رخصتوں پر عمل کیا جائے، (یہ نعمت پر نعمت ہے ورنہ قیاس کا مقتضا یہ تھا کہ رخصت پر عمل کرنا صرف جائز ہوتا، مستحب اور محبوب نہ ہوتا کیونکہ اس کو ہماری سہولت کیلئے مقرر کیا گیا ہے حکم اصلی کے طور پر مقرر نہیں کیا گیا مگر اللہ تعالیٰ کو ہماری راحت بھی محبوب ہے اس لئے عذر کیوقت رخصت پر عمل کرنا بھی اُن کو محبوب ہے) اس تفسیر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ولن یشاد الدین احد الا غلبہ کا مطلب یہ ہو گا کہ جو شخص اپنے اوپر سختی کرے اور عزیمتوں پر اصرار کرے اور عذر کیوقت رخصتوں کو چھوڑ دے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ان الكليات الشرعية والقواعد العقلية تقتضي المؤاخذة على الاختياري وعدم المؤاخذة على غير الاختياري فاختصاص هذه الامة المرحومة من بين الامم ان كان باعتبار غير الاختياري من المراتب الخمس كونه يلزم تكليف الامم السابقة بغير الاختياري وان كان باعتبار الاختياري فما الفرق بين اختياري واختياري حيث يؤاخذ على العزم ولا يؤاخذ على حديث النفس مع اشتراكهما في كونهما اختياريين، ووجه الانحلال ان الاختصاص باعتبار الاختياري والفرق بين العزم وبين الخاطر وحديث النفس ان الخاطر وكذا حديث النفس وان كان دفعه اختياريا لكنه يحتاج الى قصد الدفع وكثيرا ما يقع الذهول عن هذا القصد فيجر الاول الى الثاني والثالث فالمؤاخذة عليه لا ينافي الكليات الشرعية لكن المرحمة الالهية قد خصت هذه الامة بالعفو عنه كوضع الاصر والاغلال التي كانت على السابقين فهذه المرتبة اختيارية لكن فيها شدة فكانت فرد الاصر والاغلال واما العزم فلا يجبر الهاجس اليه كذلك وانما يجد مستقلا ... حديث النفس والعزم فمدار العفو هو الاقتضا

وہ دین کا مقابلہ کرنے والا ہوگا اور جب دین کا مقابلہ کرے گا تو یقیناً وہ اس کو

للذهول و مدار المؤاخذة هو العزم المستقل فلو حدث نفسه بالمعصية بعزم مستقل وان لم يعزم (فعل) تلك المعصية كالا لتذاذ بصورة الاجنبية قصداً فالظاهر انه يواخذ عليه وهذا الالتذاذ داخل عندی فی عموم حديث والنفس تمنى وتشتهى فى رواية والقلب يهوى و يتمنى روى الاول الشيخان والثانى مسلم اه مختصار (ص ۲۷/ ۲۹) وحاصله ان الالتذاذ بصورة الاجنبية داخل فی معاصی القلب کالحسد والبغضاء والحقد والکبر ونحوها فانها توجب الاثم و يؤاخذ عليها اذا كانت فی درجة العزم وان لم يظهر اثرها فی عمل الجوارح وقال الامام المجتهد ابن دقيق العيد فی شرح عمدة الاحكام فی قوله صلى الله عليه وسلم من توضأ نحو وضوئی هذا ثم صلى ركعتين لا يحدث فيهما نفسه غفر له ماتقدم من ذنبه ما نصه قوله يحدث فيهما نفسه اشارة الى الخواطر والوساوس الواردة على النفس وهی علی قسمين احدهما مايهجم هجماً يتعذر دفعه عن النفس، والثانی ما تسترسل معه النفس ويمكن دفعه وقطعه فيمكن ان يحمل الحديث على هذا النوع الثانی فيخرج عنه النوع الاول لعسر اعتباره ويشهد لذلك لفظة يحدث نفسه فانه يقتضى تكسبا منه وتفعلا لهذا الحديث، ويمكن ان يحمل على النوعين معاً الا ان العسر انما يجب دفعه عما يتعلق بالتكاليف والحديث انما يقتضى ترتيب ثواب مخصوص على عمل مخصوص فمن حصل له ذلك العمل حصل له ذلك الثواب ومن لا فلا، وليس ذلك من باب التكاليف حتى يلزم دفع العسر عنه، نعم لا بد وان تكون تلك الحالة ممكنة الحصول اعنى الوصف المرتب عليه الثواب المخصوص، والامر كذلك فان المتجردين عن شواغل الدنيا الذين غلب ذكر الله عز وجل على قلوبهم وغمرها تحصل لهم تلك الحالة وقد حكى عن بعضهم ذلك اه (ص ۳۹/ ۱۲) و

گھبرا دے گا، مثلاً کوئی شخص جائز طریقہ سے قسم نہ کھاتے بلکہ مکہ تک پیادہ پا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حاصلہ ان دفع الوساوس بنوعیہا ممکن الحصول ویکون النوع الاول منہما و ینبغی تسمیتہا بدرجۃ الحدوث یتعسر دفعہ عن النفس والعسر یجب دفعہ عما یتعلق بالتکالیف فلا یصح القول بکون الامم السالفۃ مکلفین بہذہ الدرجۃ بل الذی یصح القول بکونہم مکلفین بہ انما ہو الدرجۃ الثانیۃ وہی الوساوس التی تسترسل معہا النفس وینبغی تسمیتہا بدرجۃ البقاء، وھذا ہو علی ما قالہ شیخنا ادام اللہ ظلہ ان الوسوسۃ فی درجۃ الحدوث لم یکلف بدفعہا احدٌ من الامم لکونہا من غیر اختیار العبد وفی درجۃ البقاء کلفت الامم السابقۃ بدفعہا ولم تکلف ھذہ الامۃ رحمۃً ولطفاً ومنًّا و انما کلفت بان لا یعزم علی المعصیۃ ظاہرۃ کانت او باطنۃً واللہ تعالیٰ اعلم۔

وقال الامام الغزالی فی بیان ما یؤاخذ بہ العبد من وساوس القلوب وہمہا و خواطرہا و ما یعفی عنہ ما نصہ اعلم ان ھذا امر غامض وقد وردت فیہ آیات و اخبار متعارضۃ یلتبس طریق الجمع بینہما الا علی سماسرۃ العلماء بالشرع فقد روی عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم عفی عن امتی ما حدثت بہ نفوسہا ما لم تتکلم بہ او تعمل بہ (متفق علیہ، بلفظ ان اللہ تجاوز لامتی) وقال ابو ھریرۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان اللہ تعالیٰ یقول للحفظۃ اذا ہم عبدی بسیئۃ فلا تکتبوہا فان عملہا فاکتبوہا سیئۃ و من ہم بحسنۃ لم یعملہا فاکتبوہا حسنۃ فان عملہا فاکتبوہا عشرا اخرجہ البخاری و مسلم، وہو دلیل علی العفو عن عمل القلب وہمہ بالسیئۃ فاما ما یدل علی المؤاخذۃ فقولہ سبحانہ ان تبدوا ما فی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) انفسکم او تخفوہ یحاسبکم
بہ اللّٰہ، وقولہ تعالیٰ ان السمع والبصر والفواد کل ذلک کان عنہ مسئولا
فدل علی ان عمل الفواد کعمل السمع والبصر فلا یعفی عنہ وقولہ تعالیٰ: ولا تکتموا
الشہادۃ ومن یکتمہا فانہ آثم قلبہ، وقولہ تعالیٰ ولکن یؤاخذکم بما
کسبت قلوبکم والحق عندنا فی ہذہ المسئلۃ لا یوقف علیہ مالم
تقع الاحاطۃ بتفصیل اعمال القلوب من مبدأ ظہورہا الی ان یظہر العمل علی
الجوارح فذکر المراتب الخمسۃ التی ذکرہا الحنفی باختلاف ما فانہ جعلہا
اربع مراتب وسمی الاولی بالخاطر مرۃ وبحدیث النفس اخری والثانیۃ بالمیل
ای ہیجان الرغبۃ والثالثۃ بحکم القلب ای الاعتقاد والرابعۃ بالہم وتصمیم
العزم، ثم قال اما الخاطر فلا یؤاخذ بہ لانہ لا یدخل تحت الاختیار
وکذلک المیل وہیجان الرغبۃ وہی المراد ان بقولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عفی
عن امتی ما حدثت بہ انفسہا فحدیث النفس عبارۃ عن الخواطر التی تعرض
فی النفس ولا یتبعہا عزم علی الفعل فاما الہم والعزم فلا یسمی حدیث
النفس واما الثالث وہو الاعتقاد وحکم القلب بانہ ینبغی ان یفعل فہذا
تردد بین ان یکون اختیاریا او اضطراریا فالاختیاری منہ یؤاخذ بہ (کالا
لتذاذ بصورۃ الاجنبیۃ عمداً) والاضطراری لا یؤاخذ بہ واما الرابع
وہو الہم بالفعل فانہ مواخذ بہ الا انہ ان لم یفعل فان کان قد ترکہ
خوفا من اللّٰہ تعالیٰ وندما علی ہمہ کتبت لہ حسنۃ وان تعوق الفعل بعائق
او ترکہ بعذر لا خوفا من اللّٰہ کتبت علیہ سیئۃ فان ہمہ فعل من القلب
اختیاری وقد قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم انما یحشر الناس علی نیاتہم (اسنادہ
حسن وعند مسلم عن عائشۃ یبعثہم اللّٰہ علی نیاتہم) ونحن نعلم ان من عزم
لیلا علی ان یصبح لیقتل مسلما او یزنی بامراۃ فمات تلک اللیلۃ مات.

بلکہ پانی ہی سے وضو کرنا چاہیے یا بیماری کی حالت میں کھڑا ہو کر ہی نماز پڑھنے کا ارادہ رے وغیرہ وغیرہ غرض ہر پہلو میں درجۂ کمال ہی کو اختیار کرنا چاہیے اور رخصتوں کو چھوڑ دے تو یہ شخص دین کا سختی سے مقابلہ کرنا چاہتا ہے اور اس صورت میں محض اس وجہ سے کہ اس نے ایک بات دل میں ٹھان لی ہے دین سے عاجز ہو جائیگا اور اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے جنہوں نے پہلی امتوں میں سے ایسا کیا تھا، چنانچہ ارشاد ہے

قد خسر الذین قتلوا اولادھم سفھا بغیر علم و حرموا ما رزقھم اللہ افتراء علی اللہ قد ضلوا و ما کانوا مھتدین

”وہ لوگ ہلاکت میں مبتلا ہو گئے جنہوں نے اُن چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا جو اللہ نے اُن کو عطا فرمائی تھیں گمراہ ہو گئے اور سیدھے راستہ پر چلنے والوں میں نہ تھے“

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مصرا و حشر علی نیتہ وقد ھم بسیئۃ ولم یعملھا والدلیل القاطع فیہ قولہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا التقی المسلمان بسیفیھما فالقاتل والمقتول فی النار قیل یا رسول اللہ ھذا القاتل فما بال المقتول قال لانہ اراد قتل صاحبہ (متفق علیہ) وھذا نص فی انہ صار بمجرد الارادۃ من اھل النار مع انہ قتل مظلوما فکیف ھم یدخل تحت اختیار العبد فھو مواخذ بہ الا ان یکفر بحسنۃ و نقضہ بالسند محسنۃ“ ایضاً واما الخواطر وحدیث النفس و ھیجان الرغبۃ فکل ذلک لا یدخل تحت الاختیار فالمواخذۃ بہ تکلیف مالا یطاق و کیف لا یواخذ باعمال القلب والکبر والعجب والریاء والنفاق والحسد وجملۃ الخبائث من اعمال القلب بل السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولاً اھ ملخص (ص۳۵، ۳۶، ۳۷ ج ۳) وما ذکرہ شیخنا عن الحفنی المصدق بالاحادیث واجمع لھا فتدبر ۱۲“ ظ

اس کے بعد قسددوا وقاربوا کا یہ مطلب ہوا کہ اول تو کوشش اور ہمت سے درجۂ احتیاط کے قریب رہو اور احتیاط کا درجہ یہ ہے کہ گناہوں کو چھوڑ دو اور جو کام تمہارے ذمہ ہیں اُن سے فراغت حاصل کرکے مراتب عالیہ و بہترین حالت کی طرف بڑھتے رہو پھر اگر کسی وقت کمزوری یا غفلت پیش آئے یا کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو سیدھے ہو جاؤ۔

یعنی (ایسی حالت سے) خلاصی پانے کے جو طریقے بتلائے گئے ہیں اور (بیماری و کمزوری اور غفلت کیوقت) جو رخصتیں تم کو دی گئی ہیں اُن کو اختیار کرکے اپنی حالت کو درست کرو (اگر گناہ ہو گیا ہو توبہ کرو، اگر غفلت طاری ہوئی ہو استغفار کرو اور بیماری کی حالت ہو تو سہولت پر عمل کرو) کیونکہ اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہیں (وہ گناہ اور غفلت کی خطا کو معاف فرمادیں گے) اس صورت میں وابشروا کا یہ مطلب ہوگا کہ (رخصتوں پر عمل کرکے) خوش رہو کہ وہ بھی تم کو نجات دلانے والی اور رضائے مولا تک پہنچانے والی اور انجام بخیر کرنیوالی ہیں (یہ نہ سمجھو کہ یہ باتیں عزیمت ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں رخصت سے حاصل نہیں ہو سکتیں) اس مضمون کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔

رب ذنب ادخل صاحبہ الجنۃ

بعضا گناہ بھی انسان کو جنت میں پہنچا دیتا ہے

مطلب یہ کہ بعض دفعہ وہ گناہ توبہ کا سبب بنتا ہے اور خالص توبہ نصیب ہو جاتی ہے تو وہ جنت میں پہنچانے کا سبب بن جاتی ہے۔ اس کی زیادہ وضاحت اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ ایک بزرگ پر ایک دن خوف کا غلبہ ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کسی حق میں تقصیر ہوگئی تھی پھر اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت نے (ان پر) تجلی کی تو خوف کے ساتھ وسعت رحمت نے امید کو بھی ملا دیا (اور ان کی حالت درست ہوئی) اس وقت (بطور الہام کے) ان سے کہا

بھی ہیں اور امید بھی دلاتے ہیں، اور جس سے ہم مغفرت کرتے ہیں اس کو اپنے سے دور کر دیتے اور غفلت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

اس تفسیر کی بنا پر واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیئ من الدلجۃ

کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص ان اوقات میں یعنی صبح شام اور اخیر رات میں اعمال عبادت پر مواظبت کریگا اس کو غیب سے ان اعمال کی طاعات پر مدد دی جائے گی جو اس نے اختیار کئے ہیں اور دین کے اندر جو دشواری اسکو پیش آئیگی آسان کردی جائیگی اور ایمان میں قوت عطا کی جائے گی، اس وقت معلوم ہوگا کہ اس پر کس قدر لطف کیا گیا اور اسکے ساتھ کس قسم کے معاملہ کا ارادہ کیا گیا اور جب آدمی کو یہ معلوم ہوجائے کہ خدا کا معاملہ اسکے ساتھ کیسا ہے تو یہ عبادت پر مدد کا بہت بڑا سبب بن جاتا ہے کیونکہ اس سے کام آسان ہو جاتا اور ہمتیں مقامات عالیہ کیطرف بڑھنے لگتی ہیں اور اسی وجہ سے کہ ان اوقات کا رعبادات معمور رکھنا ان برکات کا موجب ہے۔ بعض محققین نے فرمایا ہے کہ میں تم کو خلوت میں آئینۂ فکر پر منظر جمائے رکھنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ اسی وقت تم پر حق واضح ہوگا اور جس پر حق واضح ہوجاتا ہے اس سے اتباع حق کی اور اہل حق بننے کی امید کی جاسکتی ہے ہم اللہ تعالٰی سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں بھی حق کو حق ظاہر کرکے دکھلادے اور اس کے اتباع کی توفیق دے (آمین)

اس مقام کے کچھ مناسب یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ویل لمن غلبت آحادہ عشراتہ بڑی خرابی ہے اس شخص کی جس کی اکائیوں دہائیوں پر غالب ہوں مطلب یہ کہ گناہ نیکیوں سے زیادہ ہوں کیونکہ نیکیاں تو اللہ کے فضل سے ایک کی دس اور (بعض دفعہ) ستر اور سات سو بھی ہوجاتی ہیں اور اللہ تعالٰی جسکو چاہتے ہیں اس سے بھی زیادہ عطا فرماتے ہیں اور گناہ ایک کا ایک ہی رہتا ہے،

مگر افسوس اس فضل عظیم کے بعد بھی انسان بیچارہ اپنی ذات سے غفلت کرتا اور کام کرنے سے گھبراتا ہے اور اپنے واسطے کوئی راستہ نہیں پاتا یا تو اس وجہ سے کہ دین میں غلو کرتا ہے یا اپنے نفس کا محاسبہ نہیں کرتا اور برباد ہونے والوں کے ساتھ اس طرح برباد ہوجاتا ہے کہ اس کو خبر بھی نہیں ہوتی اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

حاسبوا قبل ان تحاسبوا

اپنے نفس کا خود محاسبہ کرو اس سے پہلے کہ تمہارا حساب کیا جائے

بکتابوں میں یہ قول حضرت عمرؓ سے منقول ہے حدیث مرفوع نہیں ہے) تو جو شخص اپنی ذات سے غافل ہو جائے اور اپنے ذمہ حد سے زیادہ کام لازم کرلے یا نفس کی نگہداشت میں غفلت کرنے لگے وہ ایسی ہی سخت وعید کا مستحق ہے (جو حدیث میں وارد ہے) اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں اور تمہیں اس سے محفوظ رکھے، پس عاقل کو چاہیئے کہ اپنی مدد اسی طریقہ سے کرنا ہے جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے اور میزان شریعت کو سامنے رکھ کر محاسبۂ نفس سے غفلت نہ کرے اور دین میں غلو بھی نہ کرے تاکہ ان اسباب ہلاکت سے بچا رہے جن کا ابھی ذکر ہوا۔ (قوله الوجه الثالث ص۲ الی قوله لئلا یهلك باحد هذه الوجوه)

ف یہاں سے اُن انگریزی خوانوں کی غلطی واضح ہوگئی جنہوں نے الدین یسر کا لفظ ہی یاد کرلیا ہے اور اس کے معنی کی خبر نہیں انہوں نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ دین میں نہ ارادہ کی ضرورت ہے نہ ہمت کی نہ علم کی نہ اسباب اعانت کی، اُن کو اس مقام میں غور کرنا چاہیئے کہ علماء نے اس حدیث کے کتنے مطالب بیان کئے ہیں حضرت شارح نے دین کے آسان ہونے کی بارہ تفسیریں بیان کی ہیں جن میں سے تین کا ذکر ہو چکا باقی آئندہ آئیں گی مگر ہم سب کا استیعاب نہ کریں گے کیونکہ ہمیں اس وقت صرف وہ مضامین لینا ہیں جن سے مسائل تصوف کی تائید ہوتی ہے۔

ف اللہ تعالیٰ نے پہلی امتوں کو بھی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں فرمایا تھا اُن کے قویٰ ہم سے اچھے تھے اسلئے اُن کی شریعت میں اُن کی قوت کے موافق ہم سے زیادہ سخت احکام تھے باقی اسمیں شک نہیں کہ امت محمدیہ پر سہولت، اور آسانی بہت کی گئی ہے جیسا اوپر معلوم ہوا۔

ف سالکین طریق کو اس مقام سے معلوم ہو گیا کہ امت محمدیہ کو ہر پریشانی اور ضیق سے نکلنے کا راستہ بتا دیا گیا ہے پس کسی وقت یاس اور ناامیدی کو راہ نہ دینا چاہیئے، اگر طریق میں غفلت یا خطا ہو جائے تو نجات کا راستہ معلوم کرکے رخصت پر عمل کرنا اور حالت کو درست کرلینا چاہیئے اس کے بعد شوق اور

جوش کو تازہ کر کے پھر بدستور کام میں لگنا اور پریشانی کو بھول جانا چاہیئے
وھذا مما نبہ علیہ سیدی حکیم الامت دام مجدہ مرارا۔

۷۹- اللہ تعالیٰ جہل کے ساتھ کسی کی عبادت قبول نہیں فرماتے اس لئے علم حاصل کرنا ضروری ہے یا علماء سے پوچھ کر کام کرنا

ایک تفسیر حدیث کی یہ ہے کہ دین اس شخص کو آسان ہے

جو اس کو اچھی طرح جان لے پہچان لے کیونکہ جو دین سے غافل ہوگا اس کو دشواری کا سامنا ہوگا اس تفسیر پر حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تحصیل علوم دین کی ترغیب دے رہے ہیں کہ کتاب اللہ اور سنت کے موافق اس کو حاصل کیا جائے اور لن یشاد الدین احد الا غلبہ کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص کتاب اللہ اور سنت کے سوا محض عقل سے یا اور طریقہ سے اس کو حاصل کرنا چاہے گا دین اس پر دشوار ہو جائیگا۔ کیونکہ اس صورت میں مقام حق تک پہنچنا دشوار ہے اور مقام حقیقت کا تو احتمال ہی احتمال ہے پس یہ شخص خسارہ کی پونجی لیکر واپس ہوگا

خسر الدنیا والاخرۃ دنیا بھی برباد اور آخرت بھی

اس صورت میں سددوا وقاربوا کا مطلب یہ ہوگا کہ اپنی حالت کو درست رکھو اور درستی کی صورت یہ ہے کہ دین کو اور اسکے احکام کو اچھی طرح معلوم کر کے اس کے موافق عمل اور اتباع کرو۔ اس مضمون کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم

"علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"۔

علماء محققین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ انسان پر جو عمل واجب ہے اس کا علم حاصل کرنا بھی واجب ہے کیونکہ جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اس کو پوری طرح ادا کرنا بدون اس کی حدود اور قواعد جانے ممکن نہیں اور جو شخص بدون علم کے عمل کرے پھر اتفاق سے اس کا عمل شریعت کے مطابق ہی ہو جائے تو علماء نے اس کے بارہ میں اختلاف کیا ہے بعض کا قول ہے

کہ اس کو عمل کا ثواب ملے گا کیونکہ اس نے حکم کو ادا کر دیا اور جو حکم کو بجا لائے وہ ثواب کا مستحق ہے
بعض کا قول ہے کہ اس کو گناہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ جہل کے ساتھ کسی کی عبادت قبول نہیں فرماتے
اور اس کو علم کے بعد ہی عمل پر پیش قدمی کرنا جائز تھی، جہل کیساتھ جائز نہ تھی، کیوں کہ
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

فَسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

اگر تم کو علم نہ ہو تو اہل علم سے دریافت کرو

جب اس نے بغیر علم کے عمل پر پیش قدمی کی تو حکم کے خلاف کیا اور جو شخص حکم کی مخالفت کرے، گنہگار ہے (اسلئے یہ شخص بھی گنہگار ہے گو اتفاق سے اس کا عمل شریعت کے موافق ہو گیا ہے) اور بعض کا قول ہے کہ اس کو نہ ثواب ملے گا نہ عذاب ہوگا، عذاب تو اس لئے نہیں کہ عملاً اس نے کسی ممنوع کا ارتکاب نہیں کیا اور چونکہ حکم یہ تھا کہ بدون علم کے عمل پر پیشقدمی نہ کرے اور اس نے ایسا نہیں کیا تو ثواب کا مستحق نہ ہوگا (غرض بدون علم کے عمل کرنا خطرہ سے خالی نہیں اگر عمل شریعت کیخلاف ہوا تو اتفاقاً گنہگار ہے اور شریعت کے موافق ہو جب بھی فرض سے سبکدوش ہونے میں کلام ہے پس حالت کی درستی بدون تحصیل علم کے نہیں ہو سکتی)

اور اگر کوئی تحصیل علم کیساتھ اپنی حالت کو درست کرنے سے عاجز ہو تو اس کو قریب کا درجہ حاصل کرنا چاہیئے یعنی اہل علم سے پوچھ کر عمل کرنا چاہیئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے فسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انما شفاء العی السوال کہ ناواقف کو پوچھنے ہی سے شفا حاصل ہوتی ہے اس کے بعد ابشروا کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص یہ راستہ اختیار کرلے (یعنی تحصیل علم میں مشغول ہو جائے) اسے خوش ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کو رفعت دیں گے اور ایسی جگہ سے روزی پہنچائیں گے جہاں اس کا گمان بھی نہ تھا، بشرطیکہ خالص اللہ کے واسطے تحصیل علم میں مشغول ہوا ہو اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔

. تکفل اللہ برزق طالب العلم

اللہ تعالیٰ نے طالب علم کے رزق کا ذمہ لے لیا ہے

اور اللہ تعالیٰ نے تو ساری ہی مخلوق کے رزق کا ذمہ لے لیا ہے، مگر اس بات کے بیان کرنے میں فائدہ یہ ہے کہ طالب علم کو بشارت اور خوشخبری سنانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اوپر سے روزی تلاش کرنے کی مشقت و محنت دور کر دی اور رزق (کا دروازہ) بدون کسی مشقت کے اس کے لئے کھول دیا ہے کہ اب وہ اس کے پاس خود پہنچے گا اسے خود کچھ نہ کرنا پڑے گا، اسکی زیادہ وضاحت حضورؐ کے اس قول سے ہوتی ہے

اذا ابتدع بدعة فی الدین کید الدین فعلیکم بمعالم الدین واطلبوا من اللہ الرزق قیل وما معالم الدین قال مجالس الحلال والحرام

"جس وقت دین میں بدعتیں داخل کی جانے لگیں اس وقت دین میں دھوکہ ہونے لگیگا پس تم دین کے نشانات کو لازم پکڑو اور رزق اللہ سے مانگو"

عرض کیا گیا کہ دین کے نشانات کیا ہیں فرمایا حرام وحلال بیان کئے جانے کی مجلسیں،،

اس تفسیر پر حضورؐ کے ارشاد واستعینوا بالغدوة والروحة وشئی من الدلجة کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص ان اوقات (یعنی صبح وشام اور پچھلی رات کے کچھ حصہ) کو نفل عبادت سے اخلاص و صدق کے ساتھ معمور کرے گا اللہ تعالیٰ تحصیل علم میں اسکی مدد اور علم کے اندر فہم عطا فرمائیں گے اور اسکی بقیہ کو منور کر دیں گے جن لوگوں نے اخلاص وصدق کے ساتھ اس پر عمل کیا ہے، انہوں نے اس کا تجربہ کر لیا اور اس دولت کو پالیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین

جو لوگ ہمارے راستہ میں کوشش کرتے ہیں ہم اُن کو اپنے راستوں کی ہدایت کر دیتے ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ اخلاص کرنیوالوں کیساتھ ہے

(قولہ الوجہ الرابع الی قولہ وان اللہ لمع المحسنین ـــــ)

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو بدون علم شریعت صوفی بننا چاہتے اور تصوف کا دعویٰ کرتے ہیں اُن کو جان لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ جہل کے ساتھ کسی عبادت کو قبول نہیں فرماتے اس لئے بدون علم شریعت کے تصوف حاصل نہیں ہو سکتا۔

ف علم شریعت حاصل کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ قرآن و حدیث کو باقاعدہ پڑھا جائے کہ اول زبان عربی کے قواعد سیکھے جائیں پھر استاد سے قرآن و حدیث کا علم حاصل کیا جائے، دوسرے یہ کہ علماء سے پوچھ کر عمل کیا جائے اور تیسری صورت جو آج کل نکالی گئی ہے کہ قرآن و حدیث کا اردو ترجمہ دیکھ کر بعض لوگ اپنے کو قرآن و حدیث کا عالم سمجھنے لگتے ہیں یہ غلط ہے کیونکہ محض ترجمہ دیکھنے سے علم حاصل نہیں ہو سکتا جیسا قانون یا طب کی کتابوں کا ترجمہ دیکھ کر کوئی وکیل یا طبیب و ڈاکٹر نہیں بن سکتا،

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی بھی ظاہر ہو گئی جو طالبان علم دین پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ کھانے کمانے کا ذریعہ چھوڑ کر قوم کے ٹکڑوں پر پڑے رہتے ہیں اُن کو جان لینا چاہیئے کہ یہ لوگ قوم کے ٹکڑوں پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری پہ پڑے رہتے ہیں جس کا دل چاہے وہ اپنا ہاتھ روک لے اور دیکھے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو رزق دیتا ہے یا نہیں؛

ف یہاں سے طالبان علوم دین کو بھی سبق لینا چاہیئے کہ تحصیل علم میں غنیمت اس وقت مدد ہوتی ہے جبکہ صبح و شام اور رات کے پچھلے حصہ میں تھوڑی سی عبادت اپنے ذمہ لازم کر لی جائے۔ آج کل طلباء اس سے غافل ہیں اسی لئے مدارس میں قلت آمد کی عام شکایت ہے اور اسی لئے طلبہ کو نور بصیرت بھی پہلے جیسا حاصل نہیں ہوتا فعلیکم بمعالم الدین واطلبوا الرزق من اللہ۔

ف یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی بھی واضح ہو گئی جو طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم میں دنیوی علوم کو بھی داخل کرتے اور ان کو بھی علم سمجھتے ہیں اُن کو جان لینا چاہیئے کہ یہ علوم اس حدیث کا ہرگز مصداق نہیں، بلکہ یہ علوم جہل کا مصداق ہیں کیونکہ جو شخص دنیا بھر سے خبردار ہو اور اپنے سے بے خبر ہو اسکو عالم نہیں کہا جا سکتا علم وہی ہے جس سے انسان کو اوّلاً اپنا علم حاصل ہو کہ مبداء و معاد اور ذات و صفات خالق کی خبر ہو اور خالق نے جو احکام اس کے متعلق کہے ہیں اُن سے خبردار ہو اور یہ بات علوم دنیا سے حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ اُن کا خاصہ ہے کہ جتنی اُن میں ترقی کریگا اتنا ہی اپنے سے بیخبر ہو گا جس کو شک ہو تجربہ کر کے دیکھ لے۔

۵۰۔ متفق علیہ مسائل پر عمل کی عادت کرنا چاہیئے اور اختلافی صورت پر ضرورت میں عمل کیا جائے

ایک توجیہ حدیث کی یہ ہے کہ الدین یسر کا مطلب یہ ہو کہ جن احکام کا تم کو نص قطعی سے مکلف کیا گیا ہے جن میں تاویل کی گنجائش نہیں وہ آسان ہیں اور ایسے احکام تھوڑے ہی ہیں زیادہ تر احکام تو ایسی نصوص سے ثابت ہیں جو تاویل کا احتمال رکھتی ہیں اور جب تاویل کو قبول کرنیوالی نصوص زیادہ ہیں تو یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے اپنے بندوں پر وسعت اور سہولت ہے، (اس کے بعد شارح نے چند مسائل بطور مثال کے بیان فرمائے ہیں جو نصوص محتملہ سے ثابت ہیں اور مجتہدین نے اُن کی تاویل میں اختلاف کیا ہے) اور احکام میں جو علماء کا اختلاف ہے اس کا سبب یہی ہے کہ جس آیت یا حدیث سے وہ ثابت ہیں اسمیں مختلف وجوہ کا احتمال ہے اور یہ اختلاف امت کیلئے وسعت و رحمت ہے، (کہ ضرورت کیوقت اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں) ایک بڑے بزرگ جن سے میں ملا ہوں فرماتے تھے کہ مشہور قول کے سوا کسی قول پر عمل کرنا یا فتویٰ دینا جائز نہیں، اختلاف علماء سے اس وقت فائدہ اٹھانا چاہیئے جب کسی ایسی مہم میں گرفتار ہو جائے جس کی تلافی مشہور قول سے نہ ہو سکے اس وقت کسی

ایک قول کیموافق اس مہم کو حل کیا جائے کیونکہ اجماع کی مخالفت (اور حرام قطعی کے ارتکاب) سے یہ صورت بہتر ہے اور واللہ ان بزرگ نے یہ بات بہت اچھی کہی کیونکہ اس طریقہ سے تمام تاویلات اور اختلافات پر عمل ہوسکتا ہے کہ اول درجہ کمال کو اختیار کیا جائے (جسمیں کسی کا اختلاف نہیں) اسی کا نام قوت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف وفی کل خیر

کہ مؤمن قوی مومن ضعیف سے افضل ہے اور یوں سب ہی اچھے ہیں، اور اگر کسی وقت درجہ کمال پر عمل دشوار ہو تو اختلافی صورت کو لیلے اور سہولت پر عمل کرے، اس طرح محرمات کے اور اس کے درمیان بڑی روک ہوجائے گی، کیونکہ کسی وقت درجۂ کمال پر عمل دشوار ہو تو اس کے سامنے ایسی صورت بھی ہوگی جس کی طرف رجوع کرسکے اور اجماع کی مخالفت سے بچ سکے اور جو شخص پہلے ہی رخصتوں پر عمل کرنے کا عادی ہوگا اگر اس کو کسی وقت دشواری کا سامنا ہوا تو وہ حرام (اور ناجائز) کے ارتکاب سے نہ بچ سکے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر بادشاہ کی ایک محفوظ چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محفوظ چراگاہ یہ محرمات ہیں (جن سے بندوں کو منع کیا گیا ہے) اور جو شخص محفوظ چراگاہ کے آس پاس چکر لگائے گا وہ ایک دن اس کے اندر بھی پہنچ جائیگا۔ اس لئے انسان کو محرمات سے دور ہی رہنا چاہیئے جس کی صورت یہی ہے کہ بدون مجبوری کی رخصت پر عمل نہ کرے۔

اس تفسیر پر لن یشاد الدین احد الا غلبہ کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص ہر مسئلہ میں اجماع (اور اتفاق) ہی پر عمل کرنا چاہے گا دین سے گھبرا جائے گا کیونکہ زیادہ مسائل ایسے ملیں گے جن پر اجماع منعقد نہیں ہوا اور سددوا وقاربوا میں سداد کے دو معنی ہوں گے ایک یہ کہ حضرات صحابہ اور قرون اول کے مسلمانوں کا طریق عمل اختیار کر کے حالت کو درست کیا جائے، کیونکہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین
یلونہم

تمام آدمیوں سے بہتر میرے زمانہ کے آدمی ہیں پھر وہ جو اُن کے
بعد ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہیں ۔

دوسرے یہ کہ اختلافی مسائل میں دلیل سے جو قول قوی اور راجح ہو اس کو
اختیار کیا جائے اور سختی اور آسانی کی دونوں جانبوں میں شاذ اور ضعیف اقوال
کیطرف التفات نہ کیا جائے، بلکہ درمیانی قول کو لینا چاہیئے جیسا ایک
خلیفہ نے (جو غالباً خلیفہ منصور عباسی ہیں) امام مالک سے جبکہ انہوں نے کتاب
موطا لکھنے کا ارادہ کیا فرمایا تھا کہ "عبداللہ بن عمرؓ کی تشدید اور عبداللہ بن عباسؓ کی
رخصتوں کو چھوڑ دو اسکے بعد جو چاہو لکھو" امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ بات سنکر میں خلیفہ
کے پاس سے فقیہہ بن کر نکلا، اور قریب قریب اسکے یہ معنی ہوں گے کہ اگر کسی
وقت بوجہ عذر کے قوی اور راجح قول پر یا قرون اول کے طریقہ پر عمل نہ کرسکے تو مختلف اقوال
میں سے کسی قول پر عمل کرے نہ تو شدت کے پہلو پر اصرار کرے، نہ بلا عذر کی رخصتوں پر
عمل کی عادت کرے "

اس مضمون کی تائید کیلئے یہ روایت کافی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر
ملی کہ ایک شخص مدینہ میں دین کی مشکل باتوں اور مشکل حدیثوں کی تفسیر معلوم کرنے آیا ہے
آپنے اس کو بلایا اور پوچھا تو کون ہے ؟ اس نے نام بتلایا تو فرمایا اور میرا نام عمر بن
خطاب ہے یہ کہہ کر کھجور کی ایک قمچی ہاتھ میں لی اور اس کے سر پر مارنے لگے اتنا مارا کہ سر
سے خون بہنے لگا اور برابر یہ فرماتے رہے کہ میں عمر بن خطاب ہوں، اُس نے عرض کیا
اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اب میرے سر میں سے وہ بات نکل گئی ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس شخص کو سزا دینا یہ صرف اسلئے تھا کہ جو کوئی
اس قسم کی باتوں کو تلاش کرتا ہے وہ عموماً دو حال سے خالی نہیں ہوتا یا تو شدت کی

جانب اختیار کر لیتا ہے تو دین سے گھبرا جاتا ہے یا رخصتوں کا پہلو لے لیتا ہے تو یہ محرمات میں مبتلا ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے اور قربت کا راستہ چھوٹ جاتا ہے اس تفسیر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص یہ طریقہ (یعنی حضرات صحابہ اور قرون اول کا طرز عمل) اختیار کرے اس کو خوش ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دشواری کے وقت آسانی اور تنگی کے وقت فراخی عطا فرمائیں گے، اسکی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے۔

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجًا و یرزقہ من حیث لا یحتسب و من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ط

"اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے دشواری سے نکلنے کا راستہ بنادیں گے اور ایسی جگہ سے رزق دیں گے جہاں اس کا گمان بھی نہ جا سکتا تھا"

نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی تائید کرتا ہے

ومن یتق اللہ یکفر عنہ سیئاتہ و یعظم لہ اجرًا ہ

اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں سے درگذر فرمائینگے اور اس کو بڑا اجر دیں گے۔

اور اس بشارت سے زیادہ دوسری بشارت یہ حاصل ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو متقین میں داخل کردیا اور اس بشارت سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ہی بعض لوگ دنیوی تنگی پیش آنے کے وقت مکروہات و محرمات میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یوں کہنے لگتے ہیں کہ ہم ان مکروہات و محرمات کے ارتکاب پر مجبور ہیں (بدون اس کے کام نہیں چل سکتا) کیونکہ وہ اپنے نزدیک کوئی اور ذریعہ (معاش کا) نہیں پاتے سوا اس ذریعہ کے جس میں لگے ہوئے ہیں۔

معصیت سے رزق تلاش کرنا قرب قیامت کی علامت ہے

اور یہ باتیں قرب قیامت کا پتہ دیتی

ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

من اشراط الساعۃ طلب الرزق بالمعاصی

"قیامت کی علامتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ گناہوں کے ذریعہ سے رزق تلاش کیا جائے"

اللہ تعالیٰ ہمکو اس اندھے پن اور گمراہی سے محفوظ رکھے۔

بھلا اس پورے اندھے پن اور لازوال بہرے پن کو تو دیکھو گویا ان لوگوں نے کبھی اس بشارت کو سنا اور سمجھا ہی نہیں اور شاید انہوں نے قرآن کو بھی نہیں دیکھا اور نہ اُن دو آیتوں کو سنا جو اوپر ذکر کی گئی ہیں اور شاید انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نہیں سنا

لا ینال ما عند اللہ الا بطاعۃ اللہ

کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے اس کو اللہ کی اطاعت ہی سے لیا جا سکتا ہے (یعنی مسلمان کو تو اللہ کی نعمتیں طاعت ہی سے مل سکتی ہیں معصیت سے نہیں مل سکتیں) یہ سب نصوص اس بات کو بتلاتی ہیں کہ جس نے بدون طاعت کے رزق کو تلاش کیا اس نے بے طریقے تلاش کیا اور جو کسی چیز کو بے طریقے تلاش کرے گا پریشانی میں مبتلا ہو گا اور خسارہ کی پونجی لیکر واپس ہو گا۔

اب ہم سلف کے بعض واقعات بطور نمونہ کے بیان کرتے ہیں کہ وہ کس طرح اپنے پروردگار کی طاعت سے رزق کو تلاش کرتے تھے تاکہ مقصود پر تنبیہ ہو جائے،

منجملہ ان واقعات کے ایک یہ ہے کہ ایک بزرگ عیال دار تھے کسی وقت ان کو تنگی پیش آئی اور کچھ میسر نہ ہوا تو دل میں خیال آیا کہ اللہ کی طاعت میں لگنا چاہیئے یہی رزق کا بڑا وسیلہ ہے چنانچہ ایک ویران مسجد میں پہنچے اس کی صفائی کی اور وہیں عبادت میں مشغول ہو گئے، صبح کو گھر سے نکلتے اور گھر والوں سے یہ کہہ جاتے کہ روزی کی تلاش میں جا رہا ہوں شام کو واپس آتے اور گھر والے پوچھتے کہ مزدوری کہاں ہے تو ان کو یہ جواب دیتے کہ جس کا میں نے کام کیا ہے وہ بڑا سخی ہے مجھے اس سے مانگتے ہوئے شرم آتی ہے

خود ہی دے دیگا، اسیطرح کئی دن گذر گئے، ایک رات عادت کے موافق گھر آ رہے تھے کہ قریب پہنچ کر عمدہ عمدہ کھانوں کی خوشبو آئی ان کو تعجب ہوا کیونکہ اپنے ہمسایوں کی حالت معلوم تھی کہ وہ ایسے قیمتی کھانے نہیں پکا سکتے جب گھر کے اندر پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہیں سے خوشبو مہک رہی ہے، اب تو اور زیادہ تعجب ہوا، پھر دیکھا تو گھر میں کھانا اور سالن کے علاوہ کپڑا اور روپیہ بھی (بہت کچھ) ہے اور گھر والے بھی عمدہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ اُن سے دریافت کیا کہ یہ سامان کہاں سے آیا ؟ تو کہا جس کریم کی آپ خدمت کرتے ہیں اس نے ہی یہ سب سامان بھیجا ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں اور یہ بھی کہلا کر بھیجا ہے کہ خدمت موقوف نہ کرنا، (بدستور کام میں لگے رہنا) کہا بہت اچھا، تو دیکھو جو شخص طریقے سے کسی چیز کو تلاش کرتا ہے اس کی کوشش کس طرح کامیاب ہوتی اور وہ کیونکر اپنی مراد کو پہنچتا ہے۔

اس تفسیر پر واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیئ من الدلجۃ کا مطلب یہ ہوگا کہ ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات و توجہات) کا استقبال کرو، اس وقت اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا لطف بہت زیادہ اور احسان بہت عام پاؤ گے اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے

اذا سالت فاسال اللہ

جب مانگو اللہ ہی سے مانگو

نیز آپ کا ارشاد ہے۔

تعرضوا لنفحات اللہ — اللہ تعالیٰ کی تجلیات و توجہات کا استقبال کرتے رہو

نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی (حدیث قدسی میں) فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں آسمان دنیا پر تجلی فرماتے اور یوں ارشاد فرماتے ہیں، کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ میں اس پر نظر عنایت کروں ؟ کوئی مغفرت چاہنے والا ہے کہ میں اسکی مغفرت کروں ؟ کوئی مانگنے والا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود یہ فرمائیں اور اس وقت کوئی شخص مغفرت

کی درخواست کرے یا توبہ کرے یا کچھ مانگے اور محروم رہ جائے، اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے پوری امید رکھتے ہوئے تو یہ محال ہے؟

ہم چاہتے ہیں کہ اس کے متعلق بھی سلف کے کچھ واقعات پر اشارہ کر دیں تاکہ اس سے ہمارے مقصود پر روشنی پڑجائے، منجملہ ان کے یہ ہے کہ ایک ظالم مفسد کسی اسلامی قلعہ پر پہنچا اور اس کے باشندوں کو اتنا پریشان کیا کہ انہوں نے اسے کچھ رشوت دینے کا ارادہ کر لیا، مگر بعض لوگوں نے کہا کہ جب تک فلاں شخص سے جو اُن کے نزدیک بزرگ اور سیدھے راستہ پر جما ہوا تھا مشورہ نہ کر لیا جائے اس وقت تک کچھ نہ دینا چاہیئے۔ چنانچہ اس سے مشورہ کیا تو اس نے کہا تم کو یہ بات کسی طرح جائز نہیں کہ اپنی گردنوں کا مالک ایسے شخص کو بناؤ جو شریعت کی مخالفت کرتا اور ناحق خونریزی کرتا ہے، یہ بات اس ظالم تک بھی پہنچ گئی تو اس نے دھمکی دیکر کہلا کر بھیجا کہ کیا تم کو میری پکڑ اور میری جوانی کی خبر نہیں؟ شیخ نے جواب میں کہلا بھیجا کیا تم کو میرے بڑھاپے اور رات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے اور اخیر رات میں اس سے دعا کرنے کی خبر نہیں؟

اس جواب کو سنکر ظالم پر رعب طاری ہوگیا اور اس وقت ظلم سے باز آ گیا ان اوقات کی بزرگی بڑھانے اور ان پر محافظت کی مزید تاکید کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے

واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشى يريدون وجهه ولا تعد عيناك عنهم تريد زينة الحيوٰة الدنيا

اپنے نفس کو ان لوگوں کی صحبت میں جمائے رکھو جو اپنے پروردگار کو صبح و شام یاد کرتے ہیں اسکی رضا کے طالب ہیں اور (اے مخاطب) تیری آنکھیں حیات دنیا کی رونق (و زیبائش) کی طلب میں اُن سے نہ ہٹنے پائیں (یعنی دنیا کی زینت پر فریفتہ ہو کر اہل اللہ سے منہ موڑ کر اہل دنیا کیسا تھ نہ ہو جانا) تو جو کوئی

ان اوقات کا طلبگار اور ان کا نگران رہیگا وہ (دین کے) جس راستہ پر بھی چل رہا ہوگا (خواہ علم ظاہر ہو یا سلوک باطن) اس میں اس کی مدد کی جائے گی، پھر بشارت پر مزید بشارت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

والذین اھتدوا زادھم ھدی وآتاھم تقواھم

اور جو لوگ ہدایت پا گئے اللہ تعالیٰ اُن کو ہدایت میں ترقی دیتے اور (انکی لیاقت کے موافق) کمال دین عطا فرما دیتے ہیں (تقویٰ کمال دین ہی کا نام ہے)

اے سبحان اللہ! یہ کیسی بشارت ہے جس سے کام کرنیوالوں معرفت والوں کے دل خوش ہو گئے، توفیق والوں کی روحیں تازہ ہو گئیں، ڈرنے والوں کا غم دور ہو گیا اور سبقت کرنیوالوں کے قدم آگے بڑھنے لگے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے فضل سے ان نعمتوں کا ایک حصہ اپنے فضل کے مناسب عطا فرمائیں (آمین)

قولہ الوجہ الخامس الی قولہ منحنا اللہ منھا من فضلہ مایلیق بفضلہ۔

ف یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو دنیوی ترقی کیلئے کفار کے طریقے پر چلنا چاہتے ہیں اُن کو سمجھ لینا چاہیئے کہ مسلمان کو معصیت سے ترقی نہیں ہو سکتی اس کو اطاعت اور اتباع شریعت ہی سے ترقی نصیب ہو سکتی ہے، سود اور رشوت وغیرہ سے مسلمان کو فلاح نہیں ہو سکتی۔ ان کو اپنی ترقی کیلئے شریعت کے وہ اصول اختیار کرنا چاہئیں جن کو انہوں نے چھوڑ دیا تو کمزور ہو گئے اور غیروں نے اختیار کیا تو وہ قوی ہو گئے۔ یعنی باہمی اتحاد و اتفاق اور پابندی وقت، جفاکشی، محنت تجارت، زراعت، بیکاری سے نفرت، صنعت و حرفت سے رغبت، باہمی اخلاص و محبت وغیرہ اسکی ساتھ فرائض الٰہی کی پابندی خدا کی اطاعت کو بھی شامل کر کے دیکھیں کہ ان کو دوسری قوموں سے زیادہ ترقی ہوتی ہے یا نہیں اسکے سوا جو طریقے بھی ترقی کے

ہیں اُن سے کفار کو ترقی ہو سکتی ہے مسلمانوں کو نہیں ہو سکتی۔

۵۱۔ تسلیم و انقیاد سے دین آسان ہو جاتا ہے

ایک تفسیر یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد الدین یسر کا یہ مطلب ہو کہ تم سے جس چیز کا مطالبہ ہے یعنی حکم الٰہی کے سامنے گردن جھکا دینا اور مان لینا وہ آسان ہے (گو عمل دشوار ہو) اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جس وقت آیت ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ نازل ہوئی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہو خواہ تم اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لیں گے) تو (یہ آیت صحابہ پر گراں گذری (کیونکہ وہ یہ سمجھے کہ غیر اختیاری وسوسوں پر بھی مواخذہ ہوگا جن سے بچنا آسان نہیں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کی طرح نہ بنو (جنہوں نے کہا تھا سمعنا وعصینا کہ ہم نے حکم خداوندی کو سُن تو لیا مگر مانیں گے نہیں) بلکہ یوں کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ انہوں نے نازل فرمایا اس کو مان لیا، تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون کل
آمن باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ لا نفرق بین احد
من رسلہ وقالوا سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر
لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا

(جسمیں حضرات صحابہ کی اطاعت وانقیاد وتسلیم کی تعریف کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین اللہ پر اور اس کے نازل کردہ حکم پر ایمان لائے سب کے سب اللہ پر اس کے فرشتوں پر اسکی کتابوں پر اور رسولوں پر ایمان لائے کہ ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے اور یوں بھی کہا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا، اے اللہ ہمارے گناہ معاف فرمادے آپ ہی کی طرف ٹھکانہ ہے اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں فرماتے" اس میں صحابہؓ کا

اطمینان کر دیا گیا کہ غیر اختیاری وساوس پر مؤاخذہ نہ ہوگا) تو صحابہ کو اتنی بڑی کامیابی انقیاد و تسلیم ہی کی وجہ سے نصیب ہوئی کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم کو مان لیا اور اسکے سامنے گردن جھکا دی، اور انقیاد و تسلیم بلاشک آسان ہے کیونکہ اس کا تعلق صرف دل سے ہے کچھ ہاتھ پیر چلانا نہیں پڑتے۔

اس تفسیر پر لن یشاد الدین احد الا غلبہ کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص تقدیر پر راضی نہ ہو اور جو کچھ اس پر فرض کیا گیا ہے اس کو نہ مانے اس کے آگے گردن نہ جھکائے اور جن باتوں کا اُن کو مکلف کیا گیا ہے ان کو مشقت اور تکلیف سمجھے تو اس نے دین کو دشوار سمجھا اور جو دین کو دشوار سمجھے گا وہ دین سے گھبرا جائے گا جیسا بنی اسرائیل کا واقعہ ہے کہ جب اُن کو جہاد کا حکم دیا گیا انکار کر بیٹھے اور اپنے نبی سے صاف کہہ دیا اذھب انت و ربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون کہ آپ اور آپ کے پروردگار چلے جائیں اور دونوں خود ہی جہاد کرلیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں، جب وہ حکم الٰہی پر رضا نہ ہوئے اور اسکے آگے گردن نہ جھکائی تو اُن پر سختی کی گئی اور وادی تیہ میں چالیس سال تک چلتے رہے یہاں تک کہ بڑی عمر والے سب فنا ہوگئے اور چھوٹی عمر والے بڑے ہوگئے (تو اُن کو دولت جہاد سے حصہ ملا) اسکی زیادہ وضاحت اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کرتا ہے۔

ولنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ ط واولئک ھم المھتدون ۝

(اور ہم تم کو ضرور ضرور آزمائیں گے کسی قدر خوف سے اور بھوک سے اور جان و مال اور پھلوں کے نقصان سے اور بشارت دیدو اُن صبر کرنیوالوں کو جن پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور اسی کے پاس جانیوالے ہیں ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایتیں نازل ہونی ہیں اور رحمت بھی اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں")

تو جس کو تقدیر پر یقین اور اسکے ظہور کے وقت صبر نصیب ہو گیا اس کا اجر بڑھ جاتا ہے اور اس کیساتھ لطف کا معاملہ کیا جاتا ہے اور اگر دل تنگ اور ناراض ہوا تو گنہگار ہوگا اور مقدر تو ٹل ہی نہیں سکتا۔ تقدیر میں جو کچھ ہے پورا ہو کر رہے گا خواہ کوئی راضی ہو یا ناراض ہو۔ اگر راضی رہا تو ثواب ملیگا جو مصیبت کا نعم البدل ہے ناراض ہوا تو اس سے بھی گیا اور مصیبت کی مصیبت سر رہی اسی واسطے حدیث میں آیا ہے فانما المحروم من حرم الثواب کہ پورا بے نصیب تو وہی ہے جو ثواب سے محروم رہ جائے، اس نے دین کو دشوار سمجھا تو دین سے گھبرا گیا۔ ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، اس تفسیر پر سددوا وقاربوا میں سددوا کے معنی یہ ہوں گے کہ اپنے آپ کو تسلیم و انقیاد پر جما کر حالت درست کرو اور قاربوا کے یہ معنی ہیں کہ اگر اس مقام پر نہ پہنچ سکو تو اس کے قریب ہی رہو کیونکہ قریب کا حکم بھی وہی ہے جو اصل کا حکم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ابشروا میں بشارت کے یہ معنی ہوں گے کہ جو شخص یہ طریقہ اختیار کرے اور اپنے دل کو تسلیم و انقیاد پر جمائے اسکو ان نعمتوں کی بشارت حاصل کرنا چاہیئے جو آیت مذکورہ کے بقیہ حصہ میں مذکور ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا ربنا ولا تحمل علینا اصرا کما حملته علی الذین من قبلنا ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا علی القوم الکفرین ٥

اے ہمارے پروردگار ہم سے بھول چوک پر مواخذہ نہ کیجئے اور ہمارے اوپر وہ بوجھ نہ لادیئے جو ہم سے پہلوں پر لادا گیا اے ہمارے پروردگار اور ہمارے اوپر ایسی مشقت بھی نہ ڈالیے جسکی ہم کو طاقت نہیں اور ہم سے درگذر کیجئے ہماری مغفرت کر دیجئے ہمارے اوپر رحم کیجئے آپ ہی ہمارے مولیٰ اور کارساز ہیں پس کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کیجئے

یعنی جو تسلیم و انقیاد سے کام لیگا اس کو دین میں اصلاً دشواری پیش نہ آئیگی دین اس کے حق میں پہلوں سے ہلکا ہو جائے گا اور عفو و مغفرت و رحمت و نصرت سے نوازا جائیگا۔ اور اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیٔ من الدلجۃ

میں استعانت کے معنی یہ ہونگے کہ جس شخص کو ان چیزوں پر عمل دشوار معلوم ہو جن کا ذکر کیا گیا ہے تو اس کو رب جلیل کے دروازہ پر ان خاص اوقات میں کھڑا ہونا چاہئیے جو شخص اس پر مداومت کریگا اسکو غیب سے نفس کے مقابلہ میں مدد دیجائیگی اور کامیابی اور فتحمندی نصیب ہوگی اس استعانت کو برباد کرنیکی وجہ سے ہی بعض لوگوں پر اس کا نفس غالب ہوگیا ہے، اسی لئے اُن کو انقیاد و تسلیم نصیب نہیں ہوتا جس کا اُن سے مطالبہ کیا گیا ہے، وہ اپنے نفس کے ہاتھوں میں دیدئیے گئے ہیں (جسطرح وہ نچاتا ہے ناچتے ہیں) کیونکہ انہوں نے اس طریقہ سے اللہ کی مدد حاصل نہیں کی جو ان کیواسطے مقرر کیا گیا تھا اور یہ مضمون ایسا ہی ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ایک دفعہ فتنوں سے خبردار کیا تھا تو انہوں نے دریافت کیا کہ اس سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ اس وقت ایمان اور اعمال صالحہ کی پناہ لینا چاہئیے اور فتنے تو آجکل بہت بڑھ گئے اور بڑھتے جاتے ہیں مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں جنہوں نے صحیح علاج اختیار کیا ہو جو ان سے نجات پانے میں معین تھا، تو لامحالہ اس کا انجام یہی ہونا تھا کہ ہلاک ہونے والے زیادہ ہیں اور نجات پانے والے بہت کم کیونکہ جس بات کا حکم دیا گیا تھا اس پر عمل کم ہو رہا ہے۔ پس اے مسکین! عمل میں جلدی کر اور موت کے آنے اور مصیبتوں کے گھیر لینے سے پہلے سستی کو چھوڑ دے ورنہ تجھ سے کہا جائے گا کہ تو نے تو گرمی کے زمانہ میں دودھ کو ضائع کر دیا ہے (اب جاڑوں میں کیا چاہتا ہے؟

(قولہ الوجہ السادس الی قولہ فی الصیف ضیعت اللبن)

ف جانوروں کا دودھ گرمی میں بڑھتا اور سردی میں کم ہو جاتا ہے اب اگر کسی نے گرمی کے زمانہ میں جانور کو بھوکا مارا اور دودھ سے محروم رہا تو سردی کے زمانہ میں اسکو ہرگز دودھ کی امید نہ رکھنا چاہئیے۔ اسی طرح زندگی میں انسان کیلئے عمل کرنے اور ثواب حاصل کرنے کا موقعہ ہے۔ موت کے بعد عمل نہیں ہوسکتا جس نے زندگی کو سستی میں برباد کر دیا اس کو موت کے بعد عمل اور ثواب کی امید نہ رکھنا چاہئیے۔

ف اس مقام سے اُن لوگوں کو سبق لینا چاہئیے جو آجکل مسلمانوں کی کمزوری کو دیکھ کر فکرمند ہیں اور ترقی کے وسائل تلاش کرنے میں لگے ہوئے ہیں مگر اس صحیح علاج کو

اختیار نہیں کرتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا ہے، دوسری قوموں سے مدد کے طالب ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل نہیں کرتے، حالانکہ مسلمانوں کو ہمیشہ اللہ کی مدد سے کامیابی ہوتی ہے، غیروں کی مدد سے کامیابی نہیں ہوئی اور اگر کبھی قرن اول کے مسلمانوں نے غیروں کو اپنے ساتھ لیا ہے تو اپنا ماتحت اور تابع بنا کر ساتھ لیا ہے نہ کہ مساوی یا متبوع بنا کر جیسا آج کل ہو رہا ہے فاعتبروا یا اولی الابصار

ف جو لوگ دین کو دشوار سمجھتے ہیں اُن کو جان لینا چاہیئے کہ اس دشواری کا سبب صرف یہ ہے کہ اُن کو تسلیم و انقیاد حاصل نہیں وہ اللہ و رسول کے حکم کے آگے گردن نہیں جھکاتے اور عقائد اسلامیہ کو دل سے نہیں مانتے ان پر یقین نہیں رکھتے بلکہ شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں، اگر وہ ادعان و تسلیم و انقیاد سے کام لیتے اور شکوک و شبہات کو دل سے نکال کر ان خاص اوقات میں جن کا حدیث میں ذکر ہے کچھ کام کرتے تو دین اُن کے لئے پھول سا ہلکا ہو جاتا اور اصلاً دشواری پیش نہ آتی۔

۵۲۔ احکام الٰہی کی تعمیل میں جلدی کرو، تشدد اور سہولت کیطرف التفات نہ کرو

ایک تفسیر یہ ہے کہ دین کے آسان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تشدد اور رخصت دونوں میں سے کسی میں غلو نہ کیا جائے بلکہ (اگر کسی حدیث یا قرآن کی آیت میں مختلف توجیہات ہوں تو جو ظاہر اور قریب ہو اسکو اختیار کر کے عمل میں جلدی کرے ادھر ادھر التفات نہ کرے اور جب شریعت کی مراد یہ ہے کہ امتثال امر میں جلدی کی جائے ادھر ادھر التفات نہ کیا جائے تو وہ بلاشک آسان ہے (دشواری اسی وقت پیش آتی ہے جب تعمق اور غلو کیا جائے) اس صورت میں ولن یشاد الدین احد الا غلبہ کا مطلب یہ ہوگا کہ جو کوئی اپنے اوپر سختی کریگا یا تو تعمق اور تشدد کر کے یا دین میں لاپرواہی کر کے اللہ تعالیٰ اس کے اوپر سختی کریں گے، جیسا بنی اسرائیل کی حکایت ہے کہ اُن کو ایک گائے کے ذبح کا حکم دیا گیا تھا اگر وہ اس حکم کی تعمیل میں جلدی کرتے اور کوئی سی ایک گائے ذبح کر دیتے اسکی کیفیت وغیرہ دریافت نہ کرتے تو حکم کی تعمیل ہو جاتی مگر انہوں نے اپنے اوپر

سختی کی اسکی صفت اور کیفیت اور رنگ دریافت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ کیطرف سے بھی اُن پر سختی کی گئی (کہ اسکی عمر اور رنگ اور حالت وکیفیت کی تعیین کردی گئی پھر جو اسکو تلاش کیا گیا تو مدت تک ویسی گائے نہ ملی اور ملی بھی تو ایک آدمی کے پاس ایک ہی ملی، خریدنے کی گفتگو کی گئی تو اس نے انکار کردیا بہت اصرار کیا تو بیچنے پر راضی ہوا۔ اور کھال بھر کر سونا اور چاندی دیکر اس گائے کو خرید ا گیا ایک روایت میں ہے کہ دس مرتبہ کھال بھر کر سونا چاندی دیا گیا غرض انہوں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ کی طرف سے بھی سختی کی گئی، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ سوالات سے نفرت تھی اور بہت سوال کرنیوالے کی مذمت فرماتے تھے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کیطرف سے سختی ہونے کا اندیشہ تھا۔ اسی وجہ سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اس بات کی تمنا کیا کرتے تھے کہ حضور کے پاس کوئی اجنبی مسافر آئے اور سوال کرے اور ہم جواب سنیں (حضور کا) کیونکہ اجنبی مسافر کے سوالات پر غیب سے سختی نہ ہوتی تھی، اجنبی آدمی آداب سے ناواقف اور احکام سے بیخبر ہوتا ہے اسکے زیادہ سوالات سے حضور کو گرانی نہ ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ کیطرف سے بھی سختی کا معاملہ نہ ہوتا تھا) اور یہ اندیشہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی تک تھا کیونکہ اسوقت نئے نئے احکام رات دن آتے رہتے تھے جب حضور صلعم پاک صاف اپنے اللہ کے پاس پہنچ گئے یہ اندیشہ جاتا رہا (کیونکہ اب نیا حکم نہیں آ سکتا دین مکمل ہوچکا تو ہماری تشدید پر اللہ تعالیٰ کیطرف سے سختی کا اندیشہ نہیں رہا مگر بعض لوگوں میں اس کا کچھ نمونہ باقی رہ گیا ہے اور وہ بھی بہت ہے، چنانچہ اسی قسم کا ایک شعبہ وسوسہ اور وہم ہے جو بعض لوگوں کو کسی عبادت میں اتنا پیش آتا ہے کہ حکم شریعت میں خلل ڈالنے لگتے ہیں ایسا وہمی آدمی عبادت میں گمراہی پر جما رہتا ہے اور سمجھتا یہ ہے کہ میں اچھا کام کر رہا ہوں، حضرت یمن بن رزق رحمہ اللہ نے جو دونوں طریقوں کے امام ہیں فرمایا ہے کہ شیطان جب کسی کے عقیدہ میں شبہ اور شک ڈالنے سے عاجز ہوجاتا ہے تو اسکو گناہوں کی ترغیب دیتا ہے اگر اسمیں کامیاب ہوگیا تو مقصود حاصل ہوگیا اگر اس پر قادر نہ ہوا تو عبادت میں اسقدر وسوسہ اور وہم ڈالنا شروع کرتا ہے کہ شریعت کے احکام میں خلل پڑنے لگے اگر اسمیں کامیاب ہوگیا تو

اسی قناعت پر کر کے چھوڑ دیتا اور اسکو عبادت کی رغبت دلانا اور بلند آواز سے
بلاتا ہے، اسکے بعد اگر کوئی دوسرا شریر شیطان اسے بہکانے آتا ہے اس سے کہدیتا
ہے کہ تو اسکے پیچھے نہ پڑ، یہ میرا ہی کام کر رہا ہے اور میری منشا کیمطابق گمراہی میں چل رہا
ہے تو دیکھو اس شخص نے دین کو سختی کیساتھ لیا تو دین سے عاجز ہو گیا اور خسارہ کی
پونجی لیکر واپس ہوا اس اندھے پن اور گمراہی سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، اس صورت
میں فسددوا وقاربوا کا مطلب یہ ہوگا کہ اپنی حالت کو کمال اتباع سنت کے ساتھ
درست کرو اور اگر بدیجہ کمال اتباع سنت نہ ہو سکے تو اسکے قریب ہی رہو اور یہ
بھی نہ ہو سکے تو مجاہدہ کر کے نفس کو اس پر آمادہ کرو، وماذا بعد الحق الا الضلال
اور حق کے بعد تو گمراہی کے سوا کچھ نہیں (جو شخص مجاہدہ کر کے سنت کے قریب رہنے کی بھی
کوشش نہ کرے وہ کسی طرح گمراہی سے نہیں بچ سکتا) اسکے بعد وابشروا کا مطلب یہ
ہے کہ اگر تم نے اس حکم پر عمل کر لیا تو خوش رہو اور بشارت حاصل کرو کہ مجاہدہ کیساتھ
ہی خیر اور ہدایت کے راستے تمہارے آسان ہو جائیں گے۔ اس مضمون کی تائید اللہ تعالیٰ کے
اس ارشاد سے ہوتی ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا جو لوگ
ہمارے واسطے مجاہدہ کرتے ہیں ہم انکو اپنے راستوں پر لگا دیتے ہیں اور واستعینوا
بالغدوۃ والروحۃ وشیئ من الدلجۃ کا مطلب ہے کہ ان اوقات میں دروازہ
کھٹکھٹانے کی پابندی کرو اور مصائب و فتن نازل ہونے کیوقت اس کا خیال رکھو کیونکہ
نجات کا راستہ یہی ہے اسی راستہ سے عالم خفیات (باری تعالیٰ) کی مدد تمہاری دستگیری
کریگی، اسکی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے من
فتح لہ فی الدعاء فقد فتحت لہ ابواب الخیرات جس کا دل دعا میں کھل گیا
اس کے لئے خیرات کے دروازے کھل جاتے ہیں، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اللہ تعالیٰ کیطرف سے فرمایا ہے من شغلہ ذکری عن مسئلتی اعطیتہ
افضل ما اعطی السائلین جو شخص میری یاد میں مانگنے اور دعا کرنے سے رہ جائے
(یعنی یاد الٰہی میں ایسا مشغول ہو کر دعا کی مہلت نہ ملے) میں اس کو مانگنے والوں سے

بھی زیادہ دیتا ہوں، (قولہ الوجہ السابع الیٰ قولہ افضل ما اعطی السائلین)

۵۳۔ توقع اور تجویز کم کرنے سے دین میں مدد ملتی ہے

ایک تفسیر یہ ہے کہ دین کے آسان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ کیلئے توقع اور تجویز کم کردو تو دین آسان ہے کیونکہ توقع اور تجویز کم کرنا بھی اُن اسباب میں سے ہے جو دین میں معین و مددگار ہیں اسکے ذریعے دین آسان ہو جاتا ہے، تفصیل اسکی یہ ہے کہ جب توقع اور تجویز کم کی جاتی ہے تو حرص کم ہو جاتی ہے اور زہد آسان ہو جاتا ہے اور عمل ہلکا ہو جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک حدیث میں) اس مضمون کو صاف صاف بیان فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے

اذا اصبحت فلا تحدث نفسك بالمساء واذا امسيت فلا تحدث نفسك بالصباح

کہ جب صبح ہو تو اپنے دل سے شام کے متعلق باتیں نہ کرو اور جب شام ہو تو اپنے دل سے صبح کے متعلق باتیں نہ کرو (کہ ایسا کریں گے اور یوں کریں گے کہ اس توقع اور تجویز ہی سے حرص کو ترقی ہوتی اور دل پریشان ہوتا اور دین پر عمل دشوار ہو جاتا ہے) روایت ہے کہ (حضرت سیدنا) عیسیٰ علیہ (وعلیٰ نبینا) الصلوٰۃ والسلام نے اثنائے سیاحت میں ایک بڈھے کو باغ کی خدمت کرتے ہوئے دیکھا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو (اس کی حالت پر) تعجب ہوا کہ بڑھاپا آگیا اور کمائی کی پھر بھی اتنی حرص ہے، آپ کو یہ تعجب ہی ہوا تھا کہ اس نے فوراً پھاوڑا ہاتھ سے رکھدیا اور عبادت میں مشغول ہو کر مختلف قسم کے نیک کاموں میں لگ گیا، ایک مدت تک ایسی حالت پر رہا اسکے بعد پھر باغ کی خدمت میں پہلے کیطرح مشغول ہو گیا (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کو اس حالت پر پہلے سے بھی زیادہ تعجب ہوا تو بڈھے سے دریافت فرمایا کہ تو نے باغ کی خدمت کیوں چھوڑ دی تھی اور اب دوبارہ شروع کیوں کر دی ؟ اس نے کہا پہلے تو میں اس لئے خدمت کر رہا تھا کہ دنیا میں طبعی طور پر انسان کو اپنی ضروریات کیلئے کمانے کھانے کا فکر ہوتا ہی ہے

پھر مجھے اپنے بڑھاپے کا خیال آگیا کہ موت کا وقت نزدیک ہے تو میں نے (اپنے دل سے) کہا کہ مجھے دوسروں کیواسطے محنت و مشقت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس خیال کے آتے ہی میں نے سب کام چھوڑ دیا اور آخرت کی تیاری شروع کی پھر دل میں یہ خطرہ آیا کہ شاید میری عمر دراز ہو جائے تو دوسروں کا محتاج ہونا پڑیگا تو میں پھر اپنی پہلی حالت پر لوٹ آیا اور شغل معاش کو اس شغل عبادت پر ترجیح دی جسے اختیار کر چکا تھا (اس واقعہ سے توقع اور تجویز کی حقیقت اور اسکے آثار پر روشنی پڑ گئی ہوگی) اور اللہ تعالیٰ کی عادت اپنے اولیاء کے ساتھ یوں ہی ہے کہ اُن پر عمل آسان اور عبادت میں مشغول ہو کر طریق عمل طے کرنا اور اسمیں لگا رہنا اسی واسطے سہل ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی توقع اور تجویز اور امید کو کم کر دیا ہے، اسی وجہ سے ان کو وہ کام آسان ہے جو دوسروں کو دشوار ہے اور اسی بات پر متنبہ کرنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے متعلق جبکہ انہوں نے ایک مہینہ کے ادھار پر کوئی چیز خریدی یا بیچی تھی فرمایا تھا ان اسامۃ لطویل الامل اسامہ کی توقع اور امید تو بہت لمبی ہے۔ اس صورت میں لن یشاد الدین احد الا غلبہ کے یہ معنی ہوں گے کہ جس کی توقع اور تجویز لمبی ہوگی وہ سستی اور کسل میں مبتلا ہوگا تو دین سے عاجز ہو جائے گا کیونکہ ایسا آدمی آج کا کام کل پر اور کل کے کام کو پرسوں پر ٹالا کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ آج کا کام پورا ہوتا ہے نہ آئندہ کا) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی آخری وصیت یہ تھی کہ اے شخص! کل کی فکر آج نہ کر اگر تو زندہ رہا تو اللہ تعالیٰ (کل کو) نیا رزق عطا فرمائیں گے اور مر گیا تو اپنے وقت کو اسی فکر میں مشغول نہ کر جس تک پہنچنا ہی نہ ہوگا اور اسی دروازہ کے کھولنے سے بہت لوگ برباد ہو گئے ہیں اس صورت میں فسددوا وقاربوا کا یہ مطلب ہوگا کہ اپنے دلوں کو توقع اور امید کے کم کرنے پر جما دو کہ یہی پوری درستی ہے اور اگر اس کا درجہ اعلیٰ حاصل نہ کر سکو تو تیسرے ہی کا درجہ حاصل کر لو، دوڑو نہ جاؤ ورنہ پیچھے رہ جاؤ گے اور پیچھے رہنے والا محروم ہوتا ہے۔ اور ابشروا کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر تم نے اس نصیحت کو قبول

کرلیا اور اس پر عمل کیا تو دنیا اور دین دونوں کی درستی کی بشارت حاصل کرو۔ اس کے بعد واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیٔ من الدلجۃ کے معنی وہی ہیں جو پہلے بیان ہوئے کہ ان اوقات میں عمل کا اہتمام کرو کیونکہ اس سے تم کو توقع اور تجویز کے کم کرنے پر مدد ملے گی قولہ الوجہ الثامن الی قولہ کالکلام علی الوجہ قبلہ)

ف بہت لوگوں کو طول امل نے دینداری سے روک رکھا ہے وہ ہمیشہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ دنیا کے فلاں فلاں کام پورے ہو جائیں تو دین کے کاموں میں مشغول ہوں کسی کو جائداد پیدا کرنے کا انتظار ہے کسی کو بیٹے اور بیٹی کی شادی سے فارغ ہونے کا خیال ہے، کوئی پنشن کا وقت قریب آنے کا منتظر ہے، لیکن ان کو یہ خیال نہیں آتا کہ موت کا وقت متعین نہیں ہے، نہ معلوم کس وقت پیامِ اجل آجائے اور ساری تجویزیں دل کی دل میں رہ جائیں اس لئے عاقل وہ ہے جو صبح کو شام کے متعلق تجویز نہ کرے اور شام کو صبح کے متعلق کوئی امید قائم نہ کرے، بلکہ زندگی کا جو لمحہ بھی نصیب ہے اس کو غنیمت جان کر دین کا کام بھی اس میں پورا کرے اور دنیا کا بھی، اسی کا نام قصرِ امل ہے اور دوسری حالت کا نام طول امل، حدیثوں میں طولِ امل کی بہت مذمت آئی ہے کہ آدمی آئندہ کے متعلق توقعات اور تجویزات قائم کرتا رہے حالانکہ اس کو آئندہ کی کچھ خبر بھی نہیں کہ کیا ہوگا؟

(۴۵) مقامِ رضا حاصل کرو یا صبر میں پختہ رہو تو دین آسان ہے"

ایک تفسیر یہ ہے کہ دین رضا سے آسان ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی مقامات عالیہ تک پہنچنے کا بڑا سبب اور سالکین کے درجات میں بڑا مقام ہے، جسکی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا کہ اے برخوردار! اگر تم اللہ کے لئے کامل رضا کے ساتھ عمل کرسکو تو ضرور کرو، ورنہ ناگوار امور پر صبر ہی کرو کہ اس میں بھی بڑی خیر ہے"۔

اس صورت میں ولن یشاد الدین احد الا غلبہ کا یہ مطلب ہوگا کہ جو شخص

تقدیر پر راضی نہ ہو بلکہ ناراضی کا اظہار کرے اس نے دین کو دشوار راستہ سے لینا چاہا ہے تو دین اسکو ہرا دیگا۔ اسی لئے اہل سلوک میں سے ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ تقدیریں تو چلتی رہیں (اور پوری ہوکر رہیں گی) اب اگر تو راضی رہا تو وہ چلیں گی۔ اور تجھ کو ثواب دے جائیں گی اور ناراض ہوا تو وہ پھر بھی چلیں گی مگر تجھ کو گناہ دیئے جائیں گے۔ اس صورت میں یہ شخص دین سے عاجز ہوگیا کیونکہ تقدیر پر راضی نہ ہونے کی وجہ سے گناہ ہوا،

اور فسددوا وقاربوا کا یہ مطلب ہے کہ اپنی حالت کو کمال رضا اختیار کرکے درست کرو اور اگر ایسا نہ کرسکو تو اس کے قریب ہی رہو اور قریب رہنا یہ ہے کہ (تقدیر پر) صبر کرو۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ابھی گذرا ہے کہ آپ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا کہ ناگوار امور پر صبر کرنے میں بھی بہت خیر ہے، اور (مقام) رضا کا نتیجہ اور ثمرہ تکالیف اور مصائب کے اجتماع ہی کے وقت ظاہر ہوتا ہے راحت اور امید برآری کے وقت ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ اس پر تو ہر شخص راضی ہوتا ہے وہیں تکلیف اور مصیبت کے وقت نفس کا امتحان کرنا چاہیے کہ اس کو رضا حاصل ہے یا نہیں، راحت و آرام کی حالت میں صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا، اس کے بعد وابشروا کے یہ معنی ہیں کہ جس شخص نے طریقۂ رضا یا طریقۂ صبر کو اختیار کرلیا ہو اسے اپنی کوشش کی کامیابی اور مراد پر فتح یابی کی بشارت حاصل کرنا چاہیئے جو ہر شخص کو اسکی رضا اور صبر کے موافق نصیب ہوگی، پھر اس کو اس بشارت کے علاوہ ایک بڑی بشارت اور دی جاتی ہے جو الفاظ حدیث کی بشارت سے زیادہ ہے، اور یہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے اندر مذکور ہے۔ و یزیدھم من فضلہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو اور زیادہ دیں گے اور جب یہ زیادتی اللہ کے فضل کے موافق ہوگی تو کتنی بڑی بشارت ہوئی (اس کو خود ہی سمجھ لو) اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم کو بھی اس روایت کا وہ حصہ عطا فرمائیں جو اُن کے فضل کے مناسب ہے اور واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیئ

من الدلجۃ کا وہی مطلب ہے، جو پہلے مذکور ہوا کہ ان اوقات میں عمل کا
اہتمام کرنا چاہیئے تاکہ حصول رضا میں عیب سے مدد ہو قولہ الحجۃ البالغۃ
الی قولہ منحنا اللّٰہ سبحانہ منہا من فضلہ ما یلیق بفضلہ"

ف اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ دین اس شخص کو آسان ہے جسے اللہ و رسول کی محبت حاصل ہے کیونکہ محبت کے بعد محبوب کا کوئی حکم اور کوئی فعل ناگوار نہیں ہوتا

از محبت تلخہا شیریں بود

چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ دین کو دشوار کہتے ہیں وہ دنیا مردار کیلئے اتنی مشقتیں برداشت کرتے ہیں کہ دین میں اس کا دسواں حصہ بھی مشقت نہیں اور اگر کسی پر ان کا دل آجائے تو اس کے لئے تو سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں مال بھی، آبرو اور عزت بھی اور جان بھی اور اس میں ان کو کچھ مشقت محسوس نہیں ہوتی، ان لوگوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ دین ان کو اسی واسطے مشکل نظر آتا ہے کہ اللہ و رسول کی محبت دل میں نہیں آئی، اس دولت کو اہل محبت متبعین سنت کی صحبت میں رہ کر حاصل کرلیں تو دین بالکل آسان نظر آئیگا ؎

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

۵۵۔ یقین کامل ہو جائے تو دین آسان ہے

ایک تفسیر یہ ہے کہ دین اس شخص کو آسان ہے جس کو یقین حاصل ہو، کیونکہ یقین بھی درجات و مقامات عالیہ تک پہنچنے کا بڑا سبب ہے جسکی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ:

"ابوبکر کو زیادہ نماز روزہ کی وجہ سے تم پر فضیلت حاصل نہیں ہوئی
بلکہ اس چیز کی وجہ سے ہوئی جو اُن کے دل میں جمی ہوئی ہے"

اور اُن کے دل میں جو بات جمی ہوئی تھی وہ قوت یقین ہی تو تھی، ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ اسی کی وجہ سے اعلیٰ مقام پر پہنچے اور اسی بات سے جو اُن کے دل میں تھی دوسروں پر فضیلت لے گئے ان کو اعمال بدنیہ میں زیادہ مشقت برداشت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور یہ بلاشک آسان ہے اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ اُمت کیلئے دین آسان ہو جائے چنانچہ فرمایا ہے تعلموا الیقین فانی اتعلّمہٗ یقین حاصل کرو کیونکہ میں بھی اس کو حاصل کرتا ہوں اور جس یقین کے حاصل کرنے کی حضور نے ترغیب دی ہے وہ کسبی ہے کیونکہ یقین کی دو قسمیں ہیں ایک وہبی، دوسرے کسبی، تو حضور نے اس جگہ اس یقین پر اشارہ فرمایا ہے جسکی تحصیل میں بندہ کی تدبیر اور کوشش مفید ہو سکتی ہے اور اسکی تحصیل کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم وجود میں اپنے احکام تکوینی جو کچھ ظاہر فرمائے ہیں اُن میں تامل اور غور کرے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ کبھی کسی طرح پر جاری ہوتا ہے کبھی کسی طرح اور صورت ایک ہی ہوتی ہے (مثلاً دو آدمی ایک ساتھ ہی پڑھتے ہیں اور امتحان دیتے اور پاس ہوتے ہیں مگر ایک کو ملازمت مل جاتی ہے ایک کو نہیں، دو آدمی پاس پاس ایک ہی مال کی دکان کرتے ہیں مگر ایک کو نفع ہے ایک کو نقصان، وعلیٰ ہٰذا القیاس) اسی طرح انسان کبھی ایک بات کو ترجیح دیتا اور پسند کرتا ہے پھر تھوڑی ہی دیر میں اسکی ضد کو ترجیح دیتا ہے۔ ان باریکیوں ہی میں غور کرنے کی وجہ سے تو اولیاء صالحین کے یقین میں ترقی اور ایمان میں پختگی ہوتی ہے چنانچہ ایک بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو کس بات سے پہچانا فرمایا ارادہ وعزم کے ٹوٹنے (اور بدلنے) سے اسی طرح ملکوت سموات وارض (آسمان وزمین کی مخلوقات) میں نظر کرکے یقین حاصل کرنا چاہیئے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے لئے قوت یقین کا سبب قرار دیا تھا، بعض علماء نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے ارشاد فرمایا ہے کہ

تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ الدھر

ایک ساعت کی فکر کرنا زمانہ بھر کی عبادت سے افضل ہے

کیونکہ ان چیزوں میں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، کچھ دیر فکر کرنے سے ایسا یقین حاصل ہوتا ہے جو زمانہ بھر کی عبادت سے بھی حاصل نہیں ہوتا (اگر فکر سے خالی ہو) پھر (یقین کے بعد) اسکو دین (کا ہر کام) آسان ہوجاتا ہے اگرچہ (فی نفسہ) دشوار ہی ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل یقین کو اسی صفت کیساتھ اپنی کتاب میں موصوف فرمایا ہے :

(الذین قال لھم الناس) ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا و قالوا حسبنا اللہ و نعم الوکیل○ فانقلبوا بنعمۃ من اللہ لم یمسسھم سوء واتبعوا رضوان اللہ واللہ ذو فضل عظیم ○

"جب لوگوں نے ان سے کہا کہ تمہارے مقابلہ کیلئے دشمنوں نے بہت لوگوں کو جمع کیا ہے اُن سے ڈرو تو اس بات سے ان کے ایمان میں (اور بھی) ترقی ہوگئی اور انہوں نے کہا ہم کو اللہ بس ہے اور وہ اچھا کارساز ہے تو اب وہ اللہ کی نعمت کے ساتھ اس حالت میں واپس ہوئے کہ اُن کو ذرا تکلیف نہیں چھوئی اور اللہ کی رضامندی کے تابع ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے"!

تو دیکھو! جب اللہ پر بھروسہ کرنے سے اُن کا یقین مضبوط ہوگیا تو (دشمنوں کی) خبر کا رعب اُن کے دل سے جاتا رہا اور اسکے بعد اللہ کے فضل عظیم کیساتھ دنیا و آخرت کی نعمتیں لیکر واپس ہوئے اور اس ساعت کی برکت سے جسمیں انہوں نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کیا اور قوت یقین کیساتھ اسی پر بھروسہ کیا تھا دونوں جہان میں کامیاب ہوگئے۔

اس صورت میں ولن یشاد الدین احد الا غلبہ کا یہ مطلب ہوگا کہ جس کا یقین ضعیف ہو اور اسکی تقویت کے اسباب بھی اختیار نہ کرے وہ دین کو دشوار طریقہ سے حاصل کرنا چاہتا ہے اور جو دشوار طریقہ سے دین کو لینا چاہے گا وہ اس سے ہار جائے گا۔

اور ہلاک نے کی صورت یہ ہوگی کہ نفس اور شیطان کے دھوکوں اور اندیشوں میں مبتلا ہو جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی یہی حالت قرآن میں بیان فرمائی ہے

یعدھم و یمنیھم وما یعدھم الشیطان الا غرورا ۝

"شیطان ان سے وعدے کرتا اور ان کو امیدیں دلاتا ہے اور شیطان کے وعدے وعید نرے دھوکے ہیں" اور کچھ نہیں۔

اس کے بعد فسددوا وقاربوا کا یہ مطلب ہے کہ یقین کا اعلیٰ درجہ حاصل کرو اور اسی کے موافق عمل کرو، اگر درجۂ کمال پر قادر نہ ہو سکو تو بالکل محروم بھی نہ رہو قریب کا درجہ ہی حاصل کر لو ورنہ دین تم کو دشوار ہو جائے گا اور جس کو دین پہ چلنا دشوار ہو گیا وہ خسارہ اور گمراہی لیکر ہی واپس ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذلک

اور ابشروا کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم نے یقین کا وہ درجہ حاصل کر لیا جو کسب و اختیار سے اُن اسباب کے ذریعہ جن کا اوپر ذکر ہوا حاصل ہو سکتا ہے تو یقین وہبی کی بشارت حاصل کرو کہ اسکے بعد تم کو یقین کا درجہ حاصل ہوتا جو محض اللہ کی عطا اور وہب سے ہی مل سکتا ہے کسب و اختیار کو اس میں دخل نہیں۔

اور واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشئ من الدلجۃ کے وہی معنی ہیں جو پہلے مذکور ہوئے کہ اوقات میں عمل کر کے مدد اور سہارا لو۔ ان اوقات میں اللہ کی طرف التجا کرو کیا عجب ہے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے ہمارے دل میں ان چیزوں سے عبث حاصل کرنے کا خیال ڈالدیں جن سے یقین کو قوت حاصل ہوتی ہے، اور توفیق خاص سے تائید فرمائیں اور اس کے بعد ہم کو دوسری قسم کا یقین عطا فرمائیں جو کسب سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ فیض اور وہب سے ہی عطا ہوتا ہے تو جس شخص پر یقین کا ہر درجہ دشوار ہو جائے اور اس سے بالکل محروم ہو جائے یا کوئی درجہ حاصل ہو گیا ہو مگر وہ اسمیں ترقی کا طالب ہے تو اسے ان خاص اوقات میں (کریم کے) دروازہ پر کھڑا ہونا چاہیئے اسکی کوشش کامیاب اور مراد پوری ہوگی، کیونکہ خبر دینے والا (رسول) سچا ہے اور جس کے حوالہ (معاملہ) کیا گیا ہے وہ کریم ہے کہ وعدہ خلافی

نہیں کرنا (پھر ناکامی کی کوئی وجہ نہیں (قولہ الوجہ العاشر الی قولہ وہو لا یخلف المیعاد)

ف آجکل بہت لوگ دین کو دشوار بتلاتے ہیں اُن کو اس مقام سے سبق لینا چاہیئے کہ اس دشواری کا منشا ضعفِ یقین ہے کہ لوگوں کو دین کی تعلیم پر یقین نہیں رہا وہ ثواب عذاب اور جنت و دوزخ کو ڈھکوسلا سمجھتے ہیں پھر ظاہر ہے جس شخص کو ثمرات اعمال کا یقین نہیں اس کو اعمال شرعیہ دشوار نظر آئیں گے تو اور کیا ہوگا؟ دیکھو اگر کسی شخص کو اس بات کا یقین ہو کہ فلاں کام کرنے سے مجھے ایک لاکھ روپیہ ملے گا اس کو یہ کام دشوار نہ ہوگا اور جس کو محض احتمال اور وہم ہی ہو یقین نہ ہو اسکو دشواری کا سامنا ہوگا۔ حضراتِ سلف صالحین کو دین اسی واسطے آسان تھا کہ اُن کو قرآن و حدیث کے وعدے وعیدوں پر پورا یقین تھا، اب اس زمانۂ نیچریت میں لوگوں کو وہ یقین نہیں رہا تو دین دشوار نظر آنے لگا فاعتبروا یا اولی الابصار

۵۶۔ نفسانی خواہشوں پر غالب آجاؤ تو دین آسان ہے

ایک تفسیر یہ ہے کہ دین اس شخص کو آسان ہے جو نفس کے حظوظ کو چھوڑ کر اپنے مولیٰ کے سامنے اس کو ڈالدے کیونکہ نفس کا اپنے حظوظ اور خواہشوں کو طلب کرنا اور انقیاد و اطاعت چھوڑ دینا ہی بڑا حجاب ہے کیونکہ نفس جس چیز کی طرف بھی مائل ہوتا ہے اسکو خراب کر دیتا ہے مگر جس کو اللہ تعالیٰ اس کی شر سے محفوظ کردے (وہ خرابی سے بچ جاتا ہے) پس نفس کو مطیع و منقاد بنا کر دبانا اور اس کی خواہشوں کو پورا نہ کرنا اسی کو آسان ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ اس کام کو آسان کردیں۔

ایک بزرگ سے کسی نے وصول (الی اللہ) کا طریقہ دریافت کیا تو فرمایا اپنے نفس کو چھوڑ دو بس تم واصل ہوگئے (یعنی اس کی خواہشوں کو پورا نہ کرو بلکہ اس کی مخالفت کرو تو وصول میں دیر نہ ہوگی) اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ولن یشاد الدین احد الا غلبہ کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص خواہش

نفس کے موافق کام کرے اور اسکی امیدوں آرزوؤں کو پورا کریگا اور اس کو مطیع و منقاد نہ بنائے گا وہ دین کو دشوار طریقہ سے لینا چاہتا ہے اور جو دشوار طریقہ سے دین کو حاصل کرنا چاہے گا دین اسکو ہرا دیگا کیونکہ حجاب نفس کی وجہ سے یہ شخص اُن بھلائیوں سے محروم ہو جائے گا جو اطاعت و انقیاد کی حالت میں لطف و مدد الٰہی کی صورت میں اس کے لئے تیار کی جاتیں اور فسددوا وقاربوا کا مطلب یہ ہوگا کہ حظوظِ نفس کو ایک دم چھوڑ کر عمل کرو نفس کو ان باتوں سے ہٹاؤ اور خالق جل و علا کے سپرد کر دو تو کامیاب ہو جاؤ گے۔ اور اگر اس پر قدرت نہ ہو اور نفس تم پر غالب ہو تو ریاضات و مجاہدات اختیار کرو تا کہ وہ حالت میسر ہو جائے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے (یعنی نفس مطیع و منقاد اور اسکی خواہشیں مغلوب ہو جائیں۔

اور وابشروا کے یہ معنی ہیں کہ اگر تم نے اس طریقہ پر عمل کیا تو خوشخبری حاصل کرو کہ اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے نفس سے زیادہ مہربان اور اس سے زیادہ تمہارے واسطے بہتر ہیں وہ یقیناً" تمہاری امیدوں اور آرزوؤں کو پورا کردیں گے اور کیوں نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں:

وکان بالمومنین رحیما

وہ مومنوں پر بہت مہربان ہیں

نیز فرماتے ہیں:

یبشرھم ربھم برحمۃ منہ و رضوان وجنات لھم فیھا نعیم مقیم خالدین فیھا ابدا ط ان اللہ عندہ اجر عظیم ہ

اُن کا پروردگار ان کو بشارت دیتا ہے اپنی رحمت اور خوشنودی کی اور ایسی جنتوں کی جن میں ہمیشہ کی راحت ہے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے بلاشک اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا اجر ہے۔

نیز ارشاد ہے

واما من خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ ھی الماویٰ

اور لیکن جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے خوف کیا اور اس خوف کی وجہ سے نفس کی خواہش کو روک لیا تو بیشک اس کا ٹھکانا جنت ہے۔

اور واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیٔ من الدلجۃ کا مطلب یہ ہوگا کہ ان اوقات سے مدد لو انکی نگہداشت رکھو تو جس چیز کا تم سے مطالبہ کیا گیا ہے اسمیں تمہاری مدد کیجائیگی اور تم اپنے رب کی رضامندی سے کامیاب ہو جاؤگے، تو کیا کوئی مستعد ہے؟ جو مدد کے زمانہ کو پہلے اس سے کہ ہاتھ سے جاتا رہے غنیمت سمجھے (اور اگر اب غنیمت نہ سمجھا تو) پھر اسکے نفس سے جو کچھ کوتاہی اس باب میں ہوگی اسکی تلافی نہ کرسکے گا۔ (قولہ الوجہ الحادی عشر الی قولہ ثم لایجد للنفسہ علی ما فرط فیہ اقالۃ)

ف نفسانی خواہشیں دو قسم پر ہیں ایک وہ جو شریعت کے موافق ہیں جیسے بقدر ضرورت کھانے پینے پہننے کی خواہشیں یا نکاح کی رغبت یہ تو حقوق نفس ہیں جن کا پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ حدیث میں ہے ان لنفسك علیك حقا کہ تیرے نفس کا بھی تیرے اوپر کچھ حق ہے، دوسری وہ جو شریعت کے خلاف ہیں ان کا نام حظوظ نفس ہے اور انہی کو قرآن وحدیث میں ہوائے نفس سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان کا ترک کرنا ضروری ہے اور انہی کے ترک کا حکم ہے، پس حقوق نفس اور حظوظ نفس کو کسی محقق عالم سے دریافت کرکے حقوق کو ادا کرنا اور حظوظ کو ترک کرنا چاہیے۔ صوفیہ کرام نے جو مخالفت نفس کی تاکید کی ہے اس سے مخالفت حظوظ ہی مراد ہے نہ کہ مخالفت حقوق، خوب سمجھ لو۔

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ دین مقصود ہی سے آسان ہوتا ہے کیونکہ نفسانی خواہشوں پر قابو یافتہ ہونے کا طریقہ اسی سے معلوم ہوتا ہے اور مشائخ طریق کی تعلیم کا خلاصہ یہی ہے

۵۷۔ دولت اخلاص حاصل کرو کہ دین اسی سے آسان ہوتا ہے۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ دین اس وقت آسان ہے جبکہ اللہ کیلئے خالص ہو، اللہ ہی کے واسطے، اللہ ہی کی وجہ سے (اس کو اختیار کیا گیا) ہو کہ انسان مولیٰ تعالیٰ شانہ کے حق کی تعظیم کیلئے عمل کرے اور کوئی غرض نہ ہو جب ایسا کرے گا تو دین اس پر آسان ہوجائیگا کیونکہ اسوقت یہ شخص طاعت میں حلاوت پائے گا اور حلاوت کیوجہ سے وہ اس پر خفیف اور آسان ہوجائیگی، بلکہ اسکی غذا بن جاویگی (کہ اب بدون طاعت و عبادت کے چین ہی نہ آئیگا) پس وہ باطن میں فرشتہ اور ظاہر میں انسان ہوگا، اسی لئے اہل سلوک میں سے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اہل دنیا مسکین (اور قابل رحم) ہیں کہ دنیا سے چلے گئے اور اسکی راحت کا مزہ بھی نہ چکھا، کسی نے عرض کیا کہ دنیا کی راحت کیا ہے؟ فرمایا حلاوت طاعت، اللہ تعالیٰ نے اخلاص کی طرف (بندوں کو) بلایا اور اسکی ترغیب دی ہے چنانچہ ارشاد ہے: ایاک نعبد و ایاک نستعین (کہ ہمارے سامنے یوں عرض کیا کرو کہ اے اللہ ہم صرف آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں) اور اخلاص اسی کا تو نام ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور اسی کے واسطے اسی کی وجہ سے کیجائے، پھر اللہ تعالیٰ نے زیادہ ترغیب کیلئے ہر رکعت میں اس کے پڑھنے کا حکم دیا تاکہ حال بن جائے اور جب اللہ تعالیٰ مددگار اور ہادی ہونگے تو لطف و عنایت کے ساتھ اسکو درجات عالیہ کیطرف اٹھالیں گے اور کرامت و احسان کا تاج پہنادیں گے۔ اور لن یشاد الدین احد الا غلبہ کا یہ مطلب ہوگا کہ جو شخص دین میں اپنے ہی نفس پر اعتماد کرے اور اللہ تعالیٰ سے لگاؤ پیدا نہ کرے نہ اس سے مدد مانگے وہ دین کو دشوار طریقہ سے حاصل کرنا چاہتا ہے اور جو دشوار طریقہ سے دین کو لینا چاہے گا وہ دین سے ہار جائے گا کیونکہ اس پر نفس کے عیوب ظاہر ہونگے اور ان سے نکلنے کا راستہ نہ ملے گا، پھر اس وقت دو حالتوں میں سے ایک کا سامنا ہوگا اور یہ (دونوں حالتیں ایسی ہیں کہ) ان میں سے ایک، بھی کسی کے اندر پائی جائے تو اسکی علامت ہلاکت کی ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے

لطف اور درگذر سے کسی کی دستگیری فرمائیں (تو اور بات ہے) وہ دو حالتیں یہ ہیں)
یا تو اپنی امید تک نہ پہنچنے کی وجہ سے یاس اور نا امیدی میں مبتلا ہوگا اور جب
اس صفت سے موصوف ہوگا تو اس پر ہلاکت کا سخت اندیشہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے حق تعالیٰ شانہ کیطرف سے فرمایا ہے لوکنت معجلا غفوبة لعجلتها
علی القانطین من رحمتی (اگر میں جلدی سزا دیا کرتا تو اپنی رحمت سے نا امید
ہونیوالوں پر جلد عذاب بھیجتا ، اور یا جس حال میں اس وقت ہے اسی پر راضی ہوگا
اسی پر جا رہیگا اور اس حالت میں خطرہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فما
اصبرھم علی النار کہ یہ لوگ دوزخ پر کیسے دلیر ہیں ، مفسرین نے اسکی تفسیر میں
فرمایا ہے کہ یہ لوگ اُن اعمال پر جو جہنم میں پہنچانیوالے ہیں بڑے دلیر ہیں تو درحقیقت
جہنم پر دلیر ہیں "۔ اور یہ ایسا ہے جیسا حق تعالیٰ نے فرمایا ہے ان الذین یأکلون
اموال الیتامی ظلماً انما یأکلون فی بطونھم نارا (کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق
کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ ہی بھرتے ہیں (اور کچھ نہیں) حالانکہ مشاہدہ یہ ہے کہ
وہ تو مزیدار کھانا کھاتے ہیں مگر جب اس کا انجام جہنم میں پہنچنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے
اس کھانے کو ہی آگ بتلایا ، اس کے بعد فسددوا وقاربوا کا یہ مطلب ہے کہ اپنی نفسانی اور
ذاتی حالت کو درست رکھو اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے لگاؤ رکھو اپنے تمام معاملات میں
اسی سے مدد مانگو ، اگر یہ درجہ درستیٔ حال کا حاصل نہ کرسکو تو اس کے قریب ہی کا درجہ
حاصل کرلو اور اس درجہ تک پہنچنے کیلئے ریاضت ومجاہدہ اختیار کرو ، اور لمبی مہلت
ملنے سے دھوکہ نہ کھانا (کہ ابھی تو بہت عمر باقی ہے اخیر وقت میں دیندار بن جائیں گے)
کہیں تم سے آخرت میں یوں نہ کہا جائے اولم نعمرکم مایتذکر فیہ من تذکر
وجاءکم النذیر (کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی جسمیں سمجھنے والا سمجھ سکتا تھا)
(اور تمہارے پاس ڈرانیوالا بھی پہنچ چکا تھا)

اس کے بعد وابشروا کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم
کرلیا اور اسکے آگے گردن جھکادی تو خوشخبری حاصل کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنی امید

کے موافق (مہربان وکارساز) پاؤگے اور کیوں نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی ارشاد فرماتے ہیں انا عند ظن عبدی بی میں اپنے بندے کے گمان کیساتھ ہوں جیسا گمان بھی وہ میرے ساتھ رکھے" اور واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیٔ من الدلجۃ کا مطلب ہے کہ ان خاص اوقات سے مدد لو، ان میں عمل کرنا اور مولیٰ کے دروازہ پر کھڑے ہونے کو غنیمت سمجھو، تمہاری مدد کی جائیگی اور دشوار کام آسان ہو جائے گا۔

اور جو شخص اس طریقہ پر عمل کریگا اس کو پہلی بشارت سے زیادہ دوسری بشارت حاصل ہوگی کیونکہ اعانت خود ایک بشارت ہے، اور ایک بشارت پہلے دی جا چکی ہے، غرض یہاں چند بشارتیں ہیں اور خبر دینے والا سچا ہے اور جس کو طلب کیا جا رہا ہے وہ غنی وکریم ہے کہ نیک کام کرنیوالوں کی کوشش قبول فرماتا اور بُرے کام کرنیوالوں سے درگذر کرتا ہے تو کیا کوئی سچا تنبیہ ؟ اور اس جیسی ہی بشارت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارۃً مذکور ہے

الم تر کیف فعل ربك باصحاب الفیل ۝ الم یجعل کیدھم فی تضلیل ۝ وارسل علیھم طیرا ابابیل ۝ ترمیھم بحجارۃ من سجیل ۝ فجعلھم کعصف ماکول ۝

"(اے انسان) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں کیساتھ کیا کیا؟ کیا اُنکی تدبیر کو غلط نہیں کر دیا؟ کہ ان پر پرندوں کی جماعتوں کو مسلط کیا جو پکی مٹی کی پتھریاں ان پر برسا رہی تھیں پھر اُن کو ایسا کر دیا جیسا کھایا ہوا بھوسہ"

جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانیوالا ہوں، اس پر فرشتوں نے کہا کیا آپ زمین میں ایسے کو خلیفہ بنائیں گے جو اس میں فساد کریگا اور خون بہائیگا، تو حق تعالیٰ اُن سے ناراض ہو گئے پس فرشتے (اللہ کے غضب سے) گھبرا گئے اور انہوں نے سات دفعہ عرش کا طواف کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی مغفرت فرما دی اور خطا معاف کر دی، پھر فرمایا کہ زمین میں ایک گھر بناؤ جسکے گرد گنہگار انسان سات دفعہ طواف کیا کریں گے جیسا تم نے عرش کا طواف

کیا تو میں ان کی مغفرت کر دیا کرونگا اور اُن پر رحم کرونگا جیسا تم پر کیا" فرشتوں نے اس حکم کی تعمیل کی اور مکہ میں خانہ کعبہ فرشتوں کے ہاتھوں تیار ہو گیا) پھر جب طوفان آیا تو اسکو اٹھا لیا گیا اور بنیاد باقی رہ گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو تعمیر بیت اللہ کا حکم دیا اور فرمایا کہ لوگوں کو (اس کا حج کرنے کیلئے) بلاؤ، آواز دینا تمہارا کام ہے اور آواز کا پہنچانا ہمارا کام۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس حکم کی تعمیل کی اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی آواز تمام آدمیوں کو پہنچا دی جن کے متعلق علم الٰہی میں حج مقدر ہو چکا تھا (انہوں نے اس آواز پر لبیک کہی) خواہ ماؤں کے رحم میں تھے یا باپوں کی پشت میں، پھر جب ہاتھی والے (ابرہہ گورنر حبشہ نے جو اس وقت شاہ حبشہ کی طرف سے یمن پر متعین تھا) اس گھر کے گرانے کا ارادہ کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی مغفرت و رحمت کا سبب بنایا تھا اور یوں چاہا کہ لوگوں کو بیت اللہ سے ہٹا کر اس گھر کے حج پر مائل کرے جو اس نے بنایا تھا اور (بیت اللہ کے گرانے کو بڑا لشکر ساتھ لیکر مکہ کیطرف بڑھا) اس کا لشکر بڑا زبردست تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ وہ کیا جو اس سورت میں مذکور ہے۔ جسکی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے جس وقت حد حرم میں ہاتھیوں نے قدم رکھا آگے نہ بڑھ سکے اور خانہ کعبہ کیطرف منہ کر کے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے زمین پر ادھر لشکر والے ہاتھیوں کو مار مار کر اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے ادھر سمندر کی طرف سے ٹڈی دل جانور اپنی چونچوں اور پنجوں میں کنکریاں لیکر پہنچ گئے اور لشکر پر برسانا شروع کر دیں جسکے کنکری لگی فوراً ہلاک ہوا اور بدن نیلا پڑ گیا تمام لشکر میں صرف ایک آدمی زندہ بچا جس نے اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا کر یمن کا رخ کیا وہاں پہنچ کر اس نے خبر دی اور اسی وقت ایک جانور نے اسکو بھی کنکری مار کر ہلاک کر دیا ۱۲)

اس خبر کے دینے کا نتیجہ اور فائدہ یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت رحمت اور مخلوق پر اُن کے لطف و کرم کو معلوم کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کے ضمن میں (بطور اشارہ کے) یوں فرماتے ہیں کہ اے گنہگار مومن! میری قدرت کا نشان دیکھ! کہ جس شخص نے میری رحمت کا اثر تجھ سے قطع کرنا چاہا تھا میں نے اس کو کیونکر برباد کیا؟ باوجودیکہ تو میرے

ساتھ سرکشی سے پیش آنا اور میری نعمتوں سے نافرمانیوں میں مدد لینا ہے، دیکھ (میں اس حالت میں تیرے ساتھ کیسا ہوا اور سمجھ! کہ اگر تو میری طرف متوجہ ہو اور میرے احکام کو بجالانے لگے، میری کتاب کا اتباع کرے، میرے نبی کی سنت پر چلے تو پھر میں تیرے ساتھ کیسا ہوں گا" کیا اس وقت جبکہ تو اپنے کو میرے حوالے کردے گا کوئی تجھے ضرر پہنچا سکتا یا کوئی مصیبت تجھ پر ڈال سکتا ہے، یا میں تیری مدد چھوڑ سکتا یا تجھے دوسروں کا محتاج کرسکتا ہوں، (ہرگز نہیں)

تو میری طرف متوجہ ہو، مجھے اپنے اوپر مہربان، اپنے حال پر کرم فرما، اپنا حامی اور مددگار پائے گا۔ کیا تونے میرا یہ خطاب نہیں سنا

وکان حقا علینا نصر المؤمنین مومنوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ پر حق ہے

پس مجھ سے مدد مانگ میں تیری مدد کروں گا، میری طرف تضرع وزاری کر میں تجھ پر رحم کروں گا۔ میں تجھ سے زیادہ تجھ پر مہربان اور تجھ سے زیادہ تیری مدد پر قادر ہوں جس نے اس بشارت میں غور کیا اور اسکو سمجھ لیا اور اس کے موافق عمل کیا اس نے اس کو سچ اور برحق ہی پایا چنانچہ میں نے ایک درویش کو دیکھا جن کی عمر سو برس سے اوپر تھی وہ فرماتے تھے کہ جب سے میں نے اپنے شیخ کو دیکھا ہے کسی سے کوئی حاجت طلب نہیں کی، لوگوں نے اسکی حقیقت دریافت کی تو فرمایا کہ میرے شیخ نے مجھے ایک وصیت کی تھی کہ" اپنی حاجت کو اپنے ہاتھ میں رکھنا، پس جب میں کسی حاجت کا ارادہ کرتا ہوں دعا کیلئے اپنے ہاتھ پھیلا دیتا ہوں اور اللہ سے اس کو مانگتا ہوں، اگر وہ میرے حق میں بہتر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا کر دیتے ہیں اور بہتر نہیں ہوتی تو مجھ سے دور کر دیتے ہیں۔ (قولہ الوجہ الثانی ختم الی قولہ وان کانت لم البعدھا عنی)

ف اس مقام سے اُن لوگوں کو سبق لینا چاہیئے جو تصوف کے منکر ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ دین اخلاص سے آسان ہوتا ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ دولت اخلاص صوفیہ ہی کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے بلکہ تصوف حصول اخلاص ہی کا نام ہے اسی کو نسبت لیسان

کہتے ہیں اور اسی کے واسطے اہل سلوک اذکار و اشغال و مراقبات کرتے ہیں ۔

ف — شیخ نے الدین یسر کی جتنی تفسیریں اس مقام پر بیان فرمائی ہیں حدیث میں ان کا مجموعہ بھی مراد ہو سکتا ہے، چنانچہ شیخ نے خود اس احتمال کو ظاہر فرمایا ہے پس دین اس شخص کو آسان ہے جس کو یہ باتیں حاصل ہوں جو بارہ تفسیروں میں اوپر مذکور ہوئی ہیں مگر افسوس ہے کہ لوگ اسباب سہولت کو تو اختیار نہیں کرتے اور خواہ مخواہ دین کو دشوار سمجھتے ہیں، اُن کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہر کام کی سہولت کے کچھ اسباب ہوتے ہیں اگر ان اسباب کو اختیار نہ کیا جائے تو دُنیا کا کوئی کام بھی آسان نہیں ہو سکتا اسی طرح سہولت دین کے بھی اسباب ہیں جو اس مقام پر مذکور ہیں ان کو اختیار کیا جائے اس کے بعد فیصلہ کیا جائے کہ دین آسان ہے یا نہیں؟

باب ہفتم
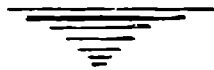
وفد عبد القیس

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبیلۂ عبد القیس کا وفد جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا یہ کس قوم کے آدمی ہیں یا فرمایا یہ وفد کون لوگ ہیں؟ انہوں نے عرض کیا (خاندان) ربیعہ کے افراد ہیں، فرمایا اس قوم یا اس وفد کو مرحبا ہے کہ نہ ذلیل ہوئے نہ پشیمان (کیونکہ یہ لوگ خود بخود اسلام لے آئے تھے لشکر اسلام کو ان پر جہاد کی نوبت نہیں آئی) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ آپ کے پاس بجز اس ماہ محترم (رجب) کے اور کسی وقت نہیں آسکتے، ہمارے اور آپ کے درمیان یہ قبیلہ یعنی خاندان قریش کے کفار (حائل) ہیں اس لئے ہم کو کوئی (ایسی جامع اور) فیصلہ کن بات بتلا دیجئے جس سے ہم دوسروں کو بھی مطلع کر دیں اور اس کی وجہ سے جنت میں پہنچ جائیں، ان لوگوں نے پینے کی چیزوں کو بھی دریافت کیا تھا، تو حضور نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع فرمایا (سب سے پہلے) ان کو اللہ وحدہٗ پر ایمان لانے کا حکم دیا، اور فرمایا جانتے ہو کہ اللہ وحدہٗ پر ایمان لانا کیا ہے؟

انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اسکے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، فرمایا (اللہ وحدہٗ پر ایمان لانا) اس بات کی گواہی دینا (ہے) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں

اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور نماز کی پابندی کرنا، زکوٰۃ دینا اور رمضان کے روزے رکھنا، اور (اس بات کا بھی حکم دیتا ہوں کہ) غنیمت کا پانچواں حصہ (بیت المال کو) دیا کرنا، اور اُن کو چار چیزوں سے منع فرمایا (ایک) زرد رنگ کی مٹکی (دوسرے) کدو کا برتن (تیسرے) کھجور کی کھدی ہوئی لکڑی کا برتن (چوتھے) وہ برتن جس پر روغن زفت ملا گیا ہو اور کبھی راوی نے یہ کہا کہ جس پر روغن قار ملا گیا ہو یعنی اُن چیزوں سے منع فرمایا جو اِن برتنوں میں پی جاتی ہیں) اور فرمایا کہ ان کو محفوظ کر لو اور اِن لوگوں کو بھی اطلاع کر دو جو تمہارے پیچھے ہیں۔

شرح

حدیث کی دلالت اس بات پر ظاہر ہے کہ جن چار باتوں کا حکم دیا گیا وہ واجب ہیں اور جن چار چیزوں سے منع کیا گیا اُن کا ترک ضروری ہے، نیز ان باتوں کے محفوظ کرنے اور ان کی تبلیغ کرنے کی ترغیب بھی دی ہے۔

۵۸۔ آنیوالے کا نام اور شخصیت دریافت کرنا سنت ہے،

حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس کا ارادہ کر کے کوئی آدے تو سنت یہ ہے کہ وہ آنیوالے کی شخصیت دریافت کرے تاکہ اس کو پہچان لے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلے کے آدمیوں سے جب وہ آپؐ کے پاس حاضر ہوئے دریافت کیا تھا (کہ یہ کس قوم کے آدمی ہیں) یہاں تک کہ آپؐ نے اُن کو پہچان لیا (قوله فيه دليل على ان من السنة سوال المقصود الى قوله حتى عرفها)

ف:- محققین صوفیہ کا عمل اس حدیث کے موافق ہے مگر آج کل کچھ ایسا مذاق بدلا ہے کہ اس قسم کے سوالات سے لوگوں کو وحشت ہوتی ہے اور سوال کرنے والے کی شکایت کرتے ہیں کہ ہم کو اجنبی سمجھا، ان لوگوں کو جان لینا چاہیئے کہ آنے والے کی شخصیت دریافت کرنا سنت ہے اور اس سے متوحش ہونا سراسر عجمیت ہے۔

۵۹۔ ہر شخص کو اس کے درجہ پر رکھو

حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ ہر شخص کو اسکے مرتبہ پر رکھنا چاہیئے کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال اسی غرض سے تھا کہ آنے والے کی شخصیت معلوم کرکے اس کے ساتھ اس کے درجہ کے موافق سلوک کیا جائے۔ ایک دوسری حدیث میں حضورؐ نے اس مضمون کو صاف طور سے ارشاد فرمایا ہے

انزلوا الناس علی منازلھم

کہ لوگوں کو اُنکے درجہ پر رکھو

حضورؐ نے جس بات کو اس حدیث میں قولاً بیان فرمایا ہے اس کو اس حدیث میں جسکی ہم شرح کر رہے ہیں عملاً ظاہر کردیا اور جب انسان آنیوالے کو پہچانے گا نہیں تو نا ممکن ہے کہ اسکی ساتھ اسکے درجہ کے موافق برتاؤ کرسکے (اور پہچاننے کی صورت یہی ہے کہ اس سے اسکی شخصیت دریافت کی جائے) اسی لئے (حضرات) خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ علیہم کے پاس جب کوئی مسجد میں بیٹھتا تو وہ اس سے دریافت کیا کرتے تھے کہ تمہارے پاس قرآن کا کتنا حصہ ہے، یعنی کتنا قرآن یاد ہے۔ اسکی وجہ صرف یہی تھی کہ ہر شخص سے اسکے درجہ کے موافق برتاؤ کیا جائے، کیونکہ اُن کے نزدیک فضیلت کا معیار یہی تھا کہ قرآن کا جتنا حصہ کسی کو یاد ہو (اسی قدر فضیلت حاصل ہوگی) الوجہ الثالث قولہ فی ھذا من الفقہ ان ینزل کل انسان منزلتہ الی قولہ بحسب ما یکون عندھم من القرآن۔

ف:- کیا آجکل کے مسلمان اس سے سبق لیں گے ؟ کہ حضرات صحابہ کے نزدیک فضیلت کا معیار کیا تھا اور آجکل مسلمانوں کے نزدیک معیار فضیلت کیا رہ گیا ہے ؟ افسوس آجکل تو بعضے نام کے مسلمان قرآن کی تعلیم اور اس کے حفظ کو بیکار ہی سمجھنے لگے، اُن کے دل میں اہل قرآن کی عظمت کیا خاک ہوتی اُلٹا اُن کو ذلیل سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک تو معیار فضیلت روپیہ پیسہ ہے جو بڑا مالدار ہے وہ معزز ہے، جو مال میں کم ہے وہ ذلیل ہے، ان کو سمجھ لینا چاہیئے

کہ حضرات صحابہ وسلف صالحین نے کتاب الٰہی کی عظمت کی تھی تو خدا نے بھی اُن کو وہ عظمت دی جس کی نظیر زمانہ کی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھی تھی، جب سے مسلمانوں نے کتاب الٰہی کی عظمت اپنے دلوں سے کم کردی خدا نے بھی ان کی عزت و عظمت لوگوں کے دلوں سے کم کردی۔

فاعتبروا یا اولی الابصار ۔

تو اگر مسلمان اپنے بھلے دن چاہتے ہیں تو کتاب اللہ کی عظمت کریں۔

۶۰ - حضور کا وفد کو مرحبا کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ آنیوالوں کو مانوس کرنا چاہیئے مگر مانوس کرنے کیلئے ایسی ہی بات کہی جائے جو متکلم کی حالت کے مطابق ہو، تاکہ آنے والے کو میزبان سے کسی ایسی چیز کی طمع نہ ہو جو اس کی قدرت سے باہر ہے۔ چنانچہ حضور نے ان آنے والوں سے ایسی ہی بات فرمائی جو آپکے پاس ظاہراً باطناً ہر طرح موجود تھی، یعنی مکان واخلاص کی وسعت، (قوله الوجه السادس قوله صلى الله عليه وسلم مرحبا بالقوم او بالوفد الى قوله حسا و معنىً)

ف اس ادب پر حضرات صوفیہ کا عمل سب سے زیادہ ہے وہ آنے والے کو مانوس بھی کرتے ہیں اور اپنی وسعت کے مطابق مانوس کرتے ہیں۔

۶۱ - اللہ کیطرف متوجہ ہو جاؤ اسی سے حسن حال نصیب ہوتا ہے

حضور کا یہ ارشاد غیر خزایا ولا ندامی کہ یہ لوگ نہ رسوا ہوئے نہ پشیمان اس میں ان لوگوں کو بشارت تھی کہ اسوقت بھی ان کے سب مقاصد پورے ہوئے اور آئندہ بھی مسرت اور خوشی حاصل ہوگی، کیونکہ ندامت اور پشیمانی زیادہ تر آخر میں ہوتی ہے، ابتدا میں تو کسی کام کی رغبت کیوجہ سے اُن چیزوں کا فائدہ نظر سے مخفی رہتا ہے جو اسکی وجہ سے چھوٹ گئی ہیں جب کام پورا ہو جاتا ہے اسوقت ان چیزوں پہ نظر ہوتی ہے جو اسکی وجہ سے فوت ہوگئی تھیں اب یا ندامت ہوتی ہے (اگر فوت شدہ فائدہ قیمتی نظر آیا) یا خوشی ہوتی ہے (اگر حاصل شدہ فائدہ زیادہ ہوا) تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو خیر عاجل اور خیر آجل دونوں کی اطلاع دیدی کہ اُن کو بھلائی اور خوشی ہمیشہ حاصل رہے گی، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کیواسطے کوئی کام کرتا ہے اس کو اسیطرح ہمیشہ خوشی اور فراخی حاصل ہوتی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

من ترك شيئًا لله عوضه الله خيرا منه من حيث لا يحتسب ،

جو شخص اللہ کے واسطے کسی چیز کو چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں اس سے بہتر چیز ایسی جگہ سے عطا فرماتے ہیں جہاں اس کا گمان بھی نہ جا سکتا تھا۔

پس جو کوئی کسی ایک جہت کو اللہ کیواسطے چھوڑتا ہے وہ اسکے عوض دوسری جہت کا ارادہ کرتا ہے اور اللہ کا تو خوبصورت وعدہ ہی بڑی دولت ہے۔ اسمیں کبھی ناکامی کا سامنا نہیں ہوتا۔ ندامت اور رنج وناکامی کا سامنا تو اسی پہلو میں ہوتا ہے جو اللہ کی جہت کے سوا ہو،

اور اس میں اہل تصوف کے اس عمل کی دلیل ہے کہ وہ اللہ کے سوا سب کو چھوڑ کر اللہ ہی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں کیونکہ اسی سے حسنِ حال نصیب ہوتا ہے اس وقت بھی اور آئندہ بھی (دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)

۶۲۔ جب کسی حق واجب سے انسان عاجز ہو تو اسکو اپنے عجز کا سبب بتلانا چاہئے

وفد کا یہ قول کہ ہمارے اور آپکے درمیان یہ قبیلہ یعنی کفار قریش حائل ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ انسان جب کسی حق واجب یا مستحب کے ادا کرنے سے عاجز ہو تو اسکی وجہ بتلانا چاہیئے چنانچہ ان لوگوں نے اپنا عذر ظاہر کر دیا جسکی وجہ سے وہ حضور کے پاس (جلد جلد) نہیں آسکتے تھے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ لوگ مومن تھے کیونکہ انہوں نے قریش کو کافر کہا، اگر یہ خود مومن نہ ہوتے تو ان کو کافر نہ کہتے (قولہ الوجہ السابع عشر الی قولہ لما سموا ہم کفاراً)

۶۳۔ توفیق کا مدار محض تقدیر پر ہے

اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ توفیق کا مدار محض تقدیر پر ہے جسمیں قربِ نسب اور قربِ مکان و قربِ زمان کو دخل نہیں، چنانچہ قبیلہ مضر (خاندان قریش حضور سے) زیادہ قریب تھے وہ تو (مدت تک ایمان سے) محروم رہے اور ربیعہ دور تھے وہ (جلدی) کامیاب ہو گئے اسی لئے جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر کامیابی صورت شکل سے ہوا کرتی تو بلال حبشی سعادت سے بہرہ ور اور ابولہب قریشی محروم نہ ہوتا (قولہ الوجہ التاسع عشر فیہ دلیل علی ان القدرۃ تخصیص بالقدرۃ الی قولہ وحرم ابولھب القرشی")

ف:- یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو اسی بات پر قناعت کئے ہوئے ہیں کہ ہم بزرگوں کی اولاد میں ہیں اور اُنکے طریقہ پر نہیں چلتے اُن کو سمجھ لینا چاہیئے کہ کامیابی کا مدار نسب اور خاندان پر نہیں ہے بلکہ ایمان و اعمال صالحہ پر ہے جسکو یہ دولت عطا ہو جائے وہی کامیاب ہے اور اسمیں شک نہیں کہ اہل نسب کو یہ دولت عطا ہو جائے تو وہ دوسروں سے زیادہ کامیاب ہوتے ہیں چنانچہ قریش میں سے جن حضرات کو یہ دولت عطا ہوئی اُن کا درجہ دوسروں سے بڑھ گیا حضرات خلفاء راشدین و عشرہ مبشرہ قریش ہی میں سے تھے۔

۶۴۔ عمل بھی دخول جنت کا سبب ہے

حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ دخول جنت کا سبب اعمال ہی ہیں اور اسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا معارض نہ سمجھا جائے لن یدخل احد بعملہ الجنۃ قالو اولا انت یارسول اللہ قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ بفضلہ ورحمتہ کہ جنت میں اپنے عمل سے کوئی داخل نہ ہوگا، لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! اور آپ بھی نہیں؟ فرمایا میں بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل و رحمت میں لے لے" دونوں حدیثوں میں کوئی منافات اور تعارض نہیں، وجہ تطبیق یہ ہے کہ جس حدیث کی ہم شرح کر رہے ہیں اسکے مخاطب عوام ہیں کیونکہ حکمت کا مقتضیٰ یہی ہے (کہ ہر چیز کیلئے ظاہر میں کوئی سبب ہو) اور اللہ تعالیٰ کی

عادت مستمرہ یہ ہے کہ عوام کو مقتضائے حکمت ہی کے موافق خطاب فرماتے ہیں چنانچہ قرآن اس سے بھرا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون کہ جنت میں داخل ہو جاؤ اُن اعمال کے سبب جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے، کسی جگہ بما عملتم ہے اور کہیں بما کنتم تصنعون، بما کسبتم، بما اسلفتم، بما کنتم تفعلون وغیرہ بہت سی آیات ہیں جن میں عمل کو دخولِ جنت کا سبب بتلایا گیا ہے) اور دوسری حدیث کے مخاطب خواص ہیں جو توحید میں منہمک اور قدرتِ حق کی حقیقت سے باخبر ہیں، اگر یہ حدیث ان لوگوں کے سامنے بیان کیجائے جو قدرت کی حقیقت سے بے خبر ہیں تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ وہ مقتضائے حکمت کو چھوڑ بیٹھیں گے اور مقتضائے حکمت پر عمل چھوڑ دینا بالاجماع کفر ہے اگرچہ قدرت پر بھروسہ ہی ہو اور مقتضائے حکمت پر عمل کرنا عین ایمان ہے اگرچہ قدرتِ حق سے ناواقف ہو۔ یہ شخص حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق ہوگا لھم قدم صدق عند ربھم کہ اُن کے واسطے انکے رب کے پاس مقامِ صدق ہے اور درجۂ نہایت و کمال یہ ہے کہ دونوں کو جمع کیا جائے یعنی عمل کو درست کر کے مقتضائے حکمت پر عمل کیا جائے اور عظمت قدرت کو پیش نظر رکھ کر معاملہ قدرت کے حوالہ کیا جائے، اسی لئے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ عمل تو اس شخص جیسا کرو جو عمل ہی پر رہائی کا مدار سمجھتا ہے اور توکل اس جیسا کرو جو توکل ہی کو رہائی کا ذریعہ سمجھتا ہے اور اس طریقہ پر عمل کرنے ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یعقوب علیہ السلام کی تعریف کی ہے چنانچہ ارشاد ہے وانہ لذو علم لما علمناہ اور واقعی وہ ہماری تعلیم کی وجہ سے بڑے علم والے تھے، کیونکہ انہوں نے حقیقت اور شریعت دونوں کو جمع کر دیا تھا جس کا بیان اپنے موقعہ پر اسی کتاب میں انشاء اللہ آئے گا (قولہ الوسید الثالث والعشرون قولھم وندخل بہ الجنۃ الیٰ قولہ وابینہ فی موضعہ من داخل الکتاب انشاء اللہ تعالیٰ)

ف ان دو حدیثوں میں جو شارح نے تطبیق دی ہے اس کا حاصل یہ ہے

کہ عمل کو دخول جنت میں ویسا ہی دخل ہے جیسا اسباب کو مسببات میں دخل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ سبب مسبب کے لئے علت تامہ نہیں ہوتا بلکہ علت تامہ حق تعالیٰ کا ارادہ اور مشیت ہے، مگر عادۃ اللہ یہ ہے کہ بندہ جب اسباب کو اختیار کرتا ہے اسی وقت مسبب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ارادہ متعلق ہوتا ہے کیونکہ دنیا دارالامتحان ہے یہاں بعض حکمتوں کی وجہ سے بلا واسطہ اسباب کے ارادۂ حق کا تعلق نہیں ہوتا وہاں کبھی بطور خرق عادت کے ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ مسبب بدون سبب کے پیدا ہو جائے جس سے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سبب خود مؤثر نہیں بلکہ ارادۂ حق مؤثر ہے مگر خرق عادت کا ظہور شاذ و نادر ہے، عام قاعدہ یہی ہے کہ سبب کے بعد مسبب کے ساتھ ارادۂ حق کا تعلق ہوتا ہے، مثلاً زراعت سے غلہ پیدا ہونا نکاح سے اولاد کا ہونا، تجارت سے سرمایہ کو ترقی ہونا دوا دارو سے مرض کو شفا ہونا، کھانے پینے سے بھوک پیاس کا زائل ہونا وغیرہ وغیرہ یہ اسباب و مسببات کا ایک سلسلہ ہے جو عموماً اسیطرح چل رہا ہے کہ اسباب کے بعد مسببات کا ظہور ہوتا ہے مگر تجربہ اور عقل شاہد ہے کہ یہ اسباب خود مؤثر نہیں ہیں بلکہ مؤثر حقیقی مشیت خداوندی ہے کیونکہ اسباب خود مؤثر ہوتے تو مسببات کا کبھی اُن سے تخلف نہ ہوتا حالانکہ بعض دفعہ تخلف بھی ہو جاتا ہے، لیکن اس پر بھی ان اسباب کو بیکار کوئی نہیں سمجھتا کیونکہ تخلف شاذ و نادر ہے اسی طرح سمجھو کہ دخول جنت کیلئے علت تامہ تو حق تعالیٰ کا ارادہ ہے مگر سبب ظاہری بندہ کا عمل ہے اور جیسا دنیا میں کبھی مسبب بدون سبب کے ہو جاتا اور سبب سے مسبب کا تخلف ہو جاتا ہے اسیطرح ممکن ہے کہ کوئی بدون عمل کے جنت میں پہنچ جائیگا اور کوئی عمل کے بعد بھی نہ پہنچے کیونکہ علت مؤثرہ خود عمل نہیں بلکہ فضل ہے مگر اس حقیقت پر نظر کر کے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عمل کی ضرورت نہیں یا وہ بیکار ہے کیونکہ عام قاعدہ اور عادت مستمرہ یہی ہے کہ بندہ عمل کے بعد ہی جنت میں جاتا ہے جیسا کہ اسباب و مسببات کے سلسلہ میں عادۃ اللہ اسیطرح ہے پس جس شخص نے حقیقت کیساتھ اس حکمت کو بھی سمجھ لیا ہے جسکی وجہ سے مسببات کو اسباب کے ساتھ متعلق کیا گیا ہے، وہ نہ عمل کو بیکار سمجھتا ہے نہ اپنے عمل پر ناز کرتا ہے یہ تو کلام شارح کی توجیہ

اور توضیح مخفی، مگر سہل بات یہ ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے دخول جنت کا سبب وہ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہو اور اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق کوئی بھی عمل نہیں کر سکتا اس لئے جنت میں اپنے عمل سے کوئی نہیں جا سکتا اور فضل و کرم کا قانون یہ ہے کہ بندہ اپنی شان کے لائق عمل کرے تو جنت میں پہنچ جائیگا اسلئے ہر شخص محض فضل خداوندی سے جنت میں جائے گا خوب سمجھ لو ۱۲

۶۵ ہر شخص کو وہی بات بتلائی جائے جو اس وقت اس پر واجب ہے،

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر شخص کو وہی بات بتلائی جائے جو اس وقت اس پر واجب ہے، اس کے سوا کسی اور کا بتلانا ضروری نہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو وہی باتیں بتلائیں جو اس وقت اُن پر واجب تھیں اُن کے علاوہ کچھ نہیں بیان فرمایا (چونکہ یہ لوگ اہل جہاد تھے اس لئے غنیمت کا خمس یعنی پانچواں حصہ بیت المال کو ادا کرنے کی تاکید فرمائی اور حج اُن کے ذمہ نہ تھا کیونکہ کفار و قریش درمیان میں حائل تھے اس لئے حج کا ذکر نہیں فرمایا) اگرچہ بعد میں وہ اُن کے ذمہ لازم ہوگا، اسی لئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ حدیث طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (علم کا طلب کرنا ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہے) کا مطلب یہ ہے کہ جو کام اس وقت اس کے ذمہ ضروری ہے اس کا علم حاصل کرنا فرض ہے (قولہ الوجہ السادس والثلاثون فی ھذا دلیل علی ان یخبر کل انسان بما ھو واجب علیہ الی قولہ تعلم ما ھو واجب علیہ فی وقتہ)

ف: یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو علم ہی کو مقصود سمجھتے ہیں عمل کا اہتمام نہیں کرتے حالانکہ اصل مقصود عمل ہے اور اسی واسطے علم فرض ہے کہ عمل کا وسیلہ ہے کہ عمل بدون علم کے نہیں ہو سکتا۔

۶۶ - فرائض کا اہتمام سب سے پہلے کرنا چاہیئے اور فرائض میں اہم کو مقدم کیا جائے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اول فرائض کا اہتمام کرنا چاہیئے اور فرائض میں سے بھی اول اُن کا جو زیادہ ضروری اور مؤکد ہیں پھر اُن کا جو اُن کے بعد ہیں کیونکہ فرائض بہت ہیں جیسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان فرائض کو جو اس حدیث میں مذکور ہیں دوسرے فرائض پر فضیلت دی ہے اور جس کو دوسروں پر فضیلت دی جائے اس کا اہتمام زیادہ ضروری ہے اگرچہ فی نفسہ سب کا اہتمام ہی واجب ہے، حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فروع کا درجہ اصول کے بعد کا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ایمان کو بیان فرمایا حالانکہ مخاطب پہلے سے مؤمن تھے اس کے بعد اعمال کو بیان فرمایا ہے جس سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ بدون ایمان کے اعمال معتبر نہیں ہوتے۔

قولہ الوجہ التاسع والثلاثون فی ھذا دلیل علی انہ یبدأ اولا با لفرائض الی قولہ مع ان المحافظۃ علی الکل واجبۃ)

ف - یہ ایک بڑا باب ہے تصوف کا جو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سب سے پہلے اہم واقدم کا اہتمام کیا جائے اور فرائض کو واجبات پر اصول کو فروع پر واجبات کو مستحبات و نوافل پر مقدم کرنا چاہیئے آج کل بہت لوگ اس سے غافل ہیں۔

۶۷ - علم دیگر اعمال سے افضل ہے

حدیث سے علم کی فضیلت بھی دوسرے اعمال پر ثابت ہوئی کیونکہ اس قسم کے احکام واصول علم ہی کے ذریعہ معلوم ہو سکتے ہیں ان کے نہ جاننے ہی سے عمل میں خلل واقع ہوتا ہے اور جب عمل میں خلل ہو یا اس کو چھوڑ دیا جائے تو دخول جنت سے محرومی ہوگی اور بلاکت کا سامنا ہوگا، اللہ ہم کو اس سے بچائے، نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث کا علم تمام علوم سے افضل ہے کیونکہ اس قسم کی باتیں کتاب و سنت ہی سے معلوم ہوتی ہیں۔ اور وہی علم قطعی ہے اسی کے ذریعہ خلاصی ہوتی ہے۔

ف۔ افسوس ہے کہ آجکل اہل تصوف نے بھی علم کتاب سنت کیساتھ بے اعتنائی کر رکھی ہے تم دیکھوگے کہ بہت لوگ تصوف کے مدعی ہیں مگر قرآن و سنت سے جاہل ہیں فالی اللہ المشتکی

۶۸۔ حفاظت علم ضروری ہے اسکی وصیت کرنا چاہیئے

حضور کا یہ ارشاد کہ ان باتوں کو یاد کرلو اور دوسروں کو بھی ان سے خبردار کردو، اس بات کی دلیل ہے کہ علم کا یاد کرنا ضروری ہے اور اسکی وصیت کرنا چاہیئے نیز اسمیں علم کے پھیلانے اور بیان کرنے کی بھی ترغیب ہے، اور اس بات کی بھی دلیل ہے کہ علم میں نیابت جائز ہے (یعنی احکام شرعیہ پہنچانے کیلئے عالم کسی کو اپنا نائب بنا سکتا ہے۔ قولہ الوجہ التاسع والاربعون قولہ علیہ السلام احفظوھن الی قولہ جواز النیابۃ فی العلم)

ف۔ اس سے بعض حضرات صوفیہ کے اس عمل کی اصل معلوم ہوئی جو اپنے ملفوظات و مواعظ کے ضبط کا اہتمام فرماتے ہیں کیونکہ اُن کے اقوال کتاب سنت کے موافق اور اسی کی تشریح کرنیوالے ہوتے ہیں۔

باب ہشتم
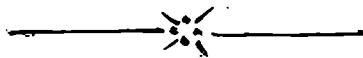
حدیث

احتساب النفقة على الاهل

(عبداللہ) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مرد اپنے گھر والوں کو ثواب کی نیت سے نان و نفقہ دے تو وہ اس کے لئے صدقہ اور موجب ثواب ہوگا۔

شرح حدیث کا مدلول ظاہری تو یہ ہے کہ ثواب سمجھ کر خرچ کرنا صدقہ ہے اب ہم دوسرے فوائد پر کلام کرتے ہیں (جو بطور اشارہ کے مفہوم ہوتے ہیں)

۶۹۔ عمل کا درجہ حسن نیت سے بلند ہو جاتا ہے،

حدیث سے معلوم ہوا کہ ثواب کی نیت کر کے عمل کرنے سے عمل کا درجہ بڑھ جاتا ہے اور ثواب زیادہ ہوتا ہے) اسمیں صوفیہ کے اس طریقہ کی دلیل ہے کہ وہ اچھی نیت کر کے اپنے افعال کا درجہ بڑھانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، خواہ فرض و واجب ہو یا مستحب چنانچہ فرض و واجب میں تو ایمان واحتساب کو شامل کر لیتے ہیں (یعنی عمل سے پہلے دل میں یہ بات حاضر کر لیتے ہیں کہ ہمیں اس کام کے فرض و واجب ہونے کا یقین اور اس پر ایمان ہے پھر ثواب کی نیت کو بھی اس میں

شامل کر لیتے ہیں) اور مستحب میں اس سے بھی زیادہ اہتمام کرتے ہیں کہ پہلے اس کی نذر کر لیتے ہیں تاکہ مستحب کے درجہ سے بڑھ کر ان کے ذمہ واجب ہو جائے اور وجوب کے بعد اس میں ایمان اور نیت ثواب کو شامل کر لیتے ہیں اور مباح کو اس نیت سے اختیار کرتے ہیں کہ اس سے طاعات میں مدد ملے گی (مثلاً بیوی بچوں اور دوستوں سے ہنسی مذاق کر کے طبیعت کو نشاط ہو گا افسردگی دور ہو گی تو عبادات اور طاعات کیلئے دل تازہ ہو جائے گا) تو وہ مباح مستحب بن جاتا ہے اسکے بعد اسمیں بھی ایمان اور نیت ثواب کو شامل کر لیتے ہیں، اس طرح اُن کے اعمال کا درجہ بلند ہو جاتا اور ہمتیں بڑھ جاتی ہیں اور اسی حقیقت کی وجہ سے اُن کا قدم دوسروں سے آگے رہتا ہے اگرچہ ظاہر میں اُن کے اور دوسروں کے اعمال یکساں اور برابر ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم

"اللہ تعالیٰ تمہاری اور تمہارے اعمال کی صورتوں پر نظر نہیں فرماتے بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتے ہیں"

(قولہ الوجہ الخامس فی ھذا دلیل لاھل الصفۃ الی قولہ ولکن ینظر الی قلوبکم)

ف مستحب کی نذر کرنا اور اسکو اپنے ذمہ لازم کر لینا اگرچہ جائز ہے مگر خلاف سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ سے اس کا ثبوت نہیں، اسی لئے فقہاء حنفیہ اسکو پسند نہیں کرتے، شارح مالکی ہیں ممکن ہے اُن کے مذہب میں کراہت نہ ہو، مگر ہی بہتری اُسی میں ہے جو سنت کے موافق ہو اسلئے مستحب میں صرف ایمان اور نیت ثواب کا شامل کر لینا کافی ہے، نذر کی ضرورت نہیں"

ف۔ بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ عارف کی ایک رکعت غیر عارف کی ایک لاکھ رکعت سے افضل ہے، اس تقریر سے اُن کے ارشاد کی تائید ہو گئی، نیز یہ حدیث

بھی اسکی تائید کرتی ہے جسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے صحابی کا ایک مد خیرات کرنا (جسکی مقدار تین پاؤ کے قریب ہوتی ہے) دوسروں کے احد پہاڑ کی برابر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے۔ اس فضیلت کا منشاء حسن نیت اور خلوص و معرفت ہی تو ہے جس سے معلوم ہوا کہ اخلاص اور معرفت سے عمل کا درجہ بڑھ جاتا ہے خوب سمجھ لو۔"

۷۰۔ عمل میں حسن نیت کا اہتمام نفس پر گراں ہے، اس لئے ثواب زیادہ ہوتا ہے

صدقہ سے مراد یہاں ثواب ہے کیونکہ خود صدقہ دینے میں تو کچھ فائدہ نہیں بلکہ فائدہ ثواب میں ہے جو صدقہ پر مرتب ہوتا ہے اور یہ ثواب جس کا یہاں ذکر ہے تنہا اس عمل کا ثواب نہیں بلکہ نفقہ کے ثواب سے زیادہ یہ دوسرا ثواب ہے، کیونکہ (بیوی بچوں کا) نفقہ تو (شرعاً) اسکے ذمہ واجب ہے اور جو شخص واجب کو ادا کرتا ہے اسے امتثالِ امر (یعنی بجا آوری کا حکم) کی وجہ سے ضرور ثواب ملتا ہے پھر ایمان اور احتساب کے شامل کر لینے سے اس کو دوسرا ثواب زیادہ ملا شاید اس پر کسی کو یہ اشکال ہو کہ ایمان و احتساب کے شامل کر لینے سے یہ ثواب کیوں ملا حالانکہ اس میں نہ کچھ تعب ہے، نہ مشقت نہ اسمیں ہاتھ پیر چلتے ہیں نہ کچھ کرنا پڑتا ہے؟ سو جواب یہ ہے کہ اگر اسکو خلاف قیاس کہا جائے جب تو گفتگو کی ضرورت ہی نہیں" اور اگر قیاس کے موافق کہا جائے تو وجہ یہ ہے کہ قلب بھی ایک مستقل عضو ہے اور اسمیں نیت کا ان طریقوں سے جو اوپر مذکور ہوئے) حاضر کرنا نفس پر گراں ہوتا ہے اور نفس پر جتنی گرانیع ہوتی ہے اسی قدر ثواب بڑھتا ہے جس کی دلیل حق تعالیٰ

ع گرانی سے مراد وہ گرانی ہے جو بضرورت ہو، بلا ضرورت نفس پر گرانی ڈالنے سے ثواب نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک مسجد میں جانے کے دو راستے ہیں ایک قریب دوسرا بعید تو خواہ مخواہ دور کا راستہ اختیار کرنا موجب ثواب نہ ہوگا ۱۲ ظ

کا یہ ارشاد ہے

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا

کہ جو لوگ ہمارے راستہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم اُن کو اپنے راستوں کی ضرور ہدایت کر دیتے ہیں "

اور نفس پر تعب و مشقت کی جتنی انواع ہیں اُن میں سے ہر نوع مجاہدہ ہے جیسا پہلے ایک حدیث میں گذر چکا ہے۔

دوسرے یہ کہ عمل کیوقت ایمان اور نیت ثواب کا حاضر کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

خیر الاعمال ما تقدمته النیة اعمال میں بہتر وہ عمل ہے جس سے پہلے نیت ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیت کرنے کو عمل کیلئے بہتر فرمایا ہے اور جب یہ بہتر ہے تو بدون نیت کے بھی عمل درست اور صحیح ہے، زیادہ تر علماء کا یہی مذہب ہے۔ مگر یہ تمام اعمال کیلئے عام قاعدہ نہیں بلکہ بعض اعمال بدون نیت کے صحیح ہیں اور بعض نہیں جیسا قواعد شرعیہ کا مقتضا ہے کیونکہ اعمال مختلف قسم کے ہیں بعض واجب ہیں بعض مستحب پھر مستحب میں بعض وہ ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہی کئے جا سکتے ہیں بعض وہ ہیں جو کبھی اللہ کے واسطے کئے جاتے ہیں کبھی غیر اللہ کے واسطے پس واجب میں تو نیت کا حاضر کرنا ضروری ہے کیونکہ واجبات کے حدود وصفات اور نام وغیرہ مقرر ہیں تو نیت کے ساتھ اُن کی تعیین لازم ہے ورنہ عمل باطل ہوگا، مثال کے طور پر فرض نمازوں کو لے لو کہ اُن کے نام اور صفات وحدود وغیرہ مقرر ہیں پس عمل کیوقت نماز کو متعین کرنا ضروری ہے تاکہ دوسری نمازوں سے امتیاز ہو جائے اسی وجہ سے تحریمہ کے وقت نیت نماز ضروری ہے اور امام شافعیؒ کے مذہب میں نماز کی نیت پانچ شرطوں سے ہوتی ہے۔

۱۔ نماز کی تعیین

۲۔ اس کے فرض و واجب سمجھنے کا اعتقاد
۳۔ نماز ادا کرنے کیلئے عمل کا ارادہ کرنا
۴۔ اس وقت ایمان کو پیش نظر رکھنا
۵۔ تحریمہ کے ساتھ متصل ہونا

باقی امام مالک رحمہ اللہ سے اس کے متعلق کچھ منقول نہیں، اسی لئے اُن کے اصحاب اس مسئلہ میں بہت اختلاف رکھتے ہیں بعض تو امام شافعیؒ کیطرح (ان سب باتوں کو نیت میں) شرط کرتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ اگر تحریمہ سے کچھ پہلے ان اوصاف کے ساتھ نیت ہوجائے تو کافی ہے، اور بعض کا قول ہے کہ بس اس خاص نماز کا ارادہ کرنا کافی ہے اس سے زیادہ اوصاف کی رعایت کرنا موجب کمال ہے (لازم و ضروری اور صحت کا موقوف علیہ نہیں) اور اس مسئلہ میں امام مالک کا ظاہر مذہب یہی ہے کیونکہ اگر یہ (شروط جو امام شافعی نے نیت کیلئے بیان کی ہے) واجب ہوتی اور وہ اس کو بیان نہ کرتے تو اُن کا امام ہونا درست نہ ہوتا حالانکہ اُن کی امامت پر اجماع ہوچکا ہے اسیطرح رکعات (نماز) اور وقت کی تعیین میں بھی اختلاف ہے (کہ نیت کے وقت اسکی بھی ضرورت ہے، یا نہیں حنفیہ کا مذہب اس باب میں یہ ہے کہ نیت فرض کیساتھ وقت کی تعیین تو ضروری ہے رکعات کی تعیین ضروری نہیں، اس سے زیادہ جو اوصاف مذکور ہوئے ہیں اُن کی رعایت بہتر ہے لازم نہیں ہاں نیت کا تحریمہ سے متصل ہونا ضروری ہے) اور یہ سب باتیں کتب فقہ میں مذکور ہیں، اسی طرح کفارۂ قسم و کفارۂ ظہار۔ اور صدقہ واجبہ وغیرہ تمام واجبات میں اگر اس واجب کی نیت نہ کی جائیگی تو کچھ نفع نہ ہوگا دوبارہ ادا کرنا لازم ہوگا۔

اور جو مستحب کہ صرف اللہ ہی کیواسطے کیا جاتا ہے اس کا بدون نیت کے ادا کرنا بھی کافی ہے جیسے کوئی دو رکعت نفل پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو اس کو ان دو رکعتوں کا ثواب مل جائے گا اگرچہ نیت (دل میں) حاضر نہ ہو مگر حنفیہ کے نزدیک کم از کم اتنی نیت ضروری ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوں گو نفل کی نیت حاضر نہ ہو ہاں پہلے سے نیت کر لینا افضل ہے اور جو مستحب کبھی اللہ کے واسطے کیا جاتا ہے کبھی غیر اللہ کے واسطے اس میں نیت

کا پہلے سے حاضر کرنا ضروری ہے تاکہ عمل اللہ کیواسطے خالص ہو جائے جیسے جمعہ کا غسل اُن لوگوں کے قول پر جو اس کو سنت کہتے ہیں کیونکہ غسل کبھی ثواب کے واسطے کیا جاتا ہے کبھی ٹھنڈک اور صفائی حاصل کرنے کے واسطے، تو نیت کرنا ضروری ہے تاکہ فعل مباح اور فعل عبادت میں فرق ہو جائے (اگر بدون نیت کے غسل کیا جائیگا تو غسل جمعہ کا ثواب حاصل نہ ہوگا۔ قولہ علیہ السلام فهو له صدقة الصدقة ههنا بمعنى الاجر الخ قوله فى الوجه الثامن نيفرق بين المباح والتعبد)

ف نیت کا اہتمام صوفیہ کو جس قدر ہے کسی کو غالباً نہ ہوگا وہ مباحات کو بھی حسن نیت سے مستحب بنا لیتے ہیں اور اس طرح مباحات میں بھی ثواب حاصل کرتے رہتے ہیں، نماز کی نیت میں امام شافعیؒ نے جن اوصاف کو شرط قرار دیا ہے۔ ان کی رعایت حنفیہ کو بھی کر لینا چاہیئے تاکہ نماز بدرجۂ کمال ادا ہو کیونکہ گو ان سب کی رعایت مذہب حنفی میں لازم نہیں مگر مستحب ہونے میں بھی شبہ نہیں اسی واسطے میں نے اس قول کا پورا ترجمہ کر دیا ہے حالانکہ اس سے کسی خاص مسئلہ تصوف کی تائید واضح نہیں

۱، عمل ظاہر سے عمل باطن کے افضل ہونے کا راز

ممکن ہے یہاں کسی کو یہ سوال پیدا ہو کہ اعمال باطن میں اتنا بڑا ثواب کیوں رکھا گیا جو اعمال ظاہر کے ثواب سے زیادہ ہے

پھر اعمال ظاہر کے صحیح ہونے کا ذریعہ بھی عمل باطن ہی کو مقرر کیا گیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اگر یہ امر تعبدی (یعنی خلاف قیاس) ہے تو گفتگو کا موقع ہی نہیں اور اگر قیاسی عقلی ہے تو بیشک (وجہ) بتلانے کی ضرورت ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم کہ ایک حکمت کلی کی وجہ سے ایسا کیا گیا وہ حکمت یہ ہے کہ تمام نعمتوں اور جملہ عبادتوں میں سب سے بڑا درجہ ایمان کا ہے اور ایمان کا محل قلب ہے تو جو عمل اس محل سے صادر ہوگا جو ایمان کا ظرف ہے وہ دوسرے اعمال سے برتر و اعلیٰ ہوگا، اس بیان کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست

ہو جاتا ہے تمام بدن درست ہو جاتا ہے جب وہ بگڑتا ہے تمام جسم بگڑ جاتا ہے، سنو وہ دل ہے، پس دل کی درستی دوسرے اعضاء کی درستی سے زیادہ اہم ہے اور اس کی خرابی دوسروں کی خرابی سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ تمام اعضا دل ہی کے تابع ہیں"۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اُن لوگوں میں سے کریں جنہوں نے اللہ کے فضل سے اپنا ظاہر بھی درست کر لیا ہے اور باطن بھی (آمین) قولہ الوجہ التاسع لقائل ان یقول لم جعل فی اعمال الباطن هذا الثواب الی قولہ ممن اصلح منہ الظاهر والباطن منہ)

ف صوفیہ کو اصلاح قلب کا جسقدر اہتمام ہے ظاہر ہے بلکہ تصوف کا جزو اعظم ہی اصلاح قلب ہے مگر یہ جان لینا چاہیئے کہ اصلاح باطن بدون اصلاح ظاہر کے نہیں ہوسکتی جیسا اصلاح ظاہر بدون اصلاح باطن نہیں ہوسکتی تو جو لوگ بدون اصلاح ظاہر کے اصلاح قلب کے مدعی ہیں وہ یقیناً جھوٹے ہیں، اعمال شرعیہ کو چھوڑ کر نہ قلب کی اصلاح ہوسکتی ہے نہ تصوف حاصل ہوسکتا ہے، تصوف یہ ہے کہ اعمال شرعیہ کی پابندی اس طرح کی جائے کہ ہر کام خلوص دل سے اور پوری توجہ سے ادا ہو محض رسم یا عادت یا دنیوی غرض سے نہ ہو عمل کے وقت اور عمل کے بعد دل میں تواضع پیدا ہو تکبر یا عجب یا ریا پیدا نہ ہو خوب سمجھ لو ۱۲

بلب نہم

مَن یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیرًا یُفَقِّھْہُ فِی الدِّین

بخاری رضی اللہ عنہ نے (تعلیقاً) روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی چاہتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں اور علم تو طلب کے (اور سیکھنے سے) ہی حاصل ہوتا ہے۔

شرح حدیث کا ظاہری مدلول تو یہ ہے کہ خیر کا حاصل ہونا فقہ پر موقوف ہے، اور یہ کہ علم سیکھنے ہی سے حاصل ہوتا ہے اور اس کے فوائد پر گفتگو چند وجوہ سے ہے۔

۷۲۔ فقہ کی حقیقت اور اسکی فضیلت

فقہ کے معنی لغۃً سمجھنا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے فقہ

عہ تعلیق یہ ہے کہ کسی حدیث کو بلا سند بیان کیا جائے، امام بخاری نے تراجم ابواب میں بعض احادیث بلا سند بیان فرمائی ہیں ان کو تعلیقات بخاری کہا جاتا ہے ان میں جن احادیث کو صیغہ جزم کیسا تھ روایت کیا گیا ہے وہ تو صحیح ہیں اور جن کو صیغہ جزم سے نہیں بیان کیا گیا ان میں بعض صحیح ہیں بعض حسن اور کوئی ضعیف بھی ہے ۱۲ ظ

فلاںؒ یعنی وہ سمجھ گیا ہے، نیز حق تعالیٰ فرماتے ہیں

فمال هؤلاء القوم لا یکادون یفقهون حدیثا

ان لوگوں کو کیا ہوا کہ ایک بات بھی نہیں سمجھ سکتے

اور یہاں فہم میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ فہم فی احکام اللہ مراد ہو (یعنی احکام الٰہی کو سمجھنا) دوسرے یہ کہ فہم عن اللہ مراد ہو (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فہم حاصل ہونا) اگر معنی اول مراد ہیں تو حدیث کے اگلے جملہ میں اس اجمال کی تفسیر ہوگی کیونکہ اس میں بتلایا گیا ہے کہ علم سیکھنے ہی سے حاصل ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کلام میں مطلق و مقید جمع ہوں تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جاتا ہے اور یہ فہم (یعنی احکام الٰہی کی فہم) سیکھنے ہی سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کے اگلے جملہ میں بیان فرمایا ہے۔ پس طالب کو چاہیئے کہ اول کتابوں کا صحیح مطالعہ اور حفظ و ضبط اختیار کرے، جب ایسا کریگا تو خود اسی عمل پر اس کو ثواب ملے گا بشرطیکہ عمل خالص اللہ کے واسطے ہو کسی اور کو اس میں شریک نہ کیا جائے اور اس صورت میں اس کا ثواب وہ ہوگا جو معتبر ناقل کا ثواب ہوتا ہے اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

رب حامل فقه الی من هو افقه منه

کہ بعض فقہ کے یاد کرنیوالے اپنے سے زیادہ سمجھدار کو فقہ پہنچاتے ہیں، اسی طرح حج وداع میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

الا فلیبلغ الشاهد الغائب فلعل بعض من یبلغه ان یکون اوعی له من بعض من سمعه

سنو! جو یہاں حاضر ہے اسکو چاہیئے کہ غائب کو پہنچادے کیونکہ ممکن ہے جن لوگوں کو یہ علم پہنچایا جائیگا وہ بعض سننے والوں سے زیادہ اسکی نگہداشت کرنے والے ہوں۔"

یعنی وہ اس پر زیادہ عمل کرنیوالے ہوں پھر ان چیزوں کی تحصیل کے بعد

جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا اور ان پر عمل کرنے کے بعد اس کو حقیقی فقہ حاصل ہوگا اور وہ ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیتے ہیں۔ جس کے ساتھ یا اس کے ذریعہ اللہ کی قدرت سے دین کی فہم حاصل ہوتی ہے، اسی لئے امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ کثرت روایت کا نام علم نہیں بلکہ علم ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ دلوں میں ڈال دیتے ہیں کیونکہ قلت فہم کیساتھ روایات حفظ کر لینے والوں میں عمل بہت کم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مذمت کی ہے چنانچہ ارشاد ہے کمثل الحمار یحمل اسفارا (کہ ان کی مثال ایسی ہے جیسے گدھے پر کتابیں لدی ہوں) اور اسی شرط کے فوت کرنے کی وجہ سے جو اس فقہ حقیقی کے حصول کا سبب ہے بہت لوگوں کی جو اپنے زعم میں چند کتابیں یاد کر لینے یا شروح کا مطالعہ کرنے سے علم کے مدعی بن گئے ہیں یہ حالت ہے کہ جب وہ کوئی ایسا مطلب سنتے ہیں جو اپنی یاد کی ہوئی یا مطالعہ کی ہوئی کتابوں میں منقول نہ دیکھا ہو تو اس کا بالکل ہی انکار کر دیتے ہیں اور دلیل میں یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو کسی کو اس کا قائل نہیں سنا اور اگر کسی کتاب میں ایسا مسئلہ دیکھ پاتے جس کے یہ خود قائل ہیں تو اگرچہ نقل میں غلطی ہو گئی ہو یا مصنف کو اشتباہ ہو گیا ہو اس کو فوراً قبول اور تسلیم کر لیتے اور کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ تو منقول ہے فلاں کتاب میں لکھا ہوا اور فلاں مصنف کا بیان کیا ہوا) ہے یہ سب کچھ محض اس وجہ سے ہے کہ ان کو خود وہ نور حاصل نہیں جس سے قرآن و حدیث کو سمجھتے (بس دوسروں ہی کے سہارے چلتے ہیں) کیونکہ انہوں نے وہ فضا حاصل نہیں کی جس پر نور چمکتا ہے اور گو بعضوں نے ظاہر میں یہ فضا حاصل کی ہے یعنی علم منقول جس کا اوپر ذکر ہوا مگر پھر بھی نور سے اسلئے محروم ہیں کہ یا تو ان کا عمل غیر اللہ کیلئے تھا اور اس صورت میں نور ان کیلئے حرام ہے (یعنی دشوار ہے) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اعمال میں سے کوئی عمل متاع دنیا حاصل کرنے کیلئے اختیار کریگا وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا، حالانکہ جنت کی خوشبو پانچ سو برس کی مسافت سے سونگھی جاتی ہے، یا ان کو اپنی نقل اور روایت ہی

سے عجب ہونے لگا کہ وہ اسی کو علم کی غایت سمجھ گئے اور اپنے کو علماء میں شمار کرنے لگے اور اس دعوے کی وجہ سے نور سے محروم رہ گئے، اگر اس مسکین (مدعی) کو اپنے نفس کی معرفت حاصل ہوتی (اور اپنا درجہ پہچان لیتا کہ وہ صرف ناقل کے خطاب کا مستحق ہے۔ بشرطیکہ اس کی صحیح نقل بھی ہوتی ہو تو اپنے نقصِ حال اور کمزوری کا اعتراف کر لیتا اور اس اعتراف پر یہ امید کی جا سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے کچھ نور سے اپنے فضل سے عطا فرما دیتے اور جس کو نور سے کچھ حصہ مل جائے اس کے لئے توفیق مزید اور ترقی کی بھی امید ہے یہاں تک کہ اُن اہلِ خیر کے ساتھ ملحق ہو جائے جن کا اوپر ذکر ہوا، غرض آجکل کے مدعیانِ علم کی حالت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ اُن کے پاس ہے سب کا سب منقول ہی ہے اصول بھی کتابوں ہی میں ہیں اور شروح بھی کتابیں ہی ہیں جو ان پر لدی ہوئی ہیں اور یہی تو وہ چیز ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مذمت فرمائی جس کے ساتھ توفیق شاذ ونادر ہی شامل ہوتی ہے، ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں اس اندھے پن اور گمراہی سے اور اگر فقہ سے مراد دوسری صورت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فہم کا حاصل ہونا تو یہ حدیث اپنے مفہوم میں مستقل ہوگی اور دوسری حدیث جو بعد میں آتی ہے مستقل ہوگی کیونکہ اس سے فہم عن اللہ مراد ہے اور دوسری سے احکام الٰہی کی فہم مراد ہے اور دو حدیثوں کا الگ الگ دو معنوں پر محمول ہونا ایک معنی پر محمول ہونے سے زیادہ مفید اور زیادہ ظاہر ہے۔

اور یہ بھی جائز ہے کہ جس حدیث سے ہم اس وقت بحث کر رہے ہیں اس میں فقہ سے مراد دونوں معنی ہوں اور اگلی حدیث ان دونوں میں سے ایک کی مؤکد ہو اور یہ صورت بھی ظاہر و واضح ہے کیونکہ احکام الٰہی کا سمجھنا زیادہ ضروری ہے اور یہ فہم نور دالہام سے حاصل ہوتی ہے اور نور سنت سے حاصل ہوتا ہے جیسا حدیث بعیت کی شرح میں ہم نے اس پر اشارہ کر دیا ہے اور یہ نور اہل تحقیق ہی کو حاصل ہوتا ہے جو صدق و اخلاص اور ہدایت و نور اور حکمت و برہان سے آراستہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو سمجھایا تو سمجھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو چاہا تو انہوں نے

ارادہ کیا، یہی اللہ کے برگزیدہ مکرم ہیں اور زمین میں خدا کی آنکھیں ہیں جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق فرمایا تھا کہ زمین کی مخلوقات میں سے کچھ لوگ اللہ کی آنکھیں ہیں انہی میں سے علی بھی ہیں۔ نیز حضرت عمرؓ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ہم ایسی مشکل سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں جس کے حل کیلئے علی رضی اللہ موجود نہ ہوں، حالانکہ حضرات خلفا رسب کے سب ہی سرتاپا عیون تھے مگر ان میں سے ہر ایک دوسرے کو اپنے سے بڑھاتا تھا کیونکہ وہ اپنے کو سب سے کم سمجھتے اور اپنے ساتھیوں کی اُن فضائل کی بنا پر جن سے اللہ نے اُن کو مخصوص کیا تھا تعظیم کرتے تھے یہی شان حضرات تابعین کی ہے جنہوں نے اخلاص کیساتھ اُن کی پیروی کی اور قیامت تک کرتے رہیں گے، غرض جس شخص کو اللہ تعالیٰ کیطرف سے فہم حاصل ہو گیا وہ اللہ کے احکام کو بھی سمجھ لیتا ہے مگر اس کا عکس لازم نہیں کہ جس کو احکام کی فہم حاصل ہو اس کو فہم عن اللہ بھی حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنی مخلوق میں سے منتخب کیا تو انہوں نے بھی اللہ کو تمام مخلوق اور جملہ ماسوا پر ترجیح دی۔ پس وہ اللہ کے ساتھ ہیں اور بلا شرکت غیرے اسی کے واسطے ہیں اور کسی پر التفات نہیں کرتے ہم اللہ سے ان بزرگوں کی حرمت کے طفیل درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے حال پر بھی کرم فرمائیں جیسا اُن پر کرم فرمایا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی پروردگار نہیں (اور حقیر کو عزیز کر دینا اُن پر کچھ دشوار نہیں)

(قوله الوجه الثالث الفقه هو الفهم يقال فقه فلان اذا فهم الى قوله ان يمن علينا بما من عليهم انه رب سواه)

ف یہاں سے معلوم ہوا کہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم کتابی لفظی، دوسرے علم وھبی حقیقی، علم کتابی پڑھنے پڑھانے سے حاصل ہوتا ہے اور علم وہبی اتباع سنت اور تقوی و اخلاص سے حاصل ہوتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ علم وہبی کے واسطے علم کتابی کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ امر عادۃ اللہ کیخلاف ہے اللہ تعالیٰ کی عادت مستمرہ یہی ہے کہ علم وہبی اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جس نے اول علم کتابی حاصل کیا ہو اور سنت کے موافق خلوص و تقوی کیساتھ اس پر عمل کیا ہو، بدون اس کے علم وہبی عادۃً

حاصل نہیں ہوتا۔ الانادر والنادر کالمعدوم، پس جو لوگ بدون علم کتابی کی تحصیل کے اپنے لئے علم وہبی کے مدعی ہوں اُن کے علوم کو کتاب و سنت اور سلف صالحین کے علوم سے ملا کر دیکھنا چاہیئے۔ اگر سلف کے علوم سے موافق ہوں اور کتاب و سنت کیخلاف نہ ہوں تو ان کو اولیاء امیین میں شمار کیا جائے گا جن کی شان یہ ہوتی ہے کہ احکام الٰہیہ کو علماء سے دریافت کرتا اور ان کی تعظیم کا حق ادا کرتے ہیں اور جس جاہل کے اقوال کتاب و سنت کیخلاف ہوں علوم سلف کے موافق نہ ہوں اور اعمال میں اتباع سنت کی بجائے ابتداع کی شان ہو اس کو علم وہبی کی ہوا بھی نہیں لگ سکتی اس کی باتوں کو مجنون کی بڑ اور جاہل کی بکواس سمجھنا چاہیئے ایسے ہی لوگوں نے اپنی بکواس کو علوم و اسرار بنانے کیلئے عوام کے دلوں میں یہ غلط خیال جمانے کی کوشش کی ہے کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان رہزنان ایمان سے بچائے۔ آمین۔

۳۷۔ جس کو علم عطا کیا گیا اس کو خیر عظیم عطا ہوگئی

اس تقریر پر یہ بات بھی مرتب ہوئی کہ جس شخص پر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسموں میں سے کسی ایک قسم کے ساتھ احسان فرمایا ہے (خواہ علم کتابی عطا فرمادیا ہو یا علم وہبی) اس کو خوش ہونا چاہیئے کہ خیر عظیم اور فضل عمیم عطا ہوا ہو۔ کیونکہ شارع علیہ السلام نے عطائے علم وفقہ کو اس بات کی علامت قرار دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا اور خیر کو اس کے لئے مہیا کر دیا ہے اور یہ لوگ بشارت کے کیوں مستحق نہ ہوں؟ جبکہ انہی کی برکت سے اللہ تعالیٰ بارش بھیجتے اور قحط کو دفع کرتے اور بستیوں پر اور بندوں پر رحم فرماتے ہیں

(قولہ الوجہ الرابع بترتیب علی ھذا من الفقہ الیٰ قولہ دبیرحم البلاد والعباد)

ف انقلاب زمانہ تو دیکھو کہ آجکل علماء کو انگریزی خوانوں نے مسلمانوں کی

تباہی و بربادی کا سبب قرار دیا ہے اور ایک جماعت نے تو اس بات کا بیڑا اٹھایا ہے کہ مسلمانوں کو علماء سے متنفر کر کے بالکل اس سے منقطع کر دے، اُن کو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ علماء سے جنگ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ ہے صحیح حدیث میں وارد ہے

من آذی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب

جو میرے ولی کو ایذا دے میں اس کو اپنی طرف سے اعلان جنگ دیتا ہوں

اور جس کو اللہ تعالیٰ اعلان جنگ دیں اس کو اپنا ٹھکانا ڈھونڈھ لینا چاہیئے ہمیں اس سے انکار نہیں کہ آج کل بعض جہلا بھی عمامہ، جبہ اور سند لیکر علماء بن گئے ہیں لیکن چند مکاروں کی وجہ سے ساری جماعت کو بدنام کرنا کہاں کا عدل وانصاف ہے! جھوٹے اور سچے ہر جماعت میں ہوا کرتے ہیں اور ہوتے آئے ہیں مگر جھوٹوں کی وجہ سے سچوں کو بدنام کرنا جہل وحماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ فالی اللّٰہ المشتکیٰ اگر وہ کسی عالم کو خلاف شریعت عمل کرتے دیکھیں تو خاص اسی کو الزام دے سکتے ہیں کہ یہ شخص عالم نہیں بلکہ جاہل ہے، ساری جماعت کو الزام دینا یقیناً عقل ونقل وقانون و انصاف کے سراسر خلاف ہے۔ ان لوگوں کو جان لینا چاہیئے کہ چاند کے طلوع ہونے پر کتے ہمیشہ بھونکا کرتے ہیں مگر اس سے چاند کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا، کتے ہی اپنا گلا پھاڑ کر رہ جاتے ہیں ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

۴، علم وہی ہے جس سے خیر کی طرف رہنمائی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ارشاد انما العلم بالتعلم میں حصر کے لئے حرف انما اس واسطے لایا گیا تا کہ بتلا دیا جائے کہ علم تک رسائی سیکھنے اور حاصل کرنے ہی سے ہو سکتی ہے اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں جو شخص اس کے سوا کوئی طریقہ اختیار کریگا وہ راستہ

سے کھویا جائے گا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم اور تعلم پہ الف لام اس لئے داخل فرمایا تاکہ بتلا دیا جائے کہ علم وہی ہے جو خیر کی علامت ہو نیکی کیطرف رہنما ہو) کیونکہ دنیا میں علوم بہت ہیں آپ نے الف لام داخل فرماکر جو تعیین اور تخصیص کے لئے لغت میں موضوع ہے اس خاص علم نافع پر تنبیہہ فرما دی جس کلام سے ارادہ کیا گیا ہے، اگر کوئی یوں کہے کہ الف لام تو کبھی جنس کے لئے بھی ہوتا ہے اس سے کہا جائے گا کہ یہاں جنس کیلئے ہونا جائز نہیں کیونکہ علوم شرائع وعلوم انبیا آدم علیہ السلام سے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سب کے سب علوم اللہ تعالیٰ کیطرف سے انبیاء علیہم السلام تک پہنچے ہیں خواہ فرشتہ کیواسطہ سے پہنچے ہوں یا بلا واسطہ جیسا بھی حکمت کا تقاضا ہوا چنانچہ قواعد شرائع سے سب باتیں معلوم ہو چکی ہیں پھر افراد امت ان علوم کو انبیاء علیہم السلام سے لیتے اور حاصل کرتے رہے، پس علوم انبیاء کی اصل اور بنیاد نقل پہ ہے اور جب اس کی بنیاد نقل پہ ہے تو الف لام یہاں عہد و تخصیص کے سوا کسی اور معنی کے لئے نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں علم سے مراد علم شرعی ہے اور علم شرعی کے سوا جو اور علوم ہیں اُن کی اصل اور بنیاد نقل پر نہیں بلکہ رائے اور فکر پر ہے جن میں سے بعض رائیں تو شرعاً حد جواز میں ہیں اور بعض شرعاً ممنوع ہیں اسی علت کی وجہ سے کہ دنیا میں علوم بکثرت ہیں اور ان میں سے بعض ممنوع بھی ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ شارع کے اس کلام میں الف و لام جنس کیلئے ہو بلکہ تخصیص و تعیین کے لئے ہونا ضروری ہے اور جس علم پر یہاں اشارہ کیا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں اس کو صاف طور سے بیان فرمادیا ہے چنانچہ ارشاد ہے

ترکت فیکم الثقلین لن تضلوا ما تمسکتم بہما کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی

میں نے تمہارے پاس دو قیمتی چیزیں چھوڑی ہیں جب تک ان کو مضبوط تھامے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے، کتاب اللہ اور میرے اہل بیت

میرا خاندان (کیونکہ خاندان نبوت کے ذریعہ سے حضور کے ارشادات و معمولات و حالات کا علم ہوگا جس سے کتاب اللہ کی شرح میں مدد ملتی ہے) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان چند علوم کی تصریح بھی فرمادی ہے جو ثقلین سے مستفاد ہوتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے۔

تعلموا الفرائض فانها من دینکم وهی اول ما ینسی
فرائض کو سیکھو کیونکہ وہ تمہارے دین کا جزو ہے اور یہی سب سے پہلے بھلادیا جائے گا۔

نیز ارشاد ہے:

تعلموا الفرائض وعلموها الناس فانی امرأ مقبوض
فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھلاؤ کیونکہ میری وفات ہونیوالی ہے۔

نیز ارشاد ہے:

وان العلم یقبض من بعدی حتی ان الاثنین یختلفان فی الفریضة ولا یجد ان من یفصل بینهما
علم میرے بعد سمیٹ لیا جائیگا (یعنی فنا ہو جائے گا) یہاں تک کہ دو آدمی کسی معاملہ میں جھگڑیں گے اور کوئی فیصلہ کرنیوالا نہ پائیں گے

غرض علم خاص وہی ہے جو شریعت سے معلوم ہو چکا ہو یا اہل اسلامیہ کی ایسی عادت سے جسمیں شرعاً کوئی خرابی نہیں جو علوم شریعت سے پہچانے جاتے ہیں وہ تو وہ ہیں جنکی تبلیغ کا حج وداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امر فرمایا ہے اور جیسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

یسروا ولا تعسروا آسانی کرو سختی نہ کرو

جس میں تعلیم کے اندر نرمی کرنے کا حکم ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انما انا قاسم واللہ یعطی میں تو تقسیم کرنیوالا ہوں اور اللہ ہی دیتا ہے جسکی شرح اگلی حدیث میں آئے گی۔

اور جو علوم عادت سے معلوم کئے جاتے وہ ایسے ہیں جیسے بچوں کا استاد ان کو ہجا سکھلاتا ہے حروف کی پہچان بتلاتا ہے اس کے بعد قرآن پڑھاتا پھر لغت بتلاتا ہے تاکہ لوگ اپنے پروردگار کا کلام اور اپنے رسول کی حدیث پڑھ سکیں اور سمجھ سکیں اور اسکے سوا جو علوم اور اصطلاحات ایجاد کی گئی ہیں جن کو دلائل شریعت جائز نہیں کہتے وہ سب ممنوع ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی بھی تصریح فرمادی ہے چنانچہ ارشاد ہے

یأتی فی آخر الزمان قوم یحدثونکم بما لا تعرفون
انتم ولا آباءکم فخذوا ما تعرفون ودعوا ما تنکرون
آخر زمانہ میں بعض لوگ تمہارے سامنے ایسی باتیں بیان کریں گے
جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے بھی نہیں جانی پس اُن باتوں کو
لے لو جن کو تم پہچانتے ہو اور اُن کو چھوڑ دو جن کو نہیں پہچانتے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فقہ اور فہم حقیقی علم منقول کی تحصیل کے بعد یا اسکی ساتھ ساتھ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ بدون اس کے حاصل نہیں ہو سکتا جیسا ہم نے پہلے بیان کیا ہے کیونکہ اصل تو وہی ہے فقہ اور فہم اس کی فرع ہے۔ اسی لئے حدیث میں ایک کو دوسرے پر واو کی ساتھ عطف کیا گیا جو کہ دو چیزوں میں مساوات اور شرکت کو مقتضی ہے اللہ تعالیٰ ہم کو دونوں کا پورا حصہ اپنے فضل سے عطا فرمائیں۔ آمین قولہ الوجہ السادس قولہ علیہ السلام وانما العلم بالتعلم الی قولہ فی الوجہ السابع او زعنا اللہ من کلیھما اوفر نصیب بمنہ۔

ف۱۔ اس مقام سے ہمارے اس قول کی تائید ہوگئی جو فائدہ سابقہ میں گذر چکا ہے کہ علم وہبی بدون علم منقول کے عادتاً حاصل نہیں ہو سکتا

ف۲۔ اس مقام سے اُن لوگوں کی غلطی بھی واضح ہوگئی جو فضائل علم کی احادیث کو مطلق علم کی فضیلت پر محمول کر کے علوم دنیا کیلئے بھی ان فضائل کو

ثابت کرتے اور تعلیم انگریزی وغیرہ کی تاکید و ضرورت کے لئے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و اطلبوا العلم و لو بالصین پڑھ دیا کرتے ہیں اُن کو جان لینا چاہیئے کہ شارع کی زبان پر علوم دنیا کے حق میں لفظ علم نہیں آسکتا بلکہ ان کی نسبت تو شارع علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے ان من العلم لجہلا کہ بعض علم جہل ہوتا ہے، علم وہی ہے جو انسان کو خدا کی طرف لیجائے اور معرفت حق کی رہنمائی کرے اس کے سوا جتنے علوم اہل دنیا کی نظر میں ہیں شارع کے نزدیک سراسر جہل ہیں ؎

جز یادِ دوست ہر چہ کنی عمر ضائع ست
جز حرفِ عشق ہر چہ بخوانی بطالت ست

سعدی بشوی نقش دوئی راز لوحِ دل
علمے کہ رہ بحق نماید جہالت ست

باب دہم ۱۰

حدیث

مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ بِهِ عِلْمًا

البخاری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

من سلك طريقا يطلب به علما سهل الله له طريقا الى الجنة

(ترجمہ) بخاری رضی اللہ عنہ (تعلیقا) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی راستہ میں طلب علم کی غرض سے داخل ہو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیں گے۔

شرح حدیث کے الفاظ سے یہ بات ظاہر ہے کہ جو شخص کسی کام کا اس غرض سے ارادہ کرے کہ اس سے طلب علم میں مدد و اعانت ہو گی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت تک پہنچنا آسان کر دیں گے۔

(۷۵) جو چیز نیکی میں معین ہو وہ بھی خیر ہے یہاں سلوک سے مراد دخول ہے جیسا اللہ تعالیٰ کے ارشاد ما سلککم فی سقر اور ارشاد نبوی لو سلکوا جحر ضب لسلکتموہ میں سلوک سے مراد دخول ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس جگہ جو ثمرہ مذکور ہے وہ طلب علم کے طریق میں داخل ہونے کے لئے مخصوص ہے یا اس کے سوا ہر نیک کام کو عام ہے ظاہر عموم ہے کیونکہ شریعت میں اسکی نظائر بہت ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا یقضی القاضی حین یقضی وھو غضبان

"قاضی کو غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرنا چاہیئے" (یہ حکم قاضی ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر فیصلہ کرنیوالے کے لئے عام ہے) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ینفق علی عیالہ یحتسبھا" "جو شخص اپنے بال بچوں پر طلب ثواب کی نیت سے خرچ کرے وہ اس کے لئے صدقہ ہے" (یہ حکم بھی جملہ ابواب برّ کو عام ہے) جیسا پہلے اس کلام پر گذر چکا اور جب یہ حکم عام مان لیا گیا تو اس سے یہ فقہی مسئلہ معلوم ہوا کہ جو چیز خیر میں معین ہو وہ بھی خیر ہے۔ اس کی تصریح بعض نصوص میں آچکی ہے چنانچہ مجاہد کے بارہ میں وارد ہوا ہے کہ اس کی نیند بھی عبادت ہے کیونکہ اس سے جہاد میں مدد ملتی ہے۔ مگر یہ حکم کلی نہیں بلکہ دو شرطوں کے ساتھ مقید ہے۔ایک یہ کہ جس سے مدد واعانت لی جارہی ہو وہ شرعاً جائز ہو حرام و مکروہ نہ ہو اسکی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہورہی ہے جبکہ آپ سے ایک شخص نے اپنے لئے وصیت کی درخواست کی تو حضور نے فرمایا ایسی بات (کبھی) نہ کہو جس سے قیامت کے دن معذرت کرنا پڑے"

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کو تنگدستی کی وجہ سے فاقہ کی نوبت پہنچی اور عبادات میں تعب ہونے لگا پھر ان کو کچھ دودھ ہدیہ میں ملا جو حلال اور طیب طریقہ سے نہیں آیا تھا یہ اس کے پینے سے رک گئے ان کی والدہ نے فرمایا کہ دودھ پی لو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دیں گے فرمایا مجھے اس کے نہ پینے ہی میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید ہے تو دیکھ یہ بزرگ اس دودھ کے پینے سے کس طرح باز رہے حالانکہ اس سے ان کے مقصود میں بظاہر مدد مل سکتی تھی مگر چونکہ اس میں کسی قدر کراہت بھی تھی اس لئے اقدام نہ کیا کیونکہ بہ نسبت فائدہ کے اسمیں خسارہ زیادہ تھا بلکہ (درحقیقت) وہ فائدہ سے بالکل ہی خالی تھا کیونکہ طاعت پر تو حلال (خالص) ہی سے مدد ملتی ہے، دوسری شرط یہ ہے کہ اس معین کو اختیار کرتے ہوئے طلب علم یا اور کسی نیک کام میں مدد واعانت حاصل کرنے کی نیت بھی ہو کیونکہ فعل مباح سے نہ کچھ ثواب ہوتا ہے نہ جنت کیطرف قرب ہوتا ہے جب تک اس سے طاعت پر مدد واعانت کی نیت نہ کی جاوے۔

پس جس چیز سے طلب علم وغیرہ میں مدد حاصل کرنے کی نیت کی جاوے خواہ فرض ہو یا مستحب اس سے مستحب کا ثواب بھی ملے گا اور جنت کی طرف قرب بھی زیادہ ہو جائیگا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طریقًا کو نکرہ استعمال فرمایا ہے اور نکرہ فرض و مستحب اور مباح کو عام ہے اور چوتھی صورت (یعنی حرام یا مکروہ سے مدد لینا) تو ممنوع ہے۔ (پس وہ اس عموم سے خارج ہے)

اور کیا فرض میں بھی ایسا ہو سکتا ہے کہ اس سے طلب علم یا کسی نیک کام میں مدد کی نیت کی جاوے تو فرض کا بھی ثواب ملے گا اور اس نیت کی وجہ سے جنت کی طرف زیادہ قرب بھی حاصل ہو؟ فقہا کا مشہور مذہب تو اس صورت کو منع کرتا ہے مگر حدیث کا لفظ عام جواز کو مقتضی ہے تو جو شخص اختلاف سے بچنا اور نص حدیث پر عمل کرنا چاہیئے تاکہ زیادہ ثواب ملے وہ اس طرح اس صورت میں نیت کرے جس طرح جمعہ کے دن جنابت کا غسل کرنیوالا نیت کرتا ہے تو وہ اختلاف سے بچنے کے لئے یوں نیت کرتا ہے کہ میرا غسل تو جنابت کے لئے ہے اور امید ہے کہ غسل جمعہ کی طرف سے بھی یہ مجھے کافی ہو جائے گا اس طریقہ (سے نیت کرنے) میں اختلاف سے بھی بچاؤ ہو جاتا ہے اور لفظ حدیث کا اتباع اور اس پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔ (قولہ الوجہ الاول قولہ علیہ السلام من سلک طریقا السلوک بمعنی الدخول الی قولہ و یکون متبعا للفظ الحدیث عاملا علیہ)

(۲۶) طلب علم اور تحصیل علم دونوں علم حقیقی کے اسباب ہیں

یطلب بہ علما میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ طلب علم سے تحصیل علم اور اس میں مشغول ہونا مراد ہو دوسرے یہ کہ علم کا اہتمام اور اس میں کوشش کرنا مراد ہو جس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے " تعلموا العلم فان تعلمہ للہ حسنۃ و طلبہ عبادۃ " " علم حاصل کرو کیونکہ اللہ کے واسطے علم حاصل کرنا نیکی ہے اور اس کی طلب عبادت ہے " اس ارشاد میں حضور نے تعلم اور طلب علم میں فرق کیا ہے اور

نفس طلب کو تعلیم محض سے اعلیٰ قرار دیا ہے کیونکہ حضورؐ نے طلب کو تو عبادت سے تشبیہ دی ہے اور تعلیم کو جبکہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہو حسنہ قرار دیا ہے اور حسنہ کو عبادت متضمن ہوتی ہے (اس لئے عبادت حسنہ سے اعلیٰ ہے) اس پر شاید کسی کو شبہ ہو کہ یہاں وسیلہ مقصود سے کیوں افضل ہو گیا حالانکہ معاملہ برعکس ہونا چاہیئے تھا جیسا قواعد شریعت و قوانین عبادت سے معلوم ہو چکا ہے کہ مقصود وسیلہ سے افضل ہوتا ہے) جواب یہ ہے کہ مقصود کو وسیلہ سے کم رتبہ یا اس کے مساوی نہیں کیا گیا (بلکہ دو وسیلوں میں سے ایک کو اعلیٰ ایک کو ادنیٰ بتلایا گیا ہے کیونکہ (علم) مقصود تو وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ قلوب میں القاء فرماتے ہیں جیسا علماء سے ہم نے (اوپر) نقل کیا ہے اور پڑھنا پڑھانا روایت اور نقل تو اس نور کی تحصیل کا سبب ہے جس سے علم (حقیقی) حاصل ہوتا ہے۔ جیسا امام مالکؒ کا ارشاد پہلے گذر چکا کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں خلاصہ یہ کہ یہاں جن دو چیزوں کا ذکر ہے وہ دونوں اس نور کی تحصیل کے اسباب میں سے ہیں (مقصود ان میں سے ایک بھی نہیں) اور چونکہ ان میں سے ایک نفس پر زیادہ گراں اور دشوار ہے یعنی کوشش اور اہتمام اس کو عبادت کا درجہ دیا گیا جسمیں نفس پر مشقت اور مجاہدہ ہے اور دوسرا آسان ہے یعنی پڑھنا پڑھانا اس کو حسنہ قرار دیا گیا اور شارع علیہ السلام کا یہ ارشاد اس باب میں صریح ہے جو علماء سے اوپر نقل کیا گیا ہے کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں حدیث کا بقیہ حصہ یہ ہے :

ومذاکرته تسبیح وتعلیمه لمن لا یعلمه صدقة وبذله لاهله قربة، لانه معالم الحلال والحرام منازل سبل اهل الجنة والانیس فی الوحشة والصاحب فی الغربة والمحدث فی الخلوة والدلیل علی السراء والضراء والسلاح علی الاعداء والذین عند الاخلاء یرفع اللّٰہ به اقواما ویجعلهم فی الخیر قادة وائمة تقتبس اثارهم

يقتدى بأفعالهم وينتهى الى رأيهم ترغب الملائكة في خلتهم وباجنحتها تمسحهم ويستغفر لهم كل رطب ويابس حتى الحيتان في البحر وهوامه، وسباع البر وانعامه، لان العلم حياة القلوب من الجهل ومصباح الابصار من الظلمة بالعلم تبلغ منازل الاخيار والدرجات العليا في الدنيا والآخرة والتفكر فيه يعدل بالصيام ومدارسته بالقيام وبه توصل الارحام ويعرف الحلال والحرام والعلم امام العمل والعمل تابعه فيلهمه السعداء ويحرمه الاشقياء

علمی مذاکرہ تسبیح ہے (یعنی علمی مذاکرہ و تکرار کا وہی ثواب ہے جو ذاکر مشاغل کی تسبیح و ذکر کا ثواب ہے پس یہ نہ سمجھو کہ تحصیل علم میں مشغول ہونے والے ذاکر نہیں یا وہ ذاکرین سے کم ہیں بشرطیکہ نیت خالص ہو) اور جاہلوں کو علم دینا صدقہ ہے اور جو اس کے اہل ہیں ان پر اچھی طرح علم کی بارش کرنا قربت وطاعت ہے۔ کیونکہ علم ہی حلال وحرام کے نشان قائم کرنیوالا ہے اور اہل جنت کے راستوں کی منزل ہے۔ علم وحشت و پریشانی کا انیس اور غربت و بیکسی کا ساتھی اور خلوت میں باتیں کرنیوالا اور راحت وغم کا بتلانے والا، دشمن کے مقابلہ میں زبردست ہتھیار اور دوستوں کے سامنے زینت بخشنے والا، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے بعض لوگوں کو بلندی و رفعت عطا فرماتا اور ان کو خیر کا مقتدا و امام بنا دیتا ہے جن کے آثار سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور افعال کی اقتداء کی جاتی ہے اور ان کی رائے پر (معاملات مہمہ کا) آخری فیصلہ کیا جاتا ہے ملائکہ ان کی دوستی کی خواہش کرتے اور اپنے پروں کو ان سے چھواتے ہیں اور تمام خشک و تر مخلوقات ان کے لئے استغفار کرتی ہے۔

حتیٰ کہ سمندر کی مچھلیاں اور کیڑے اور جنگل کے درندے اور چوپائے بھی کیونکہ علم (موت) جہل سے دلوں کو زندہ کرتا اور تاریکی دور کرکے بصیرتوں کو روشنی

بخشتا ہے، علم سے ہی نیک بندوں کے مقامات تک رسائی ہوتی اور دنیا و آخرت میں درجات عالیہ حاصل ہوتے ہیں۔ علمی باتوں میں فکر و غور کرنا روزہ کے برابر اور ان کا پڑھنا پڑھانا شب بیداری کے مساوی ہے۔ علم ہی سے صلہ رحمی کی جاتی ہے اور حلال و حرام کی تمیز ہوتی ہے۔ علم عمل کا امام ہے اور عمل اس کا مقتدی اس لئے نیک بختوں ہی کے دل میں علم کا شوق ڈالا جاتا ہے، بدبخت اس سے محروم رہتے ہیں (ترجمہ حدیث کا پورا ہوا) اور یہ تمام خوبیاں اور نعمتیں اسی وقت حاصل ہوتی ہیں جبکہ دو شرطیں پائی جائیں اور پوری طرح پائی جائیں (یعنی اول تحصیل علم کے لئے اہتمام اور کوشش کرنا پھر تحصیل علم میں لگ جانا) اس کے بعد یہ تمام بھلائیاں خود ہی ان دو شرطوں کے پیچھے پیچھے ہوں گی۔ اس حدیث کو صاحب حلیہ نے روایت کیا ہے اور اگر کوئی حجتی اس حدیث کے ضعف کا بہانہ ڈھونڈے تو اس سے کہہ دیا جائے کہ استاذ سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند کو صحیح بتلایا ہے (قولہ الوجہ الثانی قولہ علیہ السلام یطلب بہ علما الی قولہ فی الوجہ الرابع صحح اسنادہ الاستاذ سمرقندی رحمہ اللہ)

(۷۷) جہنم سے نجات ہو جانا بھی بڑی کامیابی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیں گے، کسی ثواب یا حسنہ کا ذکر نہیں فرمایا جیسا اس حدیث میں بیان فرمایا ہے جس کو ہم نے بروایت حلیہ ذکر کیا ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر حسنہ سے مراد ثواب ہے اور تسہیل سے مراد حصول علم کا راستہ آسان کرنا (جو دخول جنت کا سبب ہے) تو اس صورت میں حسنہ کا درجہ تسہیل سے بڑھا ہوا ہے اور تسہیل سے مراد وصول جنت کا آسان کرنا ہے تو اس صورت میں تسہیل کا درجہ حسنہ سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ جنت کے قریب بندہ جبھی پہنچ سکتا ہے جبکہ جہنم سے بچا لیا جائے اور جہنم سے بچ جانا بہت سی حسنات سے افضل ہے جن کے

ساتھ میں جہنم میں جانا پڑے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اور کچھ بھی نہ ہو صرف جہنم سے نجات مل جائے تو یہی بڑی کامیابی ہے پس تسہیل جنت کا درجہ حسنہ سے بلند و برتر ہوا۔ (الوجہ الخامس قولہ علیہ السلام سہل اللّٰہ علیہ طریقا الی الجنۃ الی قولہ فیکون التسہیل ارفع من الحسنۃ وافضل)

ف ہمارے حکیم الامت دام مجدہم کا مذاق بعینہٖ یہی ہے فرماتے تھے کہ مجھے درجات عالیہ کی ہوس نہیں بس اتنا چاہتا ہوں کہ جہنم سے نجات ہو جائے پھر چاہے اہل جنت کی جوتیوں ہی میں جگہ مل جائے الحمدللہ کہ اس مذاق کی تائید حدیث سے بھی ہو گئی۔

(۸) علم شریعت کا طالب اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہے

یہ ثواب جو اس عمل (یعنی طلب علم) پر مرتب کیا گیا ہے اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ صرف آخرت کے ساتھ مخصوص ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ دنیا و آخرت دونوں کو عام ہو اگر ہم اس حدیث کے لفظ کو دیکھیں تو یہ ثواب آخرت ہی کے ساتھ مخصوص معلوم ہوتا ہے اور اگر دوسری احادیث پر نظر کریں تو اس کو دنیا و آخرت دونوں کے لئے عام کہہ سکتے ہیں اور زیادہ ظاہر یہی ہے جس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔

"من خرج الی المسجد لیعلم خیراً او لیتعلمہ کان فی ذمۃ اللّٰہ فان مات ادخلہ اللّٰہ الجنۃ وان رجع کان کالمجاھد رجع بالاجر والغنیمۃ"

"جو شخص مسجد کی طرف اس واسطے جائے کہ اچھی باتیں بتلائے گا یا سیکھے گا وہ اللہ کی پناہ میں ہوگا۔ اگر اس حال میں مرجائے تو اللہ اس کو جنت میں داخل کریگا اور اگر واپس آئے گا تو مجاہد کیطرح ثواب غنیمت لیکر لوٹے گا۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرما دی ہے کہ اس کو دنیا میں بھی یہ ثواب ملے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ اور ذمہ داری میں ہوگا تو اب اس کے سوا کچھ کہنے کی گنجائش نہیں کہ طلب علم پر جو ثواب عطا ہوتا ہے وہ دنیا و آخرت دونوں کو عام ہے مگر یہ اسی وقت ہے جبکہ علم مخصوص یعنی علوم شریعت کو طلب کیا جائے جسکی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (الف لام عہد سے) اشارہ فرمایا ہے اور طلب بھی اللہ کے لئے خالص ہو اور اخلاص اور حقیقت فقہ کا حاصل ہونا ہی تو بڑی چیز ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا ہے۔ اور اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں کا مجموعہ حاصل ہو جائے تو حقیقی سعادت نصیب ہو گئی کیونکہ ہم اوپر بتلا چکے ہیں کہ اگر یہ وصف کسی میں پایا جائے تو اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کے ساتھ استدراج کا برتاؤ نہیں ہوگا۔ اور نہ پیچھے کو لوٹے گا۔ (بلکہ اس کا خاتمہ اچھا ہوگا اور بے کھٹکے جنت میں جائیگا)۔ اس کے قریب وہ بات ہے جو ھرقل نے کہی تھی اور وہ سچی اور کھلی ہوئی بات ہے کہ ایمان جب دل کے اندر پیوست ہو جاتا ہے پھر اس میں سے نہیں نکلتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے یہ دونوں باتیں ہم کو عطا فرمائیں (قولہ اوجب السابع ھذا الثواب المذکور علی ھذا الفعل احتمل ان یراد بہ الآخرۃ الی قولہ من اللہ علینا بمجموعھما بمنہ و یمنہ)

ف اس مقام سے اہل علم کو سبق لینا چاہیئے کہ جب وہ اللہ کی پناہ اور ذمہ داری میں ہیں پھر معاش کی طرف سے کیوں پریشان ہوتے ہیں ان کو اخلاص کے ساتھ علم حاصل کرنا اور علم حقیقی کے لئے سعی کرنا چاہیئے اور امر معاش کی طرف سے بےفکر رہنا چاہیئے۔ ۱۲ ظ

ف طلب علم میں اخلاص کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ امر معاش کی پریشانی نہ ہو جس شخص کو معاش کے متعلق پریشان دیکھا جائے سمجھ لو کہ اس نے اخلاص نیت کے ساتھ علم حاصل نہیں کیا۔

ف: اخلاص فی العلم کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کے وسیلہ سے بارگاہ الٰہی میں عرض معروض کر سکے۔ جس شخص نے اخلاص کے ساتھ علم حاصل نہیں کیا وہ اپنے علم کے وسیلہ سے دعا کی جرأت نہیں کر سکتا۔ قالہ العلامۃ عبدالوہاب الشعرانی۔

ف: حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد تعلیم و تعلم کی خاص جگہ ہے مگر شرط یہ ہے کہ تعلیم باجرت نہ ہو اور علوم شرعیہ کے سوا کسی اور علم کی تعلیم نہ ہو۔

ﷺ

باب یازدہم
ﷺ

حدیث

قیام الامت المحمدیۃ علی الحق الی یوم القیامت

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی کوئی مخالف اس کو ضرر نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے۔

شرح ظاہر حدیث تین احکام پر دلالت کرتا ہے۔ ایک خیر کا تفقہ فی الدین پر معلق و موقوف ہونا۔ دوسرے اعطا کا درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لئے بلا شرکت غیرے مخصوص ہونا۔ تیسرے یہ کہ اس امت میں سے کچھ لوگ قیامت تک حق پر رہیں گے یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے ان کی مخالفت کرنے والا ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور اس میں چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۹۷) مبارک ہے وہ جس کے ہاتھوں سے خیر کا سلسلہ جاری ہو حضور کا یہ ارشاد کہ میں تو تقسیم کرنیوالا ہوں دینے والا اللہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اور اللہ کے نزدیک آپکے مرتبہ کی عظمت و بلندی کی بڑی دلیل ہے کیوں کہ

جس خیر عظیم سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم فرمایا ہے اس کی تقسیم کو آپ کے ہاتھوں میں دے دیا گیا ہے ۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں نے خیر کو پیدا کیا اور اس کے اہل اور قابل طبائع کو بھی پیدا کیا پس مبارک ہیں وہ جن کو میں نے خیر کے لئے پیدا کیا اور خیر کو ان کے لئے پیدا کیا اور ان کے ہاتھوں سے خیر کے سلسلہ کو جاری کیا ، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں میں جن کے ہاتھوں خیر کے سلسلہ کو جاری کیا گیا ہے سب سے افضل اور بزرگ تر ہیں (الوجہ الثانی قولہ علیہ السلام انما انا قاسم الی قولہ ھو اجل من اجری الخیر علی یدیہ)

ف پس جس کے ہاتھ سے کوئی سلسلہ خیر ظاہری یا باطنی جاری ہوا ہو اس کو اللہ کی اس نعمت سے خوش ہونا چاہیئے مگر ناز نہ کرے اپنا کمال نہ سمجھے بلکہ جان لینا چاہیئے کہ یہ سب اللہ کا فضل ہے اگر وہ بجائے اس کے دوسرے کو خیر کے لئے پیدا کر دیتے تو جو سلسلہ اس کے ہاتھ سے جاری ہوا دوسرے کے ہاتھ سے جاری ہو جاتا وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم

۸۰ عطا صرف اللہ کے قبضہ میں ہے رسول اور خلفاء رسول محض تقسیم کرنیوالے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مقدسہ کا نام قاسم کیوں رکھا ہے حالانکہ قاسم اس کو کہتے ہیں جو کوئی مخصوص شے خاص لوگوں پر تقسیم کرتا ہو، جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مقدسہ کا نام قاسم اس حقیقت کی وجہ سے رکھا ہے جس کا بیان اوپر گذر چکا کہ اللہ تعالیٰ نے اس خیر کو آپ کے ہاتھوں سے تقسیم کیا ہے جس سے مسلمانوں پر رحمت نازل ہوئی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کو پوری طرح واضح طور پر بیان فرما دیا پھر حدود کی تعیین فرمائی اور اچھے کاموں کی ترغیب دی اور برے کاموں سے ڈرایا کہ جو ایسا کریگا اس کو یہ صلہ ملے گا۔

اور جو ایسا کریگا اس پر یہ وبال ہو گا جیسا احادیث میں وارد ہے اور محسوس اشیاء کی تقسیم کرنیوالا بھی یہی کرتا ہے۔ جیسا فرضی تقسیم کرنیوالا ہر شخص کا حصہ مقرر کر دیتا اور اس کے حق کی مقدار اور جملہ لوازم کو بیان کر دیتا ہے تو حضور کا یہ کلام عجیب و غریب تشبیہ اور فصیح تر تمثیل پر مشتمل ہے پھر دیکھو جس فرضی کے ذمہ حق دار کو حق پہنچا دینا نہیں صرف حق کی مقدار بتلانا ہے اور پہنچانا اس کا کام ہے، جس کے ہاتھوں میں امر و نہی اور حکومت و سلطنت ہے اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مقدسہ کے بارے میں خبر دی ہے کہ آپ تو تقسیم کرنیوالے ہیں اور اس تقسیم کو نافذ کرنیوالے اور دینے والے اللہ تعالیٰ جل جلالہ ہیں۔ وہی معطی ہیں وہی مانع ہیں (جس کو چاہتے ہیں دیتے ہیں جسے چاہتے ہیں محروم کر دیتے ہیں) کیونکہ تمام معاملات اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور اللہ کی قضا و قدر ہی سے سب کچھ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جا بجا اس حقیقت کی تصریح فرمائی ہے اور صاف صاف بیان فرما دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

لیس علیك ھداھم ولکن اللہ یھدی من یشاء "آپ کے ذمہ ان کو راستہ پر لگا دینا نہیں بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے راستہ پر لگا دیتا ہے آپ کا کام راستہ بتلانا ہے"۔ نیز ارشاد ہے۔

انما انت نذیر "پس آپ تو ڈرانے والے ہیں"۔ نیز ارشاد باری ہے۔

ولو شاء ربك لجعل الناس امۃ واحدۃ ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربك ولذلك خلقھم

"اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی طریقہ پر کر دیتا مگر وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔ سوا ان کے جن پر آپ کے پروردگار نے رحم فرما دیا اور اس اختلاف ہی کے واسطے ان کو پیدا کیا"۔

نیز ارشاد ہے

ولو شاء اللہ لجمعھم علی الھدیٰ "اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتے

اس کے سوا اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

یہ حقیقت ظہور میں آچکی اور حسی طور سے اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے کہ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہدایت کے راستے یکساں طور پر بیان فرمائے ہیں کسی خاص جماعت کے ساتھ اس کو مخصوص نہیں فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جس کو چاہا تصدیق و اتباع کی توفیق دی اور اپنے عدل سے جس کو چاہا محروم کر دیا اور اپنی حکمت سے جس کو چاہا ایک حصہ کے قبول کی ہدایت کی اور ایک حصہ سے محروم کر دیا (قولہ الوجہ الثالث لقائل ان یقول لم سعی علیہ السلام بنفسہ الی قولہ والاعراض عن بعض)

ف یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو القاء نسبت کو مشائخ کے اختیار میں سمجھتے ہیں کہ وہ جس کو چاہیں ولی بنا دیں جس کو چاہیں محروم کر دیں ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ جب سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں یہ بات نہیں تو اوروں کا کیا ذکر ہے؟ بات یہ ہے کہ مشائخ کے اختیار میں راستہ بتلانے سے زیادہ کچھ نہیں مگر سنت اللہ یہ ہے کہ جو لوگ مشائخ کا اتباع کرتے اور ان کو راضی رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے لئے راستہ کھول دیتے ہیں من اطاع امیری فقد اطاعنی ومن اطاعنی فقد اطاع اللہ اور اتباع مشائخ کی ضرورت اس لئے ہے کہ اتباع رسول بدون اس کے حاصل نہیں ہوتا مشائخ کا تعلق رسول اللہ کے ساتھ ایسا ہے جیسا جج کلکٹر اور کمشنر کا تعلق وائسرائے سے ہے جس طرح وائسرائے کی اطاعت اس کے ماتحت حکام کی مخالفت کر کے حاصل نہیں ہو سکتی اسی طرح رسول اللہ کی اطاعت خلفائے رسول کی مخالفت کر کے حاصل نہیں ہو سکتی امید ہے کہ یہ مثال اہل فہم کے لئے کافی ہوگئی ہوگی۔

(۸۱) مثال کے ذریعہ سے مقصود کی توضیح کرنا چاہیئے

حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عالم کو احکام کی تقریر کرتے ہوئے مثالیں بیان کرنا چاہئیں یہاں تک کہ مخاطب مراد کو

سمجھ جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مقدسہ کو قاسم سے تشبیہ دی ہے (جس میں چند حقائق کی طرف اشارہ ہے، جیسا ابھی بیان ہوا اور اسی وجہ سے امام مالک نے بیان فرمایا ہے بالمعانی استعبدنا لا بالالفاظ ہم کو معانی سے غلام بنایا گیا ہے نہ الفاظ سے اور اسی لئے ذات النطاقین حضرت اسماء رضی اللہ عنہا، نے معلم سے فرمایا جب اپنے بچہ کو تعلیم قرآن کے لئے اس کے حوالے کیا ادبہ و احسن تادیبہ والرحمٰن علم القرآن اس کی نگہداشت کرو اور اچھی طرح نگہداشت کرو اور قرآن تو رجس کو سکھلایا، رحمٰن ہی نے سکھلایا ہے، یہ لوگ اس حقیقت کو سمجھے ہوئے تھے کہ دینے والا کون ہے، اور حکمت کا معاملہ اشیاء میں کس طرح ہے، پس اولاد کو معلم کے حوالے کرنا مقتضائے حکمت ہے یہ نہیں کہ علم کا عطا کرنا معلم کے ہاتھوں میں ہے، اور جو لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں وہ ہمیشہ بچے کی قلت حفظ اور ہر کوتاہی کو معلم کے قصور کیطرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ ان کا خیال صحیح نہیں (یہ بھی ممکن ہے کہ معلم نے تعلیم میں کوتاہی نہ کی ہو اور بچہ کو علم نہ آتا ہو) کیونکہ محروم کرنیوالا اور دینے والا تو تمام اشیاء کا خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی، رزق ہو یا علم اللہ جل جلالہٗ ہے بس بندہ کا فرض منصبی یہ ہے کہ حکمت کا اتباع کرے اسباب کو کام میں لائے اور نتیجہ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرے۔

الوجہ الرابع فی ھذا دلیل علی ان للعالم ان یضرب الامثال

ف حضرات صوفیہ امثال کے بادشاہ ہیں وہ غامض سے غامض علوم و معارف کو مثالوں میں اسطرح بیان کرتے ہیں کہ معانی معقولہ محسوس و مشاہد معلوم ہونے لگتے ہیں اور یہ میراث اُن کو کمال اتباع رسول سے حاصل ہوئی ہے۔

(۸۲) اسباب میں خود کوئی تاثیر نہیں مگر اُن کا اختیار کرنا ضروری ہے

حدیث سے دو علمی مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ اسباب میں بالذات خود کوئی تاثیر نہیں بلکہ قدرت کی مشیت نے جتنا اثر ان میں رکھ دیا اتنا ہی ہے دوسرے یہ کہ اسباب کے اختیار کرنے کی

ضرورت ہے کیونکہ مقتضائے حکمت یہی ہے اور حکمت کو چھوڑنا مخالفت عناد میں داخل ہے۔

ف یہی وہ بات ہے جس کو متکلمین اشاعرہ نے علم کلام میں بیان فرمایا ہے اور یہ مسئلہ اشاعرہ کے کمال ایمان اور کمال اتباع نصوص کی دلیل ہے مگر افسوس بعض لوگوں نے جن کے ایمان پر فلسفہ نے غلبہ پالیا ہے۔ اس مسئلہ کی وجہ سے اشاعرہ کا بہت مضحکہ اڑایا اور یہ کہا کہ اشاعرہ سلسلۂ اسباب و مسببات و علل و معلولات ہی کے منکر ہیں، پھر اُنکی ذہین و تحقیق کے لئے جو منہ میں آیا کہا اور جو دل میں آیا لکھ مارا، حالانکہ یہ حضرات نہ سلسلۂ اسباب و مسببات کے منکر ہیں نہ سلسلۂ علل و معلولات سے، اُن کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ جس کو تم سبب یا علت کہتے ہو اس میں خود کوئی تاثیر نہیں بلکہ سبب یا علت پر مسبب یا معلول کا ترتب حق تعالیٰ کے حکم و ارادہ سے ہوتا ہے، یہ نہیں کہ خلق علت و سبب کے بعد مسبب و معلول خودبخود پیدا ہو جاتے جیسا فلاسفہ کا دعویٰ ہے کہ اُن کے نزدیک تخلل جعل بین اللازم والملزوم باطل اور جعل سبب و علت ہی وجود مسبب و معلول کیلئے کافی ہے حضرات اشاعرہ اگر سلسلۂ اسباب و علل کے منکر ہوتے تو اختیار اسباب کو ضروری اور ترک اسباب کو ناجائز اور داخل عناد و مخالفت کیوں کہتے؟ الیس منکم رجل رشید؟

(۸۳) اسباب دین اور اسباب دنیا کا فرق

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوگا کہ شریعت نے اعمال صالحہ کی تو تاکید کی ہے اور رغبت دلائی چنانچہ تفقہ فی الدین بھی اُن کا ایک فرد ہے اور دنیا کی مذمت کی اور اس کے اسباب سے بے رغبتی کی تعلیم دی اور زہد کی بہت تاکید کی چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لن تموت نفس حتی تستکمل رزقہا فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب کوئی شخص ہرگز نہ مریگا جب تک اپنا رزق پورا نہ کرلے پس اللہ سے ڈرو اور طلب دنیا میں اجمال سے کام لو (جب اسباب کا اختیار کرنا حکمت کا مقتضا ہے تو اسباب دنیا سے بے رغبتی کی تعلیم کیوں دی گئی) جواب یہ ہے کہ حضور نے ترک اسباب دنیا کی تعلیم نہیں دی بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اسباب دنیا میں اجمال سے کام لو زیادہ حرص اور انہماک سے کام نہ لو کیونکہ اس عالم میں رزق مقسوم (اور مقدر) ہو چکا اور اسکی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لے

لی ہے جیسا آیات واحادیث سے معلوم ہو چکا ہے تو شارع علیہ السلام نے اسی وجہ سے اسباب دنیا میں بے رغبتی کی تعلیم دی کہ ایمان کا مقتضی یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں (مسلمانوں کی صفت بیان کرتے ہوئے) ارشاد فرماتے ہیں یؤمنون بالغیب کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور اسباب دنیا میں حرص کرنا ایمان کے لئے آفت اور تصدیق کی کمزوری اور تحصیل حاصل میں (بلاوجہ) مشقت وتعب (کا سبب) ہے اور (ثمرات آخرت کی ذمہ داری نہیں کی گئی بلکہ اُن کو اختیار اسباب پر موقوف رکھا گیا ہے اور) اسباب (آخرت یعنی) اعمال صالحہ کے اختیار کرنے میں ایمان کو قوت اور حکم الٰہی کی موافقت ہے اور اسکے ساتھ (دنیا سے محرومی بھی نہیں ہوتی بلکہ) جتنا رزق دنیا میں اسکے لئے مقدر ہو چکا ہے وہ یقیناً اس کے پاس پہنچ کر رہے گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من بدأ بحظہ من آخرتہ ما ارادہ ولم یفتہ من دنیاہ ما قسم لہ، جو شخص اپنی آخرت کے حصہ کو دنیا پر مقدم کرے گا وہ آخرت سے اپنی مراد پالے گا اور دنیا سے جتنا حصہ اس کے لئے مقدر ہو چکا ہے وہ بھی فوت نہ ہوگا، آیات و احادیث اس مضمون میں بکثرت وارد ہیں اور اس میں رغبت کرنا حقیقی ایمان ہے اور جو چیز ایمان کی حقیقت یا اس کے لوازم میں سے ہو اس کا اختیار کرنیوالا ثواب کا مستحق ہوگا اور اس کے کام کی قدر کی جائے گی اور اس کی مثال مجتہد جیسی ہوگی کہ اگر اس کا اجتہاد صحیح ہو جائے تو دوہرا ثواب ملتا ہے اور اجتہاد میں غلطی ہو جائے تو ایک ثواب ملتا ہے کیونکہ وہ (اپنی طرف سے) اسباب اجتہاد میں کوشش خرچ کر چکا پھر بھی خطا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی محنت کو ضائع نہیں فرماتے کیونکہ اس نے اپنی سی کوشش میں کوتاہی نہیں کی بخلاف اس شخص کے جو جہالت کے ساتھ کام کرتا ہے کہ اس کو ثواب نہیں ملتا گو عمل درست ہی ہو جائے، ظاہر اور صحیح قول یہی ہے الوجہ السادس لقائل ان یقول قد حضت الشریعۃ وندبت فی اعمال الی قولہ علی اظہر الوجوہ واولاھا

ف یہاں سے سالکین طریق کو سبق لینا چاہیئے کہ طالب آخرت کسی حال میں

محروم نہیں اگر کامیاب ہوا تو دوہرے ثواب کا مستحق ہے، ناکام ہوا تو ایک ثواب کہیں نہیں گیا، مگر شرط یہ ہے کہ طلب قاعدہ کے موافق ہو، جہل کے ساتھ طلب میں کچھ ثواب نہیں، اس لئے طالب آخرت کو لازم ہے کہ جو کام بھی کرے پہلے اس کا علم حاصل کرلے اور یہاں سے اُن جہلاء صوفیہ کی غلطی بھی واضح ہوگئی جو طلب آخرت کیلئے علم کی ضرورت نہیں سمجھتے "

(۸۴) زہد بدون تقویٰ کے آسان نہیں

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زہد بدون تقویٰ کے آسان نہیں ہوتا

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فاتقوا اللّٰہ واجملوا فی الطلب اللہ سے ڈرو اور دنیا کی طلب میں اجمال سے کام لو، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے واتقوا اللّٰہ ویعلمکم اللّٰہ اللہ سے ڈرو اور اللہ تم کو تعلیم دے گا دونوں جگہ واؤ حالیہ ہے (جس سے معلوم ہوا کہ علم بھی بدون تقویٰ کے حاصل نہیں ہوتا اور جو علم بدون تقویٰ کے حاصل ہوتا ہے وہ علم ہی نہیں ہے حقیقی نہیں کیونکہ حقیقی علم تو ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ قلب میں پیدا کر دیتے ہیں اور وہ بدون تقویٰ کے حاصل نہیں ہوتا) پس (تمام اعمال صالحہ کی اصل تقویٰ ہے جب یہ کسی کا مال بن جاتا ہے تو زہد خود بخود شوق سے آجاتا ہے، اسی وجہ سے صوفیاء دوسروں سے زیادہ زاہد ...... اور زیادہ تارک اسباب ہیں کیوں کہ اُن کا تقویٰ دوسروں سے بڑھا ہوا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لو توکلتم علی اللّٰہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر
تغدو خماصا وتروح بطانا

"اگر تم اللہ پر توکل کرتے جیسا توکل کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس طرح رزق دیتے جس طرح پرندوں کو دیتے ہیں کہ وہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر آتے ہیں"

اس پر بعض لوگوں نے جن پر طلب دنیا کی حرص غالب تھی یہ کہا کہ پرندوں کا ہوا میں اڑنا بھی رزق حاصل کرنے کا ایک ذریعہ اور سبب ہے تو اس حدیث میں

اخت یا اسباب کی ترغیب ہے، (نہ ترک اسباب کی) اور یہ گفتگو محض لچر ہے بعض اہل تحقیق نے اس کا تسلی بخش جواب دیا ہے اور وہی حق ہے جس میں کچھ شبہ نہیں، انہوں نے فرمایا کہ پرندہ کا اڑنا اس کا طبعی فعل ہے طلب رزق کے واسطے نہیں بس اس کا یہ فعل ایسا ہے جیسا رعشہ والے کے ہاتھ کی حرکت دونوں میں کچھ فرق نہیں اس لئے اس پر کوئی حکم لگانا صحیح نہیں، اس محقق نے اس بات کو سمجھا ہے کہ شارح علیہ السلام نے تمام حیوانات میں سے پرندوں کا ذکر خاص طور سے کیوں کیا؟ وجہ یہ ہے کہ دیگر حیوانات یعنی وحوش و حشرات اسباب معاش کی تلاش میں رہتے ہیں چنانچہ چرنیوالے جانوروں کو تم ہمیشہ اس حال میں دیکھوگے کہ وہ سرسبز زمین کو تلاش کرتے اور خشک زمین کو چھوڑتے ہوں گے، خشک زمین میں ان کو کبھی نہ دیکھو گے اور شکاری جانوروں کو شکار کی تلاش میں پاؤگے کہ خوشبو سونگھ کر اس کے پیچھے لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ شکار ہاتھ آجائے تو چونکہ اور حیوانات تلاش اسباب میں بنی آدم کے مشابہ ہیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو چھوڑ کر پرندوں کا ذکر فرمایا جو ہوا میں اڑتے ہیں، اور (ظاہر ہے کہ) ہوا میں کوئی ایسی جگہ نہیں جس کا قصد کیا جائے نہ دانہ ہے جو چگ لیا جائے نہ کوئی چیز ہے جسکو چر لیا جائے وہاں تو ہوا اور روشنی کے سوا کچھ نہیں، پرندے اسی میں پھرتے اور گشت لگاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اُن کا رزق اُن کے پاس پہنچ جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ ان کو رزق کے پاس پہنچا دیتا ہے اسی حقیقت کی وجہ سے حضور نے پرندوں کو ذکر کیلئے مخصوص فرمایا دوسرے حیوانات کا ذکر نہیں کیا اگرچہ وہ بھی سب کے سب صبح کو بھوکے جنگل جاتے اور شام کو پیٹ بھر کر آتے ہیں (" الوجہ السابع فی ھذا دلیل علی ان الزھد لا یبطل الاخذ بالتقوی الی قولہ تغدوا خماصا وتروح بطانا ")

ف اس جواب میں چند اشکالات ہیں جو اہل فہم پر مخفی نہیں اس لئے یوں کہنا چاہیئے کہ بیشک طیران بھی ایک درجہ میں تسبب ہے مگر وہ اس درجہ اجمال سے زیادہ نہیں جس کا حدیث میں حکم ہے حضور کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو توکل کما حقہ حاصل ہوتا تو رزق کیطرف سے ایسے بفکر ہو جاتے جیسے پرندے بفکر ہیں کہ ان کو کل کے واسطے ذخیرہ جمع کرنے کی حرص نہیں وہ اللہ کے بھروسے صبح کو بھوکے اڑتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آجاتے ہیں اور گو یہ بات دوسرے حیوانات کے اندر بھی موجود ہے مگر ان میں جوانسان

سے مانوس ہیں انکی غذا انسان خود مہیا کرتا ہے اور جو وحشی ہیں وہ انسان کے سامنے نہیں رہتے اسلئے اُنکی حالت کا پورا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ اور پرندے خواہ مانوس ہوں یا وحشی اُنکی حالت کا انسان کو مشاہدہ ہے اسلئے خصوصیت کیساتھ ان کا ذکر کیا گیا واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۸۵) اس امت میں ایک ایک جماعت دین کے ایک ایک شعبہ کو سنبھالتی رہیگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہیگی دو احتمال ہیں کہ امت سے مراد عام امت ہو یا خاص افراد اگر خاص افراد مراد ہیں تو کچھ اشکال نہیں کیونکہ اہل عرف بعض سے کل اور کل سے بعض کا قصد کیا کرتے ہیں، دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانے کے فتنوں سے جو خبر دی ہے کہ علم اٹھ جائے گا جہالت اور ظلم کا غلبہ ہوگا وغیرہ وغیرہ وہ سب اخبار کی جنس سے ہیں اور یہ حدیث بھی جسکی ہم شرح کر رہے ہیں خبر ہی ہے اور اخبار میں نسخ ہو نہیں سکتا اب اگر اس حدیث کو خصوص پر محمول کیا جائے تو اسکے معارض جتنی احادیث ہیں سب اپنی جگہ پر صحیح رہیں گی منجملہ اُن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے افترقت بنو اسرائیل علی اثنین وسبعین فرقة و ستفترق امتی علی ثلاثة وسبعین فرقة کلها فی النار الا واحدة کہ بنی اسرائیل تو بہتر[۷۲] فرقوں میں منقسم ہوئے تھے اور میری امت میں تہتر[۷۳] فرقے ہوں گے جن میں سوا ایک کے اور سب جہنم میں جائینگے تو یہی ایک فرقہ جسکی اس حدیث میں خبر دی گئی ہے وہی اس امت کا مصداق ہے جسکے متعلق یہاں گفتگو ہو رہی ہے (کہ وہ قیامت تک اللہ کے حکم پر رہے گی) بعض روایات کے الفاظ اس مطلب میں صریح ہیں چنانچہ آپ کا ارشاد ہے لا تزال طائفة من هذه الامة کہ اس امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہیگی، جس کا مطلب بعض علماء نے اسطرح بیان کیا ہے کہ اہل علم کی ایک جماعت اللہ کی مرضی کیموافق علم کا حق ادا کرتی رہیگی اسیطرح اہل حقیقت میں ایک جماعت ہوگی (جو حقیقت کا حق ادا کریگی) اور ایسے ہی اعمال صالحہ بجالانیوالوں کی ایک جماعت ہوگی غرض انواع خیر میں سے خواہ علم ہو یا حال ہو یا حقیقت ہو (کہ) ہر نوع کو بجالانے والی مسلمانوں کی ایک جماعت ہوگی جو اس نوع کے بجالانے میں مشغول ہوگی۔ کوئی مخالف اُن کو ضرر نہ پہنچا سکے گا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے اور اگر امت سے مراد عام امت ہو جب بھی کچھ اشکال نہیں کیونکہ (اس صورت میں امت سے مراد حقیقی امت ہے اور) امت حقیقیہ وہی ہے جو اس صفت سے

موصوف ہو جسکا حدیث میں ذکر ہے اور وہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں مراد ہے امتی کلہا فی الجنۃ کہ میری ساری امت جنتی ہے" یعنی امت حقیقیہ جو آپکے راستہ اور طریقہ پر چلتی ہے انکے علاوہ جو اور لوگ آپکی امت کہلاتے وہ اللہ کی مشیت اور مرضی کے حوالہ ہیں جن میں سے بعض تو آپ کی امت میں اصلا نہ ہونگے یہ وہ ہیں جن کو خاتمہ کیوقت بدل دیا جائے (اور اسلام سے ہٹا دیئے جائینگے) اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے اور بعض وہ ہیں جن کو قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سحقا سحقا (دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ) فرمائیں گے، ان کے اندر ایمان کا کوئی (ظاہری) حصہ ہوگا اسی لئے وہ اس امت کی علامت پر اٹھائے جائیں گے (اور ان کے باطن میں ایمان نہ ہوگا اسلئے حضور ان کو دھتکار دیں گے اور غالباً یہ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام لے آئے تھے اور حضور کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے) اور بعض وہ ہیں جن کی دستگیری حضور کی شفاعت کریگی بعد ازاں کہ وہ اپنی قسمت کے موافق سخت پریشانی برداشت کر چکیں گے (شفاعت کی وجہ سے عذاب سے بچ جائیں گے) جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اختبأت شفاعتی لاهل الکبائر من امتی میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے بڑے گنہگاروں کے واسطے چھپا کر رکھا ہے اور بعض وہ ہیں جن کو ان کے گناہوں کے موافق قسم قسم کے عذابوں کا سامنا ہوگا (پھر شفاعت کے ذریعہ جہنم سے نکالے جائیں گے) کیونکہ بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے کہ گناہوں کی ہر نوع کے لئے جدا عذاب ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ہے یا اس کے قریب کچھ اور الفاظ ہیں" الوجہ الثامن قولہ علیہ السلام ولن تزال هذه الامة الی قولہ او ما فی معناہ"

ف لا یزال طائفۃ من امتی کی شرح میں علماء نے جو کچھ فرمایا ہے وہ تقسیم عمل پر صراحۃً دلالت کرتا ہے کہ ہر نوع خیر کا حق ادا کرنیوالی ایک ایک جماعت علیحدہ علیحدہ ہوگی، یہ نہیں کہ ہر جماعت تمام انواع خیر میں مشغول ہوگی، پس یہاں سے انکی غلطی واضح ہوگی جو علماء اور مشائخ کو بھی سیاسیات میں شریک ہونے کا مشورہ دیتے ہیں، ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہر جماعت سب کاموں میں مشغول نہیں ہوسکتی، اگر ایسا ہوگا تو کوئی کام بھی پوری طرح انجام کو نہیں پہنچیگا، تقسیم عمل ترقی کا معیار ہے بدون اس کے کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی اور یہ گفتگو تو اس صورت میں ہے جبکہ سیاسیات ملکیہ شریعت اسلامیہ کیموافق ہوں اور شریعت کے خلاف ہوں تو انکو انواع میں شمار کرنا ہی حماقت

ہے جیسا آجکل سیاسیات ہند میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے مفتی اور مولانا ایسے جلسوں کی صدارت کرتے ہیں جنمیں ہندوؤں کی نوجوان لڑکیاں ساڑھیاں باندھے گلے کھولے ننگے اسٹیج پر تقریریں کرتی اور گانا گاتی ہیں اور بڑے بڑے مدرسوں کے علما اور طلبہ ہندو لیڈروں کے استقبال کو اسٹیشن پر جاتے ہیں اور جب وہاں ملاقات کا موقع نہیں ملتا تو فرودگاہ پر ملنے جاتے ہیں ایبتغون عندھم العزۃ فان اللہ العزۃ جمیعا ط سه

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں ۔۔۔ اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

(۸۶) کثرت سے بھاگو اور قلت کی طرف مائل ہو

حدیث میں اسکی بھی دلیل ہے کہ باطل کو غلبہ ہوگا اور اہل باطل کی کثرت ہوگی

کیونکہ جب ایک جماعت کے سوا حق پر کوئی نہ ہوگا تو باقی سب گمراہی پر ہوں گے، اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں اس جماعت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں (الا الذین آمنوا وعملوا الصٰلحٰت، وقلیل ما ھم) کہ ایمان والے تھوڑے ہی ہونگے اور ارشاد ہے فماذا بعد الحق الا الضلال کہ حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؛ جب ایک جماعت میں حق پایا گیا تو اسکے سوا جو کچھ ہے باطل ہی باطل ہے اب اگر تو عقل رکھتا ہے تو کثرت سے بھاگ اور قلت کیطرف مائل ہو، سلامتی سے کامیاب ہو جائیگا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بدأ الاسلام غریبا وسیعود غریبا فطوبیٰ للغرباء من امتی اسلام بے سروسامانی کے ساتھ شروع ہوا اور اخیر میں بھی بے سروسامان ہو جائے گا پس میری امت میں بے سروسامان جماعت کے لئے خوشخبری ہے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپکی امت کے بیتر یا اور بے سروسامان لوگ کون ہیں؛ فرمایا وہ جو لوگوں کے بگڑنے کے وقت درست رہینگے۔

ف اس مقام پر اہل سیاست کو غور کرنا چاہیئے جو کثرت کا راگ گاتے پھرتے اور کثرت رائے کو اصول شریعت میں ٹھونستے اور اس پر فیصلہ کا مدار رکھنا چاہتے ہیں، وہ دیکھیں کہ احادیث نبویہ سے کیا معلوم ہوتا ہے اور علماء سلف نے اُن سے کیا سمجھا ہے؛ فھل من مدکر؛

(۸۷) اہل حق کو مخالفین کی مخالفت کا اندیشہ نہ کرنا چاہیئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد

لا یضرھم من خالفھم کہ اُن کا مخالف ان کو ضرر نہ پہنچا سکے گا، تین احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ قائم بالامر کی ذات مراد ہو کہ کوئی شخص ان کی ذات کو ضرر پہنچانے پر قادر نہ ہو گا دوسرے یہ کہ اگر وہ مخالفین کے پاس یا اُن کے درمیان بیٹھے ہوں (اور اس وجہ سے اُنکی اصلاحی کوششیں پوری طرح کامیاب نہ ہوتی ہوں تو) مخالفین کی مخالفت سے اُنکے عمل کو ضرر نہ پہنچے گا ان کا عمل مقبول ہو گا اور ثواب میں کچھ کمی نہ ہو گی (بلکہ اجر میں ترقی ہو گی کما دلّت علیہ النصوص) تیسرے یہ کہ اس مخالفت سے نہ اُن کو ضرر ہو گا نہ انکے عمل کو نقصان پہنچے گا اور یہی مطلب زیادہ ظاہر ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وکان حقا علینا نصر المومنین کی مدد ہمارے ذمہ ہے نیز ارشاد ہے لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم جب تم ہدایت پر ہو تو گمراہ ہونیوالے تمکو ضرر نہیں پہنچا سکتے ؎

اگر گیتی سراسر باد گیرد ؛ چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

اور اسمیں اُن لوگوں کیلئے بڑی بشارت ہے جو اس صفت سے موصوف ہوں جو اس حدیث میں مذکور ہے کہ اُن کو ضرر کا کچھ اندیشہ نہ کرنا چاہیئے اگرچہ مخالفین کتنے ہی زیادہ ہوں اس شخص کا دل ہمیشہ مطمئن اور سینہ ہمیشہ منشرح ہو گا کیونکہ مخبر صادق ہے اور جسکی طرف سے خبر دے رہا ہے وہ عالم و قادر ہے، اس مضمون پر اللہ تعالیٰ نے بھی متنبہ فرمایا اور صراحۃً اس کو بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے وکان حقا علینا نصر المومنین جیسا ابھی ذکر ہوا اور جن مومنین کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد کو محض اپنے فضل سے لازم کیا ہے وہ وہی ہیں جن کی صفت اس حدیث میں بیان کی گئی ہے (یعنی اللہ کے حکم پر قائم رہنے والے) اسی لئے بعض بزرگوں نے یعنی مین بن ارزق رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اذا وافقت الشریعۃ ولاحظت الحقیقۃ فلا تبالی وان خالف رأیک جمیع الخلیقۃ جب تم شریعت کیمطابق چل رہے ہو اور حقیقت تمہارے پیش نظر ہو پھر کچھ پروا نہ کرو اگرچہ تمام مخلوق تمہاری رائے کی مخالفت کرتی ہو" الوجہ الثالث عشر قولہ علیہ السلام لا یضرھم من خالفھم والوجہ الرابع عشر فی ھذا بشارۃ عظیمۃ الی قولہ وان خالف رأیک جمیع الخلیقۃ"

ف اس مقام سے سالکین و عارفین کو سبق لینا چاہیئے کہ جب وہ شریعت کیموافق چل رہے ہوں اور حقیقت پیش نظر ہو پھر کسی مخالف کی مخالفت کی ان کو پرواہ نہ ہونا چاہیئے، انشاءاللہ وہی کامیاب اور

غالب ہوں گے اور مخالفین ناکام اور مغلوب ہوں گے ۔

(۸۸) موت سے خوش ہونا اور اشتیاق کیساتھ اس کا انتظار کرنا چاہیئے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حتی یأتی امر اللہ یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے، دو احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ حکم الہٰی سے مراد قیامت ہو، دوسرا یہ کہ بڑی بڑی نشانیاں مراد ہوں جو قیامت کے قریب ظاہر ہوں گی یعنی عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے دین کو زندہ کریں گے اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہیں گے وہ زندہ رہیں گے اور وفات پاکر مسلمانوں کے درمیان دفن ہوں گے پھر ان کے بعد تھوڑے عرصہ تک مسلمان باقی رہیں گے پھر ان کی حالت میں خلل واقع ہونے لگے گا اور ترقی کریگا جب یہ خلل حد سے گذر جائے گا تو اللہ تعالیٰ عرش کے نیچے سے ایک نرم نازک ہوا بھیجیں گے جو تمام مسلمانوں کی روحیں قبض کر لے گی قرآن کو اٹھا لیا جائے گا اور اسوقت بجز بدترین مخلوق کے (دنیا میں) کوئی نہ رہے گا، شیطان ان کے پاس آئیگا اور گمراہی میں مبتلا کر کے جاہلیت سابقہ کیطرف لوٹا دیگا اور صوفیہ نے بطور اشارہ کے حدیث سے یہ بھی سمجھا ہے کہ امر اللہ عام ہے مگر مراد خاص ہے یعنی یہاں تک کہ اللہ کا وہ حکم آجائے جو ہر ایک کے ساتھ بلاشرکت غیرے الگ الگ متعلق ہوتا ہے یعنی موت تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی مخالف کی مخالفت ان کو ضرر نہ دے سکیگی یہاں تک کہ بہترین حالت پر ان کو موت آجائے اس وقت اللہ کے وعدہ جمیل سے اُن کے سینے کھلے ہوئے (اور قلوب مطمئن ہوں گے اور خوشی کے ساتھ موت کا اسطرح انتظار کرینگے جیسا کوئی غائب اپنے گھر والوں کے پاس جاتا ہے (اور گھر والے اس کا انتظار خوشی کے ساتھ کرتے اور اسکے اشتیاق میں گن گن کر دن گذارتے ہیں) اللہ تعالیٰ ہم کو بھی موت سے خوشی عطا فرمائیں اور اور اپنے فضل وکرم سے اس دن کو تمام دنوں سے اچھا اور بہتر بنا دیں (آمین)" الوجہ الخامس عشر والوجہ الثامن عشر الی قولہ وجعل یومہ خیرا یامنا بمنہ ویمنہ

ف ۔ حدیث میں ہے من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ ، جو اللہ سے ملنے کا مشتاق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کے مشتاق ہوتے ہیں اور مشاہدہ ہے کہ یہ اشتیاق لقاء صوفیہ کرام میں سب سے زیادہ ہے، گو جان دینے پر اُن سے زیادہ دوسرے لوگ آمادہ ہوں، مگر اسکا نام اشتیاق لقاء

نہیں ورنہ خودکشی کرنیوالے اور وطن و ناموس پر جان دینے والے کافر بھی اسی صفت میں داخل ہو جائینگے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ ان لوگوں کو اشتیاق لقاء کی ہوا بھی نہیں لگی، پس جان دینے پر آمادہ ہونا اشتیاق لقاء کی دلیل نہیں بلکہ اسکی بڑی دلیل وہ عشق و معرفت ہے جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کیطرف دل کو متوجہ رکھتی اور دنیا کو جیل خانہ اور آخرت کو وطنِ اصلی کی صورت دکھائی دیتی ہے اور عشق و معرفت الٰہی کی دلیل کثرت ذکر اللہ و کمال اتباع سنت نبویہ ہے اور بس قل ان صلواتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین اللھم اجعل خیر عملی خواتیمہ وخیر ایامی یوم القائک فیہ یا ولی الاسلام واھلہ ثبتنی بہ حتی القاک آمین آمین

ف - اس حدیث سے امت محمدیہ کا تمام امتوں سے افضل ہونا بھی معلوم ہوا کہ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس امت کو قیامت تک اپنے دین پر قائم رکھیں گے دین میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہوگا اور نہ یہ امت شریعت الٰہیہ کے سوا کسی دوسری شے کو دین قرار دیگی، بخلاف دوسری امتوں کے کہ وہ اپنے دین کو بدلتی رہتی ہیں اور ایک امت کا دور ختم ہونے کے بعد دوسری امت اسکی جگہ لیتی رہی، نیز اس میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی اور علو منزلت عند اللہ پر بھی دلالت ہے کیونکہ امت کے شرف اور فضیلت کا سبب آپ ہی کا شرف اور رفعت قدر ہے آپ ہی کی وجہ سے امت کو یہ سعادت عظمیٰ نصیب ہوئی ہے اللہ تعالیٰ ہم کو آپکا سچا امتی بنائیں اور آپ کی سنت کے اتباع کی کامل توفیق عطا فرمائیں "انہ ولی کریم وھذہ الفائدۃ قد نبہ علیھا الشارح قدس سرہ ادخلتھا فی الفوائد لخروجھا عما نحن بصددہ فی ترجمۃ الکتاب واللہ الموافق للصواب"

۱۲
باب دوازدہم

حدیث

سؤال القبر و فتنتہ

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد کی اور اسکی ثنا بیان کی پھر فرمایا کہ جو کچھ میں (اب تک) نہیں دکھلایا گیا تھا آج میں نے اس مقام میں اسکو دیکھ لیا ہے یہاں تک کہ جنت اور دوزخ کو بھی دیکھ لیا پھر میری طرف وحی کی گئی کہ تم لوگ اپنی قبروں میں آزمائے جاؤگے مثل یا قریب فتنہ مسیح دجال کے (راوی کا بیان ہے) کہ میں نہیں جانتا کہ حضرت اسماء نے کونسا لفظ فرمایا، کہا جائیگا کہ اس شخص کے متعلق تو کیا جانتا ہے؟ تو مؤمن یا موقن (میں نہیں جانتا کہ حضرت اسماء نے کون سا لفظ فرمایا) کہے گا وہ محمد رسول اللہ ہیں ہمارے پاس روشن آیات اور ہدایت لیکر آئے تو ہم نے آپکی بات کو مانا اور آپکا اتباع کیا تین بار کہے گا وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) تو اس سے کہا جائے گا تو چین سے سوتا رہ ہم کو معلوم تھا کہ بیشک تو آپ پر یقین رکھنے والا ہے رہا منافق یا شک کرنیوالا (میں نہیں جانتا کہ حضرت اسماء نے کونسا لفظ فرمایا) وہ کہے گا میں کچھ نہیں جانتا میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے سنا تو میں بھی وہی کہنے لگا۔

شرح ظاہر حدیث فتنہ قبر او سوال قبر پر دلالت کر رہا ہے اور اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۸۹) امور مہمہ کو حمد و ثناء اور درود شریف سے شروع کرنا چاہیئے

حدیث سے معلوم ہوا کہ امور مہمہ کو اللہ کی حمد سے شروع کرنا چاہیئے کیونکہ یہ تقریر جس کو آپنے حمد سے شروع کیا تھا بہت مہتم بالشان تھی اسوقت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کسوف سے فارغ ہو کر لوگوں کیطرف وعظ و نصیحت کیلئے متوجہ ہوئے تھے، اور مہتم بالشان امور میں آپ کی یہی عادت تھی کہ ان کے شروع میں اول حمد الٰہی کرتے تھے چنانچہ خطبۂ نکاح میں بھی یہی سنت ہے کیونکہ وہ بھی مہتم بالشان کام ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فعل سے بھی اس کا ثبوت ہے اور صحابہ کے طرز عمل سے بھی "

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حمد کے بعد ثنا بھی سنت ہے حضور نے اس کی ترغیب دی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل یہی تھا آپ کا اور صحابہ کا دائمی معمول اسی پر مستقر تھا اور حمد و ثنا پر اکتفا کرنا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات خاص کے لئے ہے اور دوسروں کیلئے اس کی ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کا اضافہ بھی ضروری ہے کیونکہ آپ کا ارشاد ہے:

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء من بعدی

"میری سنت کو مضبوطی سے تھامو اور ان خلفاء کی سنت کو بھی جو میرے بعد ہوں گے"

اور حضرات خلفاء اور تمام صحابہ اللہ عز وجل کی حمد و ثناء کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھی بھیجتے تھے الوجه الاول قولها حمد الله والوجه الثانی قولها واثنی علیه الی قوله بعد الحمد والثناء علی الله عز وجل۔

ف: اس سنت کیطرف سے نو تعلیمیافتہ جماعت نے تو اعراض کلی اختیار کیا ہی تھا تم دیکھو گے کہ اپنی کتابوں اور رسالوں کو حمد و ثنا اور درود شریف کے ساتھ شروع کرنے سے ان کو عار ہے مگر افسوس کہ انکی تقلید علماء نے بھی شروع کر دی ہے، اب انکے مقالات و رسائل بھی اس سنت سے خالی ہونے لگے،

فالی الله المشتکی

(۹۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام غیب کا علم نہ تھا بلکہ بعض کا علم تھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ما من شئی لم اکن اریته الا رأیته فی مقامی ھذا سے معلوم ہوا کہ اس وقت سے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جملہ مغیبات کا مشاہدہ نہیں کیا تھا بلکہ بعض کا مشاہدہ کیا تھا اور اس وقت اس مقام میں آپ کو تمام مغیبات کا پورا مشاہدہ ہو گیا، اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ ما من شئی لم اکن اریته الا رأیته فی مقامی ھذا

سے آپکی مراد (حقیقۃً) تمام مغیبات ہیں یا وہ جنکے بتلانے کی امت کو ضرورت ہو یا آپکی ذات مقدسہ کو انکے مشاہدہ کی حاجت تھی؟ جواب یہ ہے کہ لفظ حدیث تو دونوں کو متحمل ہے مگر بظاہر مراد دوسری صورت ہے اور پہلا احتمال صحیح نہیں جسکی عدم صحت کی دلیل کتاب اللہ کی آیات اور سنت نبویہ کی دوسری احادیث میں موجود ہے، کتاب اللہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ

"کہہ دیجئے کہ جتنے لوگ آسمان و زمین کے اندر ہیں ان میں سے غیب کو کوئی بھی نہیں جانتا سوا اللہ کے"

اور حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

مفاتیح الغیب خمس لا یعلمھن الا اللہ لا یعلم ما تغیض الارحام الا اللہ ولا یعلم ما فی غد الا اللہ ولا یعلم متی یاتی المطر احد الا اللہ ولا تدری نفس بای ارض تموت الا اللہ ولا یعلم متی تقوم الساعۃ الا اللہ"

غیب کی پانچ کنجیاں ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، کسی کو خبر نہیں کہ عورت کے رحم میں کیا کمی ہوتی ہے اور کیا بیشی اور کل کو جو کچھ ہوگا اسکی خبر بھی اللہ کے سوا کسی کو نہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی (یعنی قطعی اور یقینی علم کسی کو نہیں ہوسکتا باقی آثار سے تخمینہ اور حساب لگا لینا دوسری بات ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ کس زمین میں اسکو موت آئیگی اور کسی کو پتہ نہیں قیامت کب آئیگی سوا اللہ کے" اور یہ تو غیب کی کنجیاں ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ غیب کا دروازہ ان کے بعد کھلتا ہے اور جب ان پر خدا کے سوا کسی کی دسترس نہیں تو ثابت ہوا کہ غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں انبیاء و رسل کو جو کچھ مغیبات کا علم ہوتا ہے اسمیں ایک حصہ تو وہ ہے جو واقع میں غیب نہیں بلکہ محسوس و مشاہد ہے جیسے جنت و دوزخ، فرشتے اور عالم ملکوت کے عجائبات کہ یہ سب در اصل محسوس و مشاہد ہیں مغیب نہیں ہیں مگر عوام کی نظروں سے اسلئے پوشیدہ ہیں کہ ان کا نور بصیرت ناقص ہے انبیاء و رسل کا نور بصر اور نور بصیرت کامل ہوتا ہے وہ ان کا مشاہدہ کر لیتے ہیں تو اسکی ایسی مثال ہوئی جیسے ایک شخص کے پاس دوربین ہے وہ اسکے ذریعے سے دور کی چیزوں کو صاف دیکھ لیتا ہے دوسروں کے پاس دوربین نہیں وہ ان کو نہیں دیکھ سکتے مگر ظاہر ہے کہ دوربین والا بھی محسوس و مشاہد ہی کو دیکھتا ہے مغیب کو نہیں دیکھتا۔

اور ایک حصہ وہ ہے جو واقعی غیب ہے اس کا علم انبیا ورسل کو صرف اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے ہوتا ہے خود ان کے حواس عقلیہ وقلبیہ وبصریہ ان کا مشاہدہ نہیں کرتے اور اس کا نام علم غیب نہیں ہے بلکہ تعلیم غیب ہے وشتان بینہما

دوسرے اس قول کو تمام غیوب پر محمول کرنا ممکن بھی نہیں کیونکہ اس سے خالق اور مخلوق کی مساوات (صفت علم میں) لازم آتی ہے جو عقلاً محال ہے، نیز اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کل یوم ھو فی شان ہر دن وہ ایک نئی شان میں ہے اور اشیا (مخلوق میں) بعض تو بنی آدم کی پیدائش سے بھی پہلے واقع ہوچکی ہیں اور بعض ان کی موت کے بعد واقع ہونگی تو ان سب کا مجموعی یا تفصیلی علم کسی مخلوق کیلئے ثابت ہونا) عقل ونقل دونوں اعتبار سے محال ہے، الوجہ الثالث قولہ علیہ السلام ما من شیئ لم اکن ارتیہ الی قولہ مستحیل من طریق العقل والنقل

ف اس زمانہ کے جاہل صوفیوں کو اس مقام سے سبق لینا چاہیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم غیب کہتے ہیں اور صوفیہ محققین کو بدنام کرتے ہیں کہ یہ لوگ رسول کا ادب نہیں کرتے ان جاہلوں کے نزدیک رسول کا ادب یہ ہے کہ ان کو خدا کے برابر کردیا جائے تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا" ان لوگوں کو آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہیئے کہ محققین سلف کا عقیدہ اس باب میں کیا ہے؟ علامہ ابن ابی جمرہ کا درجہ صوفیہ محققین اور علما محدثین میں جو کچھ ہے وہ ان کے ترجمہ سے ظاہر ہے جو کتاب کے شروع میں لکھ دیا گیا ہے اتنا بڑا محقق اور محدث صاف کہر رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جملہ مغیبات کا علم حاصل ہونا عقلاً اور نقلاً ہر طرح محال اور ناممکن ہے آپ کو صرف بعض غیوب کا علم حاصل تھا جسکی امت کو یا ذات مقدسہ کو حاجت تھی جملہ غیوب کا علم حاصل نہ تھا، یہی وہ بات ہے جس کی ہمارے اکابر نے تصریح فرمائی تو ایوان بدعت میں زلزلہ آگیا اور تکفیر کے گولے برسنے لگے و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

(۹۱) علوم کشفیہ مقصود نہیں بلکہ علوم وحی مقصود ہیں

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جس قدر مغیبات کا مشاہدہ کرایا گیا تھا ان سب کی خبر امت کو دینا آپ کے

ذمہ ضرور نہ تھا بلکہ آپ کو اختیار تھا کہ سب کو بیان کردیں یا بعض کو بیان کریں اور بعض کو بیان نہ کریں بخلاف وحی کے اس کا تمامہ بیان کرنا آپکے ذمہ لازم تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن چیزوں کا مشاہدہ اس مقام پر ہوا تھا آپنے ان میں سے صرف بعض کا پتہ دیا تھا یعنی جنت ودوزخ کا، باقی سے سکوت کیا اور وحی میں آپ ایسا نہیں کرسکتے بلکہ اس کو کامل ومکمل جس طرح نازل ہوتی اسیطرح بیان فرماتے تھے، اور راسمیں حکمت واللہ اعلم یہ ہے کہ مشاہدات غیبیہ میں بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن پر کسی اور کا مطلع ہونا ممکن نہیں نہ کسی اور میں اتنی طاقت ہے بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ نے خاص قوت ومدد سے آپ کی امداد فرمائی ہے، بخلاف وحی کے کہ وہ اسی انداز پر نازل ہوتی ہے جس کی تلقی (اور تحصیل) کی امت کو قدرت ہے۔

ف اس سے معلوم ہوا کہ علوم کشفیہ کو قرب میں دخل نہیں ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مشاہدات غیبیہ کو امت سے بیان کردیتے آپنے قرب الٰہی کے تمام طرق بیان فرمادیئے ہیں کسی بات کو مخفی نہیں رکھا، قرب میں علوم وحی کو دخل ہے اسی لئے آپنے علوم وحی کو بتمامہ بجنسہ بیان فرما دیا ہے پس سالکین کو علوم وحی کا اہتمام کرنا چاہیئے علوم کشفیہ کے درپے نہ ہونا چاہیئے جب علوم وحی کے اتباع سے بندہ کو قرب حاصل ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اسکی استعداد کیموافق علوم کشفیہ بھی عطا فرمادیتے ہیں اور یہ بھی لازم وضروری نہیں کیونکہ باتفاق امت صحابہ تمام امت سے افضل ہیں مگر حضرات صحابہ سے علوم کشفیہ منقول نہیں صرف علوم وحی منقول ہیں علوم کشفیہ زیادہ تر اولیاء متاخرین سے منقول ہیں خوب سمجھ لو۔

(۹۲) قدرت الٰہی نہ عقل کی پابند ہے نہ قیاس کی تابع

حدیث میں اللہ تعالیٰ کی عظمت قدرت پر بھی دلالت ہے اور یہ کہ قدرت نہ عقل انسانی کی پابند ہے نہ اسکے قیاس پر چلتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کو یہاں سے (یعنی دنیا سے) تو دیکھ لیا اور شب معراج میں نہیں دیکھا اسوقت صرف سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا جو جنت میں داخل نہیں جیسا معراج کی حدیث میں اس کا بیان آئیگا انشاء اللہ تعالیٰ نیز ان دو نہروں کو دیکھا جو سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکلتی اور جنت کیطرف جاتی ہیں، تو یہ اس بات کی بڑی دلیل ہے

کہ قدرت جس چیز کو چاہتی ہے چھپا دیتی ہے خواہ اس کے درمیان کوئی واسطہ اور فاصلہ ہو یا نہ ہو،
اور جس چیز کو چاہتی ہے ظاہر کر دیتی ہے خواہ وہ حجاب میں ہو یا بے حجاب، اور اس حقیقت کے اظہار
پر فائدہ یہ مرتب ہوا کہ اس کے جاننے سے عادات پر التفات چھوٹ جاتا اور ایمان مضبوط ہو جاتا
ہے اور جب آدمی قدرت الٰہی کی عظمت کا یقین کر لیتا ہے کہ یہ واقعہ بھی اسی کا ایک نمونہ ہے
تو کسی چیز کے حاصل ہونے یا جاتے رہنے سے غم اور ناز کرنا چھوڑ دیتا ہے اسوقت مؤمن کا دل اپنے
مولیٰ کی بارگاہ سے لو لگانے اور ماسوا سے بے التفات ہو جانے کے لیے کھل جاتا ہے اور اپنے ہاتھ سے
اشیاء میں جو کچھ تصرف کرتا ہے اس پر (اصلاً) بھروسہ نہیں کرتا بلکہ محض مقتضائے حکمت کو باقی رکھنے
کے لئے اسباب سے کام لیتا اور اپنے ہاتھوں سے تصرف کرتا ہے الوجہ العاشر والوجہ الحادی
عشر الخ قولہ بل ابتاء لا ثر الحکمۃ"

ف عظمت قدرت کا انکشاف بڑی دولت ہے جو سالکین کا مقصود اعلیٰ ہے اور اس کا
طریقہ اسکے سوا کچھ نہیں کہ حدیث و قرآن کو سمجھ کر پڑھا جائے ذکر اللہ کی کثرت کی جائے بالخصوص
لا الہ الا اللہ اور سنت نبویہ کا اتباع کیا جائے اس کی برکت سے عظمت قدرت کا انکشاف
بہت جلد ہو جاتا ہے۔

(۹۳) ایک ہی وقت میں مختلف مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ممکن ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد یقال ما علمک بھذا الرجل کہا جائیگا کہ اس
شخص کی نسبت تو کیا جانتا ہے، اس شخص سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے
اور مردہ کو آپ کا دیدار معائنہ و مشاہدہ سے ہوگا اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت قدرت کی دلیل ہے
کیونکہ لوگ ایک ہی وقت میں مختلف اور دور دراز اطراف عالم میں مرتے ہیں اور سب کے سب حضور
کو اپنے پاس دیکھیں گے کیونکہ اہل عرب لفظ ھذا کو اشارۂ قریب ہی کیواسطے استعمال کرتے ہیں نیز
اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ ایک وقت میں مختلف اقطار عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم کو مختلف صورتوں میں دیکھنا ممکن نہیں کیونکہ اول تو جیسا ہم نے ابھی بیان کیا قدرت سے یہ کچھ
بعید نہیں دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من رآنی فی المنام فقد رآنی حقا

جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے سچ مچ مجھے ہی دیکھا ہے (کیونکہ شیطان آپ کی صورت نہیں بنا سکتا)
تو جو شخص حضور کی رؤیت کا منکر ہے وہ اس حدیث کی تکذیب کرتا اور قدرت کو پابند کرتا ہے جو کسی
چیز کی پابند نہیں نہ کسی حد اور قیاس کی تابع نیز اس میں اُن لوگوں کی دلیل ہے جو ایک وقت میں اطراف
عالم میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار کو ممکن اور جائز سمجھتے ہیں ان کی دلیل نقل سے تو یہی حدیث
ہے جس کو ہم بیان کر رہے ہیں اور عقلی دلیل یہ ہے کہ اُن کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس
آئینہ کے مشابہ ہے جس میں ہر شخص اپنی اچھی بُری شکل دیکھ لیتا ہے اور آئینہ اپنے اس حسن پر رہتا ہے
جو اسکے اندر ہے اس میں تغیر نہیں آتا " الوجہ العشرون الیٰ قولہ فی الوجہ الثانی والعشرین
علی حالتہا من الحسن لم تتبدل ؛

ف اس حدیث سے ہمارے بزرگوں نے اشتیاق موت کا سبق بھی حاصل کیا ہے کہ جب مرنے کے بعد
بعد قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوگی اور آپ کا دیدار نصیب ہوگا تو ایسی موت پر ہزار زندگیاں
قربان، مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو پڑھاتے ہوئے جب یہ مضمون بیان
فرماتے تو یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

کشتنے کہ عشق دارد نہ گذار دت بدیں ساں | بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

(۳۱) کراماتِ اولیاء حق ہیں

اس حدیث میں کرامت اولیاء کے حق ہونے کی بھی دلیل ہے کہ وہ دور دراز کی اشیاء پر مطلع
ہو جاتے اور کھلی آنکھوں ان کو اپنے پاس دیکھتے ہیں اور چند قدم اٹھا کر لمبی سے لمبی مسافت
کو طے کر لیتے ہیں کیونکہ جس قدرت نے یہ سب کچھ کر دکھلایا جس کا حدیث میں بیان ہے کہ حضور نے
اس عالم میں رہتے ہوئے جنت اور دوزخ کا معائنہ فرمایا اور ان کو اپنے سامنے قریب دیکھا حالانکہ جنت
ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش کے نیچے ہے عرش الٰہی اسکی چھت ہے اور دوزخ اسفل السافلین
میں بحر اعظم کے نیچے ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اولیاء کو اشیاء بعیدہ یا مسافت طویلہ تک ذرا سی
دیر میں پہنچا دیا ہے اسی واسطے بعض اولیاء نے فرمایا ہے کہ دنیا مومن کا ایک قدم ہے اسیطرح
باوجود کثافتِ بدن کے ان کا قلوب پر مطلع ہو جانا بھی ممکن ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہو
چکا ہے کہ جو اجسام خود اپنی ذات سے کسی شئے کی رؤیت سے حاجب ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

دنیا میں رہتے ہوئے جنت و دوزخ کو کیونکر دیکھ لیتے جن میں سے ایک ساتویں آسمانوں کے اوپر
چہار دیواری گھری ہوئی ہے اور ایک اسفل السافلین میں بحر اعظم کے نیچے ہے جیسا ابھی بیان ہوا
نیز میت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں کیونکر دیکھ سکتا حالانکہ آپ کے اور میت کے درمیان زمین
اور پہاڑوں کی دیواریں حائل ہیں اور زمین تمام جواہر سے زیادہ کثیف ہے وھذا مما
نبہ علیہ الشارح فی الوجہ التاسع) ایک بزرگ کی جو اس کرامت سے ممتاز تھے
حکایت ہے کہ وہ اپنے احباب کی ساتھ ایک مقام پر بیٹھے ہوئے تھے مجلس میں ایک عام شخص بھی آ
گیا جو ان کی جماعت میں داخل نہ تھا بزرگ کے خدام میں سے ایک شخص نے اس عامی کے قلب
پر نظر کی تو کچھ اچھی حالت نہ دیکھی جب یہ عامی مجلس سے چلا گیا تو بزرگ نے اس خادم سے فرمایا
جو کچھ تم نے دیکھا ہے اس کو واپس کرو کیونکہ تمہارے سوا دوسروں نے بھی تمہاری اس حرکت کو
دیکھ لیا ہے اور اگر اس شخص کو یہاں برداشت نہ کیا جائے گا تو مروان طریق میں اور کہاں اسکی
قدر ہوگی ہمارا مطلب یہ تھا کہ جس شخص کو کشف قلوب کی کرامت حاصل ہو اس کو بڑا حوصلہ مند
ہونا چاہیئے کہ اگر کسی کے دل کی حالت اچھی نہ معلوم ہو تو اسکو حقیر سمجھ کر نظروں سے نہ گرائے بلکہ
اسکی حالت درست کرنے کی کوشش کرے توجہ سے بھی اور دعا سے بھی اور تبلیغ و نصیحت سے بھی
اور جس کا حوصلہ اس درجہ کا نہ ہو وہ اس کرامت کا اہل نہیں اسی لئے بزرگ نے اس مرید کی
کرامت کو سلب کر لیا جس کے بعد وہ کشف قلوب کے قابل نہ رہا ۱۲)

اس حدیث سے بہت سی مجمل احادیث اور مشکل مسائل کی تفسیر و توضیح ہوگئی جو سننے کے بعد
بعض لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن موت کو اہل جنت
و اہل جہنم کے سامنے لایا جائیگا اور وہ سب اس کو پہچان لیں گے اسی طرح قیامت کے دن مسلمان
خاص تجلی سے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں گے وہ فرمائیں گے میں تمہارا رب ہوں تو یہ کہیں گے بیشک آپ
ہمارے رب ہیں حالانکہ بہتوں نے اس وقت سے پہلے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا نہ پہچانا تھا تو جسطرح
مومن قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی پہچان لیگا اسی طرح یہاں سمجھ لو اور اس معرفت
کی فرع یہ بھی ہے کہ بعض اولیاء کو اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ وہ بعض مسائل فقہیہ کا جواب سوال سنتے
ہی معلوم کر لیتے ہیں حالانکہ پہلے سے ان مسائل کا ان کو کچھ علم بھی نہیں ہوتا پھر کتابوں میں دیکھا

جاتا ہے تو بعینہٖ انکے قول کیموافق (جواب) نکلتا ہے اور اس قسم کے بہت سے اشکالات ہیں جو اس حدیث سے حل ہو گئے یہ سب کے سب اسی قاعدہ کیموافق جس کا ذکر ہو چکا قدرت کے تحت میں ہیں اسلئے ان میں کچھ بھی اشکال نہیں کیونکہ قدرت جو چاہتی ہے اور جسطرح چاہتی ہے کرتی ہے الوجہ الخامس والعشرون والسادس والعشرون الیٰ قولہ لان القدرۃ لا تصنع ما شآء کیف شاءت ۔

ف بحمد اللہ ہم نے اپنے اکابر میں اس شان کا مشاہدہ کیا ہے کہ سوال سنتے ہی جواب ان کے دل میں آجاتا ہے پھر کتابوں میں وہی نکلتا ہے جو ان کے دل میں آیا تھا ، حضرت حکیم الامت دام مجدہم فرماتے تھے کہ جس شخص کو یہ دولت نصیب ہو جائے کہ اس کے دل میں سوال سن کر وہی جواب آئے جو کتابوں سے تلاش کے بعد نکلتا ہے اس کو اجتہاد سے کچھ حصہ مل گیا یہ مطلب نہیں کہ وہ مجتہد ہو گیا بلکہ اسکو اجتہاد کا ایسا ہی جزو سمجھنا چاہئے جیسا حدیث میں رویائے صادقہ کو نبوت کا ایک جزو قرار دیا گیا ہے کیونکہ اجتہاد بھی اسی وقت کے کمال کا نام ہے جب اسکے ساتھ دیگر آلات اجتہادیہ پوری طرح میسر ہوں "

اجتہاد محض حفظِ روایات کا نام نہیں بلکہ وہ ایک نور ہے جو مجتہد کے دل میں اللہ تعالیٰ پیدا کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ہر مسئلہ کا صحیح جواب اول اپنے ذوق سے معلوم کر لیتا ہے مگر اس پر اس وقت تک اعتماد نہیں کرتا جب تک حدیث مرفوع یا قول صحابی یا اقوال سلف سے موافقت نہ ہو مولانا فرماتے ہیں ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معین و اوستا

ف یہ دولت تقویٰ اور اتباع سنت اور کثرت ذکر و صحبت مشائخ اہل قلوب سے جلد میسر ہوتی ہے محض درس و تدریس اور کتب بینی سے یہ دولت حاصل نہیں ہوتی مگر یہ کہ استاد جامع بین الظاہر والباطن ہو تو اسکی صحبت سے بھی یہ نور میسر ہو جاتا ہے۔

(۹۵) سچی بات بدلا نہیں کرتی

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سچی بات بدلا نہیں کرتی گو صاحب حق کا کتنی ہی بار امتحان کیا جائے کیونکہ حدیث میں کہا گیا ہے کہ میت سے تین بار سوال کیا جائیگا تو مومن چونکہ حق پر ہوگا وہ فرشتوں کے تین بار سوال لوٹانے سے گھبرائیگا نہیں بلکہ ایک ہی جواب پر جما رہے گا کیونکہ اس کو اپنے حق پر ہونے کا یقین ہوگا۔

اگر جواب صحیح نہ ہوتا تو دوسری بار یا تیسری بار سوال کے دہرانے سے گھبرا جاتا اور گھبرا کر پہلے جواب سے ہٹ جاتا کہ شاید یہ جواب ٹھیک نہیں تھا اس لئے سوال دوبارہ کیا گیا اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں

ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا

اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو لوگ اسمیں بہت اختلاف پاتے

(کیونکہ اس صورت میں قرآن کا بنانے والا جھوٹا ہوتا اور جھوٹے کی باتیں مختلف ہوتی ہیں اور دروغ گورا حافظہ نباشد ۱۲) غرض جو بات اللہ کے پاس سے (اللہ کی طرف سے) ہو گی وہ حق ہو گی اور حق مختلف ہوتا ہے نہ متبدل و متغیر" الوجہ الثانی والثلثون فی ھذہ الدلیل علی ان الحق لا یتبدل الیٰ قولہ والحق لاخلاف فیہ ولا یتبدل "

ف ایک حدیث صحیح میں جسکی حاکم نے مستدرک میں تخریج کی ہے کسی قوم کے مبتلائے فتنہ ہونے کی علامت یہ بتلائی گئی ہے کہ جس چیز کو پہلے حلال سمجھا جاتا تھا اسکو حرام سمجھنے لگیں اور جس کو پہلے حرام سمجھتے تھے اسکو حلال سمجھنے لگیں پس علمائے اہل سنت کو ان احادیث سے سبق لینا اور اپنی حالت پر غور کرنا چاہیئے کہ مسائل و احکام میں یہ اختلاف و تبدیل جو ان کے ہاتھوں ہو رہی ہے کس بات کا پتہ دے رہی ہے ؟

ف اس حدیث سے سالکین کو بھی سبق لینا چاہیئے کہ حالات و واردات میں سے اسی کو حقانی سمجھیں جو قائم رہے متغیر و متبدل نہ ہو یعنی اس کا اثر باقی رہے گو غلبہ نہ رہے کیونکہ حال یا وارد کا غلبہ جیسا غلبہ ابتداء میں ہوتا ہے بعد میں ویسا نہیں رہتا اور اسمیں بھی حکمت ہے ورنہ انسان دوسرے کاموں سے معطل ہو جائے لیکن جو حال یا وارد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے وہ زوال غلبہ کے بعد اپنا اثر چھوڑ دیتا اور مقام بن جاتا ہے اور کیفیات نفسانیہ زوال غلبہ کیساتھ اپنا کوئی نشان نہیں چھوڑتیں، اہل بصیرت اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ حالت قبض میں کیفیات نفسانیہ ہی زائل ہوتی ہیں حالات و واردات رحمانیہ کو زوال نہیں ہوتا ان کا اثر باقی رہتا ہے۔

رزقنا اللہ وایاکم الثبات علی الحق و رزقنا الصدق فی الاقوال والاحوال و الاعمال کلہا بمنہ وکرمہ انہ جواد کریم"

(۹۶) عقل و فہم اسباب سے نہیں بلکہ اللہ کی عطا سے نصیب ہوتی ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فہم و تمیز اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیز ہے جس کو چاہتے ہیں کسی مقدمہ یا سبب کے ذریعہ یا بدون مقدمہ اور سبب کے عطا کر دیتے ہیں کیونکہ اس امت میں زیادہ تر افراد وہ ہیں جو علم سے اس قدر سیراب نہیں ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کو علم کے ذریعہ پہچان لیں (چنانچہ مشاہد ہے) کہ ایسے افراد بہت کم ہیں پھر بھی باوجود حضور کی ذات و صفات سے ناواقف ہونے کے مسلمان جب حضور کو قبر میں دیکھیں گے دیکھتے ہی کہدیں گے یہ محمد رسول اللہ ہیں اُن سے تین دفعہ سوال کیا جائے گا پھر بھی وہ اس بات سے نہ ہٹیں گے ان کو یقین ہوگا کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں وہی حق ہے، یہ اس بات کی بڑی دلیل ہے جو ہم نے پہلے بیان کی ہے کہ اس حدیث سے بعض احادیث اور بعض مسائل بلکہ بعض آیات سے بھی اشکال رفع ہوگیا کیونکہ جس قدرت کے تحت میں یہ بات داخل ہے جس کا اس حدیث میں ذکر ہے وہ اس قسم کی سب باتوں پر قادر ہے

اتباع کیساتھ بعض صفات الٰہیہ سے جاہل ہونا مضر نہیں اور ترک اتباع کیساتھ دلائل و براہین کی معرفت مفید نہیں

اس حدیث سے اہل سنت کے اس قول کی بھی تائید ہوگئی کہ اتباع امر و نہی کے ساتھ دلیل و برہان سے اللہ تعالیٰ کی معرفت مفید نہیں کیونکہ مسلمانوں میں بعض تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات سے واقف ہیں اور بعضے ناواقف ہیں مگر سب کے سب حضور کو دیکھتے ہی پہچان لیں گے اور خوب پہچان لیں گے کہ تین دفعہ ان سے سوال کیا جائیگا اور ہر دفعہ یہی جواب دیں گے کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس جواب سے نہیں ہٹیں گے، اور منافقوں میں سے بعض نے دنیا میں حضور کو دیکھا تھا اور اچھی طرح پہچان لیا تھا مگر جب اس معرفت کے فائدہ کا وقت آیا تو معرفت جہل سے بدل گئی اس کا سبب بجز اسکے اور کیا تھا کہ مسلمانوں نے حضور کے طریقہ کا اتباع کیا تھا اور منافقوں نے اتباع نہ کیا تھا تو ان کا علم جہل سے بدل گیا اور ظاہری معرفت نے کچھ بھی نفع نہ دیا اسی طرح جو لوگ فلاسفہ کی طرح دلائل و براہین سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتے ہیں اور

شریعت کا اتباع نہیں کرتے قیامت میں یہ معرفت ان کو نفع نہ دیگی بلکہ بہت سے جاہل مسلمان اتباع شریعت کی بدولت اُن سے اعلیٰ وارفع ہوں گے۔ پس کوئی ہے جو غفلت سے بیدار ہو کر تحصیل اخلاص وصدق پر آمادہ ہو اور اپنی رہائی کا راستہ اختیار کرے؟ الوجہ الثالث والثلاثون والرابع والثلاثون فی ھذا دلیل لاھل السنۃ الی قولہ لیسلک محجۃ خلاصۃ»

ف اس سے سالکین معارفین کو سبق لینا چاہیئے کسی کو اپنی فہم معرفت پر ناز نہ کرنا چاہیئے یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے جس کو چاہتے ہیں عطا فرما دیتے ہیں اور سچی معرفت وہ ہے جو مرنے کے بعد قبر میں اور حشر میں کام دے جس کی دنیا میں کسی کو خبر نہیں ؎

تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد

(۹۷) اہل یقین غلطی سے محفوظ اور خطرات سے مامون رہیں گے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یقین والے سوال قبر کے موقعہ پر جواب میں غلطی سے محفوظ اور اس مقام پر جن خطرات وفتن کا اندیشہ ہے اُن سے مامون رہیں گے۔ پس مقام یقین حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنا چاہیئے اور ظاہر ہے کہ صوفیہ اس مقام میں دوسروں سے زیادہ راسخ ہیں، رہا مؤمن کا حال تو وہ بقیہ حدیث کی شرح میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ (جس کا ترجمہ نہیں کیا گیا) الوجہ الحادی والاربعون فی ھذا دلیل علی ان الموقنین محفوظون الی قولہ واما المؤمن نستأتی بیانہ فی باقی الحدیث انشاء اللہ تعالیٰ

(۹۸) ایمان کو قوی یقین کو مضبوط اور سفر آخرت کا سامان کرنا چاہیئے

مجموعہ حدیث پر دو علمی فائدے مرتب ہوئے ایک یہ کہ اس سے ایمان کو قوت اور یقین کو عروج اور کمال حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس حدیث میں عظمت قدرت اور عظمت قادر پر بہت زیادہ دلالت ہے جیسا کئی بار ہم نے بتلایا ہے، دوسرے کوچ کے لئے سامان کرنے اور اپنی نجات کا راستہ اختیار کرنے اور دنیا میں جتنی بھی فرصت انسان کو ملے اس کیلئے کوشش کرنے کی ہدایت ہے کیونکہ اس حدیث میں موت کی خبریں اور نجات وغیرہ کے طریقوں کا بیان بہت کچھ ہے پس کیا کوئی

اپنی جان چھڑانے کو مستعد ہے؟ قبر میں اترنے سے پہلے، کیونکہ جب ڈرا دیا گیا ہے تو پھر کسی قسم کا عذر نفع نہ دیگا۔ الوجہ السادس والاربعون بترتیب علی مجمع ھذا الحدیث الی قولہ لانہ لم ینفع الاعتذار مع تقدم الانذار۔

ف اس حدیث اور اس قسم کی تمام احادیث سے یہ فوائد صوفیۂ اہل باطن ہی کو حاصل ہوتے ہیں اور وہی سفر آخرت کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں ظاہر بینوں یا سیاست دانوں کو ان فوائد کی ہوا بھی نہیں لگتی اور یہ دلیل ہے حضرات صوفیہ کے حق پر ہونے کی کہ ان کو حدیث و قرآن کی صحیح فہم اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں جعلنا اللہ وایاکم من حزبہ وحزب حبیبہ"

ف حدیث سے صحابہ و تابعین کی احتیاط فی الروایۃ ظاہر ہے کیونکہ فقط مثل اور قریب اور لفظ مؤمن و موقن اور منافق و مرتاب کے معانی میں کچھ تفاوت نہیں ہے مگر چونکہ راوی کو اس میں شک تھا کہ حضرت اسماء نے کون سا لفظ اختیار کیا تو اس نے اپنے تردد کو ظاہر کر دیا کہ یہ لفظ تھا یا وہ ان دونوں میں سے ایک تھا، کیا اب بھی کسی کو رواۃ حدیث کی عدالت اور حدیث کی حجیت میں کچھ کلام ہو سکتا ہے؟ ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور

۱۱۳
باب سیزدہم

حدیث

اسعد الناس من قال لا الٰہ الا اللہ

(حضرت) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے زیادہ کامیاب کون ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ! میں جانتا تھا کہ اس بات کو تم سے پہلے کوئی مجھ سے نہ پوچھے گا کیونکہ میں حدیث کیساتھ تمہارے شوق (اور شغف) کو دیکھ رہا ہوں، قیامت کے دن میری شفاعت سے زیادہ کامیاب وہ ہوگا جس نے لا الٰہ الا اللہ خالص دل سے کہا ہوگا۔

شرح ظاہر حدیث اس بات کو بتلا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے قیامت کے دن زیادہ کامیاب وہ ہوگا جس نے خالص دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا ہوگا اور اس کے متعلق چند ضروری باتیں قابل ذکر ہیں۔

(۹۹) سوال سے پہلے مخاطب کا نام لینا چاہیئے حدیث سے معلوم ہوا کہ سوال سے پہلے مخاطب (مسئول) کا نام لینا چاہیئے اور اگر اس کے نام و القاب متعدد ہوں تو جو ان میں سب سے اعلیٰ اور اس کو سب سے زیادہ محبوب ہو اسی کو اختیار کرنا چاہیئے بشرطیکہ وہ نام شریعت کیموافق ہو، کیونکہ صحابی نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھنا چاہا تو پہلے آپ کا نام لیکر آپ کو پکارا پھر سوال کیا (چھوٹتے ہی سوال شروع نہیں کر دیا) اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور القاب

متعدد تھے توان میں جو سب سے اعلیٰ اور سب سے زیادہ حضور کو محبوب تھا یعنی رسول اللہ اس سے آپ کو
پکارا (اور اس طرح سوال سے پہلے حضور کو اپنی طرف متوجہ کیا)

سوال کے وقت تکلف اور تملق سے باتیں نہ کرنا چاہئیں

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ (شیخ یا مربی سے) کوئی
بات دریافت کرنے کے وقت التماس اور چاپلوسی (اور تکلف نہ کرنا چاہیئے کیونکہ صحابی نے
حضورؐ کا اسم گرامی لینے کے بعد اپنی حاجت ہی بیان کردی کوئی اور بات التماس یا تکلف کی نہیں کی"

محبت اتباع میں ہے باتوں میں نہیں

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت (آپکے) اتباع میں ہے باتوں
میں نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر محبت تھی وہ
معلوم ومتیقن ہے اور اتباع (رسول) میں بھی جو درجہ اُن کا ہے کسی سے مخفی نہیں مگر (باایں
ہمہ) اس موقعہ پر انہوں نے جب حضور کو پکارا تو آپکے مشہور نام پر کچھ اضافہ نہیں کیا اور اسی
صفت میں تمام صحابہ یعنی مہاجرین وانصار اور حضورؐ کے خاص عشاق سب ایسے ہی تھے ۔
(سب یارسول اللہ کے سوا کچھ نہ کہتے تھے) باوجود اس قدر کامل محبت کے کسی سے منقول نہیں
کہ انہوں نے ایک دن بھی حضورؐ کے نام میں مبالغہ کیا ہو اور یہ بات ان کے حالات سے بالیقین معلوم
ہو چکی ہے کہ یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم میں کوتاہی نہ کرتے تھے (پس
ثابت ہوا کہ سادگی سے نام لینا خلاف ادب نہیں اور نام لینے میں مبالغہ کرنا تعظیم وتکریم کے لئے
لازم نہیں)

حدیث میں صوفیہ کے اس طرز کی بھی دلیل ہے کہ وہ محبوب کے ذکر سے کلام شروع کرنے کو
پسند کرتے تھے اور فرماتے ہیں کہ اسطرح کلام شروع کرنے سے دل روشن ہو جاتا ہے اور سیدھے راستہ
کی ہدایت ہوتی ہے اور اس سے ہمیشہ فائدے حاصل ہوتے اور خوشیاں نصیب ہوتی ہیں کیونکہ آدمی جب
اپنے سب سے زیادہ محبوب کا نام لیگا تو اس سے اسکی مسرت دوچند اور بشارت ترقی پذیر ہوگی جیسا آئندہ
(مفصل بیان) آئے گا۔

اس مضمون کی زیادہ وضاحت اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پیر

میں کچھ تکلیف ہوگئی تھی جس کی وجہ سے وہ اسکو دراز نہیں کر سکتے تھے کسی طبیب سے حال بیان کیا تو اس نے کہا کہ اپنے سب سے زیادہ محبوب کا نام لیکر اس کو دراز کرو کھل جائے گا چنانچہ انہوں نے اسی وقت وا محمداہ کہا تو فوراً ہاتھ کھل گیا رجب اطبائے ظاہر امراض ظاہر میں محبوب کے نام کی تاثیر کے قائل ہیں تو اطبائے باطن اگر شفائے ظاہر باطن میں اسکے قائل ہوں تو کیا تعجب ہے ؟

الوجہ الاول والثانی والثالث والرابع الی قولہ فنادی وا محمداہ فامتدت یدہ"

(۱۰۰) معیار فضیلت قوت ایمان ہے کثرت عمل نہیں

حدیث سے (حضرات) صحابہ کی قوت ایمان

اور فضیلت بھی معلوم ہوئی کیونکہ شفاعت سے کامیاب اور ناکام کو وہی دریافت کر سکتا ہے جس کا ایمان شفاعت پر کامل اور تصدیق مضبوط ہو اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ما فضلکم ابو بکر بصوم ولا صلوٰۃ ولکن بشئی وقر فی صدرہ "ابو بکر (صدیق) کو تم پر نماز روزہ سے فضیلت حاصل نہیں ہوئی بلکہ اس چیز سے جو اُن کے دل میں جمی ہوئی ہے"

اور صدیق اکبر کے دل میں جو بات تھی وہ قوت ایمان اور یقین ہی تو ہے اسیطرح تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو دوسروں پر اسی چیز سے فضیلت حاصل ہے جو ان کے دل میں تھی اور جو کوئی محروم یا مرتد ہوا وہ ایمان اور تصدیق کی کمزوری ہی سے محروم و مرتد ہوا کیونکہ جس کا ایمان کمزور ہوتا ہے وہ معاملات آخرت اور قدرت حق کی کیفیت دریافت کرنے کے درپئے ہوتا ہے اور جب کیفیت سمجھ میں نہیں آتی تو دین سے ایسا نکل آتا ہے جیسا تیر نشانہ سے اور اس بیچارہ کو اپنی اس حالت کی خبر بھی نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے آزمائش اور ابتلاء سے بچائے ؛

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سعادت کی طلب اور اس کا اہتمام کرنا اور اس کے حصول کے طریقوں کو کام میں لانا چاہیئے کیونکہ جو شخص سعادت کا راستہ معلوم کرے گا اور اسکے سوا دوسرے راستوں کو چھوڑ دیگا اور اسی واسطے وہ اس راستہ کو دریافت کریگا الوجہ السابع والثامن فیہ دلیل علی قوۃ ایمان الصحابۃ الی قولہ فلذلک یسأل عنہا"

ف یہاں سے قوت ایمان اور یقین کا درجہ معلوم ہو گیا کہ اسی پر مدار فضیلت ہے، اسی لئے حضرات صوفیہ اعمال ظاہرہ سے زیادہ تقویت ایمان او تکمیل یقین کا اہتمام کرتے ہیں تم دیکھو گے کہ محققین صوفیہ عام زاہدوں عابدوں سے زیادہ نمازیں نہیں پڑھتے مگر ان کی قوت ایمان دوسروں سے زیادہ ہے۔

(۱۰۱) معاملات آخرت قیاس و عقل سے بالاتر ہیں

حدیث سے معلوم ہوا کہ معاملات آخرت میں قیاس اور عقل و اجتہاد کو دخل نہیں کیونکہ قیامت کی دونوں شفاعتوں کا علم تھا اور یہ بھی دلائل سے اُن کو معلوم تھا کہ شفاعت سے زیادہ کامیاب کون ہے اور ناکام کون ہے، کیونکہ شفاعت کا علم حاصل ہونے کے بعد اس کا علم ضروری ہے لیکن انہوں نے اس علم پر التفات نہیں کیا جو ان تمام واقعات سے دلالۃً حاصل تھا بلکہ شارع علیہ السلام سے صراحۃً اس کو دریافت کیا اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کے نزدیک بات طے شدہ تھی کہ اس باب میں نقل کے سوا کسی شئے کو دخل نہیں الوجہ الحادی عشر فی ھذا دلیل علی ان امور الآخرۃ لا توخذ بالعقل الی قولہ لا یسوغ فیہ غیر النقل کما تقدم"

ف پس امور آخرت کے اثبات میں دلائل عقلیہ سے کام نہ لینا چاہیئے بلکہ دلائل نقلیہ سے ان کو ثابت کرنا چاہیئے۔

(۱۰۲) مخاطب کا دل خوش کرنا سنت ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جواب دینے سے پہلے سائل کا دل خوش کرنا سنت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب سے پہلے یہ فرمایا کہ اے ابوہریرہؓ میں جانتا تھا کہ تم سے پہلے اس حدیث کو مجھ سے کوئی نہ پوچھے گا۔ اور اس بات سے صحابی کا دل خوش ہونے میں راز یہ ہے کہ یہ بات حضورؐ اس وقت تک نہیں فرما سکتے جب تک صحابی کے شوق و شغف کا مشاہدہ نہ فرمائیں اور شوق حدیث کا علم اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ حضورؐ ہمیشہ انکی طرف متوجہ رہتے اور ان کے اقوال و افعال پر نگاہ رکھتے ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی ایک کو ایک نگاہ دیکھ لینا ہی صحابہ کے لئے خوشی کا بڑا سرمایہ تھا

تو جتنی بات اور دن ہر وقت حضور کی توجہ ہو اسکی خوشی کا کیا پوچھنا ؟ الوجہ الرابع عشر فی ھذا دلیل علی ان من السنۃ ادخال السرور والی قولہ فکیف بھا فی مرۃ واللیالی والایام۔

ف یہ حکم اس وقت ہے جبکہ سائل نے کام کی بات پوچھی ہو اور اگر فضول بات پوچھی ہو تو اسکے متعلق دوسری سنت یہ ہے کہ ناراضی کا اظہار کیا جائے چنانچہ حدیث میں ہے کان یکرہ المسئلۃ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سوال سے ناگواری ہوتی تھی یعنی فضول سوال سے خوب سمجھ لو۔

(۱۰۳) مخاطب کی خوشی میں اضافہ کرنا سنت ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خوشی پر خوشی کا اضافہ کرنا زیادہ مناسب ہے اس سے مسرت بڑھ جاتی ہے کیونکہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی ہی بات پر سکوت فرماتے کہ میں جانتا تھا کہ تم سے پہلے اس حدیث کو کوئی نہ پوچھے گا تو صحابی کے خوش ہونے کو اتنا ہی کافی تھا مگر جب آپ نے اس کا سبب بھی بتلا دیا کہ میں تمہارے شوق کو دیکھ رہا ہوں تو اس سے مسرت پر مسرت کا اضافہ ہو گیا اور یہ ایسا ہی ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سردار وفد عبدالقیس سے فرمایا تھا فیك خصلتان یحبھما اللہ ورسولہ قال یا رسول اللہ ذلك شیئ اتصنعہ انا او شیئ جبلنی اللہ علیہ قال بل شیئ جبلك اللہ علیہ فقال الحمد للہ الذی جبلنی علی خصلتین یحبھما اللہ ورسولہ تمہارے اندر دو خصلتیں ہیں جن کو اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ان خصلتوں کو بہ تکلف اپنے اندر پیدا کرتا ہوں یا اللہ تعالیٰ نے میری فطرت میں انکو رکھدیا ہے فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری فطرت میں ان کو رکھا ہے، کہا اللہ کا شکر ہے جس نے میری فطرت میں ایسی دو خصلتیں رکھدی ہیں جن کو اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں، اسی کی نظیر وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مومنین کے متعلق بیان فرمائی ہے کہ جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو ان سے کہا جائیگا ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون، بما کنتم تکسبون، بما اسلفتم فی الایام الخالیۃ

کہ جنت میں داخل ہو جاؤ ان اعمال کے سبب جو تم نے کئے تھے جو تم اپنے اختیار سے کرتے تھے جو تم نے گذشتہ ایام میں پہلے سے ذخیرہ کئے تھے" یہ سب باتیں ان کی خوشی بڑھانے اور مسرت کو ترقی دینے کے لئے کہی جائیں گی، ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و احسان کے صدقہ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم کو بھی اپنے کرم سے یہ دولت عطا فرمائیں (الوجہ السادس عشر فیہ دلیل علی ان اتباع المسرۃ بالمسرۃ اولیٰ، الی قولہ نسأل اللہ بمنہ ان یمن علینا بذلک بکرمہ)

ف یہاں سے ان مشائخ کے طرز تربیت کی تائید ہو گئی جو سالکین کی ہمت بڑھاتے اور ان کے حالات محمودہ پر مسرت ظاہر کر کے ترقی کی طرف بڑھاتے ہیں اور تجربہ شاہد ہے کہ یہ طرز زیادہ مفید ہے"

(۱۰۴) جواب دیتے ہوئے مخاطب کا نام لیکر خطاب کرنا بھی سنت ہے حدیث سے یہ بھی معلوم

ہوا کہ جواب دینے کے وقت سائل کا نام لینا چاہیئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب سے پہلے حضرت ابوہریرہ کا نام لیکر ان کو خطاب فرمایا، اسمیں بظاہر دو فائدے ہیں ایک یہ کہ نام لیکر خطاب کرنے سے مخاطب کی طبیعت مجتمع اور یکسو ہو جاتی ہے۔ عام خطاب میں یہ بات نہیں ہوتی اس کے بعد جو کچھ اس سے کہا جائیگا اس کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریگا، اسی کی نظیر یہ واقعہ ہے کہ ایک بار حضرت معاذ بن جبل حضور کے ساتھ اونٹنی پر سوار تھے تو آپ نے تین دفعہ ان کو یا معاذ کہہ کر پکارا جس کے جواب میں ہر دفعہ وہ لبیک یا رسول اللہ وسعدیک کہتے رہے) تین بار پکارنے کے بعد آپ نے وہ بات ارشاد فرمائی جو ان سے کہنا چاہتے تھے، یہ کیوں کیا گیا؟ محض اس لئے کہ جو بات ان سے کہنا تھی وہ اس کے سننے کو اچھی طرح تیار ہو جائیں اور کان لگا کر سنیں۔

دوسرے نام لیکر پکارنے میں مخاطب کا دل خوش کرنا ہے کیونکہ بزرگ جب اپنے چھوٹے کو نام لیکر پکارتے ہیں تو اس سے اس کو فرحت اور نشاط ہوتا ہے کیونکہ یہ خاص تعلق کی دلیل ہے پھر سید الاولین والآخرین کا ان مبارک ہستیوں کو پکارنا جن کی محبت حضور کے ساتھ تواتر سے ثابت ہے جو حضور کی ایک ایک نگاہ اور ادنیٰ سی توجہ کو بھی باعث برکت سمجھتے

ملتے کیا کچھ موجب نشاط و سرور) ہوگا؟ اس کا اندازہ عشاق ہی کر سکتے ہیں) اسکی تائید اس قصہ سے ہوتی ہے جو اوپر بیان کیا گیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر کے ہاتھ یا پیر میں تکلیف ہوگئی تھی تو طبیب نے کہا کہ اپنے سب سے زیادہ محبوب کا نام لیکر اس کو کھولو انہوں نے وا محمداہ کہا اور ہاتھ کھل گیا۔ الوجہ السابع عشر فی دلیل علی تسمیۃ السائل عند رد الجواب الی قولہ وقد تقدم ذکرھا فی الحدیث قبل ھذا

ف بزرگوں کے مختلف مذاق ہیں بعضے لپنے خدام کو نام لیکر نہیں پکارتے بلکہ القاب سے پکارتے ہیں اور خطوط میں بھی تعظیمی القاب تحریر فرماتے ہیں مگر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اپنے چھوٹوں کا نام لیا کرتے اور تعظیمی القاب استعمال نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس سے محبت اور تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔ نام نہ لینے اور تعظیمی القاب سے یاد کرنے میں اجنبیت مترشح ہوتی ہے حضرت حکیم الامت دام مجدہم کا بھی یہی مذاق ہے اور بحمداللہ یہ مذاق سنت کے موافق ہے۔

(۱۰۵) جو بات زیادہ مفید ہو اس کو مقدم کیا جائے

حدیث سے معلوم ہوا کہ سائل کے حق میں جو بات زیادہ مفید ہو اسے مقدم کرنا چاہیئے اگرچہ اس نے اس کو دریافت بھی نہ کیا ہو نیز معلوم ہوا کہ جو بات کسی شخص کے ساتھ مخصوص ہو اس کا جاننا عام احکام کے جاننے سے مقدم ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب سے پہلے جو سائل وغیرہ سب کے لئے عام ہے۔ اس بات کو بیان فرمایا جو سوال کنندہ کے ساتھ مخصوص اور اس کے حق میں زیادہ مفید اور اس کے لئے باعث مسرت تھی الوجہ التاسع عشر فیہ دلیل علی تقدیم الاولی فی حق السائل الی قولہ ومایسربہ۔

(۱۰۶) حسن افعال سے حسن حال پر استدلال درست ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کے حسن حال پر اسکے افعال سے استدلال کرنا درست ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کی حالت حسنہ پر ان کے عمل ظاہر سے استدلال فرمایا لعنہ،

حرص وشوق حدیث سے اور حرص منجملہ اعمال کے ایک عمل ہے پس ثابت ہوا کہ اعمال سے حسن حال پر استدلال کرنا استدلال بالقول سے اولیٰ ہے کیونکہ قول میں تو مجاز کا بھی احتمال ہے اور فعل میں یہ احتمال نہیں (دوسرے قول میں تصنع اور بناوٹ بھی ہو سکتی ہے اور عمل میں تصنع مدت تک نہیں چل سکتا) الوجہ العشرون فیہ دلیل علی جواز الاستدلال علی حال المرأ بفعلہ الیٰ قولہ والفعل لیس کذلک

ف حضرات مشائخ کی تعلیم یہی ہے کہ شیخ کامل کو اس کے عمل سے پہچانو، باتوں سے نہ پہچانو، کیونکہ باتیں تو سن سنا کر یا کتابوں سے یاد کر کے بھی ہو سکتی ہیں مگر عمل پر سنت تصنع اور بناوٹ سے نہیں ہو سکتا جب تک دل میں اتباع سنت کا اہتمام نہ ہو، بناوٹ کا قلعہ زیادہ دیرپا نہیں ہوتا اس لئے جلوت وخلوت میں ہر طرح شیخ کے عمل کو دیکھ کر انتخاب کرے نیز اولیاء معروفین کی شہادت کو بھی دیکھے کہ وہ اس کے بارہ میں کیسا گمان رکھتے ہیں۔

(۱۰۷) علوم حکمت کو اہل ہی سے بیان کرنا اور وقت پر بیان کرنا سنت ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ علوم حکمت کو اہل اور لائق ہی سے بیان کرنا سنت ہے اور یہ کہ اس قسم کی باتیں وقت ہی پر بیان کی جائیں بے وقت نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کی فضیلت کو اسی وقت ظاہر فرمایا جب انہوں نے اس حدیث کو جس سے بہت سے بندگان کرام غفلت کر جاتے ہیں دریافت کیا الوجہ الثانی والعشرون فیہ دلیل علی ان السنۃ فی الحکمۃ ان لا تلقی الا لاھلھا الیٰ قولہ قد یغفل عنہ کثیر من السادۃ الفضلاء

ف حضرات مشائخ کا اس سنت پر عمل ہے۔

(۱۰۸) کسی کے عمل کی تعریف کا مضائقہ نہیں ذات کی مدح نہ کرو

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صاحب عمل کے عمل کی تعریف کرنا بہتر اور مستحب ہے کیونکہ رسول اکرم

صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابی کی تعریف فرمائی اور ان کو حدیث کا زیادہ حریص بتلایا اس عمل کی وجہ سے جو ان سے صادر ہوا تھا یعنی حدیث کا شوق، بخلاف مدح ذات کے کہ وہ ممنوع ہے، اور فرق دونوں میں یہ ہے کہ عمل کی مدح سے تو صاحب عمل کو اس عمل کا شوق اور اہتمام زیادہ ہوجاتا ہے اور ذات کی مدح سے عجب اور خود رائی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے الوجہ السادس والعشرون فیہ دلیل علی ان مدح العمل لصاحبہ مندوب الیہ الخ قولہ یخاف منہ العجب والالتفات

ف حضرات صوفیہ کا عمل اسی کے موافق ہے

(۱۰۹) اہل اللہ میں تمام صفات کمال موجود ہوتی ہیں مگر جس میں کوئی صفت دوسروں سے کسی قدر زیادہ ہو وہ اسی صفت سے ممتاز ہوجاتا ہے

یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیث کے شوق کے ساتھ ان صحابی کو ہی کیوں مخصوص فرمایا حالانکہ حدیث کا شوق تو تمام صحابہ کو تھا جیسا ان کے حالات وواقعات سے معلوم ہے کہ سب کے سب حدیث کی بہت حرص اور تعظیم ومحبت رکھتے تھے جواب یہ ہے، کہ واقعی سب صحابہ ایسے ہی تھے مگر اس بات میں ان صحابی کو کچھ فوقیت حاصل تھی جس کی وضاحت اس روایت سے ہوتی ہے جس میں خود حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا ہے کہ میرے انصاری بھائی تو بعض اوقات اپنے باغوں کی دیکھ بھال میں رہتے تھے اور مہاجرین بازاروں میں کسب معاش کے لئے مشغول رہتے تھے اور میں اپنا پیٹ بھرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پڑا رہتا تھا اس لئے مجھے وہ باتیں یاد کرنے کا موقع ملتا تھا جس کا دوسروں کو موقع نہ ملتا تھا اسی فوقیت کی وجہ سے کہ وہ ہر وقت حضورؐ کے پاس رہتے تھے ان کو یہ بزرگی حاصل ہوئی اور ہر چند کہ ان کی طرح دوسرے صحابہ بھی اس امر کے بہت شائق وراغب رہتے (کہ حضورؐ کی باتیں سنیں) چنانچہ تم ان کے واقعات میں دیکھو گے کہ وہ ہر نیک کام کی طرف سبقت کرتے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے مگر اس حالت میں آگر بھی

کو نیک کام میں دوسروں سے ذرا بھی فوقیت حاصل ہو جاتی تو اس نیک کام کے طریقہ کو اسی کی طرف منسوب کر دیا جاتا اور اسی کو اس طریقہ کا امام کہا جاتا ہے ۔ یہی حال ان بزرگوں کا ہے جو قیامت تک اخلاص کیساتھ ان کا اتباع کرنیوالے ہیں ، اس تقریر کی توضیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے ۔

انا مدینۃ السخاء و ابوبکر بابھا انا مدینۃ الشجاعۃ وعمر بابھا وانا مدینۃ الحیاء وعثمان بابھا وانا مدینۃ العلم وعلی بابھا

" میں سخاوت کا شہر ہوں ابوبکر اس کا دروازہ ہیں ، میں شجاعت کا مخزن ہوں عمر اس کا دروازہ ہیں میں حیاء کا منبع ہوں عثمان اس کا دروازہ ہیں میں علم کا خزانہ ہوں علی اس کا دروازہ ہیں (اس حدیث کا اخیر جزو انا مدینۃ العلم وعلی بابھا لوگوں کی زبان پر مشہور ہے مگر محدثین کو اسی کی صحت میں کلام ہے پوری حدیث کا جو کچھ حال ہو گا اسی سے سمجھ لیا جائے) پس ہر چند کہ چاروں حضرات کے اندر یہ تمام صفات موجود تھیں مگر ان میں سے ہر ایک کو دوسرے پر کسی ایک صفت میں ذرا سی فوقیت حاصل تھی تو وہ صفت ان ہی کی طرف منسوب ہو گئی ۔ اس میں صوفیاء کے لئے بڑی دلیل ہے کہ چونکہ وہ بھی قطع علائق اور تعلق باللہ اور توجہ الی اللہ اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف مشتاق رہتے ہیں دوسروں سے بڑھے ہوئے اور صفاء باطن سے بدرجۂ کمال ممتاز ہیں اس لئے صفاء اور صفوت کی صفت سے مخصوص ہو گئے اور ان کا لقب صوفی ہو گیا حالانکہ سب مسلمانوں میں صفاء باطن کا کوئی درجہ یقیناً موجود ہے کیونکہ ایمان صفاء کو مقتضی ہے مگر صوفیہ کو اس باب میں خاص درجہ حاصل ہے اس لئے یہ صفت انہی کے ساتھ مخصوص کر دی گئی دوسروں کے لئے استعمال نہیں کی گئی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو بھی ان کی برکات سے حصہ عطا فرمائے آمین

الوجہ الثامن والعشرون والتاسع عشرون من قولہ لقائل ان یقول لم خص علیہ السلام ھذا بالحرص الی قولہ اعاد اللہ علینا من برکتھم یمنہ ویمنہ

ف جب حضرات صحابہ واولیاء کرام کی یہ شان ہے کہ ان کا ہر فرد تمام صفات محمودہ کا جامع ہوتا ہے تو یقیناً انبیاء کا مقام اس سے بھی اعلیٰ وارفع ہو گا اب ان لوگوں کی جہالت و

حماقت کا اندازہ کرو جو اپنی سیرتوں میں لکھتے ہیں کہ نوح علیہ السلام میں رحم کا مادہ نہ تھا موسیٰ علیہ السلام میں طاقت ضبط نہ تھی عیسیٰ علیہ السلام میں سلطنت و تمدن کا سلیقہ نہ تھا نعوذ باللہ من ھذہ الھذیانات و نستغفرہ من جمیع السیئات

(۱۱۰) جس کے ایمان میں کچھ بھی آمیزش ہو گی وہ حضور کی شفاعت سے محروم ہو گا

حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے ایمان میں کچھ بھی شائبہ آمیزش کا ہو گا وہ حضور کی شفاعت سے زیادہ کامیاب نہ ہو گا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ کامیاب ہونے کے لئے اخلاص کی شرط بیان فرمائی ہے اور اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ اس میں تھوڑی یا بہت کچھ بھی آمیزش نہ ہو۔

دل سے لا الٰہ الا اللہ کہنا کافی نہیں زبان سے کہنا ضروری ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کے دل میں ایمان ہو اور اس نے زبان سے ایمان کا اظہار نہ کیا ہو وہ بھی کامیاب نہ ہو گا نہ اس کو اس خاص شفاعت سے حصہ ملے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان سے تلفظ کی شرط لگا دی ہے اور جب یہ شرط نہ پائی جائے مشروط بھی نہ پایا جائے گا قولہ فی الوجہ الواحد والثلاثین والوجہ الثانی والثلاثین فیہ دلیل علی ان من خالط ایمانہ شائبۃ لا یسعد بہ وفیہ دلیل علی ان من اعتقد الایمان دون النطق بہ الی قولہ والشرط اذا عدم عدم المشروط

ف صوفیہ کرام کو اخلاص عمل کا جس قدر اہتمام ہے ظاہر ہے کہ ان کی تمام تر کوشش اخلاص ہی کے واسطے ہے نیز صوفیہ کو ذکر لا الٰہ الا اللہ کی تکثیر کا بھی اہتمام ہے ذکر نفی اثبات اسی کا نام ہے اور اسی کی تکمیل سے ان کے نزدیک مقامات کی تکمیل ہوتی ہے پس صوفیہ اس حدیث کے موافق شفاعت نبویہ سے زیادہ کامیاب ہیں جعلنا اللہ وایاکم من اسعد الناس بھا نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر قلبی تنہا کافی نہیں بلکہ اسکے ساتھ ذکر لسانی کی بھی ضرورت ہے

ف یہ جو کہا گیا ہے کہ جس کے دل میں ایمان ہو مگر زبان سے اس نے لا الٰہ الا اللہ نہ کہا ہو تو وہ حضور کی شفاعت سے حصہ نہ پائیگا یہ اس پر مبنی ہے کہ قول کو تلفظ باللسان کیساتھ خاص کہا جائے اور اگر کلام قلبی کو بھی عام کہا جائے تو ایسے شخص کا شفاعت سے محروم ہونا لازم نہیں ؎

"ان الکلام لفی الفؤاد و انما جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا"

اور یہ گفتگو اس شخص کے بارہ میں ہے جس نے بدون کسی عذر کے اظہار ایمان میں سستی کی ہو اور اگر کسی عذر کی وجہ سے ایمان کو ظاہر نہ کر سکا اور اسی حالت میں مرگیا تو راجح اور ظاہر یہ ہے کہ وہ عنداللہ ماجور ہوگا اور شفاعت نبویہ سے محروم نہ ہوگا۔

وھذا مما نبہ علیہ الشارح نفسہ واحتج بقولہ تعالیٰ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان

باب چہاردہم ۱۴

حدیث

رفع العلم بقبض العلما

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ علم کو اسطرح نہ میٹیں گے کہ اس کو بندوں کے دلوں سے چھین لیں گے بلکہ علماء کو وفات دیکر علم کو دنیا سے چھین لیں گے یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہیگا لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے ان سے احکام شرعیہ کیمتعلق سوال کیا جائیگا تو وہ بغیر علم ہی کے فتویٰ دیں گے پس خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

شرح حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے کہ علم آہستہ آہستہ کم ہوگا ایک دم سے زائل نہ ہوگا اس کے متعلق چند وجوہ بیان کے قابل ہیں۔

(۱۱۱) علم شریعت کے سوا کسی علم کو ہدایت نہیں کہا جا سکتا یہاں دو احتمال ہیں کہ علم سے مراد عام ہو یا خاص، مگر قرینۂ مقام سے ظاہر ہے کہ خاص علم یعنی علم شرعی مراد ہے کیونکہ حضور نے فرمایا ہے کہ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے اور ظاہر ہے کہ علوم شرعیہ ہی سے ہدایت ہوتی ہے اُن سے سوا کسی علم کو اطلاق کے ساتھ ہدایت نہیں کیا جا سکتا بلکہ قید لگانے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس مقام پر علم سے مراد کتاب اللہ اور حدیث نبوی کی فہم ہے۔

علم درحقیقت نورِ قلب کا نام ہے اور جبتک قرآن دنیا میں موجود ہے نورِ قلب بھی کسی نہ کسی میں ضرور باقی رہیگا

یہاں ایک سوال واقع ہوتا ہے کہ یہ حدیث ظاہر میں اس حدیث کے معارض ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کیمتعلق مروی ہے کہ قرآن دفعتہً اٹھالیا جائیگا عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا ہم نے اس کو اپنے سینوں میں محفوظ اور مصاحف میں قلم بند نہیں کر لیا اور اپنے بیٹوں اور عورتوں کو نہیں سکھلایا؟ (پھر اس حالت میں دفعتہً کیسے اٹھالیا جائیگا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک رات ایسی آئیگی جس میں قرآن سینوں اور مصاحف میں سے اٹھالیا جائیگا نہ سینوں میں کچھ باقی رہیگا نہ مصاحف میں (یعنی قلوب سے اور کاغذ میں سے قرآن کے حروف غائب ہوجائیں گے) پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ولئن شئنا لنذهبن بالذی اوحینا الیك ثم لا تجد لك به علینا وكیلا ۔ اور اگر ہم چاہیں تو اس قرآن کو چھین لیں جو آپ کیطرف ہم نے وحی کیا ہے پھر تمہارے مقابلہ میں قرآن کے واپس لانے کے لئے تم کسی کو اپنا مددگار نہ پاؤ۔۔۔

جواب یہ ہے کہ دونوں میں کچھ تعارض نہیں کیونکہ ہم نے علماء کے حوالہ سے اوپر بیان کیا ہے کہ علم اس نور کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ قلوب میں پیدا کرتے ہیں اسی نور سے کتاب اللہ اور حدیث نبوی کی فہم حاصل ہوتی ہے اس حقیقت سے کتاب اور حدیث ناطق ہے اور دونوں نے اس مضمون کو بیان کیا ہے چنانچہ کتاب اللہ میں ارشاد ہے ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم ۔ اگر یہ لوگ معاملہ کو رسول اللہ اور اولی الامر کیطرف واپس کرتے تو ان میں جو لوگ حقیقت تک پہنچنے والے ہیں وہ اس کو سمجھ جاتے،، اور قرآن کے معانی اور اس کے احکام نور ہی کے ذریعہ تو سمجھے جاتے ہیں (ورنہ فہم زبان میں تو سب اہل زبان مساوی تھے) اگر یہ نور مفقود ہوجائے تو گمراہی پھیل جائیگی اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بچائے "اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم ایسے زمانہ میں ہو جس میں فقہا یعنی قرآن کے سمجھنے والے زیادہ ہیں قراء تھوڑے ہیں اس زمانہ میں قرآن کے حدود و احکام کی حفاظت کی جاتی ہے حروف کا زیادہ اہتمام نہیں کیا جاتا، پھر فرمایا اور عنقریب لوگوں پر ایک

زمانہ ایسا آئیگا جس میں فقہا یعنی قرآن کے سمجھنے والے تھوڑے ہوں گے قراء زیادہ ہوں گے اس زمانہ میں قرآن کے حروف کی تو حفاظت کی جائیگی اور اس کے حدود واحکام کو ضائع کردیا جائے گا تو دیکھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلے لوگوں کو سمجھدار فرمایا اور دوسروں کو ناسمجھ بتلایا حالانکہ یہ دوسرے حروف کے ضبط وحفظ میں اُن سے بڑھے ہوئے ہیں مگر آپ نے اس بات کو ان کی مذمت میں بیان فرمایا ہے کیونکہ وہ احکام کو نہیں سمجھتے تو اب بتلاؤ وہ کیا چیز ہے جو اُن کے پاس تھی اور ان کے پاس نہیں ؟) اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک نور تھا جو اُن کے پاس تھا اور ان کے پاس نہیں رہا پس یہ کہیں ویسے ہی ناقل و حامل رہ گئے جیسے پہلی امتوں کے بعض لوگوں کا حال اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے کمثل الحمار یحمل اسفارا کہ وہ گدھوں کی طرح ہیں جن پر کتابیں لدی ہوئی ہیں ' افسوس یہ حالت اس وقت زیادہ نمایاں ہوگئی ہے، کیونکہ آجکل کتابیں بھی زیادہ ہیں اور کتابوں کے ناقل بھی بہت ہیں، مگر ایسا شخص شاذ و نادر ہی ملیگا جس کے پاس اس علم کا کچھ حصہ ہو جس کا نام نور ہے، پس یہ علم وہ ہے جو آہستہ آہستہ سمیٹا جائے گا یہ روز بروز تھوڑا تھوڑا اٹھتا جائیگا یہاں تک کہ ایک دن مصحف ہی اٹھا لیا جائیگا اور جب مصحف اٹھ جائیگا تو نور کا وہ حصہ بھی دنیا سے اُٹھ جائیگا جو کم ہوتے ہوتے، ان کے پاس باقی رہ گیا تھا اس کے بعد مخلوق گمراہی میں بھٹکتی اور راہ حق سے بھٹکتی رہے گی حالانکہ احکام ان کے پاس کتابوں میں لکھے ہوئے ہوں گے (کیونکہ مصحف کے اٹھنے سے تمام کتابوں کا اٹھ جانا لازم نہیں مگر نور کے فقدان اور اصل کے جاتے رہنے سے وہ ان احکام کو سمجھ ہی نہ سکیں گے پس اصل کے باقی رہنے تک اس بات کی بشارت ہے کہ نور بھی دنیا میں باقی رہیگا گو تھوڑا ہی ہو "

الوجہ الثانی الالف واللام فی ھذا العلم المذکور یحتمل والوجہ الثالث لقائل ان یقول ظاھر الحدیث معارض لما روی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الکتاب العزیز الی قولہ ففی بقاء الاصل بشارۃ ببقاء ذلک النور وان قل "

ف اصل سے مراد قرآن ہے پس جب تک قرآن دنیا میں موجود ہے، علم حقیقی یعنی نور بھی دنیا میں باقی رہیگا۔ اس نور کو کبھی روحانیت سے اور اس کے مقابل کو مادیت سے تعبیر

کیا جاتا ہے، آجکل تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ قلوب میں وہ روحانیت باقی نہیں رہی جو پہلے تھی بلکہ مادیت غالب ہو رہی ہے مگر کسی کو اصل حقیقت کی طرف التفات نہیں ہوتا کہ روحانیت کا سرچشمہ کہاں ہے؟ سو معلوم کر لینا چاہیئے کہ روحانیت اور نور کا سرچشمہ قرآن ہے مسلمانوں کو قرآن کی طرف متوجہ ہونا اور اسکے احکام و حدود کا پابند ہونا چاہیئے جس قدر اس سے غفلت کی جائیگی اسی قدر روحانیت میں کمی اور مادیت کا غلبہ ہوگا عوام کی کیا شکایت کی جائے افسوس تو یہ ہے کہ آجکل خواص کو بھی قرآن کیطرف توجہ کم ہے ایک زمانہ میں تو قرآن کے سمجھنے والے زیادہ تھے اس وقت بھی مسلمانوں کی حالت اسوقت سے بہتر تھی اب تیسرا زمانہ ہے کہ قرآن کے سمجھنے والے بھی کم ہیں اور پڑھنے والے بھی کم، اس کے بعد کس چیز کا انتظار ہے؟ کیا ہم لوگ اپنی اس بے توجہی اور غفلت سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن کی ضرورت نہیں رہی اس کو اٹھالیا جائے؟ اللہ اللہ! اس وقت کے تصور سے بھی کلیجہ نکلا جاتا ہے اور جان لبوں پر آجاتی ہے، مسلمانو! اللہ کی کتاب سے غفلت اور بے توجہی کا اظہار نہ کرو بخدا اگر یہ قرآن اٹھالیا گیا تو دنیا میں مسلمانوں کی کچھ بھی ہستی اور قیمت نہ رہے گی، سنبھلو سنبھلو اور اللہ کی کتاب کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

(۱۱۲) ایک عالم بزرگ کی وفات کے بعد دوسرا جو ان کا قائم مقام ہوتا ہے وہ ہر طرح سے پہلے جیسا نہیں ہوتا نہ اس کمی کو پورا کرتا ہے جو پہلے کے فقدان سے ہوئی

اگر ایک عالم کی وفات ہو جائے اور اسکی جگہ دوسرا لیلے تو کیا وہ پہلے کی مثل ہوگا؟ اور اس کمی کو پورا کردیگا جو پہلے کی وفات سے عالم اسلام میں آگئی تھی یا نہیں؟ اس حدیث کے ظاہر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہیں، نہ یہ اس کے مثل ہوگا نہ کمی کو پورا کریگا، مگر بظاہر اسکے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے اذا مات العالم ثلمت فی الاسلام ثلمۃ لا یسدھا الا عالم آخر جب عالم مرتا ہے تو اسلام میں ایک رخنہ پیدا ہو جاتا ہے جس کو کوئی دوسرا عالم ہی بند کر سکتا ہے " مگر در حقیقت دونوں میں کچھ تعارض نہیں، کیونکہ پہلے کے مرنے کے بعد جب

دوسرا اس کا قائم مقام بن کر رخنہ کو بند کردیگا تو بداہتہ معلوم ہے کہ وہ ہر حیثیت سے پہلے کی برابر نہ ہوگا کیونکہ پیوند لگا کپڑا سالم کپڑے کے برابر نہیں ہو سکتا اگرچہ ستر بدن دونوں سے حاصل ہو جاتا ہے اور گو پیوند لگانیوالے میں کچھ نقصان اور کمی بھی نہ ہو اس نے کتنی ہی ہشیاری سے رفو کیا ہو مگر پھر بھی پہچاننے والے فرق کو محسوس کر لیتے ہیں،
یہ ایسی بات ہے جس کا حسا مشاہدہ کیا جاتا ہے، خصوصاً جب ہم یہ کہیں کہ علم ایک نور کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ قلوب میں پیدا فرماتے ہیں جیسا ائمہ دین کے حوالہ سے اوپر نقل کیا گیا ہے تو اس کا نقص تو بداہتہ مشاہد ہے، کیونکہ حضرات صحابہ کا نور تابعین کے نور جیسا نہ تھا بلکہ ان سے کامل و اکمل تھا اور تابعین کا نور تبع تابعین کے نور جیسا نہ تھا اسی طرح قرنا بعد قرن دیکھتے چلے جاؤ تم کو نظر آئیگا کہ ہر زمانہ میں کوئی چیز اٹھتی اور کم ہوتی رہی ہے اور اسی حقیقت کی وجہ سے پہلے علم لوگوں کے سینوں میں تھا پھر اوراق و کتب میں منتقل ہوا مگر اسکی کنجیاں لوگوں کے سینوں میں رہیں، پھر کتابیں اور دفتر تو بہت ہو گئے کنجیاں کم ہو گئیں اور اگر کوئی کنجی ملتی بھی تو سیدھی شاذ و نادر ہی ہوتی پھر یہ حال ہو گیا کہ علوم شرعیہ قرآن و حدیث تو سوار کے پیالہ کیطرح (پس پشت) ہو گئے اور تھوڑی سی توجہ بعض علوم فرعیہ میں رہ گئی (یعنی کتب فقہ اور فتاویٰ میں وہ بھی اسلئے کہ مفتی یا قاضی کا عہدہ مل جائیگا) اور زیادہ توجہ علم مناظرہ، منطق، علم نجوم اور علم سائنس وغیرہ وغیرہ کی طرف منعطف ہو گئی اسوقت لوگوں نے ممنوع کا ارتکاب اختیار کیا اور ان کی رسم بد اسی پر آکر ٹھہر گئی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا تجعلونی کقدح الراکب مجھے سوار کے پیالہ کیطرح پس پشت نہ کر دینا (سوار اپنے پیالہ اور لوٹے وغیرہ کو پیچھے ہی لٹکایا کرتا ہے) تو ان لوگوں نے باوجود ممانعت کے ایسا ہی کر کے دکھایا کہ قرآن وحدیث کو پس پشت ڈال دیا اور دوسرے علوم کے پیچھے پڑ گئے پھر یہ لوگ ان بیہودہ علوم کو حاصل کر کے دین الٰہی میں گفتگو کرنے اور علماء اسلام پر اعتراض کرنے کا بھی حوصلہ رکھتے ہیں (فلا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم) پس دنیا میں اگر کوئی رونے والا ہے تو وہ علم اور اہل علم کی موت کا اور دین کے زوال وضعف کا نوحہ کرے فانا للہ وانا الیہ راجعون

غرض جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحمت الٰہی کی طرف انتقال کیا ہے اسی وقت سے علم میں نقص شروع ہو گیا ہے اور اسیطرح کمی ہوتی رہے گی یہاں تک کہ قرآن اٹھا لیا جائیگا بعض حضرات صحابہ نے اس امر کی تصریح بھی فرمادی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرکے ہم نے ہاتھ بھی نہ جھاڑے تھے کہ اپنے دلوں کو متغیر پایا اور ایک روایت میں ہے کہ ہم نے اپنے دلوں میں نقصان محسوس کیا مگر اس نقص کو اس وقت اہل قلوب کے سوا کوئی نہ پہچانتا تھا یہی حال اس صدی کے بعد دوسری صدی میں رہا اسیطرح تیسری صدی میں بھی جن کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے کہ یہ خیرالقرون ہیں تو اس خیرالقرون میں علم اندر اندر گھٹ رہا تھا مگر ظاہر میں بڑھ رہا تھا کیونکہ علماء کی کثرت تھی کتابوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا اور اس حقیقت کو جسکی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اہل قلوب کے سوا کوئی نہ پہچانتا تھا (عام لوگ مسرور تھے کہ کثرت کتب کثرت علماء اور کثرت مدارس مسلمانوں کی علمی اور تمدنی ترقی کا پتہ دے رہی ہے مگر اہل دل دیکھ رہے تھے کہ علم دل سے زبان پر اور زبان سے کاغذ پر آرہا ہے دیکھنے میں سب کچھ ہے مگر دل ویسے نہیں جیسے پہلے تھے) اسی لئے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ (اپنے زمانہ کے علمائے سے) فرماتے تھے کہ میں ایک دن میں تمہاری زبان سے بارہا ایسی بہت باتیں سن لیتا ہوں جن کی تم کو پروا بھی نہیں ہوتی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم ان کو موبقات (مہلکات یعنی تباہ کن) خیال کرتے تھے یا اس کے قریب قریب کچھ اور فرمایا پھر تیسری صدی کے بعد تو اس نقص کو عام طور پر سب ہی نے محسوس کرلیا اور اب تو ایسا ظاہر و روشن ہو گیا جیسا دوپہر کو آفتاب جس کے آس پاس بادل بھی نہ ہو

ف حضرت شارح کے زمانہ میں جو لوگ بیہودہ علوم حاصل کرنے کے بعد دین الٰہی میں کلام کرنے کی جرأت کرتے تھے کیونکہ اس وقت علم مناظرہ، منطق، سائنس، نجوم، طب وغیرہ تمام علوم کا خزانہ عربی زبان ہی میں تھا، ان علوم کی تحصیل کرنیوالوں کو اگرچہ قرآن وحدیث کی فہم و معرفت حاصل نہ ہوتی تھی مگر عربی زبان پر حاوی ہو جانے کی وجہ سے کسی قدر قرب او رمناسبت حاصل ہو جاتا تھا جب اس پر ان کو دین الٰہی میں گفتگو کرنے کا حق نہ تھا کیونکہ وہ قرآن وحدیث کو پس پشت ڈالے ہوئے تھے باقاعدہ ان کو حاصل نہ کرتے تھے تو انصاف سے کہو جن لوگوں

نے سائنس وجغرافیہ وغیرہ علوم کو دنیا کو انگریزی میں پڑھا ہو عربی زبان پہ حاوی ہونا تو کیا ادنیٰ مناسبت بھی پیدا نہ کی ہو۔ ان کو دخل در معقول کا کیا حق ہے؟ مگر ہندوستان میں تم دیکھو گے کہ بہت سے ملحد بے دین محض اس وجہ سے کہ کسی انگریزی کالج نے ان کو بی اے یا ایم اے کی ڈگری دیدی ہے یا کسی طرح سے گورنمنٹ کیطرف سے شمس العلماء کا ان کو خطاب مل گیا ہے یا اخبار کے ایڈیٹر بن گئے ہیں دین میں اجتہاد کے مدعی اور علماء اسلام پر اعتراض کرنے میں پیش پیش ہیں وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

(۱۱۳) متاخرین کا علم متقدمین کے برابر نہیں ہوسکتا

اس مقام پر یہ سوال بھی وارد ہوتا ہے کہ یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے جو پہلے گذر چکی کہ یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی مخالف اس کو ضرر نہ پہنچا سکے گا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے اور یہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ علم سمیٹ لیا جائیگا اور جب علم جاتا رہا تو اس کی جگہ جہل رہیگا جس کا لازمی نتیجہ گمراہی ہے جیسا خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ہی سے واضح ہے، جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں بھی کوئی تعارض نہیں کیونکہ حدیث سابق کا مطلب یہ ہے کہ ایک جماعت اس امت میں ایسی ضرور رہے گی جو اس حق واجب کو ادا کرتی رہیگی جو شرعاً اس پر لازم ہوگا اس میں کوتاہی نہ کرے گی مگر ادائے حق واجب سے یہ لازم نہیں کہ اس جماعت کا علم سلف کے برابر ہو کیونکہ علم جس نور کا نام ہے وہ ان کے پاس ویسا نہ ہوگا جیسا ان سے پہلے بزرگوں میں تھا، اس مضمون کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ آپ نے صحابہ سے فرمایا "تم ایسے زمانہ میں ہو جس میں کوئی مامور بہ یعنی حکم شرعی کا دسواں حصہ بھی چھوڑیگا تو ہلاک و برباد ہو جائیگا اور ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں کوئی مامور بہ کا دسواں حصہ بھی ادا کردے گا تو نجات پالیگا"، اور یہ دسواں مستحبات کا مراد ہے فرائض وواجبات کا نہیں کیونکہ فرض تو اول وآخر ہر زمانہ میں یکساں مطلوب ہے پس یہاں مامور بہ سے مراد وہ نیک اعمال ہیں جو فرض وواجب کے علاوہ ہیں کیونکہ دین تو سارا ہی مطلوب ہے فرض بھی، مستحب بھی، آداب بھی اور نفل بھی رہیں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ مستحبات

کو مامور بہ کیسے کہہ دیا گیا ؟) اور سلف اوّل یعنی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ان تمام چیزوں کو پوری طرح بجالانے کی پوری کوشش کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن سے ایسا ہی چاہتے اور اسی کی ان کو ترغیب دیتے تھے کہ فرض کو مع تمام آداب مستحبات و سنن کے ساتھ کامل مکمل ادا کریں۔ چنانچہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار یہ ارادہ کیا کہ جو لوگ نماز کی جماعت میں حاضر نہیں ہوتے ان کے گھر پھونک دیں حالانکہ ہر شخص کے لئے جماعت میں حاضر ہونا مستحب ہے^ع (فرض و واجب نہیں) اسی طرح حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ وہ نماز میں صفوں کو سیدھا کرنے کا بہت اہتمام کرتے اور لوگوں کو اسکی تاکید کرتے تھے حالانکہ نماز میں صف کا سیدھا کرنا مستحب ہے، غرض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ان باتوں کی دوسروں کی بھی تاکید کے ساتھ ترغیب دیتے اور خود بھی بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے تاکہ ان میں سے کسی بات میں کمی اور کوتاہی نہ ہو اور رحجدان کے واسطے مقرر کی گئی ہے اس کے تارک شہ قرار پائیں باقی آج کل تو ایسا متصور نہیں کیونکہ اعمال میں بدعات و منکرات بکثرت شامل ہوگئے ہیں جن میں سے دسواں حصہ بھی بڑی کوشش کے بعد خالص نکل سکتا ہے اور خالص ہونے کا یہ مطلب ہے کہ عمل اسی صورت پر واقع ہو جس صورت سے شریعت نے مقرر اور طلب کیا تھا کہ اس میں کسی بدعت اور منکر کا شمول نہ ہو (اب تم خود سمجھ لو کہ ایسا عمل آجکل کیونکر ہو سکتا ہے) مثال کے طور پر جنازہ کے ساتھ ہونا، جنازہ کی نماز پڑھنا یا کسی شادی میں شریک ہونا یا اس کے مشابہ کوئی کام لیلو تو ہر شخص کو بہت کم شریعت کے موافق عمل کرنے پر قادر پاؤ گے کیونکہ ان میں بیہودہ بدعتیں اور تباہ کن منکرات بہت کچھ شامل

ع یہ استدلال شوافع اور مالکیہ کے مذہب پر تمام ہے حنفیہ کے مذہب پر تمام نہیں کیونکہ حنفیہ کے نزدیک جماعت سے نماز پڑھنا ہر شخص پر جسے کوئی عذر شرعی نہ ہو واجب ہے، مگر اصل مقصود کو اسی دلیل کے تمام نہ ہونے سے کچھ ضرر نہیں کیونکہ بعض متفق علیہ مستحب کے ترک پر بھی حضور کا عتاب ثابت ہے ۱۲ ظ

ہو گئے ہیں جن سے شاذونادر ہی کوئی بچ سکتا ہے پس ان لوگوں کا دس میں سے نو حصوں کو چھوڑنا اس وجہ سے نہیں کہ ان کو نو حصوں سے اعراض ہے یا ان میں رغبت نہیں اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگ ناجی نہ ہوتے بلکہ اس کا سبب وہ ہے جو ہم نے ابھی بتلایا ہے کہ بدعات و منکرات کا شمول اعمال میں اس درجہ ہو جائے گا کہ اعمال کا ان سے خالص طریقہ پر ادا ہونا دشوار ہوگا) پس جس جماعت کی نسبت حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ وہ حق پر ہوگی اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے حق واجب میں کمی نہ کریگی اور اگر ان کو واجب ہی ناقص ملا ہو تو اسمیں ان کا کیا قصور؟

الوجہ السادس لقائل ان یقول ھٰذا الحدیث معارض لقولہ علیہ السلام لن تزال ھٰذہ الامۃ الیٰ قولہ انہا لا تنقص مما یلزمھا شیئاً"۔

ف حدیث کی شرح میں علامہ امام نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دسواں حصہ کمیات کے اعتبار سے مراد نہیں بلکہ کیفیات کے اعتبار سے مراد ہے، یہ مطلب نہیں کہ اخیر زمانہ میں فرائض و واجبات کی مقدار یا عدد پہلے سے کم ہو جا یگا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس کیفیت کا ملہ اور درجہ عالیہ پر فرائض کے ادا کرنے کا بندہ سے شریعت نے مطالبہ کیا ہے اس کیفیت کا دسواں حصہ بھی اخیر زمانہ میں ادا ہو جائے تو نجات کے لئے کافی ہوگا کیونکہ اخیر زمانہ میں قلوب میں نور بھی کم ہوگا مشاغل دنیا سے بےفکری بھی کم ہو گی پریشانی اور رنج کی کثرت بھی ہوگی ایسی حالت میں ہر عمل کو اعلیٰ کیفیات پر ادا کرنا دشوار ہوگا وہ اگر دسواں حصہ بھی بجالائیں تو قبول عمل کے لئے کافی ہوگا۔

(۱۱۴) اللہ تک پہنچنے کا راستہ ہر شخص کے لئے جُدا ہے

حدیث سے اہل قول کے اس قول کی بھی تائید ہو گئی عدد الطرق الی اللہ عزوجل علی عدد الانفاس کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے راستوں کی شمار مخلوق کے سانسوں کی شمار کیموافق ہے (یعنی ہر شخص کے لئے وصول کا راستہ جُدا ہے) کیونکہ ہر شخص کی حالت ہر جہت سے دوسرے کی حالت جیسی نہیں ہوتی اگرچہ دونوں کی حالتوں میں بظاہر کچھ مشابہت ہو پھر بھی کچھ نہ کچھ فرق ضرور

ہوگا چنانچہ حسًا یہ امر مشاہد ہے کہ دو بھائی بھی ہر جہت سے متوافق الحال نہیں ہوتے پس آدمیوں کی شکل وصورت و پیدائش اور وضع میں یکساں ہے مگر حقیقی مشابہت اور موافقت میں یکسانیت نہیں بلکہ باہم تفاوت ہے کیونکہ ہر شخص کسی خاص صفت کیساتھ موصوف ہونے میں دوسروں سے ممتاز ضرور ہوتا ہے اگرچہ اکثر صفات میں ان کے موافق ہی ہو اور ایک انسان ہی کیا تمام حیوانات کا یہی حال ہے کہ ہر نوع کے افراد وضع خلقت میں تو یکساں ہوتے ہیں مگر حقیقی مشابہت وموافقت میں یکساں نہیں ہوتے، پاک ہے وہ جس نے اپنی عظیم الشان قدرت کے آثار عجیبہ غریبہ حکمت کیساتھ تمام مخلوقات میں ظاہر فرمائے ہیں اور اس حقیقت ہی کی وجہ سے جس پر ہم نے اشارہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس مضمون میں تامل اور غور کرنے کا حوالہ دیا ہے کہ اس سے اللہ کی وحدانیت پر استدلال کرنا چاہیئے،

چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے

سنریھم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق

"ہم ان کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھلائیں گے آفاق عالم میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات واضح ہو جائے کہ قرآن حق ہے"

قولہ فی الوجہ السابع بعد بیان الحکمۃ فی نقص العلم ولذلک قال اھل التحقیق عدد الطریق الی اللہ الی قولہ حتی تیبین لھم انہ الحق "

ف حدیث سے اس مضمون کی تائید اسطرح ہوئی کہ حضورؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم ایسے زمانہ میں ہو جس میں مامور بہ کا دسواں حصہ چھوڑنا باعث ہلاکت ہے اور ایک زمانہ آئیگا جسمیں دسواں حصہ لیجانا موجب نجات ہوگا اس سے صاف ظاہر ہے کہ سب کے لئے وصول کا ایک طریقہ نہیں ورنہ ہر زمانہ میں وہی حکم ہوتا ہے جو صحابہ کے لئے تھا حالانکہ ایسا نہیں ہے "

ف الشیخ محقق وہی ہے جو ہر شخص کو اس راستہ سے لیجائے جو اسکے لئے مناسب ہے، یہ نہیں کہ سب کو ایک ہی وظیفہ بتلایا کرے اور ایک ہی سبق پڑھایا کرے۔

(۱۱۵) جبتک دنیا میں ایک بھی صاحب حق رہیگا خطرناک گمراہی سے امن رہیگا

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب تک جماعت مذکورہ میں سے جو ہر زمانہ میں حق پر رہیگی، ایک شخص بھی زندہ رہیگا اس وقت تک خطرناک گمراہی کا وقوع نہ ہوگا، کیونکہ اس جماعت کی شان یہ ہے کہ وہ علم سے متمسک اور عمل سے متصف ہوگی تو جب تک ایک عالم بھی حق پر رہیگا گمراہی سے ضرر نہ پہنچیگا گو اس کا کتنا ہی غلبہ ہو کیونکہ اس ایک عالم کی وجہ سے جو حق پر قائم ہے، گمراہی پر امت کا اتفاق نہ ہو سکے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

لن تجتمع امتی علی ضلالۃ

"میری امت گمراہی پر ہرگز اتفاق نہ کریگی"

اور گمراہی کے غلبہ میں اور گمراہی پر اجتماع میں بڑا فرق ہے، کیونکہ اجتماع علی الضلال تو جڑ کاٹنے والی چیز ہے، اللہ اپنے فضل سے ہم کو اس سے بچائے رکھے، اس مضمون کی توضیح و تفصیل اس روایت سے ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کسی بستی پر گذرا جسے اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد کردیا تھا اس نے عرض کیا اے رب! آپ نے ان لوگوں کو کیونکر ہلاک کر دیا حالانکہ ان میں ایک نیک آدمی بھی تھا جس کو میں پہچانتا تھا اور آپ کا قانون ہے کہ جب تک بستی میں ایک بھی اللہ والا ہوگا بستی ہلاک نہ ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اسکی طرف وحی بھیجی (اگر وہ پیغمبر تھے یا الہام کیا اگر ولی تھے) کہ اس نے میرے واسطے کبھی ایک دن بھی غیرت ایمان کا اظہار نہ کیا تھا اس لئے وہ ظاہر ہی میں نیک تھا واقع میں نیک نہ تھا کیونکہ جو شخص واقعی نیک ہوتا ہے وہ اللہ کی نافرمانیوں کو دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتا بلکہ یا امر بالمعروف کرتا ہے اور اسکی قدرت نہیں ہوتی تو بستی کو چھوڑ دیتا ہے اور اس کی بھی قدرت نہیں ہوتی تو اہل باطل کی موافقت اور مخالطت تو وہ ہرگز نہیں کر سکتا بلکہ اہل باطل سے اپنی بیزاری اور نفرت کا اظہار کر کے الگ ہو جاتا ہے ۱۲

پس حدیث نے بتلا دیا کہ اس شخص کا اہل باطل کے ساتھ موافقت کرنا بستی کی

ہلاکت کا سبب ہوا، اگرچہ وہ حق سے واقف تھا، اور اگر وہ ان کی مخالفت کرتا تو نہ خود ہلاک ہوتا نہ دوسرے ہلاک ہوتے ؎

قولہ الوجہ الثامن قولہ علیہ السلام حتی اذا لم یبق عالم اتخذ الناس رؤسا جھالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا فیہ دلیل علی ان الضلال المخوف لا یقع مھما بقی من الطائفۃ المذکورۃ واحد الی قولہ ولو خالفھم ما ھلک وما ھلکوا ۔

ف پس علم و عمل کا اہتمام کرو اور اظہار حق سے اہل باطل کے سامنے باز نہ رہو باطل کی موافقت کبھی نہ کرو مگر تکبر سے بچو تواضع اور خلوص سے کام کرو ۱۲

(۱۱۶) دنیا میں راحت سے زیادہ مصیبت ہے، اس مضمون میں حکمت اور عبرت کا بھی ایک پہلو ہے

وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ اس دنیا کو تغیر و فنا کے واسطے بنایا ہے تو مقتضائے حکمت کی وجہ سے ہر چیز کو اسی نسبت سے محل زوال و نقص پذیر بنا دیا، چنانچہ دنیا میں علم اور ایمان ہی سب چیزوں سے زیادہ قیمتی ہیں مگر ان کو بھی نقص لاحق ہوتا ہے یہاں تک کہ ایک دن بالکل ہی زائل ہو جائیں گے، غرض اس دار کی علت اس کے باشندوں کو بھی لگی اور اسکی ہر چیز کو لگتی ہی ہے ۔

اس مضمون میں دنیا سے بے رغبتی اور اس سے قطع تعلق کی بھی ترغیب ہے کہ جب دنیا وما فیہا نقصان اور زوال ہی کے لئے ہے تو اسکی کس چیز میں رغبت کی جائے اور کس چیز کے واسطے تعب برداشت کیا جائے ۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دار فانی کی مصیبت یہاں کی خیر اور راحت سے زیادہ ہے کیونکہ جب علم اور ایمان ہی میں کمی آنے لگی اور یہی دو چیزیں خیر و برکت کا سرچشمہ ہیں تو ان کی ضد یعنی کفر و جہل کا غلبہ ہوگا اور یہی تمام شر و ر کا سبب بلکہ سچ یہ ہے کہ یہی دونوں عین شر ہیں یہاں سے ایک علمی مسئلہ مستنبط ہوا کہ عاقل کو دنیا وما فیہا کی طرف توجہ اور التفات سے کنارہ کش ہو جانا چاہیئے کیونکہ جب اسکی خیر کم ہوتی جاتی ہے اور شر بڑھتی جاتی ہے تو خیر کا

وجود نادر ہوگا اور شر کا وجود بہت ہوگا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر آخرت اپنے بقا کیساتھ کچی مٹی سے بنی ہوئی ہوتی اور دنیا اپنے فنا کے ساتھ چاندی سونے سے بنی ہوتی تو وہ رغبت کے قابل ہوتی اگرچہ ٹھیکرا تھی کیونکہ باقی رہنے والی ہے اور یہ بے رغبتی کی مستحق ہوتی اگرچہ چاندی تھی کیونکہ فنا ہونیوالی ہے اور جب معاملہ برعکس ہے کہ دنیا فنا کیساتھ ٹھیکرا بھی ہے اور آخرت بقا کے ساتھ چاندی سے بھی اعلیٰ ہے تو اب کیا ہونا چاہیئے ؟ (اس کو خود ہی سوچ لو)

الوجہ التاسع والعاشر والحادی عشر والثانی عشر من قولہ فی ھذا المعنی وجہ من الحکمۃ والاعتبار الیٰ قولہ فکیف والامر بضد ذلک

ف حدیث سے یہ علوم اخذ کرنا صوفیہ کے ساتھ مخصوص ہے اور زہد عن الدنیا کا بھی جس قدر اہتمام ان کو ہے کسی جماعت کو نہیں بشرطیکہ صوفی صوفی ہو نقال محض نہ ہو ۱۲

(۱۷) سچی ریاست علم حقیقی سے حاصل ہوتی ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حقیقی ریاست علم ہی سے حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ علم حقیقی ہو یعنی اللہ کے لئے خالص اور کتاب و سنت کے موافق ہو اور جاہل کی ریاست حقیقی ریاست نہیں بلکہ اس مصرعہ کے مصداق ہے کہ

ست ریاست سے گیا صرف ریا باقی ہے

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمایا ہے کہ جب تک عالم لوگوں کے درمیان رہیگا اسکی وجہ سے خیر باقی رہے گی اور جب اسکی جگہ جاہل لیلیگا تو گمراہی اور ہلاکت واقع ہوگی اور اس کا سبب ظاہر ہے کچھ مخفی بات نہیں کیونکہ تمام لوگ ہر وقت اور ہر حالت میں عالم کے محتاج ہیں تاکہ ان کو خدا کا راستہ بتلائے اللہ کے اوامر و نواہی ان کے سامنے بیان کرے تو جیسا خدا سے بندہ کو کسی وقت استغنا نہیں اسی طرح اس کے احکام بتانیوالوں سے بھی استغنا نہیں ہوسکتا ۱۲ بخلاف جاہل کے کہ اسکی طرف لوگوں کو ایسی احتیاج نہیں اسکی طرف بعض لوگوں کو کسی وقت اس کام کی بنا پر احتیاج ہوتا ہے جسکی وجہ سے وہ سردار بنا ہوا ہے اور بعضوں کو ذرا بھی احتیاج نہیں ہوتی اور اہل

احتیاج کو بھی، بعض اوقات اسکی حاجت نہیں ہوتی اور ایسے حالات اور ایسے ہی افراد زیادہ ہیں کیونکہ جاہل تو کسی دنیوی فوقیت کی وجہ سے سردار بنتا ہے تو اس کی طرف دنیا والوں یعنی مالداروں کو ہی احتیاج ہوگی اور مالدار خصوصاً مسلمان دنیا میں کم ہوتے ہیں غرباء زیادہ ہیں تو زیادہ کو جاہل سے استغنا ہوگا اور عالم دین کیوجہ سے سردار بنتا ہے اور دین غریبوں میں زیادہ ہوتا ہے اور ان کی تعداد بھی زیادہ ہے پس غرباء تو طلب دین کی وجہ سے سب کے سب عالم کے محتاج ہیں اور اہل دنیا بھی جب ان کے دل میں دین کی طلب پیدا ہوتی ہے اسکی طرف محتاج ہوتے ہیں پس عالم سے کوئی مستغنی نہ ہوا اور جاہل سے زیادہ لوگ مستغنی ہیں اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

نعم الرجل العالم ان احتیج الیہ نفع و ان استغنی عنہ اغنی نفسہ

وہ عالم بھی کیسا اچھا آدمی ہے کہ اگر اسکی طرف لوگ حاجت لیکر آئیں تو نفع پہنچائے اور اس سے مستغنی ہوں تو یہ بھی اپنے کو ان سے مستغنی کر دے۔

غنا سے مراد اللہ عزوجل کی ساتھ غنا ہے (یعنی اللہ پر نظر کر کے سب سے مستغنی اور بےفکر ہو جائے) یہی ہے اصلی اور حقیقی ریاست، مگر آج کل علم حقیقی حاصل کرنیوالے کہاں جو کسی کو حقیقی ریاست نصیب ہو الا نادراً والنادر کالمعدوم) اب تو اس بات کا ظہور ہونے لگا ہے جو رسول برحق صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ لوگ بدون علم کے سردار بن گئے پھر ان سے فتویٰ لیا جاتا ہے اور وہ بدون علم کے فتویٰ دیکر خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں تو اس بیچارہ مسکین کو غفلت سے بیدار اور مدہوشی سے ہوشیار ہو جانا اور اس سخت مصیبت سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیئے جو اس کے سر پر آگئی ہے۔

الوجہ الثالث عشر فیہ دلیل علی ان حقیقۃ الریاسۃ لا تکون الا بالعلم الی قولہ و لیحذر من ھذا الامر العظیم الذی حل بہ

ف یہ حقیقی ریاست محض علم کتابی اور رسمی سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ علم حقیقی سے حاصل ہوتی ہے اور علم حقیقی ایک نور کا نام ہے جو دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالا جاتا ہے اور وہ عادتاً بدون صحبت اہل اللہ کے حاصل نہیں ہوتا پس اس سے طریق صوفیہ کی تائید ظاہر ہے

(۱۱۸) معیار شرعی کیخلاف جو حالت ہوگی کبھی نافع نہ ہوگی

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کو بدون سردار کے چارہ نہیں حکمت اسی کو مقتضی ہے چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا ہے کہ دنیا سے عالم کے ناپید ہونے پر لوگ اپنے کو ویسا ہی بے سرا نہ دکھیں گے بلکہ جماعت اہل علم کے علاوہ دوسری جماعتوں میں سے جو ظاہر میں ان کے مشابہ ہونگی کسی کو سردار بنالیں گے اور گمراہی میں مبتلا ہوں گے کیونکہ ؎

اذا کان الغراب دلیل قوم — سیھدیھم طریق الھالکینا
گر بہ میر و سگ وزیر و موش را دیواں کنند — ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند

جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دیدی ہے :

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی چیز کو قانون شریعت اور معیار شرعی کے خلاف حاصل کرنا مفید نہیں ہوتا بلکہ اس سے بجائے نفع کے نقصان ہوتا ہے، کیونکہ عوام نے ان جاہلوں کو اسی فائدہ ارشاد و ہدایت کے لئے اپنا امام اور سردار بنائیں گے جو ان علماً سے حاصل ہوتا تھا جن کی تصور اور نقل انہوں نے اتاری ہے مگر چونکہ ان میں وہ شرطیں موجود نہ تھیں جن کو شریعت نے پختگی کے ساتھ بیان کیا ہے تو اب بجائے مقصود کے اسکی ضد کا ظہور ہوا یعنی گمراہی کا۔

الوجہ الرابع عشر و الخامس عشر من قولہ فیہ دلیل علی انہ لا بد للناس من رؤس الی قولہ جاءھم اذ ذالک ضد ما ارادوہ وھو الضلال

(۱۱۹) علم پر دہوکہ نہیں چل سکتا

حدیث سے ان لوگوں کے قول کی بھی تائید ہو رہی ہے جو یوں

کہتے ہیں کہ عالم کے ذمہ قبل سوال و طلب کے تعلیم واجب نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فسئلوا فافتوا کہ ان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے فتویٰ دیا تو فتویٰ اس وقت تک نہیں ہوا جب تک کہ سوال واقع نہیں ہوا۔

نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دہوکہ عالم پر نہیں چل سکتا اور جاہلوں ہی پر چلتا ہے کیونکہ عوام نے ان جاہلوں کو اسی واسطے سردار بنالیا کہ وہ کتابوں کے پڑھنے اور دیکھنے میں اہل علم کے مشابہ تھے جب لوگوں نے ان کے پاس وہ چیز دیکھی جو علامتاً علم حقیقی کی جو ایک نوع ہے علامت تھی انہوں نے ان کو بھی حقیقی سردار سمجھ لیا اور ان پر دہوکہ چل گیا (علما کے اوپر اس قسم کی بناوٹ سے دہوکہ نہیں چل سکتا کیونکہ عالم تو باتوں ہی سے پہچان لیتا ہے کہ مخاطب واقعی عالم ہے یا محض شکل دھتور بنا کر نقال ہے۱۲)

اسی واسطے یمن بن رزق رحمہ اللہ نے فرمایا ہے

لقلة العقلاء لم يعرف الحمقى

"عقلمندوں کی قلت کیوجہ سے بیوقوف نہیں پہچانے گئے"

اور یہ حقیقت اسوقت بہت نمایاں ہوگئی ہے چنانچہ بعض لوگ نحو، اصول، منطق، علم کلام، فلسفہ، طبیعت وغیرہ پڑھکر سرداری کا دعویٰ کرنے لگے اور ان علوم کو حاصل کر کے ہی وہ اللہ کے دین میں فتویٰ دینا چاہتے ہیں، ان کی مسخ شدہ عقول میں یہ سودا اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ ان میں سے بعضے بزعم خود اجتہاد کے دعی ہیں اور پہلے بزرگوں اور اماموں کو خطار پر بتلاتے ہیں، جس کا منشا یہ ہے کہ ان لوگوں نے سلف کے کلام کو نہیں سمجھا اور ان سے بدگمانی رکھتے ہیں اگر ان کے ساتھ اچھا گمان ہوتا تو ان کی برکت سے وہ بات حاصل ہوجاتی جس سے ان کا کلام سمجھ لیتے پس اس بیہودہ جماعت اور سوزخی گروہ سے بہت بچو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت سے امت کو بہت ڈرایا ہے اور اس کی حالت کو بھی پوری طرح بیان فرمادیا ہے چنانچہ ارشاد ہے

يأتي في آخر الزمان اقوام يحدثونكم بما لم تعرفوا انتم ولا آباءكم

او كما قال عليه السلام

"آخر زمانہ میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی باتیں بیان کریں گے جن کو نہ تم نے کبھی دیکھا جانا تھا نہ تمہارے باپ دادوں نے یا جسطرح بھی حضورؐ نے فرمایا ہو (مضمون یہی ہے) پس جس بات کو تم جانتے ہو اسی پر رہو اور جو نئی بات معلوم ہو اسکو چھوڑ دو اور اپنی ذات خاص کا فکر کرو (دوسروں کی فکر میں نہ پڑو) کیونکہ آج کل نصیحت کے سننے والے کم ہیں تم کسی کو نصیحت کروگے تو وہ تمکو ہی بدنام کرنے کے در پے ہو جائیگا

الوجه السادس عشر والسابع عشر من قوله فيه دليل لمن يقول بان العلم لا يلزمه التعليم قبل السوال الى قوله وعليك بخواصة نفسك

ف علامہ ابن ابی جمرہ کے زمانہ میں تو لوگ نحو و اصول اور منطق و فلسفہ و علم کلام ہی پڑھ کر مدعی ریاست علم اور طالب منصب اجتہاد بنتے تھے مگر اس زمانہ کی حالت دیکھو کہ انگریزی کالجوں اور انگریزوں کے دفتروں اور بے دین ماسٹروں کی صحبت میں رہ کر بی اے ایم اے یا ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کرکے یا کسی ماہواری رسالہ یا روزنامہ اخبار کی ایڈیٹری کرکے ہی ہر شخص پھولا نہیں سماتا اور جامۂ اجتہاد سے باہر ہوا جاتا ہے، ان کا جادو عوام پر اور زیادہ تر انگریزی طلباء اور انگریزی خواں طبقہ پر خوب چلتا ہے، کیونکہ ان کے پاس کھرے کھوٹے کے انتخاب کا کوئی معیار نہیں ہے یہ تو کتاب کی دیدہ زیبی اور چکنے کاغذ اور لچھے دار مزہ دار باتوں اور فقروں ہی سے مصنف کی قابلیت کا اندازہ کرتے ہیں، اگر یہ باتیں کسی کافر میں جمع ہو جائیں تو یہ لوگ اسکو بھی امام بنانے کو تیار ہو جائیں گے، آخر قادیانی کذاب کے ماننے والے کون ہیں؟ اور گاندھی کی تعریف کرنے والے مسلمان کہاں سے آئے تھے اور گاندھی کے بعد جواہر لال کو امام بنانے والے اسٹیشنوں پر اس کا استقبال کرنیوالے مسلمان تو اب بھی آپ کو منظر آتے ہوں گے، جب غلبہ جہل کی یہ صورت ہے تو سوچو ان کے سامنے اگر دجال بھی آجائے تو اس کے ساتھ یہ کیا برتاؤ کرینگے؟ غالباً وہی جو قادیانی اور گاندھی اور جواہر لال کے ساتھ ہوا اور اس وقت ہو رہا ہے شاید کوئی کہے کہ ان کو علماء کیطرح سردار کس نے بنایا؟ مگر تم مسلمانوں کی حالت دیکھو گے تو خود کہو گے کہ علماء سے بھی زیادہ درجہ ان کو دیدیا گیا تھا اور دیا گیا ہے، سادہ لوح مسلمان ان

کو مسلمانوں کا سیاسی خیر خواہ اور خیر خواہی کے راستوں کو علماء سے زیادہ جاننے والا سمجھتے ہیں اور اس دھوکہ میں عوام کو اُن علماء نے ڈالا ہے جو ان ہندوؤں کی تعظیم بجا لانے ان کو جلسوں کا صدر بناتے اور اسٹیشنوں پر ان کا استقبال کرتے اور ان کی تعریف میں قصیدہ خوانی کرتے اور یہی وہ علماء ہیں جو مسلمانوں کے سامنے ان باتوں کو دین بتلاتے ہیں جن کو آج تک مسلمانوں نے دین نہ سمجھا تھا کوئی سود کو حلال کرنا چاہتا ہے، کوئی میموں کو سر بازار نیم عریاں دیکھ کر مسلمانوں کی شریف عورتوں کو بھی پردہ سے نکالنا اور کلب گھر میں ساتھ لیجانا چاہتا ہے کوئی تصویر کشی کو جائز کہتا اور قرآن تک میں تصویریں ٹھونسنا چاہتا ہے، کوئی الیکشن میں کوشش کرنے اور ووٹروں کے پاس مارا مارا پھرنے کو دین میں داخل کرنا چاہتا ہے، کوئی کھدر پہننے کو واجب اور ولایتی کپڑوں کو حرام بتاتا ہے، مگر ولائتی عینک اور ولائتی دوا اور ولائتی موٹر جوتہ کو حرام نہیں کہتا اور نہ ولائتی ریل اور تار سے انتفاع کو حرام بتلاتا ہے، کوئی ہندو لیڈروں کے استقبال اور پیشوائی کو یہ کہہ کر دین کا کام بتلاتا ہے کہ انگریزوں کا دشمن کتا اور سور بھی ہوگا تو ہم اس کی عزت کریں گے، گو وہ خدا اور رسول کا بھی سخت دشمن کیوں نہ ہو؟ ہندوؤں کے جلسوں اور جلوسوں میں شرکت کی ترغیب دیتے ہیں گو نیم عریاں عورتوں کی تقریر بھی سننا پڑے اور ان سے نظر بچانا بھی دشوار ہو، مسلمان ان باتوں کو دیکھ کر خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ باتیں دین اور ثواب کدھر سے ہو گئیں جن کو آج تک وہ گناہ اور حرام سمجھے ہوئے تھے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

(۱۲۰) غلط فتوے پر عمل کرنیوالا بھی مفتی کی طرح گمراہ ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص غلط فتوے پر عمل کرتا ہے اس کو بھی ویسا ہی گناہ ہوتا ہے جیسا مفتی کو ہوتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عوام کو بھی اسی طرح گمراہ بتلایا ہے جسطرح ان کے مفتیوں کو گمراہ اور گمراہ کن بتلایا ہے دونوں اس باب میں برابر ہیں اسکی تائید اور وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ حضورؐ نے اسکی ضد کی بابت ارشاد فرمایا ہے کہ عالم اور متعلم دونوں ثواب میں شریک ہیں۔

الوجہ التاسع عشر فیہ دلیل علی ان من عمل بفتوی علی غیر وجہھا یلحقہ من

الا اثم الی قولہ العالم والمتعلم شریکان فی الاجر۔

ف یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پیر کے گمراہ ہونے سے مرید بھی گمراہ اور گناہگار ہوگا یہ جو مشہور ہے کہ پیر کی پیری سے کام اسکے عمل سے کیا کام یہ پیر جیوں کی گھڑت ہے جب مرید کو اپنے پیر کا گمراہ بدعتی اور بےعمل ہونا ثابت ہو جائے اسکے ذمہ لازم ہے کہ اسکی بیعت کو توڑکر کسی محقق شیخ کو تلاش کرے۔

۱۲۱ جاہل کسی گمراہی میں مبتلا ہو جانے کیوقت اپنے جہل کیوجہ سے معذور نہ قرار دیا جائے گا

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جاہل کسی محذور یا گناہ میں مبتلا ہو جانے کے وقت اپنے جہل کی وجہ سے معذور نہیں قرار دیا جائے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عوام کو بھی گمراہ بتلایا ہے جنہوں نے فتوے حاصل کرنے کے لئے اہل کو نہیں پایا بلکہ نا اہلوں سے فتویٰ لیکر کیا، جیسا ان فتویٰ دینے والوں کو گمراہ بتلایا جائے حالانکہ یہ عوام بیچارے معاملہ سے ناواقف اور جاہل تھے ان کو اتنا علم ہی نہ تھا جس سے صحیح اور غلط فتوے میں امتیاز کر سکتے پس اے پریشان پھرنے والے ہدایت کے راستہ کیطرف چلا آ پہلے اس سے کہ دروازہ بند ہو جائے اور تو محروم رہ جائے۔ الوجہ العشرون فیہ دلیل علی ان الجاھل لا یعذر بجھلہ الی قولہ قبل سبقہا الحرمان بغلق الباب۔

ف عوام کو غلط فتویٰ پر عمل کرنے سے گناہ اس وقت ہوگا جبکہ وہ دین کی باتیں دریافت کرنے کے واسطے عالم محقق کی تلاش میں کوتاہی کریں کہ جس سے جی چاہا فتویٰ لے لیا خواہ وہ عالم محقق ہو یا نہ ہو، رہا یہ کہ عوام کو کسی کا عالم محقق ہونا کیسے معلوم ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے طبیب کا حاذق ہونا اور وکیل کا لائق ہونا ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ جب کوئی عزیز بیمار ہوتا ہے تو لوگوں سے دریافت کرتے اور مشورہ کرتے ہیں کہ علاج کس کا کرنا چاہیئے اور جب کوئی مقدمہ درپیش ہوتا ہے تو دوستوں سے مقدمہ بازوں سے مشورہ کرکے لائق سے لائق وکیل اور بیرسٹر تلاش کیا جاتا ہے اسیطرح اگر

مسلمانوں کو دین کا فکر اور تلاش ہو تو تحقیق اور دریافت حال سے عالم محقق ان کو ضرور دستیاب ہو جائیگا اور جب تک مسلمانوں کو دین کا فکر ہوگا علماء محققین کا وجود دنیا میں ضرور رہیگا اور جب دین سے عام طور پر بیفکری ہو جائیگی اس وقت علماء محققین کا وجود دنیا میں نہ رہیگا جہلا ہی مفتی اور سردار ہوں گے اس وقت مفتیوں کو تو غلط فتوے دینے کا گناہ ہوگا اور عوام کو دین سے بیفکری کا جسکی بدولت جہلا کو مفتی بننے کا موقعہ ملا، پس سب کے سب گمراہی کے وبال میں مبتلا ہوں گے، خوب سمجھ لو' واللہ اعلم بالصواب، یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو علم دین کی تحصیل کو ضروری نہیں سمجھتے صرف دنیوی علوم ہی کے درپے اور اسی کی ضرورت پر زور دیتے ہیں یہ کھلی دلیل ہے دین سے بیفکری کی۔

باب پانزدہم

حدیث

الحساب والعرض

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں روایت ہے کہ جب وہ کوئی ایسی بات سنتیں جو ان کی سمجھ میں نہ آتی تو اس کو دوبارہ دریافت کرتیں یہاں تک کہ سمجھ میں آجائے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا کہ جس سے حساب لیا جائیگا وہ عذاب میں مبتلا ہوگا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا (یا رسول اللہ) کیا اللہ تعالیٰ یوں نہیں فرماتے فسوف یحاسب حسابا یسیرا (کہ جسکو نامۂ اعمال ہاتھ میں دیا جائیگا اس سے حساب آسانی کیساتھ لیا جائیگا جس سے معلوم ہوا کہ بعضے ایسے بھی ہیں جن سے حساب لیا جائے گا مگر عذاب نہ ہوگا) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو صرف پیشی ہوگی (جسکو برائے نام حساب کہدیا گیا) لیکن جس سے نکتہ چینی کے ساتھ حساب لیا جائے گا (کہ عرفاً اسی کو محاسبہ کہتے ہیں) وہ ہلاک ہوجائے گا۔

شرح ظاہر حدیث بتلارہا ہے کہ ہلاکت مناقشہ کے ساتھ ہوگی اور اس کے متعلق چند باتیں بیان کرنے کی ہیں۔

۱۲۲ حساب کتاب کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جس سے حساب لیا جائیگا وہ مبتلائے

عذاب ہوگا عام ہے یا خاص؟ ظاہر یہ ہے کہ خاص ہے کیونکہ بعد میں آپ نے اس کو مناقشہ کے ساتھ مخصوص فرما دیا ہے، اور مختلف احادیث کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حساب کی چند قسمیں ہیں جن میں سے ایک تو عرض ہے جیسا اسی حدیث میں مذکور ہے اور اسکی مفصل کیفیت دوسری حدیث میں اس طرح وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندہ سے مخفی طور پر حساب لیں گے اپنا دامن رحمت اس پر ڈال دیں گے اور فرمائیں گے میرے بندے! تو نے فلاں دن ایسا کیا، فلاں وقت ایسا کیا، بندہ کو اقرار کے سوا کچھ چارہ نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ سمجھ لیگا کہ میں ہلاک ہوا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میرے بندے! میں نے تیرے گناہوں کو دنیا میں تو چھپایا اور آج بخشتا ہوں (پھر ملائکہ کو حکم ہوگا کہ میرے بندے کو جنت میں لے جاؤ، اس کو دیکھ کر اہل محشر کہیں گے کہ یہ بندہ کیسا اچھا ہے جس نے کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی، یہ تفصیل ہے اس پیشی کی جس کو یہاں مجملاً بیان کیا گیا ہے کیونکہ یہ (واقعی برائے نام) پیشی ہے جس میں عذاب کچھ نہیں، دوسری قسم کا حساب ان لوگوں کا ہے جنہوں نے کچھ اچھے کام کئے کچھ برے، تو ان کی نیکیاں برے کاموں کے مقابلہ میں کردی جائیں گی جس سے نیکیاں اور گناہ برابر ہو جائیں گے اور ایمان باقی رہ جائے گا جسکی بدولت جنت میں پہنچ جائیں گے یہ بھی پیشی ہی کی ایک قسم ہے۔ ایک قسم حساب کی یہ ہے کہ (نیکیاں گناہوں سے کم رہ جائیں اور) کچھ گناہ ان کے ذمہ رہ جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت کے لئے کسی کو کھڑا کردیں گے، یہ اُن لوگوں میں سے ہیں جن کے ساتھ لطف کا معاملہ ہوگا۔

اور اس قسم میں سے وہ لوگ بھی ہیں جن کے اوپر گناہ صغیرہ تھے ان کے ساتھ بھی لطف کا معاملہ ہوگا اور صغائر معاف کردیئے جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ جمیل اس کو شامل ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

ان تجتنبوا کبائر ما تنهون عنه نكفر عنكم سيئاتكم

اگر تم اُن بڑے گناہوں سے بچتے رہو جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ معاف کردیں گے دوسرے کچھ اور ہیں جن کے اوپر کبیرہ اور صغیرہ دونوں

قسم کے گناہوں کے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ ان کے صغائر کو نیکیوں سے بدل دو جب وہ یہ معاملہ دیکھیں گے تو اس امید پر کہ کبائر بھی نیکیوں سے بدل دیئے جائیں عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! ہمارے تو کچھ بڑے بڑے گناہ بھی تھے جن کو ہم یہاں لکھا ہوا نہیں دیکھتے (اس پر کبائر بھی نیکیوں سے بدل دیئے جائیں گے) ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے فاولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے گناہ نیکیوں سے بدل دیئے جائیں گے، یہ بھی اُن لوگوں میں سے ہیں جن پر فضل کیا جائیگا۔

دوسرا وہ ہیں جن کی نیکیاں گناہوں پر راجح ہوں گی یہ لوگ فلاح پانے والے ہیں دوسرا اور ہیں جن سے قبر سے لیکر جنت کے محلوں میں پہنچنے تک اصلاً حساب نہ ہوگا جیسا آثار میں وارد ہوا ہے مثل شہداء وغیرہ کے اور بعضے وہ ہیں جن سے باقاعدہ مناقشہ کیساتھ حساب لیا جائیگا یہ لوگ ہلاک ہوں گے یعنی مبتلائے عذاب ہوں گے کیونکہ ہلاکت بمعنی عدم کا وہاں تحقق نہ ہوگا اور یہ ایسا ہی ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ویأتیہ الموت من کل مکان وما ھو بمیت ط اس کے پاس ہر طرف سے موت آئیگی مگر وہ مرے گا نہیں یعنی اس کو ایسی مصیبت پیش آئیگی کہ دنیا میں ایسی مصیبت آتی تو مرجاتا لیکن وہ وہاں ہر طرف سے وہ موت کی برابر مصیبت جھیلے گا اور مرے گا نہیں اسی طرح ہلاکت کو سمجھ لو۔

اور جو لوگ وہاں ہلاک یعنی مبتلائے عذاب ہوں گے ان کے بھی مختلف درجے ہیں ہر شخص کو اپنی حالت کے موافق ہلاکت کا سامنا ہوگا۔

الوجہ الاول قولہ علیہ السلام من حوسب عذب ھل ھو علی عمومہ او علی الخصوص الی قولہ کل شخص بقدر حالہ "

ف ہرچند کہ اس مضمون میں کوئی مسئلہ تصوف کا مذکور نہیں مگر چونکہ سالکین کو مراقبہ حساب عموماً نافع ہوتا ہے اس لئے اس کا ترجمہ کر دیا گیا اور حدیث صحیح میں وارد ہے انا عند ظن عبدی بی میں اپنے بندے کے گمان کیساتھ ہوں یعنی جیسا گمان

بندہ اللہ کے ساتھ قائم کرلے گا ویسا ہی معاملہ اس کے ساتھ ہوگا ، علامہ شعرانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اگر تم اللہ کے ساتھ یہ گمان رکھو گے کہ تم کو بلا حساب جنت میں داخل کردیں گے تو انشاء اللہ تمہارے ساتھ یہی معاملہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ ہم کو بدون حساب ہی کے جنت میں پہنچا دیں گے۔

اللھم حقق ظننا یا غنی وتفضل علینا برحمتک یا ارحم الراحمین

(۱۲۳) سنت یہ ہے کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے اس کو دوبارہ پوچھنا چاہئے

حدیث سے معلوم ہوا کہ سنت یہ ہے کہ جو شخص کوئی ایسی بات سنے جو اسکی سمجھ میں نہ آئے تو اسکو دوبارہ پوچھنا چاہئے یہاں تک کہ سمجھ میں آجائے، یہ بات حدیث کے اس لفظ سے معلوم ہوئی۔

کانت لا تسمع شیئا لا تعرفہ الا راجعت فیہ حتی تعرفہ

کہ حضرت عائشہ کسی بات کو سنتیں اور سمجھ میں نہ آتی تو اس کو دوبارہ دریافت فرماتی یہانتک کہ سمجھ جاتیں تو اگر یہ طریقہ سنت اسلام سے نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس پہ برقرار نہ رکھتے اور حضرت عائشہؓ وہ ہیں جن کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

خذوا عنہا شطر دینکم کہ تم عائشہ سے دین کا آدھا حصہ لیلو

(پس حضرت عائشہؓ خلاف دین کوئی کام نہیں کرسکتیں) مگر یہ سنت سب کے لئے نہیں ہے بلکہ ان کے لئے ہے جن میں مراجعت کی اہلیت ہو ورنہ عوام کا منصب تو صرف سوال کرنے کا ہے جیسا بعض احادیث کے ضمن میں پہلے گذر چکا، جواب کے بعد مراجعت کا ان کو حق نہیں)

الوجہ الثانی فیہ دلیل علی ان من السنۃ ان من سمع شیئا الی قولہ د انما العوام وظیفتہم السوال کما تقدم فی الاحادیث قبل ۔

ف یہاں سے ان جاہلوں کی غلطی واضح ہوگئی جو علماء کے ذمہ اپنی ہر بات کا جواب لازم سمجھتے ہیں، ان کو جان لینا چاہئے کہ عوام کا منصب اس سے زیادہ نہیں کہ جو بات نہ

معلوم ہو اس کو محقق عالم سے دریافت کرلیں اگر سوال ضرورت کا ہوگا اس کا جواب دیا جائیگا اور فضول ہوگا تو کہہ دیا جائیگا کہ یہ سوال بیکار ہے اور جواب دینے کی ضرورت نہیں عوام کو اس پر اعتراض اور شبہ کرنے کا حق نہیں یہ حق اہل علم کو ہے۔ البتہ اگر کسی عالم کے جواب سے تسلی نہ ہوئی ہو تو دوسرے عالم سے پوچھنا جانتے، اور شیخ کے ساتھ بھی مرید کو مراجعت کا حق اسی وقت ہے جبکہ مرید اہل اور صاحب علم ہو اور شیخ نے اس کو مراجعت کی اجازت دے رکھی ہو ورنہ اسکے ساتھ بحث و مباحثہ نہ کرے کسی دوسرے محقق سے دریافت کرکے اپنا اطمینان کرلیں۔

(۱۲۴) مراجعت حسن ادب کے ساتھ ہونا چاہیئے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مراجعت حسن ادب کے ساتھ ہونا چاہیئے کیونکہ حضرت عائشہ نے یوں عرض کیا اولیس یقول اللّٰہ تعالیٰ فسوف یحاسب حسابا یسیرا، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ بعض کا حساب آسان لیا جائیگا" انہوں نے انکار اور اعتراض کی صورت ظاہر نہیں کی بلکہ آیت کو پیش کردیا جس سے بظاہر حدیث کو تعارض تھا، تاکہ اس طرح ان کو نفقہ کی بہت سی باتیں معلوم ہوجائیں جن میں سے ایک تو یہی بات تھی کہ آیت کی تفسیر حضور سے معلوم ہوجائے جو سب سے زیادہ اسکے مطلب کو بخوبی جاننے والے ہیں دوسرے آیت میں اور حضور کے ارشاد میں تطبیق کی صورت معلوم ہوجائے گی چنانچہ ان کی مراد پوری ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کا مطلب بھی بتلا دیا اور آیت و حدیث میں تطبیق کی صورت بھی بیان فرمادی۔"

الوجہ الثالث ان تکون المراجعۃ بحسن الادب الیٰ قولہ و کیفیۃ الجمع بین الای والحدیث۔

ف مراجعت کا حسن ادب کیساتھ ہونا ہی شرط اولین ہے اور اسی کے فوت ہونے سے انسان مراجعت کا اہل نہیں ہوتا، بعض لوگ اعتراض اور استخفاف کے ساتھ مراجعت کرتے ہیں جس سے بعض دفعہ عالم یا شیخ کی تحقیر ہوتی ہے اور بعض دفعہ

احکام الٰہیہ کی توہین ہوجاتی ہے جسکی وجہ سے ان کو جواب نہیں دیا آتا اب یہ لوگ اپنی خطا کو تو دیکھتے نہیں علماء اور مشائخ کو بدنام کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ ان کو جواب دینا نہیں آتا یہ کسی سے نہ کہیں گے کہ ہم کو سوال کرنا نہیں آتا۔

(۱۲۵) استاد اور شیخ کے سامنے خود مستقل بن جانا ممنوع ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معلم اور شیخ کے سامنے خود مستقل بن جانا اور کسی نئے مسئلہ میں رائے قائم کر لینا ممنوع ہے، تاویل اور اجتہاد میں استقلال کا حق معلم کی غیبت میں ہے، یہ مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر آپ کے سامنے آیت کو پیش کیا اور حضور کے ہوتے ہوئے خود کوئی رائے قائم نہیں کی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شارع بھی ہیں اور معلم بھی، پھر تشریع کا منصب تو آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور تعلیم کی میراث دوسروں کو بھی پہنچی ہے پس جو حقوق تشریع کی بنا پر حضور کو حاصل ہیں وہ تو دوسروں کو حاصل نہیں اور جو حقوق معلم ہونے کی وجہ سے آپ کے لئے ہیں وہ آپ کے خلفاء کے بھی حقوق ہیں جو منصب تعلیم کی وجہ سے ان کو حاصل ہیں۔

الوجہ الخامس یؤخذ منہ ان الاستبداد مع حضور المعلم ممنوع الی قولہ والتعلیم موروث عنہ

ف اسی ادب کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ ہمارے اکابر نے اپنے مشائخ کی حیات میں کسی کو اپنا مرید نہیں بنایا بلکہ جس کو بیعت کیا وکالۃً شیخ کی طرف سے بیعت کیا اسی طرح مشائخ کی حیات میں کسی کو خود خلافت نہیں دی بلکہ جس کو اجازت کا اہل سمجھا شیخ کی خدمت میں بھیج دیا کہ اسکو دیکھ لیا جائے اگر اہل ہو تو خلافت دیدی جائے نیز استاد اور شیخ کے ہوتے ہوئے کسی سائل کو مسئلہ بتلانا یا سالک کو ذکر و شغل بتلانا بھی خلاف ادب ہے یہ کام غیبت میں ہونے چاہئیں شیخ یا استاد کے سامنے بدون حکم کے خود پیش قدمی نہیں کرنی چاہئے ۱۲

(۱۲۶) تحقیق ہی سے انسان سردار بنتا ہے جہل سے نہیں بنتا

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ جب کوئی ایسی بات سنتیں جوان کی سمجھ میں نہ آتی تو اس کے متعلق دوبارہ مراجعت اور تحقیق کرتیں یہ حکم جملہ امور کو عام ہے خواہ دنیوی ہو یا اخروی؟ یا صرف امور آخرت ہی کے ساتھ خاص ہے، جواب یہ ہے کہ یہ حکم عام ہے کیونکہ تحقیق کا شوق خصائل حمیدہ اور اخلاق عالیہ میں سے ہے جس سے انسان کو سرداری اور بلندی حاصل ہوتی ہے چنانچہ حضرت سیدہ صدیقہ انہی لوگوں میں سے ہیں جن کو مرتبہ عالیہ اور سرداری کا بلند درجہ حاصل تھا اور مثل مشہور ہے قیمۃ المرأ ما یحسن آدمی کی قیمت یہی ہے کہ جو کام کرے اچھی طرح کرے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ملاقات ایک اعرابی سے ہوئی تو آپ کو اسکی حالت پر تعجب ہوا، اس سے دریافت فرمایا کہ یہ حالت تجھ کو کس بات سے حاصل ہوئی اس نے کہا کہ میں جب کوئی ایسی بات سنتا جس کا مجھے علم نہ ہوتا تو اسکی تحقیق کرتا تھا یہاں تک کہ اچھی طرح سمجھ جاتا اور جس چیز کا مجھے علم ہوتا اسے ایسے شخص کو نہیں بتلاتا تھا جو اس کے سمجھنے کا اہل نہیں، حضرت علی نے فرمایا کہ واقعی تو اس بات سے سرداری کے درجہ کو پہنچ گیا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے

من درس رأس ومن عرف ارتفع

جو پڑھتا ہے وہ سردار بن جاتا ہے اور جو معرفت حاصل کرلیتا ہے بلند ہوجاتا ہے یہاں ایک بات سمجھنے کی یہ بھی ہے کہ حدیث میں مراجعت کا ذکر ہے انکار یا اعتراض کا لفظ نہیں ہے کیونکہ مراجعت کا حاصل تو یہ ہے کہ اس بات میں تردد اور شبہ کا اظہار کیا جائے تاکہ دوسرا حق اور باطل کو اچھی طرح واضح کردے اور انکار یہ ہے کہ اس کو ایکدم سے رد کردیا جائے اور جس کو عقل ہوگی وہ ایسی بات کو جو اسکی سمجھ میں بھی نہیں آئی ہے مطلقاً رد نہ کرے گا جب تک اس کی تحقیق نہ کرلے اور حق و باطل کو اچھی طرح نہ سمجھ جائے کیونکہ ممکن ہے اس میں کوئی جزو حق ہو یا کوئی منفعت ہو اگر ایسی

کوئی جزو حق ہو یا کوئی منفعت ہوئی تو اس کو مان لیا جائیگا ورنہ سمجھنے کے بعد رد کردیگا، جہل کی حالت میں کسی بات کو رد کرنا بھی جہل و نادانی کی علامت ہے کیونکہ بعض دفعہ اس میں کوئی مصلحت ہوتی ہے جس کو اسکی خبر نہیں تو اس کا رد کرنا اور حقیقت سے جاہل رہنا اس منفعت سے محرومی کا سبب ہوگا اس لئے حضرات علمار نے فرمایا ہے۔

من جہل شیئاً عاداہ (والناس اعداء ما جہلوا)

جو جس بات سے جاہل ہوتا ہے اس کا دشمن ہوتا ہے یہ تو اس وقت ہے جبکہ وہ بات کلام نبوت سے نہ ہو (کہ اس کو بدوں سمجھے بوجھے رد کرنے میں مصلحت اور منفعت سے محرومی اور اپنی نادانی کا اظہار ہے) اور اگر کلام نبوت سے ہو تو اس میں مراجعت اور تحقیق اس لئے ضروری ہے کہ اس کے اندر جو فوائد اور حکمتیں اور انوار ہیں ان کا علم ہو جائے کیونکہ وہ تو سراسر خیر ہی خیر ہے (اس لئے اس کا سنتے ہی رد کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ سمجھنے کے بعد بھی اس کی رد جائز نہیں ہاں تحقیق کے بعد یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور دوسری حدیث اسکے خلاف صحیح ہے یا یہ منسوخ ہے۔ اگر نسخ ثابت ہو یا اس کا محمل یہ ہے اور دوسری حدیث کا محمل یہ ہے خوب سمجھ لو۔

قولہ فی الوجہ الشامن ویرد ھنا سؤال الی قولہ لانہ خیر کلہ

(۱۲۷) آج کل کا بحث و مناظرہ بہت بُرا ہے

حدیث میں اس بحث و مناظرہ کی ممانعت پر بھی دلیل ہے جو آج کل بعض لوگوں میں رائج ہے کیونکہ ان لوگوں کا قصد سوا اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ خصم کو لاجواب اور خاموش کر دیا جائے چنانچہ ان کا جواب خصم کے مقابلہ میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ ہم اس بات کو نہیں مانتے یا دلیل کا فلاں مقدمہ ممنوع ہے، حالانکہ وہ خصم کے قول کی حقیقت کو بھی نہیں سمجھے اور آداب مناظرہ سے جاہل ہونے کی وجہ سے فائدہ سے محروم رہ جاتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر حضرات علماء کا ارشاد ہے کہ ہم کسی سے مناظرہ کرتے ہوئے یہ نہیں چاہتے تھے کہ حق ہماری ہی زبان سے نکلے بلکہ ہمارا قصد یہ ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ حق کو ظاہر کر دیں خواہ ہماری زبان سے ظاہر ہو یا دوسرے کی زبان سے کیونکہ حکمت مسلمان کا گمشدہ مال ہے وہ جس کے ہاتھ سے بھی مل جائے خوشی کی بات ہے اور جو شخص اپنے مقابل کی بات کو بدون سمجھے رد کرتا ہے اس پر نقد کی رو سے دو مفسدے مرتب ہوتے ہیں کیونکہ دو حال سے خالی نہیں یا تو مقابل کی بات حق تھی جس کو لا نسلم اور ممنوع کہہ کر رد کر دیا گیا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے تحت میں ہے

یریدون ان یطفئوا نور اللّٰہ بافواھھم

کہ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور یہ حرام و ممنوع ہے یا اس کی بات غلط اور منکر تھی جس کو بدون سمجھے رد کر دیا گیا اور منکر کا بدلنا یا رد کرنا معرفت کے بعد ہی جائز ہے یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ منکر کی تغییر اور تغلیط اسی وقت جائز ہے جبکہ اس کا منکر ہونا معلوم ہو جائے تو یہ انکار کرنے والا ان دو صورتوں پر کیونکر جرأت کرتا ہے حالانکہ ان میں جو کچھ خطرہ ہے ظاہر ہے خصوصاً جبکہ اس کے ساتھ حظ نفس اور غلبہ اور فخر کی طلب بھی شامل ہو، اس وقت تو یہ شقاوت در شقاوت کے سوا کچھ نہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو اس سے بچائیں ۔

اسی کے قریب ایک اور صورت ہے جس کو ہم لوگ آجکل عقلمندی اور ہوشیاری سمجھتے ہیں حالانکہ وہ بہت بری حالت ہے وہ یہ کہ کسی محقق کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے علم کا کوئی خاص حصہ عطا فرمایا ہو جس کو دوسرے نہیں جانتے ان کے ساتھ بعض لوگ اس علم میں اس غرض سے بحث کرتے ہیں تاکہ ان کو یہ بتلا دیں کہ ہم بھی اس فن کو جانتے ہیں اور یہ ارادہ نہیں تھا کہ ان کے سامنے اپنے کو پست کر دیں اور یوں کہیں کہ حضرت ہم کو یہ مسئلہ بتلا دیجئے تو اس میں چند وجوہ سے خطرہ ہے ایک تو جھوٹ بولنے کا کیونکہ یہ بحث کرنے والا زبان حال سے یہ بتلاتا ہے کہ

میں اس علم کو جانتا ہوں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس کو اس علم کی ہوا بھی نہیں لگی دوسرے اپنے سے زیادہ علم والے کی تنقیص تیسرے اس علم اور اس مسئلہ کی تحقیر حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کوئی علم عطا فرمایا ہے اسکی تحقیر نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب اسکو علم دیا ہے تو اس کو حقیر نہیں بنایا بلکہ معظم و مکرم بنایا ہے اور جس کو خدا نے عظمت دی اسکو حقیر کرنا بڑا سنگین جرم ہے نیز آئمہ دین کا ارشاد ہے کہ جس کو تم تعلیم دو اسکے ساتھ بھی تواضع کرو اور جس سے علم حاصل کرو اس کے سامنے بھی تواضع کرو کیونکہ تواضع علم کا ادب ہے اور جو شخص علم کے ادب کو چھوڑتا ہے وہ بہت کم کامیاب ہوتا ہے یا علم کو علم کے طریقہ پر حاصل نہیں کر سکتا بلکہ اس سے محروم رہ جاتا ہے تو دیکھو حدیث کا یہ جملہ کیسا عمدہ ہے کہ جس بات کو حضرت عائشہ نہ سمجھتیں اس میں دوبارہ مراجعت کرتیں جس سے معلوم ہوا کہ مراجعت انکار کو بھی شامل ہے مگر مقصود انکار نہیں بلکہ معرفت مقصود تھی پھر جب وہ مراجعت کے بعد حقیقت کو سمجھ جاتیں تو خاموش ہو جاتیں غرض ان کا مقصود یہ تھا جو کہ سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے مگر جن لوگوں کا اوپر ذکر ہوا ان کے نزدیک تو بس فائدہ یہی ہے کہ لا اسلم او رممنوع کہہ کر خصم کو بند کر دیا جائے تاکہ لوگ یوں کہیں کہ فلاں نے فلاں کو بند کر دیا یا اسے خاموش اور لاجواب کر دیا فانا للہ وانا الیہ راجعون کیسا قلب حقیقت ہوا ہے کہ معروف منکر ہو گیا اور منکر معروف (اچھی بات بری اور بری بات اچھی ہو گئی) زمانہ ہی بدل گیا حقائق میں انقلاب ہو گیا۔

قال اللہ المشتکی ۔ الوجہ التاسع فیہ دلیل علی منع بعض البحوث الی قولہ وردا المعروف منکرا والمنکر معروفا

(۱۲۸) زبان کی احتیاط کرو، وہ بات کرو جس سے قیامت میں معذرت نہ کرنا پڑے

اس حدیث میں صوفیار کی ایک حالت پر بھی اشارہ ہے کیونکہ یہ مناقشہ ہی وہ چیز ہے جس نے ان کو متاع دنیا سے بے رغبتی پر ابھارا ہے (یعنی سختیٔ حساب قیامت ہی کے خوف سے وہ دنیا کے تعلقات اور ساز سامان سے الگ تھلگ رہتے ہیں کیونکہ جتنا کوئی دنیا میں پھنسے گا اتنا ہی حساب طویل ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں اس طرف صاف طور سے اشارہ فرمایا ہے جب ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے کچھ نصیحت کیجئے مگر لمبی چوڑی نہ ہو آپ نے فرمایا " ایسی بات نہ کہو جس سے قیامت میں تم کو معذرت کرنا پڑے تو حضرات صوفیہ نے بات کرنے میں اس وصیت پر عمل کیا تاکہ انکی ہر بات سچی ہو اور ان کا حساب درگذر اور چشم پوشی کے طور پر ہو (مناقشہ اور نکتہ چینی کی صورت سے نہ ہو) اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان لوگوں میں سے کرے جن سے درگذر ہوا اور انہی کے کامیاب راستے اور سیدھے طریقہ پر چلائے (آمین)

الوجہ الحادی عشر فی الحدیث اشارۃ صوفیۃ الی قولہ و سلک بنا مسلکھم الرشید و منتھم السدید

ف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو زبان کی حفاظت کا حکم فرمایا کیونکہ عام طور پر لوگ زبان کے گناہ کو گناہ نہیں سمجھتے تو جب زبان کی حفاظت کا اس قدر اہتمام ہے تو دوسرے اعضاء کی حفاظت کو اسی پر قیاس کر لیا جائے، مطلب یہ کہ ہر کوئی کام ایسا نہ کرو جس سے قیامت کے دن معذرت

کرنا پڑے، سبحان اللہ! حضور کو اللہ تعالیٰ نے کیسی بلاغت اور جوامع الکلم عطا فرمائے ہیں کہ دو لفظوں میں وہ بات ارشاد فرمائی جس کی شرح کے لئے دفتر بھی ناکافی ہے۔

ف حضرات صوفیہ نے جملہ اعضاء کی حفاظت کے لئے تین چیزوں کی حفاظت پر زیادہ زور دیا ہے یعنی آنکھ، کان، اور زبان کی حفاظت۔ تجربہ شاہد ہے کہ جو شخص ان تینوں کو خلاف شرعی امور سے بچا لیگا وہ تمام اعضاء کی حفاظت بخوبی کرسکے گا اور جو ان کی حفاظت نہیں کرتا اس کو ذکر و شغل اور مجاہدات و مراقبات بھی کچھ نفع نہیں دیتے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

چشم بند و گوش بند و لب ببند
گر نہ بینی نور حق برما بخند

باب شانزدہم ۱۶

حدیث

القتال فی سبیل اللہ

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! جہاد فی سبیل اللہ کسے کہتے ہیں؟ کیونکہ ہمارے میں سے بعض تو (کفار کے ظلم و ستم پر) غصہ کی وجہ سے لڑائی میں حصہ لیتے ہیں اور بعض حمیت قومی کی وجہ سے لڑتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی طرف سر اٹھا کر فرمایا (راوی کہتے ہیں کہ آپ نے سر اس لئے اٹھایا کہ وہ شخص کھڑا ہوا تھا) کہ جو شخص اس غرض سے جہاد کرے کہ اللہ کا بول بالا ہو اسی کا جہاد اللہ کے راستہ میں ہے۔

شرح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ اللہ کے راستہ میں جہاد اسی نیت سے ہو سکتا ہے کہ اللہ کا بول بالا ہو اور کسی نیت یا غرض سے نہیں ہو سکتا) اور اس کے متعلق چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۲۹) ضرورت کے وقت چھوٹے کا بڑے کو پکارنا جائز ہے

حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ چھوٹے کا بڑے کو پکارنا کسی ضرورت کے یا مشکل کے وقت جائز ہے کیونکہ اس اعرابی نے صحابہ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو یا رسول اللہ کہہ کر پکارا اور آپ سے سوال کیا اور صحابہ کرام اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل تھے پھر کسی نے بھی اس اعرابی کے سب کے درمیان آواز بلند کرنے پر انکار نہیں کیا، نہ اس بات پر انکار کیا کہ اس نے سب کو چھوڑ کر خود اپنی حاجت سے متعلق کیوں سوال کیا (کسی مقرب بارگاہ کو واسطہ کیوں نہ بنایا) اگر یہ امور جائز نہ ہوتی تو شارع علیہ السلام اس کی کسی بات پر سکوت نہ فرماتے (بلکہ جواب دینے سے پہلے غلطیوں پر متنبہ فرماتے کہ بات کرنے کا یہ طریقہ نہیں جو تو نے اختیار کیا)

الوجہ الثانی فیہ دلیل علی جواز مناداۃ المفضول للفاضل الی قولہ لما اقرہ الشارع علیہ السلام علی شئی من ذلک

ف حضرات صوفیہ کا یہی طریقہ ہے کہ وہ ہر شخص کو اپنے سے بات کرنے کا موقعہ دیتے ہیں کسی واسطے کے ذریعے سے بات کرنے پر مجبور نہیں کرتے، نیز وہ اس سے بھی ناراض نہیں ہوتے کہ کوئی ان کا نام لیکر پکارے یا بلند آواز سے خطاب کرے بشرطیکہ محبت و ادب کو ہاتھ سے نہ دے۔

(۱۳۰) اپنے اعمال میں جو علتیں اور خرابیاں معلوم ہوں ان کو ظاہر کرنا چاہیئے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے اعمال میں جو علتیں اور نفسانی اغراض واقع ہوتی ہوں جاننے والے کو ان کو ظاہر کرنا چاہیئے تاکہ مخاطب ان میں سے غرض فاسد اور غرض صالح کو الگ الگ بتلادے چنانچہ اس اعرابی نے اول تو یہ کہا کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کسے کہتے ہیں؟ اس کے بعد لڑائی کی ان تمام صورتوں کو ظاہر کردیا جن کی بناء پر لڑائی کرنے کی عرب کو عادت تھی۔

الوجہ الثالث قولہ ما القتال فی سبیل اللہ فیہ دلیل علی ابداء العلل الی قولہ کانت عادۃ العرب یقاتلون علیہا

ف عرب کے ان پڑھ دیہاتی بھی حضور کے زمانہ میں سوال کرنے کا ادب جانتے تھے

اور آج کل پڑھے لکھے تعلیم یافتہ بھی بات کرنے کا سلیقہ نہیں رکھتے چنانچہ عموماً ان کا سوال ناقص ہوتا ہے جس سے دوسروں کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ سوال کی وجہ کیا ہے اور اس سوال کی ضرورت کیوں ہوئی؟ اور بہت لوگ اس جہل میں گرفتار ہیں کہ شیخ کے سامنے امراض نفسانی کے اظہار کی ضرورت ہی نہیں وہ خود ہی نور بصیرت سے سب کچھ معلوم کرلیں گے۔ حضرات صحابہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عالم غیب نہ سمجھتے تھے بلکہ اپنے اعمال کی خرابیاں صاف صاف عرض کر کے احکام معلوم کرتے تھے، یہ لوگ مشائخ کو عالم الغیب سمجھ کر بیفکر بنے بیٹھے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون یاد رکھو کہ شیخ کے نور بصیرت کا یہ کام نہیں کہ وہ لوگوں کے عیوب وامراض پر مطلع ہوا کرے بلکہ اس کا کام یہ ہے کہ امراض کا علم ہونے کے بعد ان کی اصلاح کا صحیح طریق اور بہترین علاج تجویز کرے ۱۲ ظ

(۱۳۱) اعمال ظاہرہ کی خصوصیت کا مدار نیت پر ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعمال ظاہرہ کی خصوصیت نیت ہی پر مبنی ہے (یعنی اگر نیت درست ہے تو اعمال ظاہرہ درست ہیں ورنہ ظاہر کا اعتبار نہیں، یہ بات اس سے معلوم ہوئی کہ جب سائل نے ان صورتوں کو جن پر لوگ لڑائی میں حصہ لیتے تھے شمار کیا تو حضور نے فرمایا کہ اعتبار نیت کا ہے ظاہری صورت کا نہیں۔

یہاں ایک بات قابل تحقیق ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ جو شخص اس غرض سے لڑتا ہے کہ اللہ کا بول بالا ہو کسی اور غرض سے نہیں لڑتا جن کا حدیث میں ذکر ہے وہی اللہ کے راستہ میں ہے۔

درجات خلوص کی تحقیق

تو کیا اللہ کے راستہ میں جہاد اسی وقت ہوگا جبکہ ماسوا کا بالکل قصد نہ ہو مقصود اللہ کے سوا کچھ نہ ہو، یا یہ کہ جب اصل کا مقصد اللہ کا بول بالا کرنا ہو تو دوسرے مقاصد کی پروا نہ کی جائیگی، اگر کسی درجہ میں ان کا بھی قصد ہو، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سوال!

کیا گیا کہ ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کو مسجد کی طرف جاتا ہوا دیکھیں اور یہ نہیں چاہتا کہ اسکو بازار کی طرف جاتا ہوا دیکھیں تو فرمایا یہ خواہش مضر نہ ہوگی جبکہ عمل خالص اللہ کے واسطے شروع کیا جائے پس جواب کا حاصل یہ ہے کہ عمل میں چند صورتوں کا احتمال ہے جنمیں سے ہر صورت کا حکم جدا ہے، ایک صورت توجو کہ بالاتفاق سب سے اعلیٰ ہے یہ ہے کہ عمل خالص اللہ کے واسطے ہو اور اللہ کے سوا کسی چیز کا ..... اس میں شمول نہ ہو، دوسرے یہ کہ جہاد کا ولولہ پیدا کرنیوالی تو اللہ کے سوا کوئی دوسری چیز تھی جن کا حدیث میں ذکر ہے یا ان کے علاوہ کوئی اور بات ہو مثلاً طبعی عادت نے جہاد پر برانگیختہ کیا ہو پھر جہاد شروع کرتے وقت یہ شخص نیت کو تمام خیالات سے خالی کرکے اللہ تعالیٰ کا بول بالا کرنے کے لئے خالص کرلے تو یہ بھی حدیث کی تصریح کے موافق اللہ ہی کے واسطے ہے کیونکہ ارادہ کو برانگیختہ کرنیوالی چیز پر اسی وقت التفات کیا جاتا ہے جبکہ وہ عمل کے وقت تک موجود رہے یہاں تک کہ عمل اسی کی وجہ سے اور اسی کے واسطے ہو اور اگر عمل کے وقت تک موجود نہ رہے تو اس پر التفات نہ کیا جائیگا۔ کیونکہ اعتبار اقرب فالاقرب کا ہے تو جو نیت عمل سے متصل ہوگی عمل کو اسی کے تابع کیا جائیگا بعد کے تابع نہ کیا جائیگا) تیسرے یہ کہ جہاد دوسری اغراض کے لئے بھی ہو اور اللہ کے لئے بھی ہو (دونوں نیتیں عمل کے ساتھ موجود ہوں) تو یہ اللہ کے واسطے کسی درجہ میں بھی نہیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جب عمل میں غیر اللہ کی شرکت ہو تو قیامت کے دن اللہ جل جلالہٗ اس کے عامل سے فرمائیں گے کہ میں سب سے زیادہ شرکت سے غنی ہوں جاؤ میرے غیر سے ثواب مانگو (جس کو میرے ساتھ عمل میں تم نے شریک کیا تھا) چوتھی صورت یہ ہے کہ جہاد ان ہی اغراض میں سے کسی غرض کے لئے ہو جن کا اوپر ذکر ہوا ان کے سوا کوئی غرض نہ ہو تو اس شخص کو اس کے فعل اور نیت کیموافق گناہ ہوگا یا اگر قواعد شرع کے موافق نیت مباح تھی تو فعل مباح ہوگا باقی ثواب کسی صورت میں نہ ہوگا جبکہ اللہ کا بول بالا کرنے کی نیت نہ تھی)

الوجہ الثامن فیہ دلیل علی ان تخصیص الظواھر لا یکون الا بالنیات

الی قولہ بحسب قواعد الشرع فی کل قضیۃ

ف ہمارے حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہٗ کا ارشاد ہے ریا ہمیشہ ریا نہیں رہتی اول ریا ہوتی ہے پھر عادت ہو جاتی ہے پھر عبادت ہو جاتی ہے اور حضرت سیدی حکیم الامت دام مجدہم کا ارشاد ہے کہ عمل کے ساتھ نیت کے تین درجے ہیں بشرط شئے، بشرط لا شئے، لا بشرط شئے، تیسرا درجہ بھی خلوص میں شامل ہے مگر ادنیٰ درجہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عمل کے وقت کوئی نیت حاضر نہ ہو اللہ کے لئے عمل کی ماسوا کے لئے بلکہ خالی الذہن ہو کر بطور عادت کے عمل کیا جائے اور پہلا درجہ مضر ہے اگر ماسوا اللہ بشرط شئے کے درجہ میں ہو یعنی ماسوا اللہ کا قصد کیا جائے اور اگر اللہ کے لئے عمل کا قصد کیا جائے اور وہی بشرط شئے کے درجہ میں ہو اور ماسوای اللہ شروع ہی سے بشرط لا شئے کے درجہ میں ہو یعنی اسکی نفی کردی جائے تو یہ خلوص کا اعلیٰ درجہ ہے اور اگر ماسوی اللہ اولاً بشرط شئے کے درجہ میں تھا پھر اس کی نفی کردی گئی اور بشرط لا شئے کے درجہ میں ہو گیا تو یہ بھی خلوص میں داخل ہے مگر یہ درجہ متوسط ہے۔ امید ہے کہ اہل علم اس کو سمجھ جائیں گے۔ بہرحال خلوص کے منافی صرف ایک صورت ہے کہ ماسوا اللہ مقصود ہو اور عمل کے وقت تک مقصود رہے اور وسوسہ قصد میں داخل نہیں، اگر قصد اللہ کے لئے ہو اور ماسوی اللہ وسوسہ کے درجہ میں ہو وہ اصلا مضر نہیں کیونکہ وسوسہ غیر اختیاری ہے و لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا، پھر فرمایا کہ ریا خود کسی کو نہیں لپٹتی بلکہ لپٹانے سے لپٹتی ہے، اگر کوئی خود ماسوی اللہ کا قصد نہ کرے لیکن وسوسہ ماسوا اللہ کا آتا ہو تو یہ ریا نہیں خوب سمجھ لو۔

وھذا مما تفرد بتحقیقہ فی ھذا العصر فللہ درہ من حکیم واللہ تعالیٰ اعلم ویؤیدہ کلام ابن ابی جمرۃ ایضا کما لا یخفی علی الفطن العارف

(۱۳۲) جواب کے وقت سائل کیطرف متوجہ ہوکر بات کرنا سنت ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ سنت یہ ہے کہ جس سے کچھ سوال کیا جائے وہ جواب کے وقت سائل کی طرف منہ کرکے بات کرے کیونکہ صحابی نے کہا ہے کہ حضور نے سائل کیطرف سر اٹھا کر دیکھا، پھر صحابی نے اسکی وجہ بتلائی کہ آپ نے سر اس لئے اٹھایا کہ سائل کھڑا ہوا تھا :

الوجہ التاسع فیہ دلیل علی ان من السنۃ ان یواجہ المسئول السائل بوجہ الیٰ قولہ انما رفع الیہ رأسہ لانہ کان قائماً

(۱۳۳) وقار سے رہنا سنت ہے، کہ کسی عضو سے بے فائدہ بے ضرورت کام نہ لیا جائے

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقار پر بھی دلالت ہے اور یہ کہ حضرات صحابہ کو حضور کے وقار کا علم تھا کہ آپ بے فائدہ بدون ضرورت کے کسی طرف التفات نہ فرماتے تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو راوی کو اس علت کے بیان کی ضرورت نہ ہوتی جسکی وجہ سے حضور نے سر اٹھایا تھا کہ سائل کھڑا ہوا تھا اور اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے اعضا کی حفاظت کرنا چاہیئے کہ بیفائدہ بدون ضرورت کے ان سے کام نہ لیا جائے۔

الوجہ الحادی عشر والثانی عشر فیہ دلیل علی وقار النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیٰ قولہ لما تقدم فی تعلیل رفع راسہ علیہ السلام

ف حضرات صوفیہ کو اس کا بہت اہتمام ہے جیسا مشاہد ہے۔

(۱۳۴) جب کوئی ایسی بات کہی جائے جو معروف کے خلاف ہو تو اس پر دلیل قائم کرنا چاہیئے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب خبر دینے والا کوئی ایسی بات بیان کرے جو

لوگوں کے نزدیک معروف نہ ہو تو اسکو اپنی بات پر دلیل قائم کرنا چاہیئے جس کے بعد لوگ اس کی تصدیق کرسکیں چنانچہ صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اٹھانے کی وجہ بیان کردی کہ سائل کھڑا تھا اگر وہ ایسا نہ کرتے تو شاید صحابہ ان کی بات کو قبول نہ کرتے یا ماننے میں توقف کرتے کیونکہ ان کا علم ان کیخلاف تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا ضرورت کے ایسا نہیں کرتے تھے تو راوی نے علت کو اس لئے بیان کیا کہ ان کی حدیث کی تصدیق سے ایک قاعدہ شرعیہ کی بنیاد قائم ہوئی تھی کہ اگر سائل نے کھڑے ہو کر سوال کیا ہو تو جواب میں سر اٹھا کر اسکی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ پس انہوں نے اس شرعی مصلحت کی وجہ سے احتیاط پر عمل کیا تھا اپنے نفس کیوجہ سے ایسا نہیں کیا

الوجہ الثالث عشر فیہ دلیل علی ان المخبر اذا اخبر بشئ لا یعرف الی قولہ لا من اجل نفسہ

(۱۳۵) کھڑے ہو کر سوال کرنا مسئلہ پوچھنا جائز ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال (یعنی دریافت کرنا) ہر حالت میں جائز ہے، بیٹھ کر بھی کھڑے ہو کر بھی کیونکہ صحابی کا اس جگہ یہ کہنا کہ سائل نے کھڑے ہو کر سوال کیا تھا یا حضور کے سر اٹھانے کی علت میں اس کو ظاہر کرنا بتلا رہا ہے کہ کھڑے ہو کر دریافت کرنا بھی جائز ہے مگر اسی کیساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ عام دستور بیٹھ کر سوال کرنا تھا، بہر حال جب اس موقعہ پر صحابی نے قیام کا ذکر کیا ہے تو اس سے ہر حالت میں سوال کی اجازت معلوم ہوگئی اور اگر عام دستور کھڑے ہو کر دریافت کرنے کا ہوتا تو اس جگہ قیام کا ذکر بیفائدہ ہوتا اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس سے منزہ ہیں (وہ فضول باتیں نہیں کیا کرتے تھے)

الوجہ الرابع عشر فیہ دلیل علی جواز السوال علی کل الاحوال الی قولہ والصحابۃ رضی اللہ عنہم منزھون عن ذلک

ف لیکن اگر قرائن سے یہ معلوم ہوجائے کہ کھڑے ہو کر بات کرنے سے مخاطب پر

گرانی ہوگی تو بیٹھ کر ہی بات کرنا چاہیے کیونکہ بلا وجہ کسی کے دل پر بوجھ ڈالنا ممنوع ہے

فضول باتیں نہ کرنا چاہیئیں

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ فضول باتیں نہیں کرتے تھے بلکہ جو بات کرتے ضرورت اور حاجت کیموافق کرتے تھے، حضرات صوفیہ کو بھی حفظ لسان کا بہت اہتمام ہے بعض اکابر طریق نے ادنیٰ سی فضول بات پر برسوں ندامت واستغفار کیا ہے قال العارف

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند گر نہ بینی نور حق برما بخند

آنکھ کان اور زبان کی حفاظت مثمر انوار و برکات ہے اور ان میں بے احتیاطی سالب انوار و موجب ظلمات ہے۔ اللھم احفظنا

(۱۳۶) صوفیہ کو مجاہدہ میں اعلاء کلمۃ اللہ کا قصد کرنا چاہیئے

اس جگہ ایک صوفیانہ اشارہ بھی ہے کیونکہ صوفیہ بھی جہاد میں مشغول ہیں یعنی جہاد نفس میں اور یہی بڑا جہاد ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے جب آپ ایک غزوہ سے واپس ہوئے تو صحابہ سے فرمایا ھبطتم من الجہادؑ الاصغر الی الجہاد الاکبر کہ تم اب جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف اتر آئے ہو، غرض جہاد اکبر نفس سے جہاد

عہ عن جابر قال قدم علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم قوم غزاۃ فقال قدمتم خیر مقدم من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر مجاھدۃ العبد ھواہ رواہ الدیلمی وعن ابی ذرؓ قال قلت یارسول اللہ ای الجہاد افضل قال ان یجاھد الرجل نفسہ و ھواہ رواہ ابن النجار، کذا فی کنز العمال ص۲۴۳ ج ۲ قلت وھذا وان لم نعرف صحتہ من حیث الاسناد فلہ مؤید من قولہ صلے اللہ علیہ وسلم والمجاھد من جاھد نفسہ فی طاعۃ اللہ رواہ الحاکم وصححہ کما فی شرح الاحیاء للعراقی ص۱۷۱ ج ۲

کرنا ہے، پس ان کا یہ جہاد بھی اسی واسطے ہونا چاہیئے کہ اللہ کا بول بالا ہو اور اسکی صفات غالب ہوں، جیسا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بیان فرمایا ہے

لا یزال العبد یتقرب الیّ بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا

"بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب برابر حاصل کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، اور جب اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ لیتا دیتا ہے"

یعنی جب بندہ مراد و محبوب بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام اعضاء کو مخالفت و معصیت سے محفوظ کر دیتے ہیں اب اس کے اعضاء سے وہی کام ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے پس یہ مقام حاصل کرنے کے لئے مجاہدہ کرنا چاہیئے اور اسی کو مقصود بنانا چاہیئے۔ حضرات فضلا اور محققین صوفیہ کا یہی طریق ہے، اور بعض جہلا جو یہ کہتے ہیں کہ ہم پے درپے روزے اور مجاہدات اس لئے کرتے ہیں کہ کچھ خرق عادات اور کرامات حاصل ہو جائیں۔ یہ لوگ محققین کے نزدیک نرے جاہل ہیں اور بعض نے تو یہ فرمایا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مصداق ہیں

ومن الناس من یعبد اللہ علی حرف

کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی عبادت ایک کنارہ پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں (یعنی ان کا مقصود اللہ کی عبادت نہیں بلکہ دنیوی غرض ہے اگر وہ حاصل ہو گئی تو خوش ہوتے ہیں اور وہ نہ ملی یا کسی مصیبت کا سامنا ہو گیا تو الٹے ہی لوٹ جاتے ہیں پھر نہ نماز رہتی ہے نہ روزہ) بھلا اس صورت میں مجاہدہ اور عبادت سے کیا فائدہ؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں

ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم وآمنتم

"اللہ تعالیٰ تم کو عذاب کرکے کیا لیں گے اگر تم شکر کرتے رہو اور ایمان پر رہو"
جس سے معلوم ہوا کہ عذاب سے بچانے والی دو چیزیں ہیں ایمان اور شکر، کشف و کرامات کو اس میں کچھ بھی دخل نہیں، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو بھی پیش نظر رکھو

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا

(جو لوگ ہمارے واسطے مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کے لئے اپنے راستے کھول دیتے ہیں)
تو تم پر اس بات کی حقیقت واضح ہو جائیگی جو میں نے تم کو بتلائی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ مقصود تحصیل شکر و ایمان ہے، اسی کا قصد کرنا چاہیئے اور جو شخص خالص اللہ کے واسطے مجاہدہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسی پر اپنا راستہ کھول دیتے ہیں یعنی مقامات قرب میں ترقی عطا فرماتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے واسطے مجاہدہ نہ کرے کسی اور غرض سے مجاہدہ نہ کرے اس کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے قرب کے راستے نہیں کھولتے پس طالب خدا کو صرف اسی کے لئے مجاہدہ کرنا چاہیئے کسی غرض سے نہ کرنا چاہیئے۔ وفقنا اللہ لذلک بمنہ اھ الوجہ السابع عشر ھنا اشارۃ صوفیۃ لان الجہاد عندھم ھو جہاد النفس

دنیا کیلئے جہاد ممنوع ہے صرف دین کیلئے ہی جہاد ہو سکتا ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا کے لئے جہاد ممنوع ہے۔ جہاد شرعی وہ ہے جو محض دین کے لئے ہو اور ظاہر ہے کہ ایسا جہاد صرف مسلمان اور ان میں بھی صرف مخلصین کر سکتے ہیں۔ پس جس جہاد میں کافر و مسلم دونوں شریک ہوں وہ جہاد شرعی نہیں بلکہ دنیوی جدوجہد ہے۔ کیونکہ کفار اعلاء کلمۃ اللہ اور دین اسلام کے لئے جہاد نہیں کر سکتے، البتہ اگر غلبہ مسلمانوں کو حاصل ہو کفار ان کے تابع اور ماتحت ہوں تو اس صورت میں اسلامی جہاد دونوں

سے مل کر بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اعتبار غالب کا ہے مغلوب کالعدم ہے اور جہاں غلبہ کفار کو ہو وہاں دونوں کی شرکت سے اسلامی جہاد نہیں ہو سکتا، پس جو شخص اس صورت کو بھی اسلامی جہاد بتلائے وہ مسلمانوں کو دھوکہ دیتا ہے خوب سمجھ لو۔

ف۔ کشف و کرامات کو ولایت میں کچھ دخل نہیں

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کشف و کرامات وخرق عادات کو ولایت و قرب میں کچھ دخل نہیں۔ نہ یہ امور مقاصد شریعت سے ہیں پس جو لوگ اذکار و اشغال و مراقبات میں ان چیزوں کے قصد سے مشغول ہو جاتے ہیں وہ طالب حق نہیں بلکہ طالب دنیا ہیں، اور سلوک میں زیادہ پریشانی سالکین کو انہی چیزوں کے حاصل نہ ہونے سے ہوتی ہے حالانکہ ان کا طالب و منتظر ہونا ہی خود سلوک کے منافی ہے خوب سمجھ لو۔

باب ہفدہم ۱۷

حدیث

الرجل یخیل الیہ انہ یجد ریحا وھو فی الصلوٰۃ

عباد بن تمیم رضی اللہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے شخص کا حکم دریافت کیا جس کو نماز میں یہ خیال بار بار آتا ہے کہ وہ کچھ ہوا یا ریح کا اثر پاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک آواز نہ سنے یا بدبو نہ پائے نماز پڑھنے سے نہ ہٹے بلکہ برابر نماز میں مشغول رہے۔

شرح ظاہر حدیث اس پر دال ہے کہ جس شخص کو کسی شے کا خیال و وسوسہ آتا ہو وہ نماز کو قطع نہ کرے جب تک آواز یا بدبو نہ پائے۔ اس کے متعلق چند باتیں بیان کرنے کی ہیں۔

(۱۳۷) حضور کے وقت عوارض بشریت پر التفات نہ کرنا چاہیئے

حدیث میں لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ جب بندہ دربار عالی کی طرف متوجہ ہو تو اسکو بشریت اور عوارض بشریت پر التفات نہ کرنا چاہیئے کیونکہ یہ نقصان حال کی دلیل

ہے، ہاں اگر کوئی ایسی بات پیش آئے جس پر یقین ہو جائے تو وہ حکم ربانی ہوگا جس پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب پاخانہ کے تقاضہ کے وقت نماز سے منع فرمایا ہے تاکہ بارگاہ خداوندی کی طرف متوجہ ہونے کے وقت عوارض بشریت پر التفات نہ ہو۔

قولہ الوجہ الرابع ھذہ اشارۃ لطیفۃ الی قولہ مع ملانعۃ الاخبثین

(۱۳۸) خطرۂ قلیلہ معاف ہے، اور نماز میں اصلاح نماز کے متعلق دل سے باتیں کرنا جائز ہے

حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ تھوڑا سا خطرہ جس سے نماز میں تشویش ہو جائے معاف ہے دوسرے یہ کہ نماز کے وقت دل میں ایسے امور کے متعلق باتیں کرنا جو اصلاح نماز سے تعلق رکھتے ہیں جائز ہے، یہ بات حضور کے اس ارشاد سے معلوم ہوئی یخیل الیہ انہ یجد الشئی کہ اس کو خیال ہوتا ہے کہ وہ کچھ ہوا یا ریح کا شبہ پاتا ہے کیونکہ جب اس کو اس قسم کا خیال آئیگا تو اس سے شرعاً کہا جائے گا کہ اس معاملہ میں غور کر کہ تجھے اس کے متعلق کیا حکم ہے اور کیا حکم دیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حکم معلوم کرنے کے لئے یہ سب کچھ سوچنا حدیث النفس ہی تو ہے اور مناسب ہے کہ اس حکم کو دوسرے عوارض میں بھی جاری کیا جائے جو نماز میں اس کو پیش آئیں کہ وہ ان میں بھی غور کرے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ان کے متعلق کیا ہے؟ تاکہ حکم کے موافق نماز سے فارغ ہو، اسی لئے اہل علم نے فرمایا ہے کہ سہو کے ساتھ ایک نماز بدون سہو کے ستر نمازوں سے افضل ہے سوال کیا گیا یہ کیوں کر؟ فرمایا اس لئے کہ نماز بغیر سہو کے ہو تو احتمال ہے کہ قبول ہو یا نہ ہو اور سہو کے ساتھ ہو جسکی تلافی سجدۂ سہو سے کی گئی ہو، تو لسان شریعت سے فیصلہ ہو چکا ہے کہ اس نے شیطان کی ناک رگڑ دی جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پس یہ نماز ترغیم شیطان ہوگی

اور جو چیز شیطان کی ناک رگڑنے والی ہو اس کے ساتھ رضائے رحمان کی امید کی جاتی ہے پس اس حیثیت سے یہ نماز دوسری نمازوں سے بڑھ گئی (مترجم کہتا ہے کہ یہ فضیلت جزئی ہے اور فضیلت جزئی مفضول میں بھی ہو سکتی ہے پس یہ لازم نہیں کہ سہو کی نماز حیثیت سے بدون سہو کی نماز سے افضل ہو کیونکہ حضور تام کے لحاظ سے بدون سہو کی نماز افضل ہے خوب سمجھ لو، اور اگر کبھی سہو نماز میں ہو جائے تو دلگیر نہ ہو کیونکہ اسکی فضیلت کے لئے بھی ایک وجہ موجود ہے ۱۲

الوجہ الخامس فی ھذا من الفقہ جہان الیٰ قولہ فضلت غیرھا بتلک الصفۃ"

(۱۳۹) حدیث میں علم شرعی کی فضیلت پر بھی دلالت ہے کیونکہ یہ باتیں علم ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں اسی طرح یہ حکم تمام احکام میں جاری کیا جائے گا کہ بندہ تمام کاموں میں اولاً شریعت کے موافق اخلاص کا مامور ہے، پھر اگر کوئی عارض پیش آجائے جس سے اخلاص میں خلل کا شبہ ہو جائے تو شریعت کے لحاظ سے اس میں غور کرے اور جس بات کا شرعاً مامور ہو اس پر عمل کرے اور یہ سب عبادت ہی عبادت ہے،

الوجہ السادس۔ فی ھذا اشارۃ الی فضل العلم الشرعی الیٰ قولہ وذلک کلہ عبادۃ۔

(۱۴۰) شکوک و وساوس پر اصلاً التفات نہ کرے

حدیث میں اہل قلوب کے لئے جو

صاحب باطن ہیں اس پر بھی اشارہ ہے کہ شکوک اور عوارض و وساوس پر اصلاً التفات نہ کریں خواہ زیادہ ہوں یا کم اسی لئے فرماتے ہیں کہ ان الملتفت ھالک التفات کرنے والا تباہ ہو جاتا ہے۔

الوجہ الحادی عشر فیہ من الاشارۃ لاھل القلوب الی قولہ ان الملتفت ھالک"

(۱۴۱) وساوس سے حالت خاص میں تنزل نہیں ہوتا

حدیث میں ان لوگوں کے لئے اس امر کی بشارت بھی ہے کہ عوارض و وساوس کا دفع کرنا خاص حالت سے نہیں نکالتا بلکہ وساوس کے بعد بھی وہی قرب حاصل رہتا ہے جو پہلے حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان لوگوں میں سے کریں جن کو اللہ تعالیٰ نے خیر کے ساتھ مخصوص فرمایا اور خاص اپنا بنالیا کہ اللہ کے سوا کوئی پروردگار نہیں

قولہ الوجہ الرابع عشر فیہ ایضا بشارۃ لھم الی قولہ لا رب سواہ

ف اخیر کے دونوں نمبروں میں دفع وساوس کا عجیب علاج بتلایا گیا ہے کہ ان پر التفات نہ کرے۔ حضرت حکیم الامت دام مجدہم کی بھی یہی تحقیق ہے، اور تجربہ شاہد ہے کہ اس سے بہتر کوئی علاج نہیں دفع وساوس کے لئے جتنی تدبیریں اسکے سوا کی جاتی ہیں سب اس شعر کا مصداق ہیں ؎

تڑپو گے جتنا جال کے اندر جال گھسے گا کھال کے اندر

پس ذاکرین وشاغلین کو وساوس کی بالکل پرواہ نہ کرنی چاہیئے نہ ان کے دفع کا اہتمام کریں نہ ازخود لائیں، اپنی طرف سے ذکر کی طرف متوجہ رہنے کا اہتمام کریں اسکے بعد بلا قصد واختیار کے جو وساوس آئیں ان کی طرف اصلاً التفات نہ کریں اور اس بشارت سے دل کو مطمئن کریں کہ وساوس کی وجہ سے خاص حالت میں نقصان یا تنزل نہیں ہوتا کیونکہ یہ امر اختیار سے باہر ہے اور امر غیر اختیاری مضر نہیں ہوا کرتا ۱۲ مترجم۔

باب شانزدہم

حدیث

البول والاستنجاء والشرب

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی پیشاب کرے تو اپنے عضو کو دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے نہ دائیں ہاتھ سے استنجا کرے۔ اور جب پانی پئے تو برتن میں سانس نہ لے۔

شرح حدیث میں بظاہر تین احکام ہیں

۱۔ یہ کہ عضو مخصوص کو دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے۔

۲۔ دائیں ہاتھ سے استنجا نہ کرے۔

۳۔ برتن میں سانس نہ لے۔

اس کے متعلق چند فوائد ہیں۔

(۱۴۲) دایاں ہاتھ اچھے کاموں کیلئے ہے اور بایاں اسکی ضد کیلئے ہے

چونکہ دایاں ہاتھ کھانے پینے اور اس کے مناسب (اچھے) کاموں کے لئے موضوع کیا گیا ہے تو بایاں ہاتھ اسکی ضد یعنی فضلات اور اس کے مناسب

چیزوں کے لئے مقرر کر دیا گیا، چنانچہ عضو مخصوص کو چھونا اور استنجا کرنا اسی قبیل (۱۴۲)
سے ہے۔ اس لئے اسکو بائیں ہاتھ سے مخصوص کیا گیا اور دائیں ہاتھ سے منع کر دیا گیا) نیز
چونکہ آخرت میں اہل یمین جنتی ہوں گے تو دنیا میں بھی اس نوع کے لئے دائیں جانب موضوع
کی گئی اور آخرت میں اہل شمال گناہگار اور دوزخی ہوں گے تو یہاں بھی بائیں جانب ان
چیزوں کیلئے کی گئی جو گناہوں سے پیدا ہوتی ہیں اور جو ان سے مشابہ ہوں کیونکہ انسان
سے جب پہلے پہل خطا کا صدور ہوا تو اس سے پیشاب پاخانہ پیدا ہوا اور اسی وقت سے
انسان کو یہ تقاضہ لاحق ہوا اس سے پہلے نہ اس کو پیشاب آتا تھا نہ پاخانہ صرف پسینہ
خوشبودار آتا تھا جس سے غذا تحلیل ہو جاتی تھی اور جنت میں جانے کے بعد پھر یہی
اصل حالت عود کر آئے گی چنانچہ خواب کی تعبیر دینے والے اس شخص کو جو خواب میں
پیشاب پاخانہ وغیرہ دیکھے یہی تعبیر دیتے ہیں کہ یہ خواب معاصی کے صدور پر دلالت
کرتا ہے۔

قولہ لان الیمین لما جعل للاکل والشرب الی قولہ انہا دالۃ علی
المعاصی

(۱۴۳) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجاور شئے کو اسی کا حکم دیا جاتا ہے یعنی جو
چیز دوسری چیز کے قریب ہو اس کا حکم وہی ہوگا جو دوسری شئے کا
ہے۔ یہ مسئلہ حضور کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے۔

اذا بال احدکم فلا یأخذن ذکرہ بیمینہ

جب کوئی پیشاب کرے تو اپنے عضو کو دائیں ہاتھ سے نہ پکڑے، چونکہ اس
وقت عضو کو پیشاب سے قرب تھا تو دائیں ہاتھ سے اس کا چھونا ممنوع ہوا، اس کے سوا
دوسرے اوقات میں اس سے منع نہیں کیا گیا چنانچہ کسی نے اس ذکر کی بابت
حضور سے سوال کیا کہ اس عضو کے چھونے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں، تو آپ نے فرمایا
هل هو الا بضعة منك کہ وہ بھی تو تیرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے، اس سے معلوم ہوا

کہ انکا چھونا ایسا ہی ہے جیسا بقیہ اجزار بدن کا چھونا، اور انہی اشارات کی بنا پر ہے کہ خبیث چیزیں بائیں ہاتھ سے متعلق ہیں اہل معرفت نے فرمایا ہے کہ خاطر شیطان بائیں طرف سے آتا ہے یعنی دل کی بائیں جانب سے، تو اب اسکی ضرورت ہے کہ دل کی بائیں جانب معلوم کی جائے کہ وہ کس طرف ہے تو عارفین کے نزدیک شمال قلب شمال جسم کی مخالف جانب میں ہے کیونکہ یہ حضرات وجہ قلب سے دل کا وہ دروازہ مراد لیتے ہیں جو غیبی چیزوں کے لئے دل کے اندر کھلا ہوا ہے۔ اسی دروازہ سے یمین قلب سے ان کو مکاشفات و کرامات کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اس کے سوا ان سب چیزوں کا بھی جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیا کو مقتضائے حکمت کے موافق مخصوص فرمایا ہے جیسا دلائل شرعیہ سے معلوم ہو چکا ہے۔ (بہر حال دل کی دائیں جانب بدن کی بائیں سمت میں ہے اور بائیں جانب بدن کی دائیں طرف ہے) بعض ناواقفوں نے جن کو اس حقیقت کی خبر نہیں یہ لفظ سن کر کہ خاطر شیطان بائیں جانب سے آتا ہے اور فرشتہ دائیں طرف سے آتا ہے اسکو جسم کی بناوٹ پر محمول کر لیا (یعنی دل کی دائیں بائیں جانب کو بدن کی سمتوں پر قیاس کیا) تو ان پر معاملہ منعکس ہو گیا، کیونکہ عارفین کے نزدیک خواطر کی چار قسمیں ہیں، ملکی و شیطانی یہ دونوں تو ان جوانب سے آتی ہیں جن کا ابھی ذکر ہوا اور نفسانی خواطر دل کے سامنے سے آتے ہیں اور خاطر ربانی دل کے اندر سے آتا ہے۔

قولہ فیہ دلیل علی ان مجاور الشئی یعطی حکمہ الیٰ قولہ وربانی وھو من داخل القلب

باب نوزدہم ۱۹

حدیث

الرأفۃ بالحیوان

ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک کتے کو دیکھا کہ پیاس کی شدت میں تر مٹی کھا رہا ہے تو اس شخص نے اپنا موزہ نکالا اور اس میں پانی بھر بھر کر اسکو پلانے لگا یہاں تک کہ اس کو سیراب کر دیا اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی قدر کی اور اسکو اتنی سی بات پر جنت میں داخل کر دیا۔

شرح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ اس شخص کو ایک کتے کے سیراب کرنے پر جنت میں پہنچا دیا گیا۔ اس کے متعلق چند باتیں بیان کرنے کی ہیں۔

(۱۴۴) حاجت اور ضرورت ہر ایک کو خلاف عادت پر مجبور کر دیتی ہے

اس سے معلوم ہوا کہ حاجت اور ضرورت ہر جاندار کو خواہ عاقل ہو یا غیر عاقل عادت مالوفہ سے باہر کر دیتی ہے اور خلاف عادت فعل پر مجبور کر دیتی ہے یہ اس سے معلوم ہوا کہ کتا تر مٹی چاٹ رہا تھا کیونکہ اس میں بھی کچھ

اثر پانی کا موجود تھا، اور اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی شے دور رہنے کے قریب ہوا تو اس سے مفقود ہونے کی حالت میں عقلاً وطبعاً قریب کو اسی کا حکم دیا جائیگا عقلاً تو یہ بات علم عقل اور شرع میں بہت جگہ آچکی ہے اور طبعاً کا ثبوت اس مقام پر موجود ہے۔ کیونکہ کتے اور تمام حیوانات انسان وجن کے سوا عقل سے کورے ہیں لیکن اپنے منافع کی معرفت طبعاً ان کو حاصل ہے۔ جس چیز میں نفع اپنا دیکھتے ہیں اس سے مانوس ہوتے ہیں اگر وہ نہ ملے اور اس کے قریب قریب کوئی دوسری شے مل جائے تو اسی کو کام میں لاتے ہیں، جیسا یہاں مذکور ہے کہ کتا تر مٹی چاٹ رہا تھا کیونکہ اس کو پانی سے ٹھنڈک ملتی تھی جب پانی نہ ملا اور تر مٹی میں اس کے قریب قریب ٹھنڈک ملی اسی کو استعمال کرنے لگا اور مٹی کے ثقل کی پرواہ نہ کی،

ضرورت کے وقت ثقیل شئ خفیف اور استغنا کے وقت خفیف گراں ہو جاتی ہے

اس سے علم حکمت کا یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت ثقیل شے بھی خفیف ہوجاتی ہے اس کے لئے یہ عکس لازم ہے کہ استغناء کے وقت خفیف شے بھی گراں ہوتی ہے اسی لئے اہل حقیقت پر مجاہدہ گراں نہیں بلکہ (پھولوں) ہلکا ہے کیونکہ وہ اپنے مولا کے محتاج ہیں اور اس احتیاج سے پوری طرح رنگے ہوئے ہیں، اہل دنیا پر مجاہدہ گراں ہے کیونکہ ان کو دنیا سے محبت ہے اور اسی کی احتیاج ان کے نزدیک زیادہ ہے، عبادت ان کو دشوار ہے جس سے اہل معرفت راحت ولذت پاتے ہیں اور ان کو عبادت آسان ہے کیونکہ ان کو اس دولت کی خبر ہے جو عبادت کے اندر ہے اسی لئے حق تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں۔ وانہا لکبیرۃ الا علی الخشعین نماز واقعی بڑی گراں ہے مگر ان پر جو خشوع والے ہیں۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کے ساتھ لطف کا معاملہ

فرماتے ہیں، دیکھو کتے کے دل میں ڈال دیا کہ تر مٹی چاٹنے لگے تاکہ اس کی حالت کو دیکھ کر کسی کو اس پر رحم آجائے اور پانی پلادے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مخلوق کو راحت پہنچانا بہترین صفات میں سے ہے یہ اس سے اخذ کیا گیا کہ اس معمولی کام پر بہت بڑا ثواب دیا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کو اہتمام کے ساتھ بیان فرمایا کہ مسلمان اس صفت کو اختیار کریں جس سے قرب بڑھتا ہے۔

قولہ فیہ دلیل علی ان الحاجۃ تخرج الحیوان الی قولہ الیناسیٔ المومنون بھذہ الصفۃ المقربۃ

ف راحت رسانی خلق جس کا نام ایثار ہے حضرات صوفیہ کا خاص شعار ہے مگر افسوس آجکل چند وظائف و معمولات کا نام تصوف رہ گیا ہے اصلی صفات کا اہتمام نہیں رہا حسن معاشرت جو راحت رسانی کی بنیاد ہے ایسی متروک ہوئی ہے گویا کبھی مسلمان کے گھر میں تھی ہی نہیں حالانکہ قرآن و حدیث کے اوراق اس کی تاکید سے بھرے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائیں کہ غیروں کی تقلید چھوڑ کر احکام خدا و رسول کا اتباع کریں کہ بخدا ساری فلاح دنیا و آخرت کی اسی میں ہے۔ مسلمانوں کو بدون اس کے ہرگز کامیابی نہیں ہوسکتی۔

(۱۴۵) تعریض و کنایہ تصریح کے برابر ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی بات کو تعریضاً اور کنایۃً بیان کرنا تصریح کے برابر ہے جیسا امام مالک نے فرمایا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کی جو خبر دی ہے دو حال سے خالی نہیں یا تو یوں ہی بلا فائدہ خبر دیدی نعوذ باللہ اس کا تو خطرہ بھی کسی کے دل پر نہیں گذر سکتا اور جس کے دل میں ایسا وسوسہ گذرے اور وہ اس کو مان لے وہ تو مسلمان بھی نہیں کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وما ینطق عن الھویٰ (یہ رسول خواہش نفس سے بات نہیں کرتے) اور یہ کلمہ تمام اقوال کو عام ہے یا یہ خبر کسی ایک فائدہ یا بہت سے فوائد کے

لئے بیان کی گئی ہے اور یہ حق ہے تو اب ان فوائد کا جو ہم نے اوپر بیان کئے اور جو آئندہ بیان کریں گے اسی حدیث سے ظہور ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز میں ہمارے سامنے بہت سے قصے بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب ان کے قصوں میں عبرت ہے عقلمندوں کے لئے وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فوادک اور یہ رسولوں کے سب کچھ واقعات ہم آپ کے سامنے اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ آپ کے دل کو مضبوط کردیں، اور فرمایا ہے ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم انفسھم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنہوں نے اللہ کو بھلادیا تو خدا نے ان کو اپنی جانوں سے ہی غافل بنادیا نیز فرمایا ہے

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم

کیا ان لوگوں نے زمین کی سیر نہیں کی تاکہ ان کو نظر آجاتا کہ ان سے پہلے (کافروں) کا کیسا انجام ہوا۔

اسی لئے فقہا نے فرمایا ہے کہ قصص قرآنی میں ضمناً اسکے مقتضا کا ہم سے مطالبہ کیا گیا ہے اسیطرح امثال کو سمجھ لو اسی لئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وما یعقلھا الا العالمون ان مثالوں کو عالموں کے سوا کوئی نہیں سمجھتا

فیہ دلیل لمالک الذی یقول الی قولہ وما یعقلھا الا العالمون

ف کنایہ اور تعریض کا صراحت کی برابر یا اس سے بھی بلیغ تر ہونا اہل بلاغت کے نزدیک مسلم ہے مگر اسمیں شک نہیں کہ اس کو سمجھنے والے ہی سمجھتے ہیں، سب لوگ نہیں سمجھ سکتے اس لئے حدود و قصاص میں جہاں سخت احتیاط لازم ہے تعریض وکنایہ کا اعتبار نہیں کیا گیا اسی طرح باب طلاق میں الفاظ کنایہ سے بدون نیت متکلم یا دلالت حال کے وقوع طلاق کا حکم نہ کیا جائیگا۔ باقی استنباط احکام میں تعریض وکنایہ اور منطوق وصریح سب برابر ہیں جس طرح منطوق کلام سے مسائل کا استنباط ہوتا ہے اسی طرح

تعریض جو اشارہ سے بھی استنباط احکام ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ تعارض کے وقت صریح کو کنایہ پر ترجیح ہوگی۔

ف حضرت حکیم الامت فرمایا کرتے ہیں کہ جملہ خبریہ سے ہمیشہ انشا مقصود ہوتا ہے اور جس خبر سے انشا مطلوب ہو وہ مہمل ہے۔ پس کلام شارع میں تو کوئی خبر انشار سے خالی نہیں ہوسکتی ہاں عام لوگوں کے کلام میں خالی ہوسکتی ہے جو مہمل کلام سے احتراز کو ضروری نہیں سمجھتے۔

ف جب یہ بات سمجھ میں آگئی کہ قصص و امثال قرآن میں ان کے مقتضا کا ہم سے مطالبہ کیا گیا ہے تو اب سمجھو کہ تصوف کے مسائل زیادہ تر قصص و امثال ہی کے ضمن میں مذکور ہیں تو جو لوگ علم تصوف کو قرآن و حدیث سے غیر ثابت کرتے ہیں وہ اپنے ہی نفس کو ملامت کریں کہ انہوں نے قرآن کے بہت بڑے حصہ کو چھوڑ رکھا ہے کیونکہ احکام فقیہہ کی آیات تو پانچ سو کے قریب ہیں۔ بقیہ ساڑھے پانچ ہزار آیات میں تصوف اور علم عقائد ہی کا تو بیان ہے جس کو اس کا نمونہ دیکھنا ہو وہ حضرت حکیم الامت دام مجدہم کا رسالہ مسائل السلوک من کلام ملک الملوک مطالعہ کریں۔

(۱۴۶) خیر متعدی بہت بڑی قربت ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خیر متعدی جس کا نفع دوسروں کو بھی پہنچے بہت بڑی قربت ہے کیونکہ ایک معمولی احسان پر جو ایسے جانور کے ساتھ کیا گیا تھا جس کے قتل کا شریعت نے ہم کو حکم دیا ہے اتنی عمدہ جزا دی گئی کہ اس پانی پلانے والے کو اتنی سی بات پر جنت میں بھیج دیا گیا تو کسی عاقل مکلف انسان کے ساتھ احسان کرنے کا رتبہ کیا ہوگا اور کسی نیک آدمی کے ساتھ سلوک کرنا تو کیسا کچھ ہوگا اگر اس کا تتبع کروگے تو اس میں بہت سے درجے نکل سکتے ہیں اسی طرح قیاس کرتے چلو مثلاً اجنبی کے ساتھ احسان کرنے کا یہ ثواب ہے تو قرابت داروں کے ساتھ کیسا ہوگا پھر عام قرابت داروں کے ساتھ یہ درجہ ہے تو خاص قرابت داروں کے ساتھ کیا کچھ ہوگا

فیہ دلیل علی ان من اکبر القرب الخیر المتعدی الی قولہ علی ھذا الفتن ۔

(۲۶) نفع متعدی نفع لازم سے اس وقت افضل ہے جبکہ ضرر لازم کو مستلزم نہ ہو

یہ مقولہ مشہور ہے کہ نفع متعدی نفع لازم سے افضل ہے مگر یہ جب ہے کہ نفع متعدی ضرر لازم کو مستلزم نہ ہو، یعنی اپنے دین کو نقصان پہنچا کر دوسروں کو نفع پہنچانا مستحسن نہیں بلکہ مذموم ہے۔ مثلاً بعض لوگ خدمت خلق میں اپنے اوقات کو برباد کر لیتے ہیں اور بعض دفعہ واجبات و فرائض میں خلل ڈال دیتے ہیں بعض لوگ دوسروں کی دلجوئی میں اپنی صحت کو برباد کر لیتے ہیں کہ جب تک دوسرے مجلس سے نہ اٹھیں یہ بھی ان کی خاطر سے منقبض رہتے ہیں خواہ ان کا معمول فوت ہو یا نیند کا معمول برباد ہو یا تہجد اور صبح کی نماز فوت ہو وغیرہ وغیرہ تو یہ صورت نفع متعدی کی محمود نہیں، خوب سمجھ لو۔

(۱۴۷) اعمال خیر میں سے کوئی عمل بیکار نہیں

اس حدیث میں تمام اعمال خیر کی ترغیب ہے کہ ہر نیک کام کا اہتمام کرو کسی کام کو معمولی سمجھ کر نہ چھوڑو کیونکہ کیا خبر ہے کہ کس عمل سے سعادت اور نجات میسر ہو جائے دیکھو اس واقعہ میں ایک معمولی عمل سے کتنی بڑی سعادت مل گئی کہ جنت میں پہنچ گیا تو اعمال خیر میں سے کوئی عمل ضائع اور بیکار نہیں۔

فیہ دلیل علی التخضیض علی جمیع اعمال الخیر الیٰ قولہ فلا یضیع منھا شئی۔

(۱۴۸) اخلاص ھی سے ثواب بڑھتا ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اخلاص ہی اجر کے بڑھنے

کا سبب ہے، یہ بات اس حدیث کے واقعہ کی تفصیل سے معلوم ہوگی کہ یہ شخص جنگل میں تھا وہاں اس نے کتے کو پانی پلایا جہاں اس کو دیکھنے والا کوئی نہ تھا حقیقت میں اس کا فعل خالص اللہ کے لئے تھا اسکی زیادہ توضیح رسول اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو صدقۃ السر کے بارہ میں وارد ہوا ہے حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ بہترین صدقہ وہ ہے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ دائیں نے کیا خرچ کیا۔

فیہ دلیل علی ان الاخلاص الی قولہ حتی لا تعلم شمالہ ما تنفق یمینہ

۱۴۹ کمال عمل ہی سے اجر کامل ہوتا ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کمال اجر کمال عمل سے ہوتا ہے کیونکہ حضور نے فرمایا ہے کہ اس نے اس کتے کو پانی پلایا یہاں تک کہ سیراب کردیا تو اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی قدر کی یعنی جب اس نے اس کو سیراب کردیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس پر اپنا انعام کامل کردیا کہ جنت میں پہنچادیا اور کمال اجر یہی ہے کہ بندہ جنت میں پہنچ جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الخیر کلہ بحذافیرہ فی الجنۃ کہ خیر تو کامل مکمل پوری طرح جنت ہی میں ہے (اس سے بڑھ کر اور کیا انعام ہوگا) فیہ دلیل علی ان کمال الاجر یکون بکمال العمل الی قولہ الخیر کلہ بحذافیرہ فی الجنۃ۔

صلاح آخرت سے دنیا کے بگڑنے کی پرواہ نہ کرنا چاہئیے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دار آخرت کے سنوارنے میں دنیا بگڑتی ہو تو بگڑنے دو، دیکھو اس شخص نے اپنے موزہ میں پانی بھر بھر کر پلایا حالانکہ موزہ پانی سے خراب ہوجاتا ہے مگر چونکہ اس میں آخرت کی درستی تھی تو یہ خرابی عین صلاح تھی۔

بڑوں کو چھوٹوں کیلئے مشقت برداشت کرنا چاہئیے

نیز حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ

بڑوں کو چھوٹوں کے لئے مشقت برداشت کرنا چاہیئے جب وہ ان کے محتاج ہوں۔ دیکھو اس شخص نے کتے کو پانی پلانے کے لئے مشقت برداشت کی جب کہ اس کو خدمت کا محتاج دیکھا۔ مولیٰ تعالیٰ شانہ نے اس تعب کو قبول کر کے اس پر احسان فرمایا اور ظاہر ہے کہ انسان تمام جانداروں سے افضل ہے بجز فرشتوں کے کہ ان کے متعلق اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ خواص بشر خواص ملائکہ سے افضل ہیں اور عامۂ مومنین عامہ ملائکہ سے افضل ہیں واللہ اعلم

ویؤخذ منہ تغلیب فساد ھذہ السداس، الیٰ قولہ ماعدا الملائکۃ ففیھم خلاف۔

ف۔ امام احمد اور حاکم نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے من احب دنیاہ اضر باٰخرتہ ومن احب اٰخرتہ اضر بدنیاہ فاٰثروا ما یبقی علی ما یفنی قال الشیخ حدیث صحیح ص۲۹۱ ج ۳ العزیزی۔ جو اپنی دنیا سے محبت کرے گا وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچائے گا اور جو اپنی آخرت سے محبت کرے گا وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچائے گا۔ پس باقی کو فانی پر ترجیح دو۔ حضرات صوفیہ کا عمل اس حدیث پر سب سے زیادہ ہے اور یہی زہد کا پہلا قدم ہے، ہاں اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ محبت دنیا کی ممانعت ہے کسب دنیا کی ممانعت نہیں اور کسب دنیا بدون محبت کے بھی ہو سکتی ہے جس کی علامت یہ ہے کہ خلاف شریعت کسی صورت سے دنیا ملتی ہو تو اس صورت سے ہرگز دنیا نہ کمائے اور جائز طریقہ سے دنیا کما کر زکوٰۃ و حج وغیرہ سے غفلت نہ کرے اور ضرورت دینی میں بھی حسب موقع مال خرچ کرتا رہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

باب ہشتم

حدیث

النعاس فی الصلوۃ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی نماز پڑھتے ہوئے اونگھنے لگے تو اسکو چاہیئے کہ سو جائے یہاں تک کہ نیند جاتی رہے کیونکہ ممکن ہے اگر وہ اونگھتے ہوئے نماز پڑھتا رہا تو شاید وہ استغفار کی جگہ اپنے آپ کو برا بھلا کہے اور خبر بھی نہ ہو۔

شرح ظاہر حدیث کا حاصل نیند کی حالت میں نماز پڑھنے سے ممانعت ہے اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۵۰) عالم کو از خود تعلیم دینے کا بھی حق ہے گو اس سے سوال بھی نہ کیا گیا ہو

اس میں ان لوگوں کے لئے دلیل ہے جو یوں کہتے ہیں کہ عالم کو یہ حق ہے کہ از خود دوسروں کو تعلیم دے گو اس سے سوال بھی نہ کیا گیا ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اذا نعس احدکم ابتدائی کلام ہے کسی سوال کے جواب میں نہیں۔

قولہ فیہ دلیل لمن یقول ان للعالم الی قولہ دون ان یسأل

ف اس سے ان مشائخ کے طرز عمل کی تائید ہوگئی جو از خود طالبین کو تعلیم و تنبیہہ کرتے رہتے ہیں خواہ وہ اپنے حالات کی اطلاع کریں نہ کریں۔

(۱۵۱) نماز میں دُعا قبول ہوتی ہے

حدیث میں یہ بھی احتمال ہے کہ برا بھلا کہنے سے مراد (دشنام عرفی نہ ہو) اپنے کو بد دعا دینا ہو تو اس کا ضرر پہلے سے بھی زیادہ ہوگا کیونکہ گالی دینے سے تو نماز ہی فاسد ہوتی اور اب اسکی ساتھ ایک اور وجہ بھی شامل ہو جائیگی کہ نماز کی ساعت میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے تو یہ بد دعا اسکی ہلاکت کا سبب بن جائیگی۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل و مال کو کوسنے سے منع فرمایا ہے (کہ شاید قبول کی گھڑی ہو اور اپنے ہی ہاتھوں ہلاکت کا سامان ہو جائے۔

قولہ واحتمل وجہا اخر ان یکون السب ھنا بمعنی الدعاء علی نفسہ الی قولہ نھی علیہ السلام ان یدعوا احد علی اھلہ ومالہ

ف لوگ عموماً نماز کے بعد دعا کا اہتمام کرتے ہیں حالانکہ نماز کے اندر دعا زیادہ قبول ہوتی ہے اس کا اہتمام زیادہ کرنا چاہیئے مگر نماز کے اندر دعا ماثور ہونا چاہیئے مخترع نہ ہونا چاہیئے۔

(۱۵۲) اپنے کلام اور جملہ افعال کی نگہداشت لازم ہے

حدیث سے بہت سے علمی فوائد حاصل ہوتے ہیں منجملہ ان کے ایک یہ کہ انسان کو اپنے کلام کی اور تمام افعال کی نگہداشت کرنا چاہیئے کہ کوئی بات اور کوئی کام غفلت کی حالت میں سرزد نہ ہو مبادا اسکی ہلاکت کا سبب ہو جائے اور اسے خبر بھی نہ ہو اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدمی بعض دفعہ کوئی برا کلمہ زبان سے نکالتا ہے جسکی پروا بھی نہیں کرتا مگر اس کی وجہ سے جہنم میں ستر سال کی گہرائی تک پہنچ جاتا ہے۔

قولہ یترتب علی ذلک من الفقہ وجوہ الی قولہ یھوی بھا فی النار سبعین خریفاً۔

(۱۵۳) محل قرب میں ترکِ ادب بدتمیزی ہے

حدیث میں ایک صوفیانہ اشارہ ہے

کہ محل قرب (و زمان قرب) میں آداب (قرب کا ترک کرنا بدتمیزی ہے یہ اشارہ حضورؐ کے قول لعلہ یسب نفسہ سے ماخوذ ہے، کیونکہ نماز محل قرب ہے، اور محل قرب میں گالی دینا اور برا بھلا کہنا بدتمیزی کی بات ہے یہاں ایک سوال وارد ہوگا وہ یہ کہ احادیث سے ثابت ہے کہ) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نماز سے پہلے بیٹھے بیٹھے سو جاتے تھے یہاں تک کہ ان کے سر نیند کی وجہ سے ادھر ادھر جھکنے لگے تھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو صحابہ نماز پڑھنے لگتے جس سے ظاہر یہ ہے کہ وہ نیند کی حالت میں نماز پڑھتے تھے حالانکہ ابھی کہا گیا ہے کہ محل قرب میں غفلت کرنا بدتمیزی ہے۔ جواب یہ ہے کہ حضرات صحابہ نماز کے اندر نہیں اونگھتے تھے ان کی نیند اور غفلت نماز کی اقامت سے بالکل جاتی رہتی تھی کیونکہ اقامت کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے نیند اور غفلت دور ہو جاتی اور قلب نماز کی طرف متوجہ اور حاضر ہو جاتا ہے کیونکہ مؤذن جب اللہ اکبر، اللہ اکبر کہتا ہے ایمان کا لشکر جوش میں آجاتا ہے اور غفلتوں سے بیدار ہو جاتا ہے جس کے مختلف درجے ہیں۔ جب اشہد ان لا الہ الا اللہ کہتا ہے قلب منور ہو جاتا ہے اور اللہ کی مدد پہنچ جاتی ہے۔ اشہد ان محمد الرسول اللہ کہتا ہے تو عین کی ٹھنڈک حاصل ہو جاتی اور رحمت پھیل جاتی ہے؛ حی علی الصلوٰۃ کہتا ہے تو عزم میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے حی علی الفلاح سے کوشش اور حسن عبادت میں تازہ روح پڑجاتی ہے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر سے دوبارہ عظمت الٰہیہ کا استحضار ہو جاتا اور ہیبت طاری ہو جاتی ہے لا الہ الا اللہ سے جان اللہ کے حوالے ہو جاتی ہے اور تمام اوہام دل سے نکل جاتے ہیں باطن کی ہمت تکرار ہیبت و اخلاص سے کامل ہو جاتی ہے اور ظاہر اذعان و تسلیم اور انقیاد سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ اگر انسان اس حالت سے پوری طرح آراستہ ہوگیا جیسا ہم نے بیان کیا تو نیند دوبارہ اس کے پاس نہیں آسکتی اور اگر پھر بھی غفلت کے

چھوٹنے نے اس کو دبایا تو نیند کی آفت طاری ہو جائیگی۔ احکام شریعت معاملہ فرمت یعنی نماز کی بندش کو کھولدیں گے اور سو رہنے کی اجازت دی جائیگی اور نیند کی مصیبت سے خلاصی پانے کے بعد پوری طرح وضو وغیرہ کر کے اس فرض کو ادا کرنے کی تاکید کی جائے گی جو اس کے ذمہ ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الصلوٰۃ فرمایا ہے (یعنی سونے کے لئے اس کو امر کیا گیا ہے جسے نماز کے اندر نیند آوے) قبل الصلوٰۃ نہیں فرمایا (کہ اگر نماز سے پہلے نیند آرہی ہو نماز کے اندر نہ آتی ہو جب بھی سو رہے پس حضرات صحابہ کی حالت اس سے خارج ہے کیونکہ وہ نماز سے پہلے اونگھتے تھے نماز کے اندر نہیں اونگھتے تھے۔

ف۔ اقامت صلوٰۃ کے وقت ان باتوں پر توجہ کرنا چاہیئے جو اس مقام پر مذکور ہیں کہ ان کے استحضار سے نماز حضور قلب کے ساتھ ادا ہوگی۔ غفلت دور ہو جائے گی اور یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن میں جو بار بار اقیموا الصلوٰۃ فرمایا گیا ہے اس سے یہی اقامت مراد ہے جس کے لئے اقامت صلوٰۃ موضوع ہے کہ توجہ اور حضور اور خشوع کے ساتھ نماز پڑھو غافل اور بے خبر ہو کر نماز نہ پڑھو۔

(۱۵۴) طاعت میں کوئی ناگوار چیز نہ ملانی چاہیئے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ طاعت میں کوئی ناگوار چیز نہ ملانی چاہیئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی اونگھتے ہوئے نماز پڑھے گا تو شاید وہ استغفار کی جگہ اپنے آپ کو برا بھلا کہنے لگے تو اس وقت نماز چھوڑنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ مبادا نیند کی حالت میں بلا ارادہ کوئی بات بیجا نکل جائے تو ارادہ کے ساتھ ایسا کرنا کیسا کچھ ہوگا؟ اور یہاں سے علمی مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ نماز میں حالاً و مقالاً حضور قلب کی بہت زیادہ تاکید ہے۔ اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے ان اللہ لا یقبل صلوٰۃ امرأ حتیٰ یکون قلبہ مع جوارحہ اللہ تعالیٰ کسی کی نماز اس وقت تک قبول نہیں فرماتے جب تک اس کا دل اعضا کے ساتھ نہ ہو یعنی جو کچھ ظاہر میں کرتا ہے وہی

باطن میں ہو قیام کی حالت میں دل پر یہ اثر ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوں رکوع میں یہ اثر ہو کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا تقاضہ ہے کہ ان کے سامنے جھک جاؤں سجدہ میں یہ حالت ہو کہ دل اللہ تعالیٰ کے سامنے پگھل جائے، اپنی ہستی کو ان کے سامنے قربان کردے)

قولہ الوجہ الثامن فیہ دلیل علی ان لا یخالط الطاعۃ مکروہ الیٰ قولہ حتی یکون قلبہ مع جوارحہ

ف نماز میں حضور قلب اور درجۂ احسان حاصل کرنا حضرات صوفیہ کا خاص امتیاز ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ یہ دولت ان ہی اصحاب کی صحبت اور تعلیم سے حاصل ہوتی ہے تو کیا اب بھی علم تصوف سے انکار کیا جائیگا؟

ف اس مقام پر ایک فقہی بحث بھی ہے جس پر شارح نے متنبہ فرمایا ہے مگر چونکہ وہ تصوف کا مسئلہ نہیں اس لئے اس کو فوائد میں لکھا جاتا ہے وہ یہ کہ نماز سے پہلے سونا جائز ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ سونا دو حال سے خالی نہیں یا تو دن کو ہوگا یا رات کو سو دن کو تو نماز سے پہلے سونا جائز ہے۔ حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور عادت طبیعت کا بھی یہی مقتضی ہے، حدیث تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے جو قیلولہ کے بارہ میں وارد ہوا ہے قیلوا فان الشیاطین لا تقیل (قیلولہ کیا کرو کیونکہ شیاطین دوپہر کو نہیں سوتے۔ نیز ایک حدیث میں ہے استعینوا بالقیلولۃ علیٰ قیام اللیل کہ قیلولہ سے رات کو اٹھنے کیلئے مدد لو) اور قیلولہ وقت ظہر کے قریب ہی ہوتا ہے اور طبعی عادت بھی یہ ہے کہ دن کو آدمی زیادہ دیر تک نہیں سوتا کیونکہ دن کام کے لئے بنایا گیا ہے اسلئے دن میں گہری نیند عادتاً نہیں آتی، جیسا رات کو کوئی زیادہ دیر تک نہیں جاگ سکتا کیونکہ رات سکون کیلئے بنائی گئی ہے اور حکیم مطلق کی حکمت نے جس چیز کو طبائع میں مستحکم کردیا ہے وہ بدون کسی خاص سبب کے نہیں بدلا کرتی الا نادراً والنادر کالمعدوم اور کسی وقت عادت کیخلاف کسی امر کا ظہور بھی قدرت کا اثر ہے جیسا عادات و اطوار کا ارتباط و استحکام حکمت الٰہیہ کا اثر ہے اور اسی پر احکام مرتب ہوا کرتے ہیں۔ اور خرق عادت سے قدرت کے کمال پے

استدلال کیا جاتا ہے جو کہ ایمان کی بنیاد ہے جس پر جملہ احکام کا مدار ہے، دیانات کو نماز سے پہلے سونا مثلاً مغرب عشاء کے درمیان سونا سو اس کے متعلق ان بڑے بڑے علماء سے جن سے میں ملا ہوں مجھے یہ پہنچا ہے اور ان کو بھی اپنے بڑوں سے یہی پہنچا ہے کہ جو شخص مغرب عشاء کے درمیان کسی ضرورت سے سونا چاہیے دو حال سے خالی نہیں یا تو عشاء کی نماز کے لئے کوئی جگانیوالا اسکو میسر ہے یا نہیں، اگر کوئی جگانے والا موجود ہو تو اس کو سونا جائز ہے اور اگر جگانیوالا کوئی نہ ہو مگر اسکو اپنے متعلق تجربہ اور عادت کی وجہ سے یہ یقین ہو کہ وقت پر بیدار ہو جائیگا تب بھی سونا جائز ہے۔ اور اگر گمان غالب یہ ہو کہ وقت پر بیدار نہ ہوگا بلکہ وقت کے بعد بیدار ہوگا یا اسکو اپنی عادت کی خبر ہی نہیں اس حالت میں سونا جائز نہیں چونکہ یہ مضمون ضروری تھا اس لئے بیان کر دیا گیا گو اس حدیث میں اس مسئلہ سے تعرض نہیں کیا گیا۔

ف حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں بھی مہمانوں کو مغرب و عشاء کے درمیان سونے کی اجازت تھی کیونکہ وہاں عشاء کی نماز کے لئے جگانیوالا مقرر تھا، مصنف عبدالرزاق میں بسند صحیح نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بسا اوقات نماز عشاء سے پہلے سو رہتے تھے اور فرما دیتے تھے کہ نماز کے وقت مجھ کو جگا دینا، پس صحاح میں ابو برزہ اسلمی و ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے جو یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کے پہلے سونے سے منع فرمایا یا اس کو ناپسند فرمایا ہے اس کا محمل وہ صورت ہے جبکہ جگانیوالا کوئی نہ ہو واللہ تعالیٰ اعلم

(۱۵۵) تیقظ اور حزم کی تاکید

حدیث میں اسطرف بھی اشارہ ہے کہ تیقظ اور حزم سے کام لینا چاہیئے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مبادی غفلت ہی میں جس کا نام اونگھ ہے اور جسکی انتہا گہری نیند ہے کہ زبان سے نکلی ہوئی بات کی خبر بھی نہ ہو عمل طاعت کے

---

۵۶ تفصیل دلائل حدیثیہ کے لئے اعلاء السنن جلد ۲ ملاحظہ ہو۔ ۱۲

چھوڑ دینے کا امر فرمایا ہے۔ مبادا اس میں خلل واقع ہوجائے تو اس سے زیادہ غفلت کا کیا حال ہوگا۔ اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ المومن کیس حذر فطن، مومن ہشیار، چوکنا اور سمجھ دار ہوتا ہے۔ اسی لئے بعض صوفیہ کی یہ حالت تھی کہ جب وہ اپنے اہل وعیال اور جانوروں کے اخلاق یا عادات میں ذرا بھی خرابی دیکھتے تو فوراً توبہ اور اطاعت کی طرف سبقت کرتے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہماری کسی کوتاہی کی وجہ سے ان کی عادات واخلاق میں یہ تغیر ہوا ہے اور اپنے نفس کی مخفی حالتوں کو ٹٹولتے کہ شاید ہمارے نفس میں کوئی تغیر ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اس غفلت پر متنبہ ہوجاتے جو ان سے سرزد ہوئی تھی تو اسکی اصلاح کر لیتے اور اسکی اصلاح کے ساتھ ہی حالت درست ہوجاتی چنانچہ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ دنیا کی باتیں نہیں کیا کرتے تھے۔ ایک دن ان کے دل میں دنیا کا کوئی خطرہ آیا تو اس کے بعد ہی ایک سپاہی دروازہ پر آیا اور اندر آنے کی اجازت چاہی اجازت دیدی گئی اور وہ اندر آکر سامنے بیٹھ گیا اور دنیوی معاملات میں گفتگو کرنے لگا، شیخ کو اس پر تعجب ہوا کہ آج دنیا کے معاملات کا یہ جھگڑا میرے پیچھے کہاں سے لگا اور یہ شخص میرے پاس کیوں آیا تو انہوں نے اپنے نفس کو ٹٹولا کہ یہ بلا کہاں سے آئی دفعۃً اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ فلاں خطرہ کیوجہ سے جو تمہارا دل میں دنیا کیمتعلق آیا تھا ایسا ہوا انہوں نے فوراً اس خطرے سے توبہ استغفار کیا۔ اس کے بعد فوراً ہی سپاہی کھڑا ہوگیا اور چل دیا، اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسہم

اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتے جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں

یہ تو اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی نیند اور غفلت کا حکم تھا۔ رہی اہل دنیا کی نیند تو اس سے بیداری تو موت ہی کے وقت ہوگی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

الناس نیام فاذا ماتوا انتبھوا

لوگ سوئے ہیں جب مریں گے اس وقت بیدار ہونگے

کیونکہ وہ اس وقت حق کو دیکھ لیں گے اور حقائق کا مشاہدہ کریں گے، پس اہل دنیا کی نیند تو سراسر جہل اور غلبۂ ظلمت اور غفلت ہے مگر جسکو اللہ تعالیٰ علم عطا فرماویں اور بیدار کردیں تو یہ وہ لوگ ہیں جو کوشش میں لگے ہوئے اور مستعد ہیں اور صدق اور تصدیق سے سرفراز ہوچکے ہیں جیسا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر پردہ اٹھادیا جائے تو میرے یقین میں کچھ زیادتی نہ ہو اور یہی شان ان حضرات کی ہے جو اخلاص کیساتھ حضرات صحابہ کا اتباع قیامت تک کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان حضرات کے طفیل بدون کسی مشقت کے ان میں سے کردے۔ آمین

قولہ فی اشارۃ الی التیقظ والحزم الی قولہ جعلنا اللہ فیھم بلا محنۃ بحرمتھم عندہ

ف تیقظ اور حزم طریق تصوف میں بہت ضروری ہے۔ حضرات صوفیا اسکی بہت تاکید فرماتے ہیں کیونکہ غفلت اور بیفکری کیساتھ نہ دنیا کا کوئی کام ہو سکتا ہے نہ دین کا، نیز طالب حق کو جو اللہ تعالےٰ کا محب ہے کسی وقت بھی محبوب سے غفلت کی گنجائش نہیں مبادا کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جو محبوب کی ناراضگی کا سبب بن جائے۔ پس اسکو ہر وقت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور راضی رکھنے کی فکر ضروری ہے۔ اگر اس فکر میں کمی ہے تو محبت اور طلب میں کمی ہوگی اور جتنی طلب میں کمی ہوگی اُسی قدر مقصود کے حصول میں دیر ہوگی۔

(۱۵۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حتی یذھب عنہ النوم کہ نیند کا غلبہ زائل ہونے تک اسکو سو رہنا چاہیئے حکمت پر عمل کرنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ حکمت الٰہی یوں ہی جاری ہے کہ نیند بدون سکون حاصل کئے نہیں جاتی یہاں تک کہ وہ وقت آجائے جو اس کے جانے کے لئے مقدر ہے۔ اس وقت یہ خود بخود جاتی رہتی ہے جیسے خود ہی بدون بلائے آئی تھی، اور نیند کے آنے جانے میں بڑی قدرت کا اظہار ہے کہ انسان ابھی ابھی اس حالت میں تھا کہ اس کا دماغ اور تمام قوی فکریہ وعملیہ مجتمع تھے، کام کے لئے مستعد تھے، دفعۃً نیند آگئی اور سب قوی معطل ہوگئے اس کو خبر

بھی نہیں ہوتی کہ نیند کب اور کہاں سے آگئی بعض اوقات اس کو نیند کا آنا پسند بھی نہیں ہوتا بلکہ ناگوار ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی کسی منفعت یا حاجت کو حاصل کرنا چاہتا تھا جس سے نیند مانع ہوگئی اور اس میں مخلوق کے سراپا عاجز و محتاج ہونے کی دلیل بھی ہے کہ انسان اپنے حرص اور دعوے کی بناء پر بعض مقاصد کی تحصیل میں لگا ہوا ہوتا ہے کہ دفعتہً ایسی چیز اس پر مسلط ہو جاتی ہے جس کو وہ دفع نہیں کر سکتا بلکہ اپنی ساری حرص اور احتیاط اور تحفظ کو چھوڑ کر مجبوراً اس کے سامنے سر جھکا دیتا ہے

قل من یکلؤکم باللیل والنہار من الرحمٰن

فرما دیجئے کہ رات اور دن میں تم کو رحمٰن سے کون بچا سکتا ہے

(کوئی نہیں کیونکہ اس کے سامنے سب عاجز و محتاج ہیں) الغرض نیند اور بھول دونوں مخلوق کے نقص اور احتیاج پر شاہد ہیں جس پر نیند مسلط ہوتی ہے اور یاد کی ہوئی چیزوں کو بھول جاتا ہو اس کو قدرت اور کمال کا دعوے کسی طرح زیب نہیں دیتا۔ اسی لئے علماء نے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل سافلین کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خوبصورت بنایا پھر اس پر نیند اور بھول کو مسلط فرما دیا اس وقت اس کے سارے کمالات سلب ہو جاتے ہیں پھر جب بیدار ہوتا ہے تو بدستور حرص میں لگ جاتا ہے گویا کچھ ہوا ہی نہیں تھا، اسیطرح شرف ذہنی معلمہ ہو تا رہتا ہے اور انسان اپنے دعوی پر قائم رہتا ہے گویا وہ بیٹھا یا سویا ہی نہیں تھا۔ وفی انفسکم افلا تبصرون تمہاری ذات میں بھی قدرت الٰہیہ کی نشانیاں موجود ہیں کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ دلوں پر غفلت کا زنگ لگ گیا ہے۔ یہاں تک کہ بصیرت کی نگاہ خفاش بن گئی کہ ان نشانیوں کے آفتاب کو نہیں دیکھ سکتی۔

اور یہیں سے اہل تصوف کی فضیلت دوسروں پر ظاہر ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے جب ان حالات کا مطالعہ کیا یعنی نیند کی حالت کا موت کے مشابہ ہونا مشاہد ہو گیا اگرچہ یہ حضرات دوسروں سے کم سوتے ہیں تو اب وہ اپنی ذات کے لئے کسی نفع یا ضرر کا اپنے کو مالک نہیں سمجھتے بلکہ اپنے کو مردہ بدست زندہ سمجھتے ہیں۔ پس انہوں نے بیداری میں بھی اپنے اوپر

تفویض و انقیاد کو لازم کر لیا یعنی نیند کیوقت جو ان کا حال ہوتا ہے وہی بیداری میں بھی ان کا حال رہتا ہے کیونکہ انہوں نے استصحاب حال پر حکم لگایا اور یہی اہل علم کا بھی قول ہے وہ بھی استصحاب حال کو حجت کہتے ہیں تو وہ اس حالت کے زیادہ مستحق تھے کہ بیداری میں ان کا وہی حال ہوتا ہے جو نیند میں ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ علما ظاہر کے اوپر اسباب شہوات کا زیادہ غلبہ ہے اس لئے وہ باتوں ہی کے فقیہ بن گئے حقیقت کے فقیہ نہ بنے کیونکہ ان کو باتوں کی حلاوت نے فقہ حال سے روک دیا اس لئے وہ فقیہ الحال نہ بنے اور بھلا قباحت حال کے ساتھ محض باتیں بنانا بھی کچھ قیمت رکھتا ہے، ہرگز نہیں یہ تو نرا کھوٹ ہے جیسے کسوٹی پر پرکھنے کے وقت ندامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

الوجہ الحادی عشر فیہ دلیل علے عجز المخلوق الیٰ قولہ صاحبھا بیدہ عند محل الانتقاد

ف استصحاب حال فقہا کی خاص اصطلاح ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر شئی کو اسکی پہلی حالت پر باقی رکھنا چاہیئے جبتک کسی دلیل سے حالت سابقہ کا بدل جانا ثابت نہ ہو، مثلاً کسی شئے کا ابتدا اسلام میں حلال ہونا ثابت ہو تو اس کو بعد میں بھی حلال کہا جائیگا جب تک کسی دلیل سے بعد میں حرام ہونا ثابت نہ ہو اس قاعدہ کا مقتضا یہ تھا کہ جب انسان نیند کے اندر مثل مردہ ہو جاتا ہے تو اسکو بیداری کے بعد بھی اپنے کو مردہ ہی سمجھنا چاہیئے جب تک کسی دلیل سے یہ ثابت نہ ہو کہ بیداری کے بعد وہ مردہ نہیں رہا بلکہ زندہ ہو گیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ وہ بیداری کے بعد بھی دراصل مردہ ہی ہے کیونکہ وہ اپنے لئے کسی نفع یا ضرر کا مالک نہیں بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی مدد کا محتاج ہے بدون اللہ کی مدد کے نہ وہ اپنے کو کوئی نفع دے سکتا ہے نہ ضرر سے بچ سکتا ہے۔ پس حقیقت میں انسان بیداری کی حالت میں بھی تقریباً ویسا ہی مردہ ہے جیسا نیند کی حالت میں ہوتا ہے پس جو لوگ استصحاب حال کو زبان سے حجت کہتے ہیں اگر یہ ان کا حال نہ بن جاتا تو وہ بیداری میں بھی اسی طرح تفویض و انقیاد سے کام لیتے جیسا نیند میں اپنے کو اللہ کے حوالہ کر کے خود کو عاجز و بیچارہ سمجھ لیتے ہیں مگر ان کا فقہ اور علم محض زبانی ہے فقہ باطنی ان

کو حاصل نہیں اسلئے ان کی حالت نیند اور بیداری میں یکساں نہیں رہتی یہاں شاید
کسی کو یہ شبہ ہو کہ شریعت مقدسہ نے خود نیند اور بیداری میں فرق کیا ہے چنانچہ
نیند کی حالت میں انسان مکلف نہیں رہتا اگر نماز قضا ہو جائے گناہ نہیں ہوتا نیند
میں طلاق کا لفظ زبان سے نکل جائے تو اس سے بیوی پہ طلاق واقع نہیں ہوتی اور بیداری
کے احکام اس کے برعکس ہیں۔ پھر علماء ظاہر نے اگر دونوں میں فرق کیا تو کیا گناہ کیا؟ بلکہ دونوں
کو یکساں سمجھنا شریعت کے ان مسائل سے غلط معلوم ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرات
صوفیہ کا یہ مطلب نہیں کہ نیند اور بیداری تمام وجوہ سے یکساں ہے اور دونوں کے احکام
میں اصلاً فرق نہیں، بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی طرف احتیاج میں دونوں حالتیں
یکساں ہیں۔ کیونکہ اگر انسان خدا کا محتاج نہ ہوتا اور خود اپنے لئے نفع و ضرر کا مالک مختار ہوتا
تو نیند کی حالت میں ایسا عاجز و مجبور ہرگز نہ ہوتا بلکہ نیند کو اپنے اوپر سے دفع کرنے
کی اسکو قدرت ہوتی مگر جب وہ نیند کو اپنے سے دفع نہیں کر سکتا اور نیند میں
اسکی ساری طاقتیں سلب اور تمام قوتیں معطل ہو جاتی ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ بیداری
کی حالت میں جو اسکو اپنے اندر کچھ اختیار اور قدرت اور طاقت نظر آتی ہے یہ اس کے
قبضہ کی چیز نہیں بلکہ یہ تمام چیزیں اللہ کی دی ہوئی ہیں اور اسی کے قبضہ قدرت
میں ہیں وہ جب تک چاہیں اس کو طاقت اور اختیار دیں اور جب چاہیں چھین لیں
چنانچہ روزانہ گردش لیل و نہار اور بیداری اور نیند کے تکرار سے اسکو یہی سبق دیا جاتا
ہے۔ پس عاقل وہ ہے کہ نیند کی حالت کو بیداری میں نہ بھولے اور یاد رکھے کہ جس نے
نیند میں تمام طاقتیں مجھ سے چھین لی ہیں اسی نے بیداری میں یہ طاقتیں مجھے واپس دی
ہیں یہ میرے گھر کی دولت نہیں بلکہ اللہ کے خزانہ رحمت سے مجھے عطا ہوئی ہیں اور میں
بیداری کی حالت میں بھی اسکے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں ہوا بلکہ اسی طرح اس کے
قبضہ میں ہوں جس طرح نیند کی حالت میں تھا۔ یہ مطلب ہے، بیداری اور نیند کی
حالت کے یکساں ہونے کا جو شخص اسکو سمجھ لیگا وہ بیداری کی حالت میں اپنی قدرت و
اختیار کو اللہ کی نعمت سمجھ کر اس کا شکر کریگا اپنے کسی کمال پر ناز نہ کریگا اور جو اس سے

غافل ہوگا وہ نیند کی حالت میں تو جماد کی طرح مردہ ہوگا اور بیدار ہوکر اپنے کمالات کو ذاتی کمالات سمجھے گا ان پر ناز کرے گا تکبر کریگا اور اسکو بھول جائیگا کہ رات کو پھر نیند آنے والی ہے جو میرے تمام کمالات کو سلب کر کے مجھے جماد کی طرح مردہ بنادیگی، نیز جو شخص اس حقیقت کو پیش نظر رکھے گا وہ بیداری میں اپنی قوت اختیار و عقل وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں صرف نہ کریگا کیونکہ وہ سمجھ چکا ہے کہ یہ جو کچھ قدرت واختیار میرے اندر بحالت بیداری نظر آرہا ہے یہ خدا تعالیٰ کی عطا ہے اور خدا تعالیٰ کی عطا سے اسی کی نافرمانی میں کام لینا بڑی بے حیائی اور بے غیرتی کی بات ہے خوب سمجھ لو ۱۲ مترجم

(۱۵۸) نیند بھی اللہ کی بڑی رحمت ہے

اس میں اللہ تعالیٰ کے لطف عظیم پر بھی دلالت ہے کہ اس کا لطف و کرم تمام بندوں کے شامل حال ہے نیک ہوں یا بد مکلف ہوں یا غیر مکلف کیونکہ نیند تو سب کے بدن کے لئے راحت ہے، اگر ان کی کسی ضرورت کی وجہ سے نیند کو روک دیا جایا کرتا تو بعض دنیا کے حریص تو عمر بھر بھی نیند کو نہ بلاتے اور اس میں ان کی ہلاکت و بربادی تھی کہ رات دن بدن سے اور دماغ سے کام لیتے کسی وقت ان کو آرام نہ دیتے تو پچاس برس میں مرنے والا پچاس ہفتوں یا پچاس دنوں میں ہی ختم ہوجاتا، اس لئے اللہ تعالیٰ سبحانہٗ خود ہی نیند کو بھیجتے ہیں کسی مقرب فرشتے وغیرہ کو بھی اس میں واسطہ نہیں بناتے چنانچہ ارشاد ہے وھو الذی یتوفاکم باللیل وہی تو ہے جو تم کو رات کے وقت نیند کے ذریعہ وفات دے دیتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نیند کو بندوں کے اختیار پر چھوڑ دیتے تو یہ صورت بندوں کے لئے رحمت نہ ہوتی بلکہ عذاب ہوجاتی جیسا اوپر مفصل معلوم ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ کا خود ہی نیند کو بھیجنا سراسر نعمت اور رحمت ہی رحمت ہے جس سے کوئی مخلوق محروم نہیں مطیع وعاصی سب ہی اس رحمت سے حصہ لے رہے ہیں۔

الوجہ الثانی عشر فیہ دلیل علی عظم لطف المولیٰ الیٰ قولہ وھو الذی یتوفاکم باللیل۔

ف جو لوگ دوپہر کو یا رات کو یہ سمجھ کر سوتے ہیں کہ نیند بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جیسا روٹی اور پانی اسکی نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت سے فائدہ اٹھانا چاہیئے اسکی بے قدری اور ناشکری نہ کرنا چاہیئے ان کو نیند کی حالت میں بھی ثواب ملتا ہے ان کی نیند دوسروں کی بیداری سے افضل ہے۔ پس اگر تم کسی عارف کو نیند کا اہتمام کرتے دیکھو تو اس سے بدگمان نہ ہو کہ یہ نیند کا کیوں اہتمام کرتا ہے بیداری کا اہتمام کیوں نہیں کرتا تم کو کیا معلوم ہے کہ وہ نیند کا اہتمام کیا سمجھ کر کر رہا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ عارف نیند کا اہتمام اسی حد تک کریگا جس حدتک صحت کے لئے اسکی ضرورت ہے اس سے زیادہ نہ کریگا جو اس سے زیادہ اہتمام کرے وہ عارف نہیں بلکہ بندۂ نفس ہے اور یہاں سے ان سالکین کی غلطی واضح ہوگئی جو شب بیداری ہی کو نعمت سمجھتے ہیں۔ ۱۲ مترجم

(۱۵۹) اللہ تعالیٰ بندوں کی عبادت سے مستغنی ہیں

اس میں اس پر بھی دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی عبادت سے مستغنی ہیں اور اس سے پاک ہیں کہ نافرمان کی نافرمانی ان کو کچھ نقصان پہنچا سکے گی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ خود ہی بلا واسطہ اپنے نافرمان بندوں پر ان کی نافرمانی کو دیکھتے ہوئے یہ راحت کی نیند نہ بھیجتے اور کام کرنیوالوں کے کام میں نیند کی وجہ سے خلل نہ ڈالتے جبکہ ان کے عمل سے خدا ہی کا نفع تھا، خدا تعالیٰ اس سے بہت بلند و برتر ہے وہ اس سے پاک ہے کہ کسی کے عمل سے اسکو نفع ہو یا کسی کی نافرمانی سے نقصان ہو) وہ اپنے بندوں پر کیسے مہربان ہیں کہ دشمنوں اور نافرمانوں کو بھی آرام پہنچاتے ہیں اور ان سے کس قدر مستغنی ہیں کہ کسی عمل اور عبادت سے ان کا کچھ نفع نہیں نفع جو کچھ ہے بندہ ہی کا ہے اسی لئے حق تعالیٰ جب یہ دیکھتے ہیں کہ بندہ کام کر کے تھک گیا ہے اس پر خود ہی نیند کو مسلط کر دیتے اور اسکے عمل کو کچھ دیر کے لئے معطل کر دیتے ہیں تاکہ صحت حاصل کر کے اپنی صحت کو بحال رکھ سکیں۔

قولہ الوجہ الثالث عشر فیہ دلیل علی استغناء اللہ تعالیٰ عن عبادۃ العباد الیٰ قولہ ما ارحمہ بعبیدہ واغناہ عنہم

ف اللہ تعالیٰ کی صفت استغناء وہ صفت ہے جس کی وجہ سے مسلمان کو باوجود اپنی کوتاہی اور فروگذاشت کے رحمت ومغفرت کی امید رہتی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میری عبادت پر میرے مولیٰ کا کوئی نفع یا غرض موقوف نہیں اور میری معصیت سے ان کا کچھ نقصان نہیں ہوا نفع یا نقصان جو کچھ ہے وہ میرا ہی ہے تو اللہ تعالیٰ میرے اوپر ان آقاؤں کی طرح غصہ نہ کریں گے جن کا نفع نقصان نوکر کی خدمت یا نافرمانی سے وابستہ ہوتا ہے۔ بلکہ ان کا غصہ ایسا ہوگا جیسا مہربان طبیب کا غصہ مریض پر ہوتا ہے جسکی اطاعت یا نافرمانی سے طبیب کا نفع ونقصان وابستہ نہیں ہوتا یا اس مہربان بادشاہ کی طرح جو اسکول کے طلبہ پر غصہ ہوتا ہے کہ وہ اسکول کے امتحان میں فیل کیوں ہوئے اور دونوں میں جو فرق ہے وہ کسی عاقل پر مخفی نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی صفت استغناء سے مسلمان کو رحمت کا امیدوار ہونا چاہیئے مگر افسوس کہ بعض نادان اس صفت کو قہر کے معنے میں استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً کسی کی جوان موت پر لوگ افسوس کرتے ہیں کہ ہائے کیسا جوان مرگیا بیوی بچوں کا کچھ لطف نہ پایا دنیا کی بہار نہ دیکھی تو بعضے بوجھ بجھکڑ اس موقعہ پر فرمایا کرتے ہیں کہ بھائی اللہ کی ذات بڑی بے پرواہ ہے، اس موقعہ پر اللہ کو بے پرواہ کہنے کے معنے یہ ہیں کہ ان کو کسی پر رحم نہیں نہ کسی کی مصلحت کا لحاظ ہے۔ استغفراللہ نعوذ باللہ

اللہ تعالیٰ سے زیادہ رحیم کون ہوگا ؟ کہ سو سال کے گنہگار اور ہزار سال کے نافرمان کافر کو بھی ایک منٹ میں استغفراللہ اور لا الٰہ الا اللہ کہنے سے ایسا پاک کردیتے ہیں کہ گویا اس نے کچھ کیا ہی نہ تھا اور ان سے زیادہ کون مہربان ہوگا جو دوست دشمن سب کو روزی دیتے اور میٹھی نیند سلاتے ہیں اور سوتے ہوئے اپنے بندوں کی اس طرح حفاظت فرماتے ہیں کہ ماں باپ بھی ایسی حفاظت نہیں کرسکتے اور ان سے زیادہ بندوں کی مصلحت کا کون لحاظ کرے گا۔ جس نے ہوا پانی کو جس پر جان دار

کا مدار ہے سب کے لئے مفت کر دیا اور نیند کو اپنے قبضہ میں رکھا ہے۔
بندے کے اختیار میں نہیں دیا۔ رہا کسی کا بچپن یا جوانی میں مر جانا تو
اس کو نادان لوگ خلاف مصلحت سمجھتے ہوں تو سمجھا کریں، اللہ تعالیٰ اسکی
مصلحت کو تم سے زیادہ سمجھتے ہیں ایک مصلحت تو یہی ظاہر ہے کہ اگر جوانوں
کو موت نہ آیا کرتی. بوڑھے ہی مرا کرتے تو جوان موت سے بے فکر ہو کر
وہ حرکتیں کیا کرتے کہ تمام عالم فساد سے بھر جاتا۔ جوانوں کو نیک اعمال کی
طرف رغبت بھی کم ہوتی کہ ابھی کیا جلدی پڑی ہے بڑھاپے میں اللہ کو
راضی کر لیں گے۔

مگر اب ہر شخص کو موت کا ڈر لگا ہوا ہے تو جوان بھی بہت ایسے ہیں
جن کو طاعات کا اہتمام اور معاصی سے اندیشہ ہے۔ ہر روز توبہ اور
استغفار کی ضرورت ان کے دل میں جمی ہوئی ہے کہ شاید کل ہی موت آ
جائے تو گناہ سے پاک ہو کر آئے اور اگر بچوں کو موت نہ آیا کرتی بلکہ
جتنے بچے پیدا ہوتے سب ہی زندہ رہا کرتے تو آج دنیا میں بسنے
کو جگہ بھی نہ ملتی کیونکہ پیدائش کا سلسلہ اس قدر وسیع ہے کہ باوجود
شرح اموات زیادہ ہونے کے بھی لوگوں کو دنیا تنگ نظر آتی ہے اور
نہ معلوم اس میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنی مصلحتیں ہوں گی غرض اللہ تعالیٰ
کے مستغنی ہونے کے معنے یہ ہیں کہ ان کو کسی کی عبادت کی ضرورت
نہیں نہ ان کا اس سے کوئی نفع اور نہ کسی کی معصیت سے ان کا کوئی نقصان
خوب سمجھ لو ۱۲ مترجم

خاتمہ مشتمل بر نصیحت

حضرت مصنف فرماتے ہیں کہ میں ہدایت کی طرف ناسمجھ
لوگوں کو کتنا پکار رہا ہوں اور عقل کے بہروں کو کس قدر نصیحت کر
رہا ہوں مگر وہ خواہش پر فریفتہ ہیں، حالانکہ خواہش پر جما رہنا

باوجود ضعف کے، جسم کے لئے بیماری ہی بیماری ہے۔ پس اپنے دین کے بیمار بدن کو خالص توبہ کا نسخہ کھلانے سے تندرست بنا۔

کیونکہ کمزور بدن میں بیماریوں کا جمع ہونا سل اور دق ہے اور وہ تجھ کو ہلاک کر دیگا۔ تیرا بھلا ہو تو بیدار ہے یا سو رہا ہے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں غفلت کی نیند سے بیدار کرے اور ہمارے دلوں کو نسیم محبت سے حیات بخشے اور ہمارے دین کے کمزور حواس کو طاعت کی تریاق سے قوت دے کہ وہی فضل فرمانے والا احسان کرنیوالا ہے۔

باب بست ویکم ۲۱

حدیث

غسل المنی من الثواب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دھویا کرتی تھیں پھر فرماتی ہیں کہ میں کپڑے میں اس کا دھبہ یا چند دھبے دیکھتی تھی۔

شرح ظاہر حدیث بتلاتا ہے کہ منی کو دھونا چاہیئے اور اس کا دھونا بتلاتا ہے کہ منی ناپاک ہے اور یہی امام مالکؒ اور ان کے اتباعؒ کا مذہب ہے، (حنفیہ کا بھی یہی مذہب ہے) اور اس حدیث پر چند وجوہ سے گفتگو ہے۔

(۱۶۰) ضرورت شرعیہ کے موقع پر شرمناک امور کا تذکرہ جائز ہے

حدیث سے معلوم ہوا کہ جس چیز کے تذکرہ سے شرم لاحق ہوتی ہو ضرورت کے وقت اس کا تذکرہ جائز ہے، چنانچہ حضرت عائشہؓ نے منی کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ اس کا ذکر شرمناک ہے کیونکہ وہ اس بات کا پتہ دیتی ہے جس کو قرآن اور حدیث نے کنایۃً بیان کیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے ھن لباسؑ لکم و انتم

عہ اس سے حالت مباشرت کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲

لباس لہن عورتیں تمہارا لباس ہیں تم ان کا لباس ہو اور حدیث میں ہے۔ حتی تذوقی عسیلتہ و یذوق عسیلتک یہاں تک کہ تو اس کا مزہ لے لے اور وہ تیرا مزہ لے لے، لیکن حضرت عائشہ نے احکام کی توضیح کے لئے اس کا ذکر صاف صاف فرما دیا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

نعم النساء نساء الانصار لم یمنعہن الحیاء ان یتفقہن فی الدین۔

کیسی اچھی عورتیں ہیں انصار کی عورتیں کہ ان کو حیاء (و شرم) دین کی سمجھ حاصل کرنے سے مانع نہیں ہوتی۔

قولہ الوجہ الثالث دلیل علی جواز ذکر ما یخجل ذکرہ الی قولہ ان یتفقہن فی الدین

ف۔ بعض صوفیہ کے کلام میں فحش حکایات اور فحش امثال جو وارد ہیں ان کا یہی محمل ہے کہ ان حکایات و امثال سے جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ بہت ضروری بات تھی اور اس کے لئے اس سے بہتر صورت سمجھانے کی نہ تھی اور مسائل شرعیہ میں منی یا ہمبستری اور حیض و نفاس کا ذکر تو جس ضرورت سے کیا جاتا ہے اس پر یہ حدیث پوری روشنی ڈالتی ہے اور اس قسم کی حدیثیں ایک دو نہیں سینکڑوں ہیں، پس اگر بہشتی زیور میں ایسے مسائل کا ذکر آ گیا ہے جن کی عورتوں کو سخت ضرورت پڑتی ہے تو کیا جرم ہوا مگر جن کو دین کی ضرورت اور اس کا اہتمام ہی نہ ہو وہ اسکے متعلق جو چاہیں کہیں مگر دل میں یہ سوچ لیں کہ وہ ان احادیث اور کتب فقہ کے متعلق کیا کہیں گے جن سے بہشتی زیور میں یہ مسائل لئے

عہ یہ ایک عورت کے مقدمہ میں ہے جس کو پہلے شوہر نے تین طلاق دے دی تھی اور وہ دوسرے شخص سے نکاح کر کے اس سے طلاق لے کر پہلے شوہر کے نکاح میں جانا چاہتی تھی حضور نے فرمایا کہ دوسرے شوہر سے علیحدگی اسوقت تک معتبر نہ ہوگی جب تک وہ ہمبستری کے بعد طلاق نہ دے اگر اس سے پہلے طلاق ہوئی تو دوسرے شوہر سے نکاح درست نہ ہوگا

گئے کیونکہ اگر ہندوستان کی عورتیں ان کو نہیں سمجھتی ہیں تو عرب اور مصر و شام کی عورتیں تو ان کو ویسا ہی سمجھتی ہیں جیسا ہندوستان کی عورتیں بہشتی زیور کو۔ اللہ تعالیٰ ان معترضین کو ہدایت دے کہ ہنر بھی ان کی نظر میں عیب ہی معلوم ہوتا ہے ؎

چشم بد اندیش کہ بر کندہ باد   عیب نماید ہنرش در نظر

(۱۶۱) پاکی ناپاکی کے معاملہ میں شریعت نے سہولت رکھی ہے

کاوش کو پسند نہیں کیا

حدیث میں نجاسات کے معاملہ میں سہولت اور تیسیر پر بھی دلالت ہے اور یہ کہ ہم اسی بات سے مکلف ہیں جو ہم کو نظر آجائے اور نفس کو احتمالات کے درپے نہ ہونا چاہیئے کیونکہ حضرت عائشہ کپڑے کا وہی حصہ دھوتی تھیں جہاں منی نظر آتی حالانکہ یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ شاید کپڑے میں کسی اور جگہ بھی لگ گئی ہو اور نظر نہ آئی ہو اس احتمال پر سارا کپڑا دھونا چاہیئے تھا مگر ایسا نہیں کیا) اسکی زیادہ توضیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر ہوتی ہے

النضح طھور لا شك فیہ

اشک کی جگہ پر پانی کا چھڑک دینا بھی پاک کر دیتا ہے اس میں کچھ شبہ نہیں کیونکہ اس جگہ پانی چھڑکنے کا اس کے سوا کیا فائدہ ہے کہ دل کی کھٹک جاتی رہے اور جس ناپاکی کا یقین نہیں ہے وہ معاف ہو جائے کیونکہ ناپاکی اگر کپڑے کے اس حصہ کو لگ چکی ہے تو محض پانی چھڑکنے سے وہ زائل نہیں ہو سکتی جب تک اچھی طرح دھو کر نچوڑا نہ جائے اور اگر نہیں لگی تھی تو پانی چھڑکنے سے پاکی میں کچھ زیادتی نہیں ہوئی۔

قولہ الوجہ الرابع فیہ دلیل علی التیسیر فی امر النجاسات الیٰ قولہ فلیس المھار بیزبر فی طھارۃ شیئاً

ف حاصل یہ ہوا کہ جس جگہ ناپاکی لگنے کا یقین ہو جائے اس کو اچھی طرح دھو دینا چاہیئے جہاں شبہ ہو وہاں معمولی طور سے پانی چھڑک دینا چاہیئے تاکہ دل کی کھٹک دور ہو جائے

یہاں سے ان صوفیوں کی غلطی واضح ہوگئی جو پاکی ناپاکی کے معاملہ میں بہت کاوش کرتے ہیں ذرا سے شبہ میں سارے کپڑے کو دھوتے اور تمام بدن کو گھڑوں پانی سے پاک کرتے ہیں اس کاوش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وسوسہ اور وہم بڑھ جاتا ہے تو بعض دفعہ بلکہ اکثر اوقات ان وہمیوں کو جماعت کی نماز بھی نہیں ملتی اور بعض کی تو نماز ہی قضا ہو جاتی ہیں۔

خدا اس جہل سے بچائے اور وسوسہ اور وہم کو کسی پر مسلط نہ کرے کہ ایسا شخص ہمیشہ پریشان رہتا ہے۔ کبھی حلاوت کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا شیطان نے ان کا ناک میں دم کر رکھا ہے مگر وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑا کام کر رہے ہیں ہم سے زیادہ کسی کو طہارت کا اہتمام نہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ اس غلو نے ان کو نماز کی حلاوت ہی سے محروم کر دیا ہے جس کے لئے وضو اور غسل وغیرہ شرط کے درجہ میں ہیں۔ پس شرط کا اتنا اہتمام جس سے اصل مقصود ہی جاتا رہے کہاں کی بزرگی ہے ۱۲ مترجم

عورت کو شوہر کی خدمت کرنا جائز ہے

(۱۶۲) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شوہر کو بیوی سے خدمت لینا یا عورت کو شوہر کی خدمت کرنا جائز ہے جب کہ وہ خوشی سے کرے گو وہ کیسی ہی معزز خاندان کی ہو، یہ مسئلہ حدیث کے اس لفظ سے ماخوذ ہے کنت اغسل یعنی حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں حضور کا کپڑا دھویا کرتی تھی اور ظاہر ہے کہ کپڑا دھونا خدمت ہی میں داخل ہے اور حضرت عائشہ کو جیسی رفعت حاصل تھی وہ ظاہر ہے۔

قولہ الوجہ السابع فیہ دلیل علی خدمۃ المرأۃ زوجھا الیٰ قولہ وای رفعۃ مثل رفعۃ ھذہ السیدۃ۔

ف صوفیہ کا مذاق اس باب میں مختلف ہے بعضے اپنی بیویوں سے خدمت لینا گوارا کرتے ہیں کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ وہ خوشی سے خدمت کرتی ہیں۔

بعض اس کو گوارا نہیں کرتے گو وہ جانتے ہیں کہ بیوی خوشی سے خدمت کرتی ہے مگر احتیاطاً اس سے پرہیز کرتے ہیں کہ شاید کسی وقت گرانی ہو اور شرما شرمی خدمت کرے۔ یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو اپنی خدمت کو بیوی کے ذمہ واجب سمجھتے ہیں حالانکہ بیوی خدمت کے لئے نہیں بلکہ محض انس حاصل کرنے اور استمتاع کے لئے ہے۔

قال تعالیٰ ھن لباس لکم وانتم لباس لھن
وقولہ خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا
الیھا وجعل بینکم مودۃ و رحمۃ ۱۲ مترجم

باب بست و دوم ۲۲

حدیث

غسل دمِ حیض

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہم میں سے کسی کو حیض آتا تو حیض ختم ہونے کے بعد پاکی کے وقت وہ خون کو اپنے کپڑے سے کھرچ دیتی پھر اس کو دھو ڈالتی اور باقی کپڑے پر پانی چھڑک دیتی پھر اس میں نماز پڑھتی۔

شرح ظاہر حدیث خونِ حیض کے دھونے کو بتلا رہا ہے جس سے اس کا ناپاک ہونا معلوم ہوا اور یہ کہ جس کپڑے میں عورت کو حیض ہوا ہو اس میں دھونے کے نماز پڑھ سکتی ہے۔ اس حدیث پر چند وجوہ سے گفتگو ہے:

(۱۶۳) یہ ارشاد کہ خون کو کپڑے سے کھرچ دیتی، اس لئے ہوا کہ خون کو کپڑے سے چھڑانے کا یہ طریقہ آسان ہے۔ چنانچہ مشاہد ہے۔ کیونکہ دلدار نجاست کا اوّل کھرچ دینا بیرد ہونا زیادہ مفید نہ ہے۔ اگر کھرچنے سے پہلے اس پر پانی بہایا جائے گا تو کپڑا میں ناپاکی زیادہ پھیل جائے گی اور اس پر چند فقہی مسائل مرتب ہوتے ہیں

منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ دلدار ناپاکی کے دھونے کا بہترین طریقہ بلکہ سنت یہ ہے کہ دھونے سے پہلے اس کو کھرچ دیا جائے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام امور میں سنت یہ ہے کہ آسان طریقہ اختیار کیا جائے چونکہ یہ صورت نجاست دور کرنے کی آسان صورت تھی اس لئے حضرت عائشہ نے اس کو اختیار فرمایا اور دوسروں کو بھی بتلا دیا تاکہ اس میں انکی اقتدار کی جائے، اسکی تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

ما خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین امرین الا اختار
ایسرھما ما لم یکن اثما فان کان اثما کان ابعد الناس منہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی دو صورتوں میں اختیار دیا گیا تو آپ نے دونوں میں سے آسان کو پسند فرمایا بشرطیکہ گناہ نہ ہو اور اگر گناہ ہوتی تو آپ سب سے زیادہ اس سے دور رہتے تھے۔

الوجہ الرابع قولھا ثم تقرض الدم والوجہ الخامس
یؤخذ منہ ان السنۃ فی الامور ان یؤخذ بالایسر الی
قولہ کان ابعد الناس منہ

ف یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے وہ یہ کہ جب حضور کو دو صورتوں کا من جانب اللہ اختیار دیدیا گیا تو ان میں سے کسی کا گناہ ہونا کیونکر ممکن ہے ورنہ لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ نے گناہ کا بھی اختیار دیا۔ جواب یہ ہے کہ بعض دفعہ کوئی صورت خود تو گناہ نہیں ہوتی مگر گناہ کی طرف مفضی ہوجاتی ہے حضور اس سے بھی دور رہتے تھے۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وقت حضور کا امتحان لیا گیا ہو اور امتحان کے وقت دونوں صورتیں جائز ہوں مگر آئندہ ان میں سے ایک صورت گناہ ہوں میں داخل ہونیوالی ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی دور رہتے تھے جیسا حدیث میں

ہے کہ شب معراج میں آپ کے سامنے دو پیالے پیش کئے گئے ایک میں دودھ
تھا ایک میں شراب تھی اور اس وقت تک شراب حرام نہ تھی مگر حضور نے دودھ
کو اختیار فرمایا شراب کو واپس فرمادیا ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ف یہاں یہ شبہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے

افضل العبادات احمزھا و فی النھایۃ لابن الاثیر عن ابن عباس
بلفظ سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الاعمال افضل
قال احمزھا ای اقواھا و اشدھا کذا فی المقاصد
الحسنۃ ص۳۳

یعنی اعمال میں افضل وہ ہے جو زیادہ دشوار اور سخت ہو، پھر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم آسان کو کیوں اختیار فرماتے ۔
اگر یہ حدیث[عہ] ثابت ہو تو جواب یہ ہے کہ آسان کام بھی ہر وقت آسان نہیں ہوتا
بعض وقت دشوار ہوتا ہے۔ اسی طرح جماعت سے نماز پڑھنا فی نفسہ آسان ہے
مگر بعض دفعہ سردی وغیرہ کی وجہ سے دشوار ہوجاتا ہے۔ پس سردی کا وضو گرمی کے
وضو سے افضل ہے ۔ اسیطرح سردی کے موسم میں عشاء و صبح کی جماعت گرمی کی
جماعت سے افضل ہے ۔ خلاصہ یہ کہ آسان کام بھی پابندی کی وجہ سے بعض اوقات
دشوار ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس عمل کو اختیار فرما لیتے تھے اس کی
پوری پابندی فرماتے تھے خواہ نفس کو راحت ہو یا تکلیف، پس تکلیف کی حالت میں
معمولات کی پابندی کرنا راحت کی پابندی سے افضل ہے ۔ پس اعمال میں دشوار
اور سخت کا افضل ہونا یا ایں معنی ہے کہ عمل کی پابندی کرنا افضل ہے کیونکہ پابندی
نفس کو گراں ہے گو عمل آسان ہی ہو۔ دوسرا یہ بھی جواب ہو سکتا ہے کہ مقاصد میں

عہ اس حدیث کے ثبوت میں کلام ہے جیسا مقاصد حسنہ میں مذکور ہے ۱۲ ظ

تو افضل وہ ہے جو دشوار اور شاق ہو اور وسائل میں افضل وہ ہے جو آسان ہو۔ کیونکہ وسائل خود مقصود نہیں ہوتے مثلاً سردی کے موسم میں حمام کے اندر گرم پانی بھی موجود ہے اور حوض میں ٹھنڈا پانی بھی موجود ہے تو اس وقت گرم پانی سے وضو کرنا افضل ہے خواہ مخواہ ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے کی ضرورت نہیں پھر سردی میں کھڑا ہو کر تہجد پڑھنا دشوار ہے اور بیٹھ کر پڑھنا آسان ہے تو یہاں کھڑا ہو کر پڑھنا افضل ہے کیونکہ نماز مقاصد میں سے ہے واللہ تعالیٰ اعلم والجواب الثانی من افاضات حضرۃ سیدی حکیم الامۃ دام مجدہ وعلاہ۔

باب بست و سوم ۲۳

حدیث
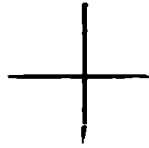
کیفیۃ الاغتسال من الحیض

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک انصاری عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ حیض کے بعد میں کیونکر غسل کروں فرمایا نہانے کے بعد کپڑے کے ٹکڑے کو مشک سے آلودہ کر کے اس سے صفائی کر لیا کرو، تین بار فرمایا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرما گئے اور اپنا منہ پھیر لیا یا منہ پھیر کر فرمایا کہ اس سے صفائی کر لیا کرو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں پھر میں نے اس عورت کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب اسکو سمجھا دیا۔

شرح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ خون حیض میں خاص قسم کی بدبو ہوتی ہے جو نہا پانی سے زائل نہیں ہوتی بلکہ اسکے لئے مشک وغیرہ کے استعمال کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور مشک خصوصیت کیساتھ رحم کے لئے مقوی بھی ہے اس حدیث میں چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۶۴) جہاں توضیح کی ضرورت ہو وہاں صفائی سے حکم شرعی بیان کیا جائے شرم نہ کی جائے

حدیث سے معلوم ہوا کہ جن چیزوں کا حکم بدون وضاحت کے معلوم نہ ہو سکتا ہو ضرورت کی وجہ سے اس کو مجبوراً بیان کیا جائے گا اگرچہ اس کے ذکر سے شرم آتی ہو یا اس کا ذکر ناگوار ہو۔

قولہ الوجہ الثالث فیہ دلیل علی ان الامور التی لا یمکن معرفۃ الحکم فیھا الیٰ قولہ فلا بد من اجل الضرورۃ

ف حضرات صوفیا اس سنت پر عامل ہیں وہ ضرورت کے مقام پر عرفی شرم کی رعایت نہیں فرماتے بلکہ احکام کو صاف صاف بیان فرماتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالحئی بڈہانوی رحمۃ اللہ علیہ سفر میں بہلی پر سوار تھے۔ آپ کی اہلیہ بھی ہمراہ تھیں نماز کا وقت آیا تو بیوی کو بہلی سے اتارا اور برقعہ پہنا کر نماز پڑھائی پھر بآواز بلند فرمایا کہ صاحبو! یہ عبدالحئی کی بیوی ہے دیکھو نماز کے واسطے اتری ہے یہ کہنا تھا کہ سارے قافلہ کی عورتیں بہلیوں سے اتر اتر کر زمین پر نماز پڑھنے لگیں ورنہ سب گاڑی ہی میں نماز پڑھ لیتیں زمین پر نہ اترتیں۔ پس گو مولانا کا یہ فرمانا کہ یہ عبدالحئی کی بیوی ہے دیکھو عرفاً شرمناک تھا مگر ضرورت تبلیغ احکام کے لئے آپ نے اس کو گوارا فرمایا۔

(۱۶۵) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑوں کے سامنے چھوٹوں کا کسی کو تعلیم و تلقین کرنا جائز ہے لیکن یہ اس وقت ہونا چاہیئے جبکہ بڑے نے حکم بتلا دیا ہو مگر مخاطب نہ سمجھا ہو تو چھوٹا اس کو سمجھا دے تو یہ دراصل ان کی خدمت کی قسم سے ہوگا خصوصاً ایسی بات میں جس کی تفصیل سے بڑے کو شرم آتی ہو اور چھوٹے کو شرم نہ آتی ہو کیونکہ عورتیں آپس میں باتیں کرتے ہوئے نہیں شرماتیں جیسا مردوں سے بعض باتوں میں شرماتی ہیں۔

قولہ الوجہ السابع یؤخذ منہ تعلیم المفضول بین یدی الفاضل الی قولہ کما یقع من حدیث انس بال

(۱۶۵) انسان کو اپنے عیوب چھپانے چاہئیں

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے عیوب چھپانے چاہئیں اگرچہ وہ فطری ہی کیوں نہ ہوں یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ پوچھنے والی کو یہ ارشاد فرمایا کہ خون حیض کی بدبو کو مشک کے ذریعہ سے دور کرنا چاہیئے حالانکہ یہ بدبو فطری اور غیر اختیاری ہے اس کو بھی خوشبو چھپانے کا حکم ہوا مگر اس میں شرعاً یہ قید بھی ہے کہ عیب کا چھپانا اسی طریقے سے ہو جس کی شریعت اجازت دے مکر و فریب یا جھوٹ اور ناجائز طریقہ سے نہ ہو کہ اس کی اجازت نہیں۔ ہمارے اس قول کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جو آپ نے ایک شخص کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا

اذا غضبت فاسکت کہ جب تم کو غصہ آیا کرے خاموش ہو جایا کرو۔

کیونکہ غصہ عیب ہے اور خاموشی اس کے لئے پردہ ہے یہ نہیں فرمایا کہ جب تم کو غصہ آیا کرے تو غصہ کا اقرار نہ کرو بلکہ انکار کر دیا کرو یا اپنی بات کو بنایا کرو کیونکہ یہ طریقہ ناجائز ہے اور اگر تلاش کرو گے تو شریعت میں تم کو اس کی بہت سی مثالیں ملیں گی جن میں جائز طریقہ سے عیب کو چھپانے کا حکم ہے۔ اسی لئے حضرات صوفیہ نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ اپنے نفس کی طرفداری نہیں کرتے اسکی خواہش کو پورا نہیں کرتے کیونکہ عقلاء کے نزدیک نفس کی خواہشیں عیب میں داخل ہیں تو اس عیب کو اس طرح چھپایا کہ نفس کی حمایت نہ کی اور اس کی خواہش پوری نہ کی یہاں تک کہ بعض بزرگوں کی نسبت نقل کیا گیا ہے کہ کسی نے ان کو گالی دی تو بات کو ٹال گئے۔ اس نے کہا میں آپ ہی کو تو کہہ رہا ہوں بزرگ

نے فرمایا کہ میں بھی تجھ ہی کو ٹال رہا ہوں اس قسم کی باتیں بزرگوں سے بہت منقول ہیں

قولہ الوجہ الثامن دلیل علی ان المرأ مطلوب منہ ستر عیوبہ

الی قولہ وھذا عندھم کثیر۔

ف: یہاں سے ان لوگوں کی غلطی معلوم ہوگئی جو لوگوں کے سامنے اپنے گناہوں

کا تذکرہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب خدا سے پردہ نہیں تو مخلوق سے کیا پردہ اور

یہ نہیں سمجھتے کہ خدا ہی نے پردہ کا بھی حکم دیا ہے۔ اگر پہلے تم نے ایک گناہ کیا تھا

تو اسکو ظاہر کر کے دوسرا گناہ کیا اس لئے مخلوق سے پردہ کی ضرورت ہے۔

حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے گناہ اسکے

سامنے گنائیں گے اور وہ اقرار کریگا اور سمجھے گا کہ میں ہلاک ہوگیا پھر اللہ تعالیٰ

فرمائیں گے کہ جاؤ میں نے دنیا میں تمہاری پردہ پوشی کی رسوا نہیں کیا یہاں

بھی پردہ پوشی کرتا ہوں اور سب گناہوں کو معاف کرتا ہوں۔

پھر حکم ہوگا کہ اس کو جنت میں لیجاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ گناہوں پر پردہ

پڑا رہنا بھی بڑی نعمت ہے تو یہ کتنی بے حیائی ہے کہ انسان خود ہی اپنا پردہ کھولتا

پھرے۔ جب شریعت نے فطری عیوب کو چھپانے کا بھی حکم دیا ہے تو اختیاری

گناہ کا ظاہر کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

ف: عیوب کو چھپانے کا مطلب یہ ہے کہ بلا ضرورت ان کو ظاہر نہ کیا جائے

ضرورت کے موقعہ پر ظاہر کرنے کی اجازت ہے۔ مثلاً کسی کے پردہ کی جگہ پر زخم ہو

یا دمل ہو تو جراح یا ڈاکٹر کے سامنے اس کو کھولنا جائز ہے اسی طرح کسی کے

دل میں دنیا کی محبت یا گناہوں کی رغبت ہے یا حرص وحسد وکبر وریا کا

مرض ہے تو شیخ مصلح کے سامنے اظہار کی اجازت ہے بلکہ ضرورت ہے لیکن اس

کے سامنے صرف مرض کو ظاہر کرنا چاہئے۔ واقعات کو ظاہر نہ کیا جائے مثلاً یوں نہ کہے

کہ میرے دل میں گناہوں کی رغبت ہے اس لئے میں نے ایسے ایسے کام کئے اور فلاں

سے یوں کیا فلاں کے ساتھ اسطرح تعلق رکھا کیونکہ امراض کے بتلانے میں واقعات

کی تفصیل کو کچھ دخل نہیں صرف اجمالی بیان کافی ہے۔ البتہ اگر شیخ اس مرض کا درجہ معلوم کرنے کے لئے تفصیل دریافت کرے اور اسکی ضرورت سمجھے تو اسوقت تفصیل کی بھی اجازت ہے جیسا جراح کے سامنے پردہ کی جگہ کا زخم کھولنا جائز ہے۔ خوب سمجھ لو ۱۲ مترجم

ف اپنے نفس کی طرفداری کرنا سخت مرض ہے ایسا شخص کبھی اصلاح نفس سے کامیاب نہیں ہوتا کیونکہ وہ شیخ کے سامنے بھی اپنے عیوب کی تاویل کرتا ہے اور غلطی کا اعتراف نہیں کرتا۔ مرد وہ ہے جو ہمیشہ اپنے نفس سے بدگمان رہے اسکی طرفداری نہ کرے اور غلطی کا اعتراف کرنے میں ذرا تامل نہ کرے۔ علماء ظاہر اور طلبہ میں اپنی بات کی پچ اور نفس کی طرفداری کا مرض زیادہ ہوتا ہے الا من عصمہ اللہ تم دیکھو گے کہ بہت سے علماء اس وقت ہندوستان میں اپنی سیاسی غلطی کو سمجھ چکے ہیں، ان کا ضمیر جانتا ہے کہ جس راہ وہ چل رہے ہیں اسلام اور مسلمانوں کے لئے سخت مضر ہے وہ مسلمانوں سے کٹ کر مشرکوں میں جا ملے ہیں اپنی اسلامی جماعت کو بدنام کرتے ہیں اور کافروں کی جماعت کو قوت پہنچا رہے ہیں اور جس آزادی کا راگ وہ گا رہے ہیں اسکی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ اکثریت آزاد ہوگی اور اقلیت غلام۔ یعنی مشرکین آزاد ہوں گے اور مسلمان محکوم و غلام ہوں گے مگر بات کی پچ اور نفس کی طرفداری ان کو حق کی طرف آنے سے مانع ہے فالی اللہ المشتکی

باب بست وچہارم ۲۴

حدیث

خلق الجنین فی بطن امہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کے رحم پر ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے جب اس میں مرد کا نطفہ پہنچتا ہے، وہ کہتا ہے اے رب نطفہ ہے، اے رب علقہ[1] بن گیا ہے، اے رب مضغہ[2] بن گیا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اسکی خلقت کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو فرشتہ عرض کرتا ہے اے رب لڑکا ہے یا لڑکی، بدبخت ہے یا نیک بخت پھر پوچھتا ہے رزق کی مقدار کیا ہے، پھر پوچھتا ہے عمر کتنی ہے، پس یہ سب اسکی ماں کے پیٹ ہی میں لکھ دیا جاتا ہے۔

شرح ظاہر حدیث بتلاتا ہے کہ اللہ عزوجل نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کو جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں بچہ کی ہر حالت کی اطلاع کرتا ہے جب وہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اسکی کمال پیدائش تک پورا ہو جائے اس پر

---

[1] جما ہوا خون ۱۲

[2] گوشت کی بوٹی ۱۲

چند وجوہ سے گفتگو ہے۔

(۱۶۶) اللہ تعالیٰ کا لطف اس وقت ہمارے شامل تھا جب ہمیں اپنی خبر بھی نہ تھی

اس حدیث میں دلائل ایمان اگر غور کرو گے بہت ہیں۔ رہا اس سوال کا جواب کہ ان امور کی ہمیں خبر دینے میں کیا حکمت ہے اور اس پر کیا احکام شرعیہ مرتب ہوتے ہیں ؟ تو من جملہ اور حکمتوں کے ایک یہ ہے کہ اس میں ہماری ابتداء پیدائش کو اور ہمارے ضعف کو بتلایا گیا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ہمارے اوپر کیسا لطف و کرم ہے اور اس کے الطاف کس طرح ہم کو گھیرے ہوئے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کرام کو تمام احوال میں ہمارے لئے مسخر فرما دیا ہے (یعنی ان کو ہمارے کام میں لگا رکھا ہے) ہماری عقل و شعور کی حالت میں بھی اور بے عقلی و عدم شعور کی حالت میں بھی چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔

و سخر لکم ما فی السموات و ما فی الارض جمیعا منہ

اللہ نے تمہارے لئے ان چیزوں کو مسخر فرما دیا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور زمینوں میں (یعنی سب کو) اپنے احسان و فضل سے (تمہارے کام میں لگا رکھا ہے) اس میں لطیف پیرایہ سے بندہ کو عبادت کی طرف بلایا گیا ہے اور اس کے لئے دلوں کو کھول دیا گیا ہے کیونکہ جب بندہ دیکھتا ہے کہ اس جلیل الشان آقا کا جو غنی اور مستغنی ہے مجھ پر اس قدر لطف و کرم ہے تو عبادت اس پر آسان ہو جاتی اور اس بادشاہ کے دربار میں پہنچنے کی طلب اور رغبت پیدا ہوتی ہے جس نے ایسے وقت میں اس کو معزز فرمایا ہے جب یہ اپنے آقا کو جانتا بھی نہ تھا نہ اس کی عبادت کرتا تھا پھر اب کیا کچھ لطف ہوگا جب یہ اسکی عبادت کرتا ہے اور اس کے بعد جب حق تعالیٰ کا یہ ارشاد سنتا ہے

ان الذین آمنوا و عملوا الصلحت اولئک ھم خیر البریۃ

کہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے یہی تمام مخلوق سے بہتر ہیں تو حیا اور محبت اور اشتیاق و رغبت و ہیبت سے پگھل جاتا ہے۔

قولہ الوجہ الثالث فیہ من الادلۃ الایمانیۃ اذا تاملت جمل کثیرۃ الیٰ قولہ ذاب حیاءً وحبا و اشتیاقا ورغبۃ وھیبۃ"

ف مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے ؎

ما نبودیم و تقاضا ما نبود　　　لطف او ناگفتۂ ما می شنود

اللہ تعالیٰ کی عنایات و الطاف ہمارے اوپر اس وقت سے ہیں جب کہ ہم کو اپنی خبر بھی نہ تھی اور حقیقت تو یہ ہے کہ ہم کو اپنی پوری خبر اب بھی نہیں، کیونکہ انسان جسم کا نام نہیں بلکہ روح کا نام ہے اور روح کی حقیقت کسی کو آج تک معلوم نہیں یہ ایک سربستہ راز ہے جسکی خبر انبیاء علیہ السلام کو ہو تو ہو بس اللہ ہی کو ہماری حقیقت کی خبر ہے اور وہی اپنی مہربانی سے ہماری تمام ضروریات کا انتظام فرماتے ہیں مگر انسان کس قدر غافل ہے کہ دنیا بھر کو راضی کرنے کی فکر میں ہے اپنے مولا کو راضی کرنے کی فکر نہیں کرتا جس نے اس کو پیدا کیا۔ اور اس کے اندر روح ڈالی جسکی وجہ سے تمام عالم پر اسکی حکومت ہے مگر یہ نادان سمجھتا ہے کہ میں اپنی عقل اور تدبیر سے سب کچھ کرتا ہوں حالانکہ اس کو اب تک یہ بھی خبر نہیں کہ عقل ہے کیا چیز اور وہ کیونکر اسکی رہنمائی کرتی ہے ؎

انت کالریح و نحن کالغبار　　　عینھا تخفی و غبراھا جھار

ما ہمہ شیراں ولے شیر علم　　　حملہ شاں از باد باشد دمبدم

حملہ شاں پیدا و ناپیداست باد　　　ہرکہ ناپیداست یارب کم مباد

اے ازدل ما۔ یہ مضمون تصوف اور سلوک کی جڑ ہے سالکین کو ہر وقت اسے پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

(۱۶۷) انسان کی پیدائش جن طبقات سے گذر کر ہوتی ہے اسمیں اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت کا ظہور ہے

ان تغیرات وادوار میں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہماری پیدائش کو شروع کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت ہمارے اندر اور تمام مخلوقات کے اندر ظاہر ہوتی ہے اور عقل کی رسائی کو اس قدرت کے ادراک سے روک دیا گیا ہے سوا اس حصہ کے جس تک رسائی اپنے فضل سے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی اور جس کی یہ قدرت ہے اس نے اپنی ذات وصفات کے احاطہ سے مخلوق کی امید کو قطع کر دیا ہے

تعالیٰ عما یقول الظالمون علوا کبیرا

اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک اور بلند ہے جو ظالم لوگ کہتے ہیں

کہ بعض لوگ اس کے لئے جہت ومکان وغیرہ صفات اجسام ثابت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس بات کو ظاہر کر دیا کہ ان مخفی تغیرات میں جو بحالت ضعف انسان پر طاری ہوتے ہیں اور اس حالت میں جو عقل وبلوغ اور حد تکلیف کو پہنچنے کے بعد ہوتی ہے کیا نسبت ہے؟ اس وقت یہ صورت حیوانیہ انسانیہ ہڈی اور مغز اور گوشت پوست اور رگوں بالوں اور جگر اور قوت اور عقل وفکر وشہوت اور ہر قسم کے تصرف اور پکڑنے کی طاقت پر اور ان تمام چیزوں پر جو حسن صنعت کو ظاہر کرتی ہیں مشتمل ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم

ہم نے انسان کو سب سے اچھی شکل وصورت میں پیدا کیا ہے. پھر اس پہلی حالت کو دوسری حالت سے اور پہلی پیدائش کو اس دوسری صورت سے کیا نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ پھلوں کی بابت فرماتے ہیں جب کہ وہ اچھی طرح پک جائیں

انظروا الیٰ ثمرہ اذا اثمر وینعہ

"دیکھو درخت کے پھل کو جب وہ پھل دیتا ہے اور اس کے پکنے کو دیکھو"
مطلب یہ کہ ہے پھل تو اس حالت میں دیکھو جب وہ درخت سے نکلتا ہے
پھر اس وقت بھی دیکھو جب وہ اچھی طرح پک جاتا ہے تاکہ اس حالت کو پہلی
حالت سے اور درخت سے اگنے کی حالت سے کیا نسبت ہے۔ ہمارے مشاہدہ
میں تو یہ دونوں حالتیں متبائن ہیں ایک کو دوسری سے کچھ بھی نسبت نہیں۔
پس گویا اللہ تعالیٰ اپنے نادر دار کلام کے مدلول سے یوں فرماتے ہیں کہ کیا تم
کو اتنی بھی خبر نہیں کہ یہ سب کچھ محض قدرت حق سے ہوا ہے نہ درخت کی جڑ سے
ہوا نہ پانی سے۔ پس اس کو دیکھو جسکی قدرت سے سب کچھ ہوا اسی کی طرف جھکو،
اسی کی اطاعت کرو (اسی کے حوالہ اپنے آپ کو کردو) پھر اس کے بعد بڑھاپے کی
حالت آتی ہے تو سارا معاملہ اُلٹ جاتا ہے، قوت ضعف سے بدل جاتی اور
تمام احوال میں کمال کی جگہ نقصان آجاتا ہے باوجودیکہ جسم اپنی بناوٹ پر
ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حالت کی خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے

ثم جعل من بعد قوة ضعفا وشيبة

پھر اللہ نے قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا (انسان پر) مسلط کر دیا
عبرت لینے والوں نے اس سے عبرت لی نصیحت قبول کرنیوالوں نے نصیحت حاصل
کی اور غفلت والے جہالت کی تاریکیوں ہی میں رہ گئے ان کو بجز خواہش نفس
کے کچھ نظر نہیں آتا علوم و معارف کے بارہ میں وہ ایسے ہیں جیسے گدھا کتابیں کمر
پر لادے ہو، اور بعضوں کی تو یہ حالت ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔

ان هم الا كالانعام بل هم اضل

کہ وہ بالکل جانوروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بیوقوف اسی لئے اللہ جل جلالہ
فرماتے ہیں

وكاين من اية في السموت والارض يمرون عليها
وهم عنها معرضون

"آسمانوں اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن پر یہ لوگ گذرتے ہیں منہ پھیرتے ہوئے (بے رخی کرتے ہوئے) یعنی غافل ہو کر گذرتے ہیں (ان نشانیوں سے عبرت حاصل نہیں کرتے)

قوله فی الوجه الثامن و یترتب علی هذا الاخبار بهذه التطورات الی قوله ای غافلون

ف انسان کی ابتدائے خلقت ایسی عجیب ہے، کہ اگر روزمرہ مشاہدہ میں نہ آیا کرتی تو لوگ دور دور سے بچہ کو دیکھنے آیا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلی وحی میں اسی کی طرف ہم کو متوجہ کیا ہے

اقراء باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق

اپنے رب کا نام لیکر پڑھو جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا، انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا۔

ہر مسلمان کو عموماً اور سالکین کو خصوصاً ان حالات وتغیرات وتطورات میں غور کرنا اور ان سے عبرت حاصل کر کے معرفت کو ترقی دینا چاہیئے۔ اللہ اللہ انسان ابتدار میں کیا ہوتا ہے اور جوانی میں کیا سے کیا بن جاتا ہے؟ پھر اس غفلت کو بھی دیکھو کہ انسان کتنی جلدی اپنی ابتدار کو بھول جاتا ہے اور جوانی کے غرور وتکبر میں مبتلا ہو کر خدا سے ایسا بے رُخ بن جاتا ہے گویا ان تلوں میں تیل ہی نہیں! اے انسان سوچ کہ تو اللہ کے ہاتھوں پیدا ہو کر پرورش پا کر کس پر جان فدا کرتا ہے اور کس کو بھولتا ہے؟ زمین وآسمان تیری اس غفلت کو دیکھ کر یوں کہتے ہیں ؎

وکنت اظن ان جبال رضوی ۔۔۔ تزول وان حبك لا يزول

ولکن القلوب لها انقلاب ۔۔۔ وحالات ابن آدم تستحیل

ہمارا تو یہ خیال تھا کہ پہاڑ ٹل جائیں گے مگر خدا کے ساتھ جو تجھے محبت ہے وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے گی مگر تجربہ نے بتلا دیا کہ قلوب میں بھی انقلاب ہوتا ہے اور

انسان کی حالتیں بدل جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب مسلمانوں کو اس انقلاب اور تغیر سے محفوظ رکھے آمین

اللھم انی اعوذبک من الحور بعد الکور ومن العمی بعد الھدی بحرمۃ نبیک نبی الرحمۃ سید الوریٰ صلی اللہ علیہ علیٰ الہ واصحابہ مصابیح الدجیٰ و مفاتیح الھدیٰ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا ۱۲ مترجم

(۱۶۸) رزق اور عمر مقدر ہو چکی ہے اس لئے رزق کے بارہ میں اجمالی کوشش کافی ہے کاوش نہ کرے

حدیث میں رزق اور عمر کا ذکر علی الترتیب سب سے آخر میں آیا ہے اس میں حکمت واللہ اعلم یہ ہے کہ فرشتہ اول تو بچہ کی صورت بنانے میں مشغول ہوتا ہے اور جیسا حکیم مطلق کو منظور ہوتا ہے اسی کے موافق شقاوت یا سعادت کے ساتھ اس کو بناتا ہے اسکے بعد رزق اور عمر کا ذکر آخر میں آیا ہے، یہ ترتیب عجیب ہے، جو مقتضائے حکمت کے موافق ہے کیونکہ ارادۂ حق میں اہم اور مقدم انسان کی پیدائش اور بناوٹ ہے تو اول اس کا ذکر کیا گیا اسی پر بچہ کا لڑکا یا لڑکی ہونا متفرع ہے اور دوسری صفات بھی مثلاً حسین ہونا بدشکل ہونا وغیرہ اور اسی پر شقاوت و سعادت طاری ہوتی ہے پھر رزق کا درجہ ہے جو موت سے مقدم ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

لن تموت نفس حتی تستکمل رزقھا فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب

ہرگز کسی کو موت نہ آئے گی جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ کر لے پس اللہ سے ڈرو اور طلب رزق میں اجمال سے کام لو (زیادہ کاوش نہ کرو)

اس کے بعد موت کا درجہ ہے تو اس کو سب سے آخر میں بیان کیا گیا، پس جب معاملہ نمٹ چکا ہے تو طلب رزق میں یا حرص کیسی ؟ کام تمام ہو چکا ہے نہ گھٹ سکتا ہے نہ بڑھ سکتا ہے ، رزق اور عمر اور سعادت وغیرہ کا وہی حال ہے جو تذکیر و تانیث یعنی لڑکا اور لڑکی ہونے کا کہ اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اس حقیقت کے سمجھ جانے ہی سے حضرات صوفیہ کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے وہ کسی چیز پر التفات نہیں کرتے اسی پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں جو ان کے اندر تصرف کر رہا اور ان پر لطف و کرم فرما رہا ہے جیسا دوسروں کو ذکوریت کے مبدل بہ انوثت ہونے کی طمع نہیں ہوتی نہ یہ تمنا ہوتی ہے کہ ذکوریت و انوثت باہم مل جائیں اسی طرح صوفیہ کو رزق اور عمر کے بارہ میں کوئی تمنا نہیں ہوتی نہ سعادت و شقاوت میں تبدیلی کی طمع ہوتی ہے وہ تو بس اس کام میں مشغول رہتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا گیا ہے ۔ وہ اللہ کی عبادت و طاعت میں لگے رہتے ہیں قبول و نا قبول، سعادت یا شقاوت اور جنت و دوزخ سے ان کو کچھ بحث نہیں یہاں تک کہ بعض صوفیہ نے فرمایا ہے کہ اگر میں نے اللہ کی عبادت جہنم کے خوف یا جنت کی رغبت سے کی ہو تو اللہ تعالیٰ میرا حشر فرعون و ہامان کے ساتھ کرے بلکہ میں تو ان کی عبادت محض اس لیے کرتا ہوں کہ وہی عبادت کے لائق ہیں ، سمجھدار کے لئے یہی بات حق بھی ہے اس کے متعلق بنی اسرائیل کے ایک عابد کا قصہ کافی ہے جس کو اس زمانہ کے نبی نے وحی الٰہی سے اطلاع دی تھی کہ وہ جہنم والوں میں سے ہے تو اس نے پہلے سے زیادہ عبادت بڑھا دی اس پر اللہ تعالیٰ نے اس نبی پر دوبارہ وحی نازل فرمائی کہ اس عابد سے کہہ دو کہ جو اس کے جی میں آئے کرے وہ جنت میں شامل کر دیا گیا۔ اس نے پہلی وحی پر اپنے آپ کو ذلیل سمجھا اور عبادات سے نظر اٹھا کے اللہ کے فضل و کرم کا امیدوار بن گیا تھا اور رزق کے معاملہ میں بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جب درویش اپنی معاش ہی پر نظر کرتا ہے کہ آج کتنے روپے پاس ہیں کل کو کہاں سے آنے کی امید ہے تو اس کی طریقت کا اللہ ہی حافظ ہے یعنی

اس کو طریق باطن کا حاصل ہونا دشوار ہے اس کے متعلق وہ حالت کافی ہے جس کو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا
کہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں تو عاجزی ظاہر کروں ایک دن سیر ہو
کر کھاؤں تو شکر کروں (یعنی حضور نے دنیا کے خزانوں کو پسند نہیں فرمایا بلکہ
شان توکل کو اختیار فرمایا) یمن بن زرق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جب
ماضی لوٹ نہیں سکتا اور مقدر بدل نہیں سکتا تو فکر کے بوجھ کو گردن سے پھینک
دینا ہی سعادت عاجلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے ان لوگوں میں شامل
کر دیں جو سعادت اور حمایت وحفاظت اور فہم وعمل وقبول سے سرفراز ہوئے اللہ
کے سوا کوئی پروردگار نہیں وہی یہ دولتیں عطا فرمائیں تو کام بن جائیگا ورنہ دوسرا
کون ہے یہ دولتیں عطا کر سکے۔

قولہ الوجہ العاشر فما الرزق فی الاجل الی قولہ لا رب سواہ

ف مسئلہ قدر کی توضیح اور اہل حال و اہل مقام کے اقوال کی تشریح

یہ جو کہا گیا ہے کہ صوفیہ کو شقاوت وسعادت میں تبدیلی کی طمع نہیں ہوتی
نہ ان کو جنت ودوزخ سے بحث ہوتی ہے یہ اہل حال کی باتیں ہیں ہم جیسوں
کو ایسی باتیں نہ کرنی چاہئیں ہم کو تو اللہ تعالیٰ سے ہر وقت یہی دعا کرنا چاہئے
کہ اگر خدانخواستہ ہماری تقدیر میں شقاوت ہو تو اپنے فضل وکرم سے اسکو مبدل
بہ سعادت کر دیجئے اور اللہ تعالیٰ کو یہ کچھ دشوار نہیں دیکھو عابد بنی اسرائیل کے
قصہ میں ہی اس کا ظہور ہو چکا ہے کہ اول اس کے متعلق یہ وحی آئی ہے کہ وہ جہنمی
ہے کتنی ہی عبادت کرے اس کے لئے جہنم مقدر ہے پھر اللہ تعالیٰ نے شقاوت
کو سعادت سے بدل دیا اور دوبارہ وحی نازل ہوئی کہ اسکو جنتی کر دیا گیا، یہ ضرور ہے
کہ ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے جیسا کہ لڑکی کا لڑکا بن جانا اور لڑکے کا لڑکی بن
جانا شاذ و نادر ہے مگر محال نہیں چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ مرد

عورت اور عورت مرد بن گئی اس لئے ناامید نہ ہونا چاہیئے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے دولت ایمان سے مشرف فرمایا اور مسلمان گھرانے میں پیدا فرمایا ہے اس کے لئے تو بظاہر سعادت ہی مقدر ہے شقاوت مقدر ہوتی تو کسی کافر کے گھر پیدا ہوتا امید کے لئے یہی بات کافی ہے البتہ بے فکری کی کسی کو اجازت نہیں ایمان خوف و رجا کے درمیان ہے اس لئے نہ خدا کی رحمت سے مایوس ہو نہ اس کی پکڑ سے بیفکر ہو

۵ غافل مرو کہ مرکب مردان مرد را ۔۔۔ در سنگلاخ بادیہ پیہا بریدہ اند

نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش

ناگہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ ارشاد فرمایا جف القلم بما ھو کائن جو کچھ ہونیوالا ہے قلم اس کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے تو صحابہ نے عرض کیا ففیم العمل یا رسول اللہ پھر اب عمل کی کیا ضرورت رہی جو مقدر ہو چکا وہی ہو کر رہے گا حضور نے فرمایا اعملوا فکل میسر لما خلق لہ کام ضرور کرتے رہو کیونکہ جس کو جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس کے لئے وہی کام آسان کر دیا جاتا ہے پس جس کے لئے طاعات آسان کر دی گئیں اس کو خوش ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو سعادت کے لئے پیدا کیا ہے اور جس کے لئے گناہ آسان کر دیئے گئے کہ معاصی سے اس کو نفرت و انقباض نہیں ہوتا اس کو ڈرنا چاہیئے کہیں شقاوت کے لئے پیدا نہ کیا گیا ہو اور ڈر کر گناہوں سے توبہ کرنا اور طاعات کا اہتمام کرنا چاہیئے کیونکہ اعتبار خاتمہ کا ہے جس کی اخیر حالت اچھی ہے وہ کامیاب ہے جس کی اخیر حالت بری ہے اس پر ناکامی کا اندیشہ ہے -

جعلنا اللہ ممن سعد فی بطن امہ وختم لنا بالحسنی

آمین ۱۲ مترجم

در مسئلہ قدر پر اشکال وجواب

یہاں یہ سوال ہوگا کہ جب تقدیر کے بعد بھی عمل کی

ضرورت ہے تو تقدیر کا مسئلہ بیان کرنے سے کیا فائدہ؟ جواب یہ ہے کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ انسان دنیوی معاملات میں ناکامی کے وقت زیادہ غمزدہ اور رنجیدہ نہ ہو بلکہ دل کو تسلی دے لے کہ مقدر یوں ہی تھا، تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جو طالب علم انتہائی محنت اور مشقت برداشت کرنے کے بعد بھی امتحان میں ناکام ہوتا ہے یا جو شخص اپنے کسی بیمار عزیز کی دوا دارو میں پوری کوشش ختم کر کے ناکام ہو جاتا ہے اس کی تسلی مسئلہ تقدیر ہی سے ہوتی ہے جو شخص اس مسئلہ کا معتقد نہ ہو گا وہ اکثر ایسے مواقع میں خودکشی کر لیتا ہے، نیز یہ فائدہ بھی ہے کہ انسان کامیابی کے بعد اپنے اوپر نظر نہ کرے بلکہ خدا پر نظر کرے کہ اللہ نے میرے مقدر میں کامیابی رکھی تھی اس لیے کامیاب ہوا خود کچھ نہیں کر سکتا تھا اگر مسئلہ تقدیر سامنے نہ ہو تو کامیابی کے بعد انسان فرعون بے سامان اور پورا شیطان بن جائے اور بھی نہ معلوم اس میں کتنی حکمتیں ہیں جن کو اللہ ہی جانتا ہے بندہ اس کے اسرار کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

ف۔ مسئلہ قدر ہمت کو پست نہیں کرتا بلکہ بلند کرتا ہے

یہاں سے ان لوگوں کی حماقت بھی واضح ہو گئی جو یہ کہا کرتے ہیں کہ مسئلہ تقدیر نے مسلمانوں کی ہمتیں پست کر دی ہیں یہ خود کچھ نہیں کرتے بس تقدیر کے بھروسہ پر بیٹھے رہتے ہیں کہ مقدر میں ہو گا تو کام خود ہی ہو جائے گا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ نے ہمتیں پست نہیں کیں بلکہ جہالت وضعف ایمان نے ہمتیں پست کی ہیں اگر اس مسئلہ میں ہمتیں پست کرنے کی خاصیت ہوتی تو حضرات صحابہ وتابعین وتبع تابعین سب سے زیادہ پست ہمت ہوتے کیونکہ ان کا ایمان تقدیر پر سب سے زیادہ مضبوط تھا مگر تاریخ شاہد ہے کہ ان کی برابر بلند ہمت زمانہ کی آنکھوں نے آج تک دیکھا ہی نہیں پس یوں کہنا چاہیئے کہ مسئلہ تقدیر تو ہمت بلند کرتا ہے مگر جہل اور غفلت اور ضعف ایمان اس کو پست کر دیتا ہے کیونکہ اوپر معلوم

ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ تقدیر بیان فرمانے کے بعد عمل کی تاکید فرمائی ہے اور یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ جس شخص کا تقدیر پر ایمان ہوگا اس کی نظر اسباب و تدابیر پر نہ ہوگی بلکہ اللہ پر اور اللہ کی قدرت پر نظر ہوگی تو وہ معمولی سامان اور تدابیر کو بھی کامیابی کے لئے کافی سمجھ کر اللہ کے نام پر کھڑا ہو جائیگا نہ وہ اپنی قلت سے گھبرائے گا نہ سامان کی کمی سے اندیشہ لائیگا چنانچہ صحابہ کے واقعات اس پر شاہد عدل ہیں کہ بعض دفعہ تین ہزار نے دو لاکھ کا مقابلہ کیا اور ساٹھ آدمیوں نے ساٹھ ہزار کا منہ پھیر دیا اور جسکی نظر تقدیر پر نہ ہوگی محض تدبیر پر ہوگی وہ اس وقت تک ہمت بلند نہیں کر سکتا جب تک سامان پوری طرح کامل و مکمل نہ ہو۔

باب بست و پنجم

حدیث

جواز الصلوٰۃ فی السفینۃ

حضرت جابر بن عبداللہ و ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے
کہ دونوں نے کشتی میں کھڑے ہوکر نماز پڑھی اور حسن بصری رض کا قول ہے کہ
جب تک ساتھیوں کو مشقت و تکلیف نہ ہو کھڑے ہوکر نماز پڑھنا چاہیے
اور کشتی کے ساتھ قبلہ کی طرف گھومتا رہنا چاہیے ورنہ بیٹھ کر نماز پڑھو۔

شرح افعال صحابہ حجت ہیں

ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا فعل حجت ہے کیونکہ وہ کوئی
عمل بدون شارع علیہ السلام کے بتلائے نہیں کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو بھی اس کا علم تھا چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور کو ان فتنوں کی اطلاع
دی جو صحابہ کے زمانہ میں ہونے والے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے
رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پہ وحی بھیجی کہ آپ کے اصحاب میرے نزدیک ستاروں کی
مانند ہیں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
اصحابی مثل النجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم

میرے صحابہ کی مثال ستاروں جیسی ہے تم جسکی اقتدا کرلوگے راہ پا لوگے
مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ایک کی اقتدا میری اقتدا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ہی امام الہدی ہیں۔ غرض حضرات صحابہ کوئی کام ایسا نہیں کرتے جو حضور کی
سنت کے خلاف ہو تو ان کے جملہ افعال بمنزلہ روایت کے ہیں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے ایسے ہی ان کے اقوال بھی۔ اسی لئے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ
کشتی میں نماز کھڑے ہو کر پڑھو جب تک تمہارے ساتھیوں پر مشقت نہ ہو۔

مشقت کی تفسیر مگر مشقت سے مراد مطلق مشقت نہیں جس سے کچھ تنگی
یا تغیر خاطر پیدا ہو کیونکہ اگر یہ معنی لئے گئے تو اس کا یہ
مطلب ہوگا کہ سمندر میں سوار ہوتے ہی نماز بالکل چھوڑ دی جائے جیسا آج کل بہت
سے جاہل کرتے ہیں کیونکہ کشتی میں سوار ہونے کے بعد کچھ مشقت تو نماز میں ضرور ہوتی
ہے۔ حالانکہ ایسا کرنا اتفاقاً حرام ہے بلکہ مشقت کا مطلب یہ ہے کہ طوفان اور تموج
بحر اور ہوا کی تیزی کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے کشتی کے غرق ہونے کا اندیشہ
ہو یا سبب ہلاکت میں زیادت کا احتمال غالب ہو یا اسی کے قریب اور کوئی اندیشہ
ہو یا اس وجہ سے کھڑا ہونا دشوار ہو کہ اسکی وجہ سے عورتوں پر اس طرح نظر پڑے گی
جو شرعاً جائز نہیں دراں حالیکہ سوار ہونے سے پہلے تم کو اس کا علم نہ تھا کہ ایسا
واقعہ پیش آئیگا کیونکہ اگر کسی کو پہلے سے یہ بات معلوم ہو کہ سمندر میں سفر
کرنے سے وہ پوری طرح احکام شرعیہ کو بجا نہ لا سکے گا تو اسکو سمندر کا سفر جائز
نہیں، چنانچہ علماء نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو اپنی عادت معلوم ہو کہ اس کو
جہاز میں چکر آتا ہے جس سے نماز چھوٹ جاتی یا اس میں خلل واقع ہوتا ہے
اس کو سمندر کا سفر جائز نہیں۔ امام مالک کا یہی مذہب ہے۔ غرض یہ دو صورتیں
یا ان کے مشابہ کوئی صورت کشتی میں پیش آئے اور سوار ہوتے ہوئے ان کا احتمال
نہ تھا تو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے جبکہ کھڑے ہونے کی قدرت نہ ہو۔

مطلب ہے مشقت کا کیونکہ علماء تشویش کا اطلاق اسی حالت پر کرتے ہیں جو شرعاً تشویش ہو جس پر کوئی خاص حکم مرتب ہونا ہو مطلق پریشانی کو تشویش یا مشقت نہیں کہتے۔ بخلاف صوفیہ کے کہ وہ ہر اس پریشانی کو جس سے قلب میں

صوفیہ کے نزدیک تشویش عام ہے

تغیر آجائے تشویش کہہ دیتے ہیں چھوٹی ہو یا بڑی مگر ان کی اصطلاح پر احکام شرعیہ مرتب نہیں ہوتے احکام شرعیہ اسی تشویش پر مرتب ہوتے ہیں جس سے ناقابل برداشت مشقت لاحق ہو)

قوله الحديث يدل على ان فعل الصحابة رضى الله عنهم حجة الى قوله فانهم يطلقون التشويش على كل شئى يتغير به الخاطر قل اوجل

ف حضرات صوفیہ افعال و اقوال صحابہ سے بہت احتجاج کرتے ہیں اسلئے اس مسئلہ کو تصوف کے مسائل میں داخل کیا گیا ہے اور اس باب میں فقہاء حنفیہ و مالکیہ و حنابلہ کا بھی وہی مسلک ہے جو حضرات صوفیہ کا ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی قدیم مسلک یہی ہے جدید میں اختلاف ہے۔

ف یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو حج نفل کا بہت شوق رکھتے ہیں مگر جہاز میں نمازیں برباد کرتے ہیں جس شخص کو اپنی عادت معلوم ہو کہ جہاز میں مجھے چکر آتا ہے جس سے نمازیں برباد یا قضا ہوتی ہیں اس کو حج فرض پر اکتفا کرنا چاہیئے حج نفل کے لئے فرض نمازوں کو تباہ نہ کرنا چاہیئے۔

(۱۶۹) سمندر کا سفر جائز ہے اور ظاہری و باطنی سمندروں کو طے کرنے کی شرط

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سمندر کا سفر جائز ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ سمندر کا سفر

مطلقاً جائز ہے یا صرف تاجر اور غازی کے لئے جائز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حاجی اور غازی کے سوا سب کو سمندر کے سفر سے منع فرماتے اور یوں کہتے تھے کہ سمندر بڑی مخلوق ہے جس پر کمزور مخلوق سوار ہوتی ہے اور سفر کرتی ہے اگر کتاب اللہ کی ایک آیت نہ ہوتی تو میں سمندر کا سفر کرنے والوں کو درّہ سے مارتا غالباً وہ آیت

ولقد کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البر والبحر ورزقنا ھم من الطیبٰت وفضلناھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا ﴿پ ۱۵﴾

ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے سمندر کے سفر کو اپنی نعمتوں میں شمار فرمایا ہے اور اس آیت کی وجہ سے حضرت عمر کا سمندر میں سفر کرنیوالوں کو سزا دینے سے رُک جانا اسکی دلیل ہے کہ یہ سفر مطلقاً حرام وممنوع نہیں ہے ورنہ سزا سے رکنے کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ ہر ممنوع وحرام کے ارتکاب پر خلیفہ کو تعزیر کا حق حاصل ہے، ہاں بلا ضرورت شرعیہ کے اس سفر کا خلاف اولیٰ ہونا ظاہر ہے۔ غرض سمندر کا سفر بجز اس صورت کے جائز نہیں جو حالت کے اعتبار سے بھی مشروع ہو اور زمانہ کے اعتبار سے بھی۔ زمانہ کے اعتبار سے مشروع ہونا تو یہ ہے کہ طوفان کا زمانہ نہ ہو کہ ایسی حالت میں سمندر کا سفر جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

من رکب البحر فی ارتجاجہ فقد برئ من الذمۃ

جو تلاطم کے زمانہ میں سمندر کا سفر کرے وہ ذمہ سے باہر ہے

(یعنی خدا اسکی حفاظت کا ذمہ دار نہیں)

اور حالت کے اعتبار سے مشروع ہونا یہ ہے کہ کشتی اور جہاز کی حالت اور کیفیت وغیرہ کو دیکھا جائے اور اس قسم کی کشتی اور جہاز پر سوار ہو جس پر

عادت کے موافق سب سوار ہوتے ہیں جو عموماً سمندروں میں چلنے کے قابل ہیں چھوٹے اور بہت ہلکے جہاز پر سوار نہ ہو اگر جہاز ایسا نہ ہو جو عادتاً سمندر میں چلنے کے لائق ہو تو اس میں بیٹھنے والے اور سوار ہونے والے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے والے ہوں گے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے پر جو وعید آئی ہے معلوم ہے ، یہ تو ظاہری سمندر کے سفر کا حکم تھا جس کو عام طور پر سمندر کہا جاتا ہے ۔ اب رہے باطنی سمندر جن کو بزرگ لوگوں نے بیان فرمایا ہے تو ان میں سے جس سمندر کا سفر جائز ہے ان میں سنت کے موافق سفر کرنا چاہیئے چنانچہ باطنی سمندر سات ہیں ۔

۱۔ بحر دنیا
۲۔ بحر ہوی
۳۔ بحر شہوات
۴۔ بحر نفس
۵۔ بحر علم
۶۔ بحر معرفت
۷۔ بحر توحید

پس دنیا کا ساحل تو آخرت ہے اس کو امر و نہی کی کشتی پر سوار ہو کر طے کیا جاتا ہے اور اس کا سامان مختلف قسم کی عبادات ہیں اس میں سفر کرنے کا وقت وہ ہے جبکہ تلاطم نہ ہو اور دنیا کا تلاطم یہ ہے کہ فتنوں کا ظہور ہو اس وقت کے لئے شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ تم اپنے گھر کا ٹاٹ بن جاؤ یا کسی درخت کی کھو میں جا بسو لوگوں سے الگ ہو جاؤ یہاں تک کہ اسی حالت میں تم کو موت آ جائے اور ظاہر ہے کہ جو شخص سب سے الگ ہو کر گوشہ نشین ہو جائے گا وہ دنیا کے سمندر کو طے نہیں کر رہا کیونکہ وہ تو دنیا سے الگ ہو چکا ہے اس سمندر کی ہوائیں عزائم اور ہمتیں ہیں ہمت کی قوت ہی کے موافق اس سمندر میں تمہاری کشتی چلے گی اور اس کشتی

کا سرا عقل ہے۔ پس عقل ہی کے اندازہ پر کشتی کی رفتار میں پختگی ہوگی اور ایسے ملاح تمہاری خاطر ہیں یعنی دل میں آنے والی باتیں پس ان کی خوبی ہی کے موافق کشتی کی سلامتی ہوگی اور اس کا بادبان علم ہے پس تمہارے علم ہی کے اندازہ پر کشتی کا رخ اچھی طرح پھرے گا اور اس کا سامان تمہارے علم کی پونجی ہے پس اس سمندر کو پار کرنا کشتی اور اس کے ملازموں کی عمدگی کے اندازہ پر ہوگا۔ (اگر کشتی عمدہ اور ملاح بھی اچھے ہوئے تو خوبی کے ساتھ پار ہو جاؤ گے ورنہ دشواری کا سامنا ہوگا) اور نفع یا خسارہ پونجی کے موافق ہوگا (اگر اعمال اچھے ہوئے نفع ہوگا ورنہ خسارہ ہوگا) رہا بحر ہوی تو وہ خطرناک سمندر ہے اور اس میں سوار ہونا سفر کرنا ممنوع ہے بلکہ مہلک ہے اس لئے اس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

بحر شہوات تو اس سمندر میں تلاطم بہت ہے اسکے جتنے حصہ کے طے کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہے اس میں بھی دنیا و آخرت کی اس قدر پریشانیاں ہیں جن کا ادنیٰ حصہ بھی بیان میں نہیں آسکتا، اگرچہ وہ مستحبات میں داخل ہے اور وہ بیوی سے جماع کرنا ہے، اس کے اندر وہ پریشانیاں ہیں جو بال بچوں کے لئے روزی حاصل کرنے میں ہر شخص کو پیش آسکتی ہیں جو بعض اوقات بعض لوگوں کے لئے محرمات میں مبتلا ہونے کا سبب بن جاتی ہیں اور وہ بہانہ یہ کرتے ہیں کہ ہمارے پیچھے بال بچے لگے ہوئے ہیں جو کھانے کو مانگتے ہیں حلال روزی ان کو کافی نہیں ہوتی اب حرام طریقہ سے روزی حاصل نہ کریں تو کیا کریں ہم کو اس سے چارہ ہی نہیں۔ پھر آخرت میں اہل و عیال کے حقوق کی بابت اس سے بازپرس ہوگی (وہ الگ) کیونکہ یہ اس کی حفاظت میں ہیں۔

وکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔

تم میں سے ہر شخص کسی نہ کسی کا ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اسکی ذمہ داری کے متعلق سوال ہوگا

پھر اسکے ذمہ لڑکوں کا نان و نفقہ لازم ہوتا ہے جب تک کہ وہ بالغ ہوں اور لڑکیوں کا نفقہ اس وقت تک لازم ہے جب تک ان کی شادی ہو اور یہ سب کچھ ایک شہوت (جماع) کا نتیجہ ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سی پریشانیاں ہیں اگر غور کیا جائے اس شہوت ہی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

تعس عبد الدینار تعس عبد الدرھم تعس عبد الخمیصۃ
تعس عبد بطنہ تعس عبد فرجہ

ہلاک ہو گیا دینار کا بندہ، درہم کا بندہ، شال کا بندہ، پیٹ کا بندہ،

اور شرمگاہ کا بندہ

جس کو ان ہی چیزوں کی رات دن فکر ہے اگر یہ اسکی مرضی موافق ملتی ہیں تو خدا سے خوش رہتا ہے ورنہ خدا کی شکایتیں کرتا پھرتا ہے۔ اگر یہ شہوت نہ ہوتی جس نے ان تمام پریشانیوں کے لئے انسان کو آمادہ کیا ہے تو وہ آزادی سے نکل کر شہوتوں کی غلامی میں نہ پھنستا۔ پھر یہ تمام مل کر خاص مقام قرب تک پہنچنے سے روک دیتی ہیں کیونکہ بزرگوں نے فرمایا ہے

ترک الشھوات قرع الباب
شہوتوں کے چھوڑنے ہی سے یہ دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے
نیز علماء نے اللہ جل جلالہٗ کے اس ارشاد

اولئک الذین امتحن اللّٰہ قلوبھم للتقویٰ
یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقوی کے لئے
خالص کر دیا ہے

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ان سے شہوتوں کو نکال دیا ہے ، بیوی بچوں کے تعلقات اسی وقت مقام قرب سے مانع ہوتے ہیں جب انسان حدود شریعت سے تجاوز

کرنے لگے اور اتباع سنت کے لحاظ سے دیکھے ورنہ عیال دار کی دو رکعتیں مجرد کی ستر رکعتوں سے افضل ہیں کیونکہ نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور رہبانیت بدعت ہے اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں اپنی بیویوں سے مشغول ہوتا ہوں حالانکہ مجھے ان کی طرف شہوت نہیں ہوتی لوگوں نے عرض کیا یا امیر المومنین پھر آپ کیوں مشغول ہوتے ہیں؟ فرمایا (محض) اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ میری پشت سے کوئی اولاد پیدا فرما دیں جس سے سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن دوسری امتوں پر اپنی امت کی کثرت ظاہر فرمائیں تو دیکھو حضرت عمر کی یہ شہوت جو انسانی شہوتوں میں سب سے بڑی شہوت ہے کس طرح خاص عبادت بن گئی ہے پھر اور شہوتوں کا تو کیا پوچھنا؟ اسکی تائید اللہ جل جلالہ کا یہ ارشاد کرتا ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

لا یزال العبد یتقرب الیٰ بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بھا

بندہ نوافل کے ذریعہ سے برابر میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے سنتا ہے اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے پکڑتا ہے۔

علماء طریق نے اسکی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس کا ہر عضو اللہ کی ساتھ اور اللہ کے لئے ہی کام کرتا ہے۔ شہوات نفس جاتی رہتی ہیں یعنی اس کا ہر کام رضا الٰہی کے موافق ہونے لگتا ہے خواہش نفس سے کوئی کام نہیں کرتا۔

ف شہوت نفس کے لئے حاجات کا پورا کرنا نیت عبادت کیساتھ پورا کرنے سے افضل ہے

شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو عارف شہوت نفس کے ساتھ بیوی سے مشغول ہوتا ہے وہ اس سے افضل ہے جو بدون شہوت کے محض اولاد حاصل کرنے کے لئے مشغول ہوتا ہے کیونکہ پہلا شخص اپنی عجز و احتیاج کا مشاہدہ کرتا ہے اس میں عبدیت زیادہ ہے اور دوسرے شخص میں شان استغنا ہے اس میں عبدیت زیادہ نہیں اسی طرح جو شخص کھانا اس لئے کھاتا ہے کہ بھوک کی تکلیف کو دور کرے اور پانی اس لئے پیتا ہے کہ پیاس کو بجھاوے وہ اس سے افضل ہے جو کھانے پینے میں یہ نیت کرتا ہے کہ اس سے طاعات کے لئے قوت حاصل ہوگی۔ سمعتہ من سیدی حکیم الامۃ

میں کہتا ہوں کہ یہ افضلیت اسی صورت میں ہے جبکہ دوسرا شخص مشاہدہ عجز و احتیاج سے محروم ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بابت یہ وہم نہیں ہو سکتا اس لئے ان سے وہ عارف افضل نہیں جو بیوی سے شہوت پوری کرنے کو مشغول ہوتا ہے اور میرے خیال میں حضرت عمر کے قول مذکور کا وہ مطلب نہیں جو حضرت مصنف نے سمجھا ہے کہ ان کو شہوت بالکل نہ ہوتی تھی محض تحصیل اولاد کے لئے جماع کیا کرتے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو بعض دفعہ بیوی کی طرف میلان نہ ہوتا خواہش نہ ہوتی پھر بھی وہ اس سے مشغول ہوتے تاکہ اللہ تعالیٰ کوئی اولاد عطا فرمادیں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں یعنی اس خیال سے وہ اپنے اندر شہوت پیدا کرتے تاکہ بیوی کا حق ادا ہو جاوے اس میں ان لوگوں کو تنبیہ ہے جن کو اسلامی اور قومی خدمتوں میں زیادہ مشغولی کی وجہ سے یا ذکر اللہ میں زیادہ مشغول رہنے کی وجہ سے یا غلبہ خوف و خشیت سے بیوی کی طرف التفات نہ ہوتا ہو کہ ان کو بیوی کے حق سے غافل نہ ہونا چاہیئے اگر ان کو

خود شہوت کا تقاضا نہ ہو تو بیوی کے حق کا تقاضا ہونا چاہیئے یہ بھی نہ ہو تو یہ تقاضا ہونا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی کثرت سے قیامت کے دن خوش ہوں گے پس جو لوگ محض اپنی شہوت کے منتظر رہتے ہیں اور جب تک ان کو شہوت نہ ہو بیوی کے پاس نہیں جاتے گو اس کو کتنی ہی خواہش ہو وہ غلطی پر ہیں کیونکہ بیوی کی خواہش کا پورا کرنا بھی مرد کے ذمہ واجب ہے ۱۲ مترجم

رہا بحر نفس تو یہ سمندر بے پایاں ہے جس کی انتہا کی ہم کو خبر نہیں مگر اس پر سوار ہونا تمام سواریوں سے بڑھ کر ہے بشرطیکہ کشتی شریعت کے موافق ہے کہ اخلاص کی لکڑیوں سے بنائی گئی ہو اور اسکے ملاح اور خدام تواضع واحتیاج سے آراستہ ہوں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اوحی الی ان تواضعوا ولا یفخر بعضکم علی بعض

میری طرف اللہ نے وحی بھیجی ہے کہ تم سب باہم تواضع اختیار کرو ایک دوسرے پر فخر نہ کرے۔

بحر نفس میں سفر کرنے اور اس کو طے کرنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ اپنے آپ کو سب سے کمتر جانے اور اس کے تختے بھی التجا سے بنے ہوں کیونکہ یہی کامیابی کی علامت ہے اور اس میں سوار ہونیوالوں کی پونجی تقویٰ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ

اللہ سے ڈرو اللہ تعالیٰ تم کو خود کامیابی کے راستے بتلا دینگے

اگر اس طرح بحر نفس پر کوئی سوار ہوا تو اس میں اس قدر نفع اور فائدہ پائے گا جس کو بجز کریم وہاب کے کوئی نہیں جانتا۔

رہا بحر علم سو اس کا بھی وہی حال ہے جو بحر نفس میں گذر چکا مگر اس سمندر کے طے کرنے والے کو اس میں زیادہ مدت تک قیام کی ضرورت ہے یہاں تک کہ اسکی بصیرت کی نگاہ قوی ہو جائے اور نفس کی خواہش کو دیکھنے لگے کہ کس عمل میں خواہش

نفس کی آمیزش ہوئی اور کون سا کام خالص اللہ کے لئے ہوا تو علم اور نفس کی ترکیب سے اس کو خاص قوت حاصل ہوگی وہ انوار و عجائب اور حکمتیں نظر آئیں گی جن کو دوسرا نہیں دیکھ سکتا مگر ان حقائق کو دیکھنے کے بعد اس سمندر میں دیر تک قیام کی ضرورت ہے تاکہ تہذیب نفس حاصل ہو جائے اور یقین میں ترقی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

تعلموا الیقین فانی اتعلمہ

یقین حاصل کرتے رہو کیونکہ میں بھی اسکو حاصل کرتا رہتا ہوں

(یعنی اس میں برابر ترقی کرتے رہو ایک حد پہ نہ ٹھہرو)

دریا بحر معرفت تو یہ بہت بڑا اور عظیم الشان سمندر ہے اس میں پہلے سمندر سے بھی زیادہ فوائد ہیں اس میں بھی اسیطرح سوار ہوتے ہیں جس طرح اس سے پہلے سمندر میں سوار ہونے کا طریقہ بتلایا ہے مگر اس میں سفر کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ بحر علم کا پانی ساتھ لے لیا جائے مبادا اس سمندر کی سخت گرم ہواؤں سے جان ہلاک ہو جائے کیونکہ اس سمندر کو طے کرنے والے اکثر اسی وجہ سے ہلاک ہوئے ہیں کہ ان کی ساتھ دریائے علم کا پانی نہیں تھا۔ اس سمندر میں اچھی اچھی چیزیں اور موتی اور جواہرات اور اسرار تو اس قدر ہیں جو بحر علم میں نہیں پائے جاتے مگر جو شخص دریائے علم کا پانی ساتھ نہ لے اس کے لئے خطرات بھی اس قدر ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔ بعض دفعہ اس سمندر کو طے کرنے والا ابتلاء میں خاص درجہ پہ ہوتا ہے پھر بدترین حالات کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

دریا بحر توحید تو اس کو بھی اس طریق پہ طے کیا جاتا ہے جو پہلے دو سمندروں کے لئے بیان کیا گیا ہے لیکن اس میں ایک بات یہ زیادہ ہے کہ اس کو طے کرنیوالا شریعت کے مضبوط پہاڑوں کی چوٹیوں کو اپنی نگاہ سے اوجھل نہ ہونے دے جب کبھی اس پہ کوئی نامعلوم ہوا چلے جس کی حقیقت اور کنہ معلوم نہ ہو اور اس سے بچنے کی کوئی تدبیر پاس نہ ہو فوراً شریعت کے پہاڑ کی چوٹی پر آ جائے ورنہ غرق

ہو جائیگا، اسی وجہ سے بہت لوگ اس سمندر میں غرق ہو گئے ہیں کہ انہوں نے بحر توحید کی نامعلوم تند ہواؤں سے بچنے کے لئے جبل شریعت کی پناہ نہیں لی اور برابر آگے بڑھتے رہے جس کا انجام یہ ہوا کہ ایمان کو ہاتھ سے دے بیٹھے ہلاک ہو گئے اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں اور اگر علم شریعت کے پہاڑ کی طرف لوٹ آتے اور ان کی عقل ٹھکانے آجاتی اس وقت ان ہواؤں کے فائدے معلوم ہو جاتے جو بحر توحید میں دیکھے تھے اور دونوں ہواؤں کے ملنے سے جو عمدہ مزاج دین کی حقیقت اور صورت سے ترکیب پاتا اس سے وہ فائدہ حاصل ہوتا جس کو بیان کرنے والے بیان نہیں کر سکتے پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ ان تمام مبارک سمندروں کو بوجہ احسن طے کرنے کی توفیق عطا فرمائیں پھر وہ سنت کے پہاڑوں پر بھی جما رہے یعنی اتباع سنت کو کسی حال میں ہاتھ سے نہ دے وہ ایسا بزرگ ہوگا کہ اس جیسا ایک شخص بھی کسی اقلیم میں ہو تو ساری مخلوق پر اسکی برکت سے اللہ کی رحمت ہوگی اور جو شخص ان میں سے ایک ہی سمندر کو عمدگی کے ساتھ طے کر لے اس کو بھی جو کوئی دیکھ لے گا اللہ تعالیٰ اسکی آنکھیں ٹھنڈی کر دے گا خود اس کا تو کیا پوچھنا کیونکہ اس کی زیارت کرنے والوں کو محض زیارت ہی سے بہت کچھ خیر و برکت عطا ہوگی بشرطیکہ زیارت قاعدہ کے موافق ہو امتحان یا عناد کی ساتھ نہ ہو کیونکہ بیقاعدہ زیارت تو اگر نبی اور رسول کی بھی کی جائے تو خاک نفع نہ ہوگا دیکھو ابوجہل نے بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے مگر کیا اس کو کچھ نفع ہوا ؟ خاک بھی نہیں کیونکہ وہ حضور کے پاس عناد اور بغض کے ساتھ آتا تھا خوب سمجھ لو اور جو شخص ان سمندروں میں سے کسی کو برے طریقہ سے طے کرے گا اس کے لئے غالب ہلاکت ہی ہے اور جو اس کو دیکھے گا یا اس کے پاس رہیگا۔

عہ یہ وہ لوگ ہیں جن پر وحدت الوجود کا انکشاف ہوا اور جہل کی وجہ سے اتحاد یا حلول کے قائل ہو گئے تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا ۱۲ ظ

اس پر فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس باب کی تفصیل بہت طویل ہے مگر انشاء اللہ میں اسکے متعلق ایک مختصر کتاب لکھوں گا جس میں اس سے زیادہ مبسوط کلام ہوگا اور ہم ہر سمندر کے خطرات بھی اللہ کی مدد سے اس میں بیان کر دیں گے اللہ تعالیٰ ہم کو ان لوگوں میں سے کرے جن کو اللہ نے محفوظ رکھا اور علم عطا فرمایا اور اپنے فضل سے اس دولت کے ساتھ کامیاب بنایا

قولہ الوجہ الثالث فیہ من الفقہ جواز رکوب البحر الی قولہ جعلنا اللہ ممن حماہ وعلمہ واسعدہ بہ بمنہ

ف ان مقامات کی جن کو حضرت مصنف نے سمندروں سے تعبیر فرمایا ہے تفصیل کرنا تو اس کا کام ہے جس نے ان کو طے کیا ہو گو تفصیل سے کچھ فائدہ بھی نہیں کیونکہ یہ مقامات عمل سے حاصل ہوتے ہیں اور مشاہدہ ہی سے سمجھ میں آتے ہیں بدون عمل اور مشاہدہ کے محض باتوں سے نہ حاصل ہوتے ہیں نہ سمجھ میں آتے ہیں ہاں ڈرتے ڈرتے ایک بات کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ حضرت مصنف نے دو سمندروں کا ذکر چھوڑ دیا ہے یعنی بحر ذکر و بحر فکر کا۔ بحر دنیا کے متعلق تو معلوم ہو چکا ہے کہ اسکو سب ہی طے کرتے ہیں اور بحری ہوی کا طے کرنا ممنوع ہے اور بحر شہوات کو بھی تقریباً سب طے کرتے ہیں مگر بہت کم ایسے ہیں جو اس تلاطم سے محفوظ رہتے ہوں الا من عصمہ اللہ اور بحر نفس لطیفۂ نفس کی نورانیت سے طے ہوتا ہے اور بحر علم لطیفۂ قلب سے متعلق ہے بحر ذکر لطیفۂ روح سے وابستہ ہے اور بحر فکر لطیفۂ سر کے ذریعہ طے ہوتا ہے اور بحر معرفت لطیفۂ خفی سے اور بحر توحید لطیفۂ اخفی سے متعلق ہے یہ ایک اجمالی اشارہ ہے۔ تفصیل اس شخص کو خود معلوم ہو جائیگی جس نے لطائف ستہ کی تفصیلی سیر کی ہے اور سلامتی کا طریقہ یہ ہے کہ انسان عقائد و علوم و اعمال میں سنت کا اتباع کا رہے کہ ان سمندروں کو طے کرنے کے ساتھ اور اسکے بعد بھی اتباع کی ہر وقت ضرورت ہے پس جو

شخص اتباع سنت میں راسخ ہے وہ تمام دولتوں سے مالامال ہے۔
اتباع سنت میں پختہ ہو جانے سے وہ تمام انوار و برکات و درجات حاصل
ہو جاتے ہیں جو تفصیل وار ہر سمندر کو طے کرنے سے حاصل ہوتے گو اس
شخص کو خبر بھی نہ ہو کہ یہ انوار و برکات اور یہ اسرار کس مقام اور کس سمندر کی
موج سے آرہے ہیں۔

رزقنا اللہ وایاکم اتباع ھذا النبی الکریم
علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم وختم لنا ولکم
بالحسنی انہ ھو البر الرحیم ۱۲ مترجم

باب بست و ششم ۲۶

حدیث

جواز التحرز من حر الحصباء فی السجود

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو ہم میں سے بعض لوگ سجدہ کی جگہ شدت گرمی کی وجہ سے کپڑے کا کچھ حصہ کر لیتے تھے

شرح ظاہر حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں تھوڑا سا کام کر لینا ایسی تکلیف کو دفع کرنے کے لئے جس سے پریشانی لاحق ہوتی ہو جائز ہے۔

(۱۷۰) مشائخ کے افعال واقوال کا اتباع اور اسکی اصل

حدیث کا یہ لفظ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا بھی بیان ہے کیونکہ صحابہ حضور کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے یہ فعل کرتے تھے اور حضور کا ارشاد ہے

انی اراکم من وراء ظھری کما اراکم امامی

میں تم کو اپنے پیچھے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جیسا سامنے سے دیکھتا ہوں

تو حضور کا ان کے اس فعل کو برقرار رکھنا اس پر انکار نہ فرمانا حضور کی طرف سے اس بات کا حکم ہے کہ یہ فعل ناجائز نہیں بلکہ جائز ہے اور کسی حکم کی تقریر فعلی تقریر قولی سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار افعال و اقوال دونوں میں یکساں حکم رکھتی۔

اور کیا حضور کے سوا دوسروں کا بھی یہی حکم ہے یا دوسروں کے افعال کی اقتدار اس وقت تک نہ کی جائے گی جب تک زبان شریعت سے اس کا قابل اعتبار ہونا معلوم نہ ہو جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی ذات سے قطعاً معصوم ہیں اور دوسروں کی عصمت معلوم نہیں ہو سکتی لسان شریعت کا تو یہی فیصلہ ہے کہ دوسرا اس باب میں حضور جیسے نہیں ہیں لیکن بعض اہل طریق کی رائے ہے کہ اپنے مشائخ کا بھی افعال و اقوال میں اتباع کرنا چاہیئے کیوں کہ ان کو اپنے مشائخ کے ساتھ حسن ظن ہوتا ہے کہ ان کا کوئی فعل و قول شریعت کے خلاف نہیں ہوتا۔

اسی طرح مبتدی اور عامی کو عالم کے ساتھ یہی برتاؤ کرنا چاہیئے کیونکہ ان لوگوں کو شریعت کی تو کچھ خبر نہیں پس ان کے لئے اپنی ہوائے نفس کے اتباع سے عالم کا اتباع ہی زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔ مجھ سے میرے بعض مشائخ نے بیان فرمایا کہ وہ اپنے شیخ کی خدمت ان کے مرض موت میں کر رہے تھے ان کو جلدی جلدی پیشاب کی حاجت ہوتی اس لئے ایک دفعہ وہ پیشاب کے تقاضے سے گھبرائے ہوئے تیزی کے ساتھ بیت الخلا میں گئے اور قضائے حاجت کے بعد مجھے آواز دی کہ پانی لاؤ۔ پھر باہر آکر فرمایا عزیزمن! بیت الخلا میں بات کرنا جائز نہیں ہے، مگر میں نے ضرورت کی وجہ سے ایسا کیا ہے کیونکہ میں شدت تقاضہ کی وجہ سے تم سے بات کرنے کی بھی فرصت نہ پاتا تھا۔ ان بزرگ نے باہر آکر یہ بات اس لئے فرمائی کہ وہ جانتے تھے کہ یہ شخص میری اقتدا کرتا ہے، میرے ہر قول کو شریعت کے مطابق

سمجھتا ہے ایسا نہ ہو کہ بیت الخلاء میں بات کرنے کو بھی مطلقاً جائز سمجھ لے۔
یہ مسئلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے بھی ماخوذ ہوتا ہے جبکہ
انہوں نے اہل بیت میں سے کسی کو حالت احرام میں رنگین کپڑا پہنے ہوئے دیکھا
تو اس کپڑے کے اتار دینے کا حکم دیا حالانکہ اس کا حالت احرام میں پہننا جائز
تھا کیونکہ وہ زرد مٹی سے رنگا ہوا تھا جیسا حدیث میں اسکی تصریح ہے
مگر اس کا رنگ زعفرانی رنگ سے ملتا جلتا تھا اور زعفران میں رنگا ہوا کپڑا
احرام میں پہننا جائز نہیں۔

اسی لئے حضرت عمر نے اسے الگ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا۔

اے جماعت اہل بیت تم امت کے پیشوا ہو لوگ تمہاری اقتدا کرتے ہیں
اس لئے تم کوئی ایسا کام نہ کرو جس سے عوام غلطی میں پڑیں تو حضرت عمر نے
اس حکم کی یہ علت بیان فرمائی کہ ان حضرات کے افعال کا بھی ویسا ہی اتباع
کیا جاتا ہے جیسا ان کے اقوال کا اتباع کیا جاتا ہے۔

اس سے صوفیہ کے اس معمول کی اصل نکل آئی کہ وہ اپنے مشائخ کے افعال و
اقوال کا اتباع کرتے ہیں۔ اسی لئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ عالم اگر باعمل
ہوتا ہے تو لوگ اسکے علم کا اتباع کرتے ہیں اور بے عمل ہوتا ہے تو صرف
اس کے عمل کا اتباع کرتے ہیں علم کا اتباع نہیں کرتے وہ اپنی تقریر اور
وعظ میں جو چاہے حدیث قرآن سے بیان کرے لوگ اس پر کان نہ دھریں
گے بلکہ اس کے اعمال کو دیکھ کر اعمال ہی کا اتباع کریں گے تو اس کے علم سے
نہ اسکو نفع ہوا نہ دوسروں کو فائدہ ہوا، یوں ہی برباد گیا

اعاذنا اللہ من علم بلا عمل

اور چونکہ آج کل بعض علماء میں بدعملی اور اتباع شہوات نے
راہ پالیا ہے تو عوام کی حالت بھی بگڑ گئی ہے کیونکہ وہ ان ہی علماء کے افعال
کا اتباع کرتے ہیں اور اگر کوئی عالم اپنے علم پر بھی عمل کرتا ہے اور ایسے بہت

سم ہیں تو عوام ان کا اتباع نہیں کرتے بلکہ ان کو زہد خشک اور تشدید یعنی سخت روی سے بدنام کرتے اور یوں کہتے ہیں کہ دین تو آسان ہے ان ملانوں نے خواہ مخواہ اسکو دشوار کر دیا ہےع۔ بہر حال عالم بے عمل خود تو بگڑتا ہی ہے اس کی وجہ سے عوام بھی بگڑ جاتے ہیں۔

اور اس حالت میں یہ عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے تحت میں داخل ہو جاتا ہے۔

موت العالم ثلمۃ فی الاسلام

عالم کی موت اسلام میں ایک رخنہ ہے

اس سے مراد بد عملی کی موت ہے کیونکہ اسکی ظاہری موت تو باطنی موت سے اچھی ہے۔ ظاہری موت تنہا اتنی مضر نہیں کیونکہ وہ اس کے فضائل و آثار چھوڑ جاتی ہے جن کا لوگ اتباع کرتے ہیں اور باطنی موت واقعی بڑا رخنہ ہے کیونکہ اس حالت میں یہ شخص دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے دروازہ سے ہٹا دیتا ہے، جس سے اس پر سخت ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ اللہ جل جلالہٗ فرماتے ہیں

انا اللہ لا الٰہ الا انا خلقت الشر وخلقت لہا اھلاً فالویل

ع مگر یہ نہیں سمجھئے کہ دین کے آسان ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ منہ کا نوالہ ہے کہ رکھا اور نگل لیا دین کا آسان ہونا ایسا ہی ہے جیسا روٹی کھانا اور پانی پینا تو کیا روٹی کھانے کے لئے کچھ کرنا نہیں پڑتا پانی پینے کے لئے پانی لانے اور کنویں پر جانے کی ضرورت نہیں ہوتی؟ دین کا آسان ہونا ایسا ہی ہے جیسا لکھنا آسان ہے مگر کیا آدمی ایک دن میں خوشنویس بن سکتا ہے؟ کیا اس کے لئے ارادہ محنت اور مشقت کی ضرورت نہیں ہوتی؟

یقیناً ہوتی ہے۔ اسی طرح دین بھی ارادہ اور ہمت اور چند روزہ محنت کے بعد آسان ہو جاتا ہے خوب سمجھ لو ۱۲ منہ

لمن خلقته للشر واجریت الشر علی یدیہ

"میں ہی معبود ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے شر

کو پیدا کیا ہے اور کچھ لوگوں کو اس کے واسطے پیدا کیا ہے پس

ہلاکت ہے اس کے لئے جس کو میں نے شر کے لئے پیدا کیا

اور شر کو اس کے ہاتھوں جاری کیا" تو اس عالم بے عمل نے اپنے ساتھ بھی برائی کی اور دوسروں کو بھی اپنی اقتدار کی وجہ سے شر کی طرف کھینچا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو یہ معلوم ہو کہ لوگ اس کا اتباع کرتے ہیں یا اثر مانتے ہیں یا اس کی وجہ سے نیک کاموں کی اشاعت ہوتی ہے اسے اپنے نیک اعمال کا بیان کرنا جائز ہے تاکہ دوسرے بھی ویسے ہی کام کریں۔

بزرگوں کے حالات ہم جنسوں میں بیان کرنے چاہئیں عوام کے سامنے بلا ضرورت بیان نہ کرنے چاہئیں

اسی لئے حضرات صوفیہ نے فرمایا ہے کہ بزرگوں پر جو حالات طاری ہوتے ہیں ان کو اپنے ہم جنسوں میں بیان کرنا جائز ہے جن میں ترقی کی اہلیت ہو (جو بزرگوں کو مانتے اور ان کا اتباع کرتے ہیں۔ عوام کے سامنے بیان کرنا جائز نہیں مگر یہ کہ کوئی مجبوری آن پڑے جس کی وجہ سے بیان کرنا ضروری ہو جائے تو اور بات ہے۔

جیسا ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ دریا کے کنارے کنارے چل رہے تھے دفعتہً ایک کشتی پر نظر پڑی جس میں وہاں کے حاکم کے لئے شراب لدی ہوئی تھی اور وہ حاکم ایسا ظالم تھا جس کے مقابلہ کی کسی کو تاب نہ تھی، جس وقت کشتی نے لنگر ڈالا یہ بزرگ اس پر ایک لاٹھی ہاتھ میں لے کر چڑھ گئے اور

جتنے مٹکے شراب سے بھرے ہوئے تھے ایک ایک کر کے سب کو توڑنا شروع کر دیا کشتی والوں میں کسی کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ ان کے سامنے آتا اور ان کو روک سکتا یہاں تک کہ تمام مٹکے پھوڑ دیئے صرف ایک مٹکا چھوڑ دیا اور واپس آ گئے۔ کشتی والے حاکم کے پاس پہنچے اور اس کو واقعہ کی اطلاع دی حاکم کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کون شخص تھا جس نے میری چیز پر ہاتھ ڈالا اور یوں بیساختہ اپنا کام کر گذرا پھر اس نے ایک مٹکا کیوں چھوڑ دیا۔

اگر اس نے اللہ کے واسطے یہ کام کیا تھا تو ایک مٹکا چھوڑنے کی کیا وجہ تھی اس میں بھی تو شراب ہی تھی جس کا پینا حرام ہے غرض اس نے ان کے پیچھے آدمی دوڑایا اور بلا بھیجا اور جب وہ حاضر ہوگئے تو پوچھا یہ تم نے کیا کیا اور کیوں کیا ؟

فرمایا جو میرے جی میں آیا میں نے کر دیا اب جو تیرے دل میں آئے کر ڈال، کہا اور تم نے ایک مٹکا کیوں چھوڑ دیا ؟

فرمایا ابتدا میں تو مجھے غیرت اسلام نے اس پر مجبور کیا تھا تو میں نے کشتی میں گھس کر حکم الٰہی کی تعمیل کے لئے مٹکوں کو توڑنا شروع کیا جب ایک باقی رہ گیا تو میرا نفس پھولنے لگا اور کہنے لگا کہ تو نے بڑا بہادری کا کام کیا کہ ایسے منکر کو بدل ڈالا (ایسے گناہ کو مٹایا جس کے مٹانے کی کسی کو جرأت نہ تھی)

اس وقت مجھے اندیشہ ہوا کہ اس خیال کے آنے کے بعد اس مٹکے کو توڑنے میں حظ نفس شامل ہوگا اس لئے میں نے اس کو چھوڑ دیا اس تقریر کا جو خلوص سے بھری ہوئی تھی ایسا اثر ہوا کہ بیساختہ حاکم کی زبان سے نکلا کہ اس شخص سے کچھ تعرض نہ کیا جائے یہ جو چاہیں کریں ان کے درمیان اور ہمارے درمیان کوئی معاملہ نہ ہوگا (گویا اس وقت سے وہ باقاعدہ محتسب بنائے گئے کہ

جو کام شریعت کے خلاف دیکھیں اس کو مٹا دیں تو ان بزرگ نے جو کچھ اپنا راز ظاہر
کیا اس ضرورت کی وجہ سے کیا جو ان کو پیش آئی تھی اس لئے یہ خودستائی میں
داخل نہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں ممانعت فرمائی ہے۔

ولا تزکوا انفسکم

کہ اپنے نفس کا تزکیہ نہ کیا کرو

اپنے منہ سے تعریف نہ کیا کرو۔ ان بزرگ نے اپنا تزکیہ نہیں کیا بلکہ مجبوری
کی وجہ سے پورا واقعہ بیان کر دیا تو ایسی مجبوری کے موقعہ پر سالکین کو اپنے واردات
اور واقعات بیان کر دینے کی اجازت ہے۔ بلا ضرورت ایسا نہ کرنا چاہیئے ۱۲

باب بست و ہفتم ۲۷

حدیث

کراھۃ النخامۃ فی المسجد

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار میں بلغم لگا ہوا دیکھا تو اس کو اپنے ہاتھ سے (اور ایک روایت میں ہے چھڑی سے) کھرچ دیا اور اس سے آپ نے ناگواری ظاہر فرمائی یا اس سے آپ کی ناگواری اور گرانی لوگوں کو محسوس ہوئی اور فرمایا کہ جب کوئی شخص کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے تو اپنے پروردگار سے باتیں کرتا ہے یا یہ فرمایا کہ اس کا پروردگار اس کے سامنے ہوتا ہے پس قبلہ کی جانب ہرگز نہ تھوکنا چاہیئے بلکہ بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوک دے یا اس طرح کرے اور آپ نے اپنی چادر کا کنارہ پکڑ کر اس میں تھوکا اور چادر کے ایک حصہ کو دوسرے پر رگڑ دیا۔

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ نمازی کو قبلہ کی جانب میں تھوکنا (سنکنا) مکروہ ہے اور قدم کے نیچے اور بائیں جانب اور چادرہ کے کنارہ میں رگڑ دینا جائز ہے اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۷۱) استغراق و مراقبہ سے تعمیل احکام کی نگہداشت افضل ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد کی دیوار قبلہ میں بلغم کو دیکھنا بتلاتا ہے

کہ حضور مسجد میں داخل ہو کر دائیں بائیں اور سامنے ہر طرف نظر دوڑاتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ آپ اسی حالت حضور دتمرتی و مراقبہ میں مشغول رہا کرتے جو آپ کی اصلی حالت تھی تو ان چیزوں کو نہ دیکھتے اس سے یہ علمی مسئلہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد کی حالت میں نظر کرنا تعظیم مسجد کے طریقہ پر تھا، کیونکہ مسجد کو مولائے جلیل (حق سبحانہ) کیطرف نسبت حاصل ہے کہ اسکی عبادت کیلئے وقف ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی کے تحت میں بھی تھی آپ سے اس کے متعلق سوال ہوگا اور جس چیز میں انسان متصرف ہو خواہ مال ہو یا اہل وعیال یا اور کوئی صورت تصرفات کی قسم سے ہو اگرچہ اسکی نگہداشت کا نفع اسی کیطرف عود کرتا ہو مگر اس میں ثواب بھی ملتا ہے یعنی جبکہ وہ اسکی نگہداشت اس وجہ سے کرتا ہو کہ وہ اس کا منجانب اللہ مکلف کیا گیا ہو اگرچہ اس شے کی منفعت عام ہی ہو مثلاً امام المسلمین کے ذمہ مساجد کی اور شاہراہ عام کی اور جو ان جیسی چیزیں ہیں (اوقات دستقا و مدارس وغیرہ سب کی نگہداشت واجب ہے، اور نفع ان کا عام ہے (امام ہی کیساتھ مخصوص نہیں) چنانچہ مساجد کیمتعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فی بیوت اذن اللہ ان ترفع (لوگ صبح شام تسبیح کرتے ہیں ایسے گھروں میں جنکی رفعت کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے) علماء نے فرمایا ہے کہ مساجد کی رفعت یہ ہے کہ ان کی حفاظت اور نگہداشت کی جائے (یہ مطلب نہیں کہ ان کی عمارات بلند کی جائیں) اور حفاظت کیلئے ان کی دیکھ بھال ضروری ہے تاکہ اس میں کوئی خرابی واقع نہ ہو اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان احکام کے شارع ہیں تو آپ سب سے زیادہ ان کی بجا آوری پر حریص تھے اب وہ توجیہ واضح ہوگئی جو ہم نے بیان کی ہے اور اسکی ترغیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے اور زیادہ ہوگئی عرضت علی اجور امتی حتی القذاۃ یخرجھا الرجل من المسجد میرے سامنے میری امت کے اعمال کے ثواب پیش کئے گئے یہاں تک کہ اس تنکے کا ثواب بھی جسکو آدمی مسجد سے نکال دے۔

مساجد کی حفاظت و احترام کی تاکید

اس میں مسجد کی نگہداشت اور اسکے اہتمام کی ترغیب ہے کیونکہ اسی چیز یہ

زنکا وغیرہ غور و تامل ہی سے نظر آسکتی ہیں، اس سے یہ فقہی مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ امام کو مسجد میں داخل ہونے کے بعد سجدہ کی حالت پر اہتمام و تعظیم کی نیت سے التفات اور توجہ کرنا چاہیئے مبادا اس میں کوئی نئی بات ہو کہ جس کے ازالہ کی ضرورت ہو تو اس پر اس کو ثواب ملے گا یا کوئی گندگی یا کلفت کی چیز ہو تو اس کو الگ کر دے یہ بھی اچھی نیت ہے اور جو شخص بھلائی کی نیت کریگا اسکو اس نیت پر ثواب ملیگا بالخصوص جبکہ وہ نیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے موافق ہو اس حالت میں تو اسکے ثواب کا کیا پوچھنا، اور کیا اس قسم کی نگہداشت اور دیکھ بھال گھر والے کو اپنے گھر میں بھی کرنا چاہیئے؟ کیونکہ وہ بھی اس کا نگران اور محافظ ہے تو جو علت ہم نے اولاً بیان کی ہے اسکا مقتضا تو یہی ہے کہ اسکو بھی گھر کی دیکھ بھال رکھنا چاہیئے کیونکہ دونوں کا ایک ہی باب ہے، ایک ہی علت کے تحت میں دونوں داخل ہیں البتہ مسجد کے متعلق یہ حکم زیادہ مؤکد ہے بوجہ انکی تعظیم کے کہ وہ شعائر اسلام میں داخل ہیں اور شعائر کی تعظیم قرآن کی رو سے تقویٰ کا ایک فرد ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ اسکے قلبی تقویٰ کی دلیل ہے مگر مسجدوں کی تعظیم ایسی نہ ہونی چاہیئے جیسی اہل کتاب یہود نصاریٰ اپنے گرجاؤں اور کلیساؤں کی تعظیم عمارت اور نقش آرائی سے کرتے ہیں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور اس کو علامات قیامت میں شمار کیا ہے اور ہمارے زمانہ میں اس کا ظہور ہو گیا ہے کہ مسجدوں کی عمارات کو نقش و نگار اور کپڑوں (پردوں) سے آراستہ کرنے لگے ہیں پھر ان میں آمدنی وصول کرنے اور کھانے پینے شور و شغب کرنے خرید و فروخت کرنے کے لئے آتے ہیں اور یہ اس طریقہ کے خلاف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کا تھا اس زمانہ میں مسجدوں کو ان خرافات سے پاک رکھا جاتا تھا اور نماز و ذکر و تلاوت قرآن و تبلیغ احکام و فصل قضایا کے لئے مخصوص کیا جاتا تھا پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ مساجد کو خرافات دنیا سے پاک رکھیں اور ان کی تعظیم بجا لائیں بجز اس کے کچھ نہ کریں اگر مسلمان شعائر اللہ کی عظمت نہ کریں گے تو ان کی بھی دنیا میں کچھ عظمت باقی نہ رہیگی جیسا آجکل مشاہدہ میں آرہا ہے ۱۲) ایک بزرگ نے کسی شخص کو مسجد میں تھوکتے ہوئے دیکھا فرمایا گناہ کا کام نہ کر اس نے جواب دیا کہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسکو دفن کر دیا جائے بزرگ موصوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو تم کو گناہ سے روکتا ہوں اور تم جواب میں کفارہ کا ذکر کرتے ہو کیا تم

کو خبر نہیں کہ گناہ سے بچنا مغفرت طلب کرنے اور توبہ کرنے سے افضل و مقدم ہے میں نے ایک عالم کو جو علم و فتویٰ میں مقتدا تھے دیکھا کہ وہ مسجد میں بیٹھے ہوئے اس باغیچہ میں بھی تھوکنا پسند نہ کرتے تھے جو مسجد کے قریب تھا حالانکہ وہ مسجد کے دنا میں بھی داخل نہ تھا اور وہ مسجد کے کنارہ پر بیٹھے ہوئے تھے پھر بھی مسجد میں بیٹھ کر باغیچہ میں نہ تھوکتے بلکہ مسجد سے باہر آ کر تھوکتے تھے تاکہ تھوکنے کی ابتدا بھی مسجد سے نہ ہو اگرچہ بلغم وغیرہ مسجد میں بیٹھ کر تھوکنے سے بھی مسجد میں نہ گر سکتا تھا مگر یہ اندیشہ ضرور تھا کہ کچھ حصہ مسجد میں گر جائے گو سوئی کے ناکہ کے برابر ہی ہو اور کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مسجد ہی میں گر جائے باہر نہ جائے اور جو حدیث ہم نے بیان کی ہے وہ اس سے ممانعت پر شاہد ہے (مراد یہ حدیث ہے النخامة فی المسجد خطیئة وکفارتها دفنها کہ مسجد میں بلغم وغیرہ ڈالنا گناہ ہے اور اس کا کفارہ دفن کر دینا ہے جس سے مطلقاً مسجد میں تھوکنے یا سنکنے کی ممانعت ہے) تو مجھے ان کا مسجد کے ساتھ یہ ادب و احترام بہت پسند آیا

قوله الوجه الاول رویته علیه السلام النخامة فی القبلة الی فاعجبنی ذلك الاحترام منه

ف اس تقریب سے معلوم ہوا کہ ہر وقت استغراق اور مراقبہ میں رہنا کمال نہیں بلکہ کمال یہ ہے کہ ہر وقت کے متعلق جو احکام شریعت کی طرف سے وارد ہوں ان کی نگہداشت رکھی جائے اور جن چیزوں کی نگرانی و خبر گیری انسان کے ذمہ ہے ان کی دیکھ بھال کرتا رہے مگر اس کا منشا حظ نفس نہ ہو بلکہ تعمیل حکم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کا مکلف کیا ہے عارف اور غیر عارف میں فرق یہی ہے غیر عارف اپنے نفس کی اہل و عیال و مال کی نگہداشت محض حظ نفس کے لئے کرتا ہے تعمیل حکم کا اسکو خیال بھی نہیں آتا اور عارف یہ سب کام تعمیل حکم کے لئے کرتا ہے نفس کے لئے غفلت کیساتھ کام نہیں کرتا قال القائل رحمہ

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است — افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را — کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

ہم نے اپنے اکابر کو اسی طریق پر پایا ہے کہ وہ ہر دم استغراق میں نہیں رہتے بلکہ تعمیل احکام میں مشغول رہتے ہیں۔

ف: حدیث سے مساجد کے احترام کی بھی تاکید معلوم ہوئی افسوس آجکل عام طور پر اسی باب میں کوتاہی ہونے لگی ہے مساجد کے اندر دنیا بھر کے قصے اور فضول بکواس کی جاتی ہے بعضے بے ادب تھوکنے میں بھی احتیاط نہیں کرتے ہم نے اپنے اکابر کو اس باب میں بہت محتاط پایا ہے مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت اقدس شیخ مولانا خلیل احمد صاحب قدس اللہ سرہ بریلی ایک مدرسہ کے جلسہ میں تشریف لے گئے جلسہ کی جگہ ایسے مقام پر تھی جہاں مسجد میں کو ہو کر جانا پڑتا تھا اور لوگ بے تکلف ہو کر جلسہ میں جا رہے تھے حضرت اقدس کو یہ خبر نہ تھی کہ جلسہ مسجد سے باہر ہوگا مسجد میں داخل ہونے کے بعد جب مجمع کو مسجد سے باہر دیکھا تو فرمایا کہ تم نے تو مسجد کو راستہ اور گذرگاہ بنالیا۔ بھائی تھوڑی دیر مسجد میں ٹھہر جاؤ کچھ ذکر اور تسبیح یا نماز یہاں پڑھ لو کچھ دیر بعد جلسہ میں چلیں گے چنانچہ حضرت نے اور حضرت کے خدام نے اسی طرح کیا فہکذا فلیکن احترام المساجد بیوت اللہ

(۲۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی صفائی کا خود اپنے ہاتھ سے اہتمام فرمایا ہے جسمیں آپ کی تواضع کا ثبوت ہے

حدیث کے اس لفظ میں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے ہاتھ سے کھرچ دیا چند علمی مسائل ہیں ایک یہ کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا ثبوت ہے کہ حضور نے مسجد کی صفائی کا خود اپنے ہاتھ سے اہتمام فرمایا کسی دوسرے کو حکم نہیں دیا حالانکہ ہزاروں خدام موجود تھے دوسرے یہ کہ لوگوں کو بُری بات سے منع کرنے کا یہ طریقہ زیادہ مؤثر ہے اور اسمیں مسجد کا احترام بھی کمال درجہ تھا کہ حضور نے اپنے دست مبارک سے تھوک اور بلغم کو اس مسجد کی دیوار سے صاف کیا ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد آپ نے اس جگہ مشک بھی لگا دیا تھا۔ تیسرے یہ کہ نیک کام کرنے والے کو یہ نہ چاہیے کہ کسی نیک کام کو معمولی سمجھ کر چھوڑ دے (بلکہ ہر کام کی طرف پیش قدمی کرنا چاہیے) کیا خبر ہے اللہ تعالیٰ کو کونسا کام پسند آجائے کیونکہ جب مسجد سے تنکا نکالنے پر بھی ثواب ملتا ہے تو اس کام کا کیا پوچھنا؟ جس کا حضور نے اس قدر اہتمام فرمایا اسی کی نظیر وہ ہے جو بعض صحابہ کے

کہتے ہیں منقول ہے کہ ایک غزوہ میں دو باپ بیٹوں نے اس بات کیلئے قرعہ اندازی کی کہ دونوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کون جائے؟ تو بیٹے کا نام قرعہ میں نکلا باپ نے کہا بیٹا اس غزوہ میں تو اپنی جگہ مجھے جانے دے بیٹے نے کہا ابا جان یہ تو جنت لینے کا معاملہ ہے اس میں اپنے اوپر میں آپ کو ترجیح نہ دوں گا چنانچہ وہی گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہید عـ ہو گیا۔

نیسرا اس میں تمام نیکیوں کے اکتساب کی ترغیب ہے، اگر چہ اس شخص کو ضرورت بھی نہ ہو حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں ولا تمنن تستکثر جس کی تفسیر میں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ نیکی کرنے سے کم ہمت نہ بنو اور یہ نہ کہو کہ میرے پاس تو بہت نیکیاں ہیں جو مجھے کافی ہیں اور اس میں خطاب تو

عـ ان حضرات کی شہادت کا کیا کہنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اللہ کے لئے اپنی جان نثار کرتے تھے اور گویا مرتے ہوئے حضور سے بزبان حال عرض کرتے تھے۔

بجرم عشق توام می کشند و غوغا ئیست　　　تو نیز برسر بام آ کہ خوش تماشا ئیست

انکی شہادت کا کیا پوچھنا جن کے جذبۂ شہادت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ تھے۔ اللہ اللہ حضرات صحابہ کو اللہ و رسول سے کیسی سچی محبت تھی کہ ان کے اپنے بچے اور نوجوان بھی شوق شہادت میں بوڑھوں اور پختہ کاروں سے پیش پیش تھے جنگ بدر میں ابو جہل کے قاتل دو نوجوان بچے ہی تھے حضرت سعد بن ابی وقاص کے چھوٹے بھائی عمیر بن سعد سولہ سالہ نوجوان جنگ بدر کے موقعہ پر لشکر کی پیشی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے چھپتے پھرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ حضور کی نظر پڑ جائے اور بچہ سمجھ کر لشکر سے الگ کر دیں حضرت سعد نے حضور سے ان کا حال عرض کیا تو آپ نے اجازت دیدی اس وقت ان کی خوشی کی کچھ انتہا نہ تھی خوشی خوشی بدن پر ہتھیار سجائے تو تلوار زمین پر گھسٹنے لگی اس کو حضرت سعد نے سنبھال کرادیا کرتے جاتے تھے بالآخر اسی شوق اور تیزی میں جنگ کے وقت بڑے بڑے بہادروں کی مقابلہ میں جا ڈٹے اور ایک دو کو مارنے پر بس نہ کیا برابر بڑھتے چلے گئے اور شہید ہو گئے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں میں پھر یہ جذبۂ شوق شہادت پیدا فرما دیں تو ہمارے دن پھر جائیں مگر یاد رکھو یہ جذبہ اسلامی جھنڈے کے نیچے پیدا ہو سکتا ہے کفر کے جھنڈے تلے نہیں پیدا ہو سکتا جس میں کفر کی اسلام پر حکومت ہے ۱۲ ظ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر مراد امت کو تعلیم دینا ہے۔

قولہ وحکھا بیدہ فیہ من الفقہ وجوہ الی قولہ الخطاب فیہ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمراد امتہ۔

(۱۷۳) مخالفت شریعت سے مسلمان کو تغیر ہونا چاہیئے

حدیث کا یہ لفظ کہ اس سے آپ نے ناگواری ظاہر فرمائی یا آپکی ناگواری لوگوں کو محسوس ہوئی اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا کہ مومن جب کوئی ناگوار چیز دیکھتا ہے تو اس سے اسکو تغیر ہوتا ہے اور یہ تغیر اس کے ایمان کی مقدار کے موافق ہوتا ہے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان سب سے زیادہ کامل تھا اس لئے اس ناگوار چیز سے آپ کو تغیر ہوا اور چونکہ وہ تغیر آپکے چہرہ پر ظاہر ہوا اس مقام پر گفتگو ہو سکتی ہے کہ حضور کو تغیر اس وجہ سے ہوا کہ قبلہ کی بیحرمتی کی گئی تھی یا اس وجہ سے ہوا کہ اس حرکت کرنیوالے کو گناہ ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی طبیعت سے تمام عالم پر رحمت فرماتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فلا تذهب نفسك عليهم حسرات کہ ان کافروں پر حسرت اور رنج کر کے آپ کی جان نہ جاتی رہے تو مومنین کے ساتھ آپکی رحمت کا کیا حال ہوگا ؟ اور یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں باتوں کا مجموعہ سبب تغیر ہوا اور یہی زیادہ ظاہر ہے اسی طرح مسلمانوں کو بھی چاہیئے کہ حرمات الہیہ کی بیحرمتی کے موقع پر ان میں تغیر پیدا ہو جائے۔

جب کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پیش آئے اس وقت بھی سننے والے یا دیکھنے والے کی طبیعت میں تغیر پیدا ہونا چاہیئے

اور جب کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پیش آئے اس وقت بھی بالخصوص جبکہ وہ مصیبت دینی ہو کیونکہ یہ تو بہت بڑا خسارہ ہے اور اگر دین و دنیا دونوں میں مصیبت ہو تو اس کا کیا پوچھنا اس وقت تو زیادہ تغیر ہونا چاہیئے اور ان ہی مبارک صفات کی وجہ سے حضرات صوفیہ دوسروں پر سبقت لے گئے ہیں چنانچہ اسی کے موافق ایک بزرگ کی حکایت ہے

کہ بعض معاملات میں ایک شخص ان کا شریک تھا ایک دن اسکو بلایا گیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ وہ تو گناہ میں مبتلا ہے فرمایا میرا ساتھی اس حالت میں ہے اور میں زندہ ہوں پھر فوراً وضو کیا اور خلوت خانہ میں داخل ہو گئے اور یہ عہد کر لیا کہ جب تک اللہ تعالیٰ اس کے بارہ میں میری سفارش منظور نہ فرمائیں گے باہر نہ آؤں گا۔ اس کے بعد وہ شریک گناہ سے فارغ ہوا تو کسی نے اس کو اطلاع کی کہ تم کو تمہارے شریک نے بلایا ہے وہ آیا تو لوگوں نے اس سے کہا کہ وہ تو تیری ہی وجہ سے خلوت خانہ میں داخل ہو گئے ہیں یہ سن کر اس پر اثر ہوا اور کہنے لگا کہ ان سے کہدو اب باہر آجائیں میں قسم کھاتا ہوں کہ بخدا اب سے یہ حرکت نہ کرونگا پھر اس نے توبہ کی اور اسکی حالت اچھی ہوگئی۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ حدیث میں زجر کامل کے لئے کراہت (ناگواری) کا اظہار فرمایا ہو تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ دین کے ضروری احکام میں سے ہے، اس طور میں اس قسم کی مکروہات دیکھنے پر ہم کو بھی کراہت ظاہر کرنا چاہیئے یہی سنت ہے، ایک احتمال یہ بھی ہے کہ آپ کو طبع مبارک کی وجہ سے طبعی طور پر بلا اختیار ناگواری پیش آئی ہو اور آپ نے اسمیں کچھ زیادت بالقصد فرمائی ہو تاکہ ہر شخص اس معاملہ میں آپ کی اقتداء کرے جس کو طبعاً ناگواری پیدا ہو وہ بھی اور جس کو طبعاً ناگواری نہ ہو وہ بھی تمام احتمالات میں یہ احتمال زیادہ ظاہر ہے۔

احکام الٰہی کی بے حرمتی کے موقعہ پر طبیعت میں ناگواری پیدا ہونا علاماتِ ایمان میں سے ہے

اور اس سے یہ مسئلہ ماخوذ ہوگا کہ ایسے مواقع پر طبیعت میں ناگواری کا پیدا ہونا ایمان کی علامت ہے چنانچہ ایک دوسری حدیث میں جو تغییر منکر کے متعلق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تصریح فرمائی ہے کہ جس کو امر منکر کے مٹانے کی طاقت نہ ہو وہ قلب سے اس کو مٹائے (یعنی دل میں اس سے کراہت کرے اور اس کے زوال کی دعا کرے) وذلک اضعف الایمان حضور فرماتے ہیں اور یہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے۔

اور اس ناگواری میں زیادتی ہونا سنت ہے

مواقع مذکورہ میں ناگواری زیادہ ہونا سُنّت ہے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہے۔

الوجہ الثالث قولہ ورنیٔ منہ کراھۃ الیٰ قولہ وتکون الزیادۃ فیہ سنۃ واقتداء بہ صلی اللہ علیہ وسلم

ف خلاصہ یہ کہ جب مسلمانوں پر کوئی دینی یا دنیوی مصیبت نازل ہونے کی خبر سُنی جائے یا کوئی شخص برملا احکام الٰہیہ کی مخالفت کرے اس وقت دوسرے مسلمانوں کے دل کو بے حس نہ رہنا چاہیئے بلکہ ان کی طبیعت میں تغیر پیدا ہونا چاہیئے۔ پہلی صورت میں یہ تغیر شفقت کے رنگ میں ہوگا جیسا ایک حکایت کے ضمن میں گذر چکا ہے کیونکہ ان بزرگ کے سامنے اس شخص نے گناہ کا ارتکاب نہ کیا تھا بلکہ ان کو خبر پہنچی تھی جس کا یہ اثر ہوا کہ وہ بیچین ہو گئے اور اس کے لئے دعا میں مشغول ہو گئے دوسری صورت میں یہ تغیر کراہت اور ناگواری اور غصہ کی صورت میں ہوگا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار میں تھوک سنک دیکھ کر کراہت اور غصہ کا اظہار فرمایا یہاں سے اُن لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو اولیاء اللہ سے ہر وقت شفقت اور نرمی ہی کے منتظر و متمنی رہتے ہیں اور اگر وہ کسی بیجا حرکت پر ناگواری اور غصہ کا اظہار کریں تو اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تو اخلاق محمدیہ کیخلاف ہے ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ احکام الٰہیہ کی مخالفت اور بیحرمتی کے موقع پر کراہت و ناگواری کا اظہار بھی اخلاق محمدیہ میں سے ہے۔ علماء اسلام نے اسکو سنت اور اقتداء نبوی میں داخل کیا ہے خصوصاً جب کوئی شخص اپنے کو اصلاح نفس کے لئے کسی کے سپرد کرنا چاہتا ہو اس کو تو شفقت و نرمی کی خواہش کا وسوسہ بھی دل میں نہ لانا چاہیئے کیونکہ اصلاح نفس آسان نہیں ہے اس کے لئے بڑے بڑے مجاہدات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب شیخ مصلح کو اختیار ہے خواہ اس سے مجاہدات شاقہ کرالے یا محض زجر و توبیخ سے ہی اصلاح کردے، اگر غور کیا جائے تو اس صورت میں طالب اصلاح کا زیادہ نفع ہے کہ سہل مجاہدہ سے کام بن گیا مگر اس کی قدر وہی کرتا ہے جو واقع میں طالب ہے

ورنہ نام کے طالب اس کی قدر نہیں کرتے بلکہ گھبرا جاتے ہیں سو ان کو مولانا رومی کا یہ ارشاد غور سے پڑھنا چاہیئے ؎

چوں بہرِ زخمے گریزانی ز عشق — تو بجز نامے چہ می دانی ز عشق

(۱۷۴) **نماز میں حق تعالیٰ سے مناجات کی حقیقت** حدیث کا یہ لفظ کہ جب کوئی نماز پڑھتا ہے تو اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے الخ اس میں یہ سوال ہوگا کہ اس مناجات کی حقیقت کیا ہے؟ کیونکہ لغۃً مناجات یہ ہے کہ دو آدمیوں یا دو سے زیادہ کے درمیان خفیہ بات چیت ہو اور یہاں تو بات کرنیوالا ایک ہی ہے (یعنی ظاہر میں صرف نمازی ہی تنہا بات کرنیوالا ہے) تو مناجات کیونکر ہوگی، اس حقیقت کو ایک بزرگ نے بیان فرمایا ہے جو علم اور اتباع سنت میں مقتدا تھے ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ کس حالت میں ہیں؟ میں اچھی حالت میں ہوں۔ میں عبادت میں دو حالتوں کے درمیان ہوں کبھی اپنی تسبیح اور دعا سے میں اپنے مولا کے ساتھ باتیں کرتا ہوں کبھی وہ مجھ سے باتیں کرتے ہیں جبکہ میں کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہوں کہ اس وقت پڑھنے والا تو میں ہوتا ہوں اور مجھ سے خطاب کرنیوالے وہ ہوتے ہیں۔

الوجہ الرابع قولہ اذا قام یصلی فانما یناجی ربہ الیٰ قولہ وھو المخاطب لی فے ان بزرگ نے جو یہ فرمایا ہے کہ تلاوت کتاب اللہ کے وقت پڑھنے والا تو میں ہوتا ہوں اور مجھ سے خطاب کرنیوالے وہ ہوتے ہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے بادشاہ اپنے کسی غلام یا نوکر کو کچھ ہدایتیں لکھ کر دے کہ ان کو پڑھ لو اور ان کے موافق عمل کرو تو یہ شخص جس وقت وہ ہدایتیں پڑھے گا اس وقت پڑھنے والا تو وہ ہوگا مگر اس سے خطاب کرنے والا بادشاہ ہوگا کیونکہ اس میں اس قسم کی باتیں ہوں گی کہ تم کو یہ کرنا چاہیئے اس طرح چلنا چاہیئے فلاں بات سے بچنا چاہیئے وغیرہ وغیرہ اور یہ خطاب تمام تر بادشاہ کی طرف سے ہے یہی حال نمازی کا ہے جس وقت وہ نماز میں یا نماز کے علاوہ کسی وقت قرآن کی تلاوت کرتا ہے اس وقت پڑھنے والا تو وہ ہے مگر اس سے خطاب کرنیوالے حق تعالیٰ ہیں کیونکہ قرآن

میں جو کچھ بھی ہے بندوں کے لئے ہدایات ہی تو ہیں کہ تم کو یہ کرنا چاہیئے وہ نہ کرنا چاہیئے اللہ کے خاص بندوں کے طریقہ پہ چلنا چاہیئے مردودوں کے راستہ سے دور رہنا چاہیئے۔ پہلی صورت میں تم کو یہ انعام و اجر ملے گا۔ دوسری صورت میں سخت عذاب و مصیبت کا سامنا ہوگا وغیرہ وغیرہ

ف بعض اہل حال کو تلاوت قرآن کے وقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والے بھی حق تعالیٰ ہیں اور خطاب کرنے والے بھی ہیں اور درمیان میں بندہ کی حالت وہ ہے جو شجرۂ موسیٰ کی حالت تھی جبکہ ان کو درخت میں سے آواز آئی تھی انی انا اللہ رب العالمین کہ میں ہوں اللہ تمام جہانوں کا پالنے والا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت خطاب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا اور کہنے والے بھی وہی تھے درخت کا اس میں کچھ بھی دخل اس کے سوا نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر آواز پیدا کردی تھی اسی طرح بعض دفعہ عارف کی حالت تلاوت قرآن کے وقت ایسی ہوجاتی ہے کہ گویا اسکی ہستی درمیان سے غائب ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر آواز پیدا کردی ہے جس سے یہ خود نہیں بول رہا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کلام فرما رہے ہیں وہی خطاب فرما رہے ہیں اس کا اس میں کچھ دخل نہیں ، یہ حالت جب ترقی پاتی ہے تو ذکر میں بھی اس کو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود نہیں بول رہا بلکہ اس کے اندر آواز پیدا کر دی گئی ہے اللہ تعالیٰ خود ہی اپنا ذکر فرما رہے ہیں جس پہ یہ حالت طاری ہو اس کو اس وقت شیخ کے پاس رہنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اس کو حدود سے باہر نہ ہونے دے، اگر بندہ اس حالت میں حدود پہ قائم رہا تو ایسے عالی مقام تک ترقی ہوگی جس کا اس کو وہم و گمان بھی نہیں ہوسکتا اور جو اس حالت میں حدود سے نکل گیا اس کے لئے خطرہ ہے اگر اس کے ارادہ اور قصد کو کچھ بھی حد سے نکلنے میں دخل ہوا۔

حفظنا اللہ وایاکم من کل شرور رزقنا الثبات علی السنۃ النبویۃ و الصراط المستقیم ٥

در راہ عشق وسوسۂ اہرمن بسے است ہشیار و گوش را بہ پیام سروش دار

ع پیام سروش سے مراد وحی الٰہی ہے قالہ سیدی حکیم الامت دام مجدہ و علاہ ۱۲ ظ

ف اس مقام پر دل میں تقاضا ہے کہ نماز کی مناجات کو ذرا کھول کر بیان کر دیا جائے کیا عجب ہے کہ کسی کو اس سے نفع ہو اور وہ اس ناکارہ روسیاہ کے لیے دعا کر دے اللہ مجھے اس پر عمل کی توفیق ہو پس سمجھنا چاہیئے کہ نماز کے وقت عارفین کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ یقین کیساتھ یہ سمجھ کر کھڑے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں اور جو کچھ ہم نماز میں کہتے ہیں اس کو سن رہے ہیں اور ہر بات کا اس کے مناسب جواب دے رہے ہیں چنانچہ جس وقت وہ نماز کے لیے دونوں ہاتھ اٹھا کر تکبیر تحریمہ کہتے ہیں تو ان کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ ملائکہ سے فرماتے ہیں کبرنی عبدی وذھل عما سوای میرے بندے نے میری بڑائی کو پہچان لیا اور میرے ماسوا سے الگ ہو گیا۔ جب وہ ثنا پڑھتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں حمدنی عبدی میرے بندے نے میری حمد کی جب وہ کہتا ہے الرحمٰن الرحیم حق تعالیٰ فرماتے ہیں اثنی علی عبدی میرے بندہ نے میری ثنا کی جب وہ کہتا ہے مالک یوم الدین حق تعالیٰ فرماتے ہیں مجدنی عبدی میرے بندہ نے میری بزرگی بیان کی جب وہ کہتا ہے ایاک نعبد وایاک نستعین حق تعالیٰ فرماتے ہیں ھذا بینی وبین عبدی یہ بات میرے درمیان اور میرے بندے کے درمیان مشترک ہے (یعنی بندہ کی عبادت تو میرے لئے ہے اور میری مدد اس کے لئے ہے) جب وہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین تو حق فرماتے ہیں ھذا لعبدی ولعبدی ما سال یہ میرے بندے کی درخواست ہے اور جو وہ مانگتا ہے میں نے اس کو دیدیا۔ جب وہ اس کے بعد قرآن کی کوئی سورت پڑھتا ہے تو فرماتے ہیں فتحت لعبدی ابواب معرفتی وھدایتی میں نے اپنے بندے کے لئے معرفت وہدایت کے دروازے کھول دیئے جب وہ تکبیر کہتا ہوا رکوع کرتا ہے تو وہ فرماتے ہیں کبرنی عبدی وعرف عظمۃ صفاتی فرکع لی میرے بندے نے میری بڑائی کا اقرار کر لیا اور میری عظمت صفات کی معرفت حاصل کر کے میرے سامنے جھک گیا، جب وہ سمع اللہ لمن

حمدہ ربنا ولک الحمد کہتا ہے تو فرماتے ہیں سمعت لعبدی وقبلت حمدہ میں نے اپنے بندے کی بات کو سن لیا اور اسکی حمد کو قبول کیا، جب وہ تکبیر کہتا ہوا سجدہ کرتا ہے تو فرماتے ہیں کبرنی عبدی وعرف علو ذاتی فسجد لی میرے بندے نے میری بڑائی کا اقرار کیا اور میری علو ذات کی معرفت حاصل کرکے سجدہ میں گر گیا جب وہ تکبیر کہتا ہوا سجدہ سے سر اٹھاتا ہے فرماتے ہیں کبرنی عبدی وعرف عجزہ عن ادراکی میرے بندے نے میری بڑائی کا اقرار کیا اور میری ذات کے ادراک سے اپنی عجز و کمزوری کو جان لیا جب دوبارہ سجدہ کرتا ہے فرماتے ہیں کبرنی عبدی وسجد لی تقربا الیّ میرے بندے نے بڑائی کا اقرار کیا اور مجھ سے قرب حاصل کرنے کے لئے پھر سجدہ کیا۔ جب تکبیر کہتا ہوا دوسری رکعت میں کھڑا ہوتا ہے فرماتے ہیں کبرنی عبدی وتقرب الیّ میرے بندے نے میری بڑائی کا اقرار کیا اور مجھ سے قرب حاصل کر لیا پھر فاتحہ اور رکوع و قومہ وسجدہ میں وہی معاملہ ہوتا ہے جو رکعت اولیٰ میں ہوتا ہے جب وہ دوسری رکعت میں التحیات کے لئے بیٹھتا ہے تو فرماتے ہیں وصل عبدی الی مجلس قربی فحیانی بتحیتی وحییا اھل مجلسی بتحیتھم وشھد لی بشھادۃ الحق میرا بندہ میری مجلس قرب میں پہنچ گیا اور میری شان کے مناسب تحیہ اور تعظیم بجالایا اور میری مجلس والوں کا بھی ان کے درجے کے مناسب ادب کیا اور میرے سامنے سچی شہادت پیش کی۔ قعدہ اخیرہ میں جب التحیات کے بعد جب درود شریف پڑھتا ہے تو فرماتے ہیں توسل الیّ عبدی بحبیبی وخلیلی میرے بندہ نے میرے حبیب اور خلیل کو وسیلہ بنایا اس کے بعد جب وہ دعا کرتا ہے تو حق تعالیٰ ملائکہ سے فرماتے ہیں ماجزاء عبد وفی عملہ اس بندہ کی جزا کیا ہے جو اپنا کام پورا کر دے ملائکہ عرض کرتے ہیں ربنا جزاءہ ان یوفی اجرہ اس کی جزا یہ ہے کہ اس کو پورا اجر دیا جائے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں اشھد وافقد غفرت لعبدی واستجبت دعاءہ وادخلتہ فی عبادی الصالحین گواہ رہو میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا اس کی دعا و عبادت قبول کی

اوراس کو اپنے لائق بندوں میں داخل کر لیا، اس کے بعد بندہ خوشی خوشی دائیں بائیں فرشتوں کو اور دوستوں کو سلام کرتا ہے گویا اپنی کامیابی کی بشارت سناتا ہے اس تفصیلی مناجات میں سورۂ فاتحہ کے اندر جو کچھ لکھا گیا ہے کہ حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں وہ تو حدیث صحیح کا مضمون ہے اور بقیہ حالات کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے کہ حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں وہ قلبی واردات ہیں جو انشاء اللہ حدیث انا عند ظن عبدی کے تحت میں داخل ہیں۔

رزقنا اللہ وایاکم تمام الصلوٰۃ وتمام رضوانہ وختم لنا بالحسنیٰ آمین

(۱۷۵) قرآن کلام اللہ ہے، جب قاری قرآن پڑھتا ہے اللہ کا کلام پڑھتا ہے اگرچہ پڑھنا قاری کا فعل ہے

حدیث کا یہ لفظ کہ نمازی اپنے پروردگار سے مناجات کرتا ہے، اہل سنت کی دلیل ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور قرات قاری کا فعل ہے اور جو کچھ وہ پڑھتا ہے وہ اللہ کا کلام ہے قاری کا کلام نہیں اور صفت موصوف سے جدا نہیں ہوتی (تو جس وقت بندہ قرآن پڑھتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کلام فرماتے ہیں) اس صورت میں نماز حقیقتہً مناجات ہوگی کیونکہ وہ قراءت قرآن اور تسبیح و دعا پر مشتمل ہے۔ جس میں تسبیح و دعا تو بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں (عرض و معروض) ہے اور قراءت قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو خطاب ہے، اسی لئے بعض اہل اہل صفا اور مبارک حالات والوں نے کہا ہے کہ جب وہ حضورِ کامل کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں تو اس وقت قوت یقین اور تصدیق کامل کی وجہ سے حروف کی حرکات کے دائرہ سے نکل جاتے اور بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کا کلام بلا صوت و حروف کے سنتے ہیں اور اس حالت کو اہل ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں جو حدود سنت کے موافق سلوک طے کرتے ہیں مگر ایسے بہت کم ہیں۔

الوجہ الخامس قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فانما یناجی دلیل لاھل السنۃ

الی قولہ وقلیل ما ھم۔

ف اس مقام کی طرف اشارہ اوپر گذر چکا ہے ملاحظہ فرمایا جائے۔

(۱۷۶) اللہ تعالیٰ جسم اور حلول سے پاک ہیں اور اس جملہ کا فائدہ کہ اللہ تعالیٰ نمازی کے اور قبلہ کے درمیان ہوتے ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے۔ اہل تجسیم و اہل حلول کے بطلان دعویٰ کی دلیل ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ حلول اور تحیز اللہ تعالیٰ شانہ کے حق میں محال ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ جل جلالہ ان کے قول کے موافق (معاذ اللہ) عرش پر حلول کے ساتھ تشریف فرما ہوتے تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہاں بھی ہوتے اور نمازی کے اور اس کے قبلہ کے درمیان بھی ہوتے اور سوچو تو سہی کہ ایک ہی زمانہ میں زمین کے مختلف اقطار و جوانب میں مختلف جہات میں کتنے نمازی (نماز میں مشغول) ہوتے ہیں اگر حق تعالیٰ ہر جگہ حلول و تجسم کے ساتھ موجود ہوں گے تو یا ذات خداوندی میں تعدد لازم آئیگا کہ خدا ایک نہیں بلکہ بہت سے ہیں یا اس کی ذات میں تقسیم جاری ہو گی (کہ خدا کا کچھ حصہ کسی جگہ ہے کچھ حصہ کسی جگہ ہے) اور یہ ہمارے نزدیک بھی اور ان کے نزدیک بھی بالاتفاق محال ہے۔ پس تاویل سے چارہ نہ رہا تو جیسے ہم تاویل بیان کرتے ہیں اسیطرح دوسری حدیثوں اور آیتوں میں بھی تاویل کریں گے۔ اس اجمالی اشارہ کے بعد اب ہم یہ تبلاتے ہیں کہ اس لفظ میں فائدہ کیا ہے کہ کہ اس کا رب نمازی کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے تو اس میں بطور کنایہ کے بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خیر و برکت نمازی کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو پوری طرح احاطہ کئے ہوئے ہیں کیونکہ جب وہ نمازی کے اور قبلہ کے درمیان ہیں تو اس کی حرکت و سکون ان سے پوشیدہ نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ونحن اقرب الیہ من حبل الورید ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں اسی احاطہ سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو محیط ہیں جزئیات کو بھی کلیات کو بھی قریب

کو بھی بعید کو بھی مخفی کو بھی علانیہ کو بھی، غرض تمام جہانوں کو یکساں طور پر محیط ہیں اللہ سبحانہ سے ان کی کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں۔

ف بعض لوگوں کو بعض آیات و احادیث سے یہ شبہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر اسی طرح بیٹھے ہیں جس طرح انسان تخت پر بیٹھتا ہے۔ یہ اعتقاد باطل اور غلط ہے بہت سے جاہل صوفی اس غلطی میں مبتلا ہیں اور بعض کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کی صورت میں حلول کر لیتے ہیں جیسا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نصاریٰ کا عقیدہ ہے۔ یہ اعتقاد بھی توحید کے خلاف اور غلط ہے اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور منزہ ہیں جس طرح ہم ان کی ذات کے ادراک سے عاجز ہیں ان کی صفات کی حقیقت سمجھنے سے بھی قاصر ہیں اور جتنا اپنی سمجھ کے موافق ہم سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بھی وراء الورا ہیں صوفی کو اپنا اعتقاد اہل سنت کے موافق درست رکھنا چاہیئے کہ اس کے سوا جتنے اعتقادات ہیں باطل و غلط ہیں۔

(۱۷۷) اللہ تعالیٰ جہت و مکان سے منزہ ہیں اور تعیین قبلہ کی حکمت

اس ارشاد میں حکمت یہ ہے کہ عبادت کرنیوالا چونکہ حادث ہے مکان میں مقید ہے اور معبود برحق حدوث اور مکان سے منزہ ہے تو اس فانی محتاج کو ذات قدیم جلیل سے قرب ممکن نہ تھا خصوصاً جبکہ وہ عابدوں کی عبادت سے مستغنی بھی ہے اور یہی اس کی عبادت کے محتاج ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے عبادت کرنیوالوں کے لئے عبادت کی جہت اور کچھ علامات ان کے حدوث کے مناسب متعین کر دیں اور ان کو اپنی ذات جلیلہ کی طرف منسوب کر دیا جس سے ان علامات کو بھی شرف و رفعت عطا کی گئی اور بندوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس عبادت (ہنیرہ ناقصہ) کو ان سے قبول فرما لیا اور اس کی وجہ سے ان سے راضی ہو گئے اسی لئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فاینما تولوا فثم وجہ اللہ

کہ تم جس طرف بھی رخ کر لو اللہ کی ذات ادھر ہی ہے

شان نزول یہ ہے کہ جب قبلہ بیت المقدس سے کعبۃ اللہ کیطرف محول کیا گیا اور
کچھ لوگ بیت المقدس کیطرف نماز پڑھتے ہوئے انتقال کر گئے بیت اللہ الحرام کیطرف
نماز پڑھنے کا ان کو موقعہ نہ ملا تو ان کے خاندان والوں پر ان کی یہ حالت گراں ہوئی کیونکہ
ان کے خیال میں دیوار کعبہ مقصود تھی رجس کیطرف استقبال کا ان کو موقع نہ ملا تو اللہ
تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی

فاینما تولوا فثم وجہ اللہ

تم جسطرف بھی منہ کرو اللہ کی ذات ادھر ہی ہے

مطلب یہ ہے کہ تم نے جس طرف رُخ کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا قصد کیا اور اس کے
حکم کی تابعداری کی ادھر ہی تم اس کو پاؤ گے یعنی ہر حالت میں وہ تم پر فضل و احسان
فرمائیں گے تمہارے اعمال کو قبول فرمائیں گے اور ان کا اچھا بدلہ دیں گے کیونکہ مقصود
کوئی خاص جہت یا خاص دیوار نہیں بلکہ مقصود اللہ تعالیٰ کے حکم کا امتثال اور تابعداری ہے
تو جو لوگ بیت المقدس کیطرف استقبال کرتے ہوئے فوت ہو گئے ان کے ثواب
میں کچھ کمی نہیں ہوئی کیونکہ اس وقت وہی حکم تھا جسکی انہوں نے تعمیل کی تو چونکہ
اس جہت (قبلہ) کی نسبت اللہ تعالیٰ کیطرف کر دی گئی ہے تو حکمت کا مقتضایہ ہے
کہ اس کا کامل احترام واجب یا مستحب ہو (نہ اس کی ذات کی وجہ سے بلکہ) اس کی
وجہ سے جس کی طرف اسکی نسبت کی گئی ہے اسی کو بعض عشاق نے کہا ہے

وما حب الدیار شغفن قلبی

ولکن حب من سکن الدیار

منازل کی محبت نے مجھ کو فریفتہ نہیں کیا بلکہ اس کی محبت نے جو ان منازل کے اندر ہے
تو ایک مخلوق کی وجہ سے دوسری مخلوق محبوب ہو جاتی ہے اور محبوب کے نزول کے منازل بھی
معظم ہو جاتے ہیں اسی لئے محققین اس اضافت شریفہ کی وجہ سے اس اضافت کے
تمام نشانوں کی تعظیم کرتے ہیں اور اسی وجہ سے اہل معاملات کو (جن کا معاملہ اللہ سے
درست ہے) ہر نوع کی عبادت سے ایسی لذت و راحت حاصل ہوتی ہے جیسی اہل دنیا

کو شہوت سے لذت حاصل ہوتی ہے چونکہ مسجد کو بھی اس نسبت شریفہ کی وجہ سے ایک خاص حرمت حاصل ہے اسلئے خلاف حرمت افعال سے کراہت اور ممانعت وارد ہوئی اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور بات ہوتی (جیسے اہل حلول کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کعبہ میں یا مسجد میں حلول کئے ہوئے ہیں) تو اس کی سزا ضرب یا قتل ہوتی (محض کراہت اور ممانعت پر اکتفا نہ کیا جاتا) اس تحقیق سے بھی اس حجت کی تائید ہو گئی جو ہم نے اہل حلول و اہل تجسیم کے مقابلہ میں بیان کی ہے۔

تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا ، قولہ الوجہ السابع منہ من الحکمۃ ان العبادۃ لما کانت من محدث متحیز الی قولہ تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا۔

ف بعض معاندین نے اہل اسلام پر اعتراض کیا ہے کہ وہ ہم کو بت پرستی سے منع کرتے ہیں اور خود کعبہ کی پرستش کرتے ہیں۔ اس کا جواب مفصل دیکھنا ہو تو رسالہ قبلہ نما مؤلفہ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ سرہ میں ملاحظہ کیا جاوے۔ نیز رسالہ اشرف الجواب حصہ اول کا بھی مطالعہ کیا جاوے۔

مختصر جواب یہ ہے کہ جو جس کی عبادت کرتا ہے وہ اس کی عبادت سے انکار نہیں کر سکتا اور مسلمان صاف کہتے ہیں کہ ہم کعبۃ اللہ کی پرستش نہیں کرتے نہ اس کو معبود سمجھتے ہیں نہ اس کی ساتھ وہ معاملہ کرتے ہیں جو عابد معبود سے کیا کرتا ہے پس مسلمانوں پر عبادت کعبہ کا الزام محض بہتان و اتہام ہے، اسلام کا مسئلہ ہے کہ جو شخص کعبہ کو معبود سمجھ کر اسی کو سجدہ کا قصد کرے وہ مسلمان نہیں بلکہ مشرک ہے۔ اب مسلمانوں کا جو برتاؤ کعبہ کے ساتھ ہے وہ بھی ملاحظہ ہو مسلمان کعبہ میں داخل ہوتے ہیں ضرورت کے وقت اس کی چھت پر بھی چڑھتے ہیں جس میں اس کے اوپر پاؤں لگے جاتے ہیں اور کوئی عابد اپنے معبود پر پاؤں نہیں رکھ سکتا نماز کے بعد مسلمان کعبہ کی طرف پشت کر لیتے ہیں بعض کعبہ سے کمر لگا کر اللہ کی یاد میں مشغول ہوتے ہیں اور کوئی عابد اپنے معبود سے کمر لگا کر نہیں بیٹھ سکتا ؟ بعض دفعہ کعبہ کی از سر نو تعمیر کر لئے منہدم بھی کیا گیا اس وقت کعبہ کا کچھ حصہ زمین پر نہ تھا مگر نماز اس

رہنے بھی ہونی رہی موقوف نہیں ہوئی جو اسکی صاف دلیل ہے کہ کعبہ معبود نہیں ورنہ کعبہ کی عدم موجودگی میں عبادت بھی موقوف ہو جاتی ۔ بس مسلمانوں کو کعبہ سے صرف اتنا تعلق ہے کہ نماز میں اسکی طرف منہ کرتے ہیں مگر کسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اس کے معبود ہونے کو مستلزم نہیں دیکھو مسجدوں میں عام طور سے ایک دو نہیں چار پانچ صفیں نمازیوں کی ہوتی ہیں جن میں دوسری صف والوں کا منہ پہلی صف والوں کی طرف ہوتا ہے اور تیسری صف والوں کا دوسری صف والوں کی طرف تو کیا پہلی صف والے ان کے معبود ہو گئے ؟ ہرگز نہیں ، آدمی جس طرف بھی منہ کرے گا اس کے سامنے کوئی نہ کوئی چیز ضرور ہوگی تو معلوم ہوا کہ نماز میں کسی چیز کا سامنے ہونا معبودیت کو مستلزم نہیں بلکہ معبودیت کے لئے قصد عبادت ضروری ہے سو اس کو مسلمانوں کی نماز دیکھ کر معلوم کر لیا جائے کہ اس کے جملہ اذکار وادعیہ میں کہیں بھی کعبہ کی عبادت کا ذکر نہیں آتا بلکہ اول سے اخیر تک اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کا ذکر آتا ہے ۔

ایاک نعبد و ایاک نستعین

اے اللہ ! ہم صرف آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں

دلا یہ کہ مسلمان کعبہ کی طرف منہ کیوں کرتے ہیں سو اس سوال کا کسی کو حق نہیں لیکن تبرعاً ہم اس کا بھی جواب دیتے ہیں کہ زمین میں سب سے پہلے عبادت گاہ کعبہ ہے اس لئے مسلمانوں کو نماز میں اس کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا تاکہ ہر شخص اپنی رائے سے اپنا الگ قبلہ تجویز نہ کرے کہ اس میں نزاع کا بھی احتمال تھا اور تعدد معبودین کا بھی اور قدیم عبادت گاہ کو قبلہ بنانے میں یہ تمام احتمالات مرتفع تھے نیز اس میں کسی خاص جہت کی تخصیص و ترجیح بھی باقی نہ رہتی تھی اگر کوئی شخص ہوائی جہاز پر سوار ہو کر تمام عالم کے مسلمانوں کو نماز کے وقت دیکھے تو کسی کو مغرب کی طرف نماز پڑھتا ہوا پائے گا کسی کو مشرق کی طرف کسی کو جنوب کی طرف کسی کو شمال کی طرف جس سے صاف معلوم ہو جائیگا کہ مسلمانوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی خاص جہت مخصوص نہیں ایما تولوا فثم وجہ اللہ ، تم جس طرف بھی منہ کر لو اللہ کی ذات ادہر ہی ہے پھر چونکہ نماز اللہ تعالیٰ

کی عظیم الشان عبادت ہے اور کعبہ قبلۂ نماز ہے تو اس نسبت و اضافت کی وجہ سے کعبہ کا احترام لازم ہوا مگر احترام سے معبودیت لازم نہیں احترام تو انبیاء علیہم السلام اور قرآن کریم کا بھی واجب ہے مگر ان میں سے کوئی بھی مسلمانوں کا معبود نہیں بلکہ سب جانتے ہیں کہ ان کا احترام محض اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی وجہ سے ہے سو درحقیقت یہ ان کا احترام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کا احترام ہے، رہا حجر اسود کو چومنا سو یہ بھی عبادت نہیں بلکہ محبت کا بوسہ ہے جیسا اپنے بیوی بچوں کو چوما کرتے ہیں۔ رہا یہ کہ اس سے محبت کیوں ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حجر اسود جنت کا پتھر ہے۔ عالم آخرت کی نشانی اور یادگار ہے اور مسلمانوں کو آخرت سے جو اُن کا اصلی وطن ہے محبت ہے اور وطن کی چیز محبوب ہوتی ہے اس لئے حجر اسود ان کو محبوب ہے، خوب سمجھ لو۔

باب بست و ہفتم

حدیث

حُبّہ صلی اللہ علیہ وسلم التیامن

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیامن کو یعنی دائیں طرف سے شروع کرنے کو اپنے ہر کام میں پسند کرتے تھے جہاں تک ہو سکتا، پاکی میں بھی، کنگھی کرنے میں بھی اور جوتہ پہننے میں بھی۔

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر کام میں دائیں طرف سے شروع کرنا محبوب تھا اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۷۸) دین کا ہر جز و مطلوب ہے، فرض بھی نفل بھی مستحب بھی

حدیث سے معلوم ہوا کہ عدم استطاعت ترک مستحب کے لئے عذر ہے یعنی اگر استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے مستحب فوت ہو جائے تو یہ شخص معذور ہے (مثلاً کسی کے دائیں ہاتھ میں زخم ہو چوٹ ہو اس لئے بائیں ہاتھ سے کام کرتا ہو) اور جب فرائض میں بھی عدم استطاعت عذر ہے تو مستحباب میں بدرجہ اولیٰ۔ رہا یہ سوال کہ پھر حضرت عائشہ نے مستحب میں اس کو کس لئے ذکر کیا جبکہ فرائض میں بھی اس کا عذر ہونا معلوم تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مستحباب کی بجاآوری کی تاکید مقصود

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مستحب سے وہی شے مانع ہو سکتی تھی جو فرض سے
مانع ہو سکتی ہے کیونکہ دین سب کا سب یکساں مطلوب ہے، فرض بھی نفل بھی مستحب
بھی ہر ایک اپنے اپنے درجہ میں مقصود ہے کسی کو بلا وجہ نہیں چھوڑا جا سکتا اور یہ علم
فقہ کا عظیم الشان قاعدہ ہے پہلے بھی اس کی نظیر گذر چکی ہے۔

قولہ الوجہ الثانی فیہ دلیل علی ان عدم الاستطاعۃ عذر فی
ترک المستحب الی قولہ وقد تقدم مثلہ

ف یہاں سے مومنین کے اس مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ وہ مستحبات کا بھی
اہتمام فرماتے ہیں بلا عذر ان کو ترک نہیں کرتے لیکن اس کی ساتھ یہ قید ضروری ہے کہ ہر چیز
اپنے درجہ پر رہے درجہ سے آگے نہ بڑھنے پائے جس کی طرف شارح نے اشارہ بھی کر دیا
ہے پس اگر کسی وقت کسی مستحب کو اس کے درجے سے بڑھا کر واجب سمجھ لیا جائے یعنی
عوام اس کے ساتھ واجب کا سا معاملہ کرنے لگیں مثلاً تارک پر ملامت وطعن کرنے
لگیں اور اس کی بجا آوری کے لئے دیگر احکام کو فوت کرنے لگیں مثلاً قرض کر کے اس
کو پورا کریں وغیرہ وغیرہ تو ایسی حالت میں اس مستحب کا اہتمام نہ کیا جائے بلکہ اس کے
اہتمام سے روکا جائے گا اور یہ حقیقت میں مستحب سے روکنا نہ ہوگا بلکہ ابتداع سے
روکنا ہوگا خوب سمجھ لو۔

(۱۷۹) تعلیم اور بیان میں اولاً اجمال پھر تفصیل ہونا چاہیئے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اول تو مجملاً یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام میں تیامن
کو پسند کرتے تھے پھر تین کاموں کو بطور مثال کے ذکر فرمایا اس میں اس اجمال کی تفصیل ہے
کیونکہ انہوں نے پاکی کا ذکر فرمایا ہے جو مفروضات میں اعلیٰ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے اس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ پاکی آدھا ایمان ہے پھر کنگھی کا ذکر کیا جو سنن زوائد
میں زیادہ مؤکد ہے پھر جوتہ پہننے کا ذکر فرمایا جو مباحات میں سب سے بڑھ کر ہے تو
بتلا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام فرائض اور مستحبات اور مباحات میں

یہی حالت تھی کہ سب میں تیامن کو پسند فرماتے تھے۔ اس سے یہ علمی مسئلہ مستنبط ہوا کہ تعلیم اور بیان میں اولاً اجمال سے کام لینا تاکہ یاد کرنا سہل ہو پھر تفصیل اور تقسیم سے کام لینا تاکہ اچھی طرح سمجھ میں آجائے بہترین طریقہ ہے۔

قوله الوجه الرابع فيه زوال الالتباس الى قوله والتقسيم بعد من اجل التفهيم

ف۔ آدابِ کلام کی رعایت کرنا حضرات صوفیہ کا خاص مذاق ہے جس کی تائید حضرات صحابہ کے طرز کلام سے ہوتی ہے جو سب سے زیادہ متبع سنت تھے۔

(۱۸۰) جس چیز کو اللہ نے ترجیح دی ہے اس کو ترجیح دینا چاہیئے

اس میں حکمت کیا تھی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دائیں طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے؟ جواب یہ ہے کہ اس میں اس شے کی ترجیح کا اظہار تھا جس کو خدائے حکیم نے اپنی حکمت سے ترجیح دی ہے واللہ اعلم

تفصیل اس کی یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یمین کو دائیں جانب کو فضیلت دی ہے اور اہل یمین کو بھی فضیلت دی ہے ان کی تعریف فرمائی ہے چنانچہ اہل جنت کو بھی اہل یمین کہا گیا ہے اور جہنمیوں کو اصحاب شمال تو حضور کو اس چیز سے محبت تھی جس کو علیم حکیم نے ترجیح دی ہے اور یہ محبت درحقیقت تعظیم شعائر کی انتہا پر پہنچنے کی دلیل ہے کہ قلب مبارک کو اس سے خاص شغف تھا اسی لئے ہر کام میں ترجیح یمین کا اہتمام فرماتے تھے اور یہ امر قوت ایمان پر دال ہے تو جس شخص کو اپنے دل میں اس محبت یمین کا احساس ہو۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے محبت تھی تو اس کو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور اگر کسی کو اپنے دل میں اس محبت کا احساس نہ ہو اسے حضور کا اتباع کرنا اور اس محبت کی تحصیل کے اسباب پر عمل کرنا اور محبین کے ساتھ تشبہ کرنا چاہیئے کہ اس سے بھی عمل صالح کی محبت دل میں پیدا ہو جاتی ہے اسی لئے بعض حکماء نے فرمایا ہے

ان التشبه بالكرام فلاح

بزرگوں کے ساتھ تشبہ کرنا بھی کامیابی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے کھیعص (سورہ مریم) کا سجدہ تلاوت کر کے سجدہ کیا فرمایا یہ تو سجدہ ہے مگر رونا کہاں ہے یہ اس لئے فرمایا کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ جب اللہ کے نیک بندوں کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں روتے ہوئے اس مقام پر امت محمدیہ کو ان حضرات کی تقلید و اتباع میں سجدہ کا حکم ہے کہ تم بھی ان کی طرح سجدہ میں گر جاؤ۔ عبداللہ بن عباس نے متنبہ فرمایا کہ علماء کی تقلید کامل جب ہوگی کہ سجدہ کے ساتھ رونا بھی ہو کیونکہ وہ حضرات روتے ہوئے سجدہ میں گرتے تھے اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت ہی بنالو کہ یہ تو اپنے اختیار میں ہے اگر رونا اختیار میں نہیں اور یہاں سے معلوم ہوا کہ اہل خیر کے ساتھ تشبہ کرنا صلحاء کی صورت بنانا خیر ہے جب کہ ان کی محبت اس تشبہ کا منشا ہو اور محبت اللہ عزوجل کے واسطے ہو کسی اور غرض سے نہ ہو اور اسی قیاس عکس کے طور پر یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل شر کیساتھ تشبہ کرنا شر ہے اسکی تائید اس سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کے تشبہ سے منع فرمایا ہے چنانچہ قیاس تو مؤید بالحدیث ہوگیا نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

من تشبه بقوم فهو منهم

جو جس جماعت سے تشبہ کریگا وہ ان ہی میں شمار ہوگا

یہ حدیث اپنے عموم سے تشبہ باہل الخیر و تشبہ باہل الشر دونوں کو شامل ہے اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے صلحاء کی مشابہت عطا فرمائے حالاً بھی اور مقالاً بھی

قوله الوجه الرابع واما الحكمة في كونه صلى الله عليه وسلم يحبه و في الوجه الخامس يترتب على ذلك من الفقه ان التشبه باهل الخير من الخير الى قوله من الله علينا باحوالهم حالاً و مقالاً

مسئلہ تشبہ حضرات صوفیہ کو اہل خیر کے تشبہ کا جسقدر اہتمام ہے ظاہر ہے اسیطرح اہل شر کے تشبہ سے بھی وہ بہت احتراز کرتے ہیں افسوس ہے کہ

آج کل بعض علماء نے اس میں بہت کوتاہی اختیار کر رکھی ہے انگریزوں سے نفرت کا دعویٰ

ہے مگر انگریزیت سے محبت ہے۔ رزولیوشن، الیکشن، ووٹ، کثرت رائے پر فیصلہ ان کے جلسوں کا شعار ہے۔ تقریر کا رنگ بھی بدل گیا قال اللہ وقال الرسول کی جگہ جغرافیہ حساب اور آٹے دال کا بھاؤ رہ گیا اور بعض طلبہ کو دیکھ کر ان کی مجلسوں میں بیٹھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ طالبان علوم دینیہ ہیں، لباس کی وضع، گفتگو کا طریقہ مجلسوں کی ہیئت یہ بتلاتی ہے کہ ان کو علم دین سے دور کا بھی واسطہ نہیں انا للہ وانا الیہ راجعون یہ ہے تشبہ کا اثر جو ظاہر سے باطن میں سرایت کرتا اور دل کو تباہ و برباد کر دیتا ہے یہ تو تشبہ اہل شر کا نتیجہ تھا۔ تشبہ اہل خیر کا یہ اثر ہے کہ بہت لوگ اولاً بزرگوں کی نقل ریا سے کرتے تھے ان ہی جیسا لباس ان ہی جیسی وضع اور تسبیح و سجادہ اختیار کرتے تھے رفتہ رفتہ ریا عادت ہوگئی اور عادت عبادت ہوگئی پھر خلوص پیدا ہوا تو مس خام کو کندن بنادیا ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ ریاکار صوفی کو بھی برا نہ کہو کیونکہ گو وہ ریا میں مبتلا ہے مگر اس عیب کے ساتھ اس میں ایک ہنر بھی ہے کہ اہل اللہ کی عظمت اس کے دل میں ہے کیونکہ انسان اسی کیساتھ تشبہ کرتا ہے جسکی عظمت اسکے دل میں ہوتی ہے اگر اس کے دل میں اہل اللہ کی عظمت نہ ہوتی تو وہ ان کی وضع اختیار نہ کرتا بلکہ اہل دنیا کی وضع اختیار کرتا اھ اس سے ان علماء کو جو اہل شر کی وضع اختیار کرتے ہیں متنبہ ہونا چاہیئے کہ ان کے دل میں اہل دنیا کی عظمت ہے اہل دین کی عظمت نہیں جب ہی تو وہ اہل دین کی وضع چھوڑ کر اہل دنیا کی وضع اختیار کرتے ہیں اور اس کا مذموم ہونا بدیہی ہے وقانا اللہ وایاکم عذاب السموم

باب بست و نہم ۲۹

حدیث

المسافر اذا قدم من سفرہ یبدأ بالمسجد

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو مسجد سے ابتدا کرتے اس میں پہلے جاتے اور نماز پڑھتے۔

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ مسافر جب سفر سے واپس آئے تو سنت یہ ہے کہ گھر میں جانے سے پہلے مسجد میں جائے۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۸۱) **سفر سے واپسی پر اوّل مسجد میں جانا چاہیئے** اس سے معلوم ہوا کہ مسافر کو شہر میں ایسے وقت داخل نہ ہونا چاہیئے جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس وقت نماز نہ ہو سکے گی جس کے لئے مسجد میں جایا جاتا ہے اور اگر مسافر سنت کے موافق سفر کرے گا تو وہ اپنے شہر میں ایسے ہی وقت داخل ہوگا جس میں نماز جائز ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے جب واپس تشریف لاتے تو مدینہ منں چاشت کے وقت داخل ہوا کرتے تھے اور اس سے منع فرماتے تھے ......

نررات کے وقت اپنے گھر والوں کے پاس پہنچے نیز جب آپ سفر کیلئے

تشریف لیجانے اس وقت بھی مسجد میں نماز پڑھ کر شہر سے نکلتے تھے اب اگر یہ فعل محض تعبدی تھا جس کی کوئی عقلی علت نہیں جب تو کسی بحث کی ضرورت نہیں اور اگر معقول المعنی تھا جس کی کوئی عقلی علت بھی ہے تو اس میں حکمت واللہ اعلم یہ تھی کہ یہ عمل مسجد اور نماز سے برکت حاصل کرنے اور اپنی احتیاج ظاہر کرنے کے لئے تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کے لئے شہر سے نکلتے تو یوں فرمایا کرتے تھے۔

(اللھم) انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل والمال

اے اللہ! سفر میں آپ ہی میرے ساتھی ہیں اور میرے پیچھے گھر بار کے بھی آپ ہی محافظ ہیں۔

اور آپ کا سفر جہاد یا حج کے سوا کسی اور کام کے لئے نہ ہوتا تھا اور طاعات میں اللہ تعالیٰ کی معیت ضرور ہوتی ہے مگر پھر بھی آپ حصول معیت کے لئے دعا فرماتے تھے۔ اور واپسی کے وقت شہر میں داخل ہو کر یہ فرماتے تھے۔

آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ

ہم گھر کو واپس آگئے ہم توبہ کرنے والے ہیں، بندگی کرنیوالے ہیں اپنے پروردگار کی حمد کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا اپنے بندہ کی مدد کی اور کفار کی جماعتوں کو تنہا شکست دیدی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کلمات کو سفر میں جاتے ہوئے اور واپس آتے ہوئے بلند آواز سے کہنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق اور التجا اور جملہ اقوال وافعال میں مخلوق سے بیزاری اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ظاہر کرنے کے لئے تھا اسی طرح آپ عملاً بھی اللہ کے گھر کی فضیلت تمام مکانوں پر ظاہر کرتے تھے کہ جاتے ہوئے مسجد سے سفر شروع کرتے اور واپس ہوتے ہوئے اول مسجد میں داخل

ہوتے تھے تاکہ حال قول کے موافق ہو، عمل گفتار کے مطابق ہو۔

مومن کا عمل قول کا مصدق ہونا چاہیئے

یہاں سے یہ علمی مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ مومن کو ایسا ہونا چاہیئے کہ اس کا عمل قول کی تصدیق کرے ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ عمل قول کے خلاف ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی مذمت کی ہے جن کا عمل قول کی تصدیق نہیں کرتا۔ چنانچہ ارشاد ہے

یا ایہا الذین آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون

اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو، اللہ کے نزدیک یہ حالت بہت بری ہے کہ ایسی بات کہو جو تم کرتے نہیں ہو (ف)

الوجہ الاول اذا کان فی الاوقات المنھی عنھا الی قولہ فی الوجہ الثانی لم تقولون ما لا تفعلون

عالم بے عمل کو وعظ نہ ترک کرنا چاہیئے بلکہ بدعملی کو ترک کرنا چاہیئے

اس آیت سے بعض لوگوں کو شبہ ہوا ہے کہ بدون عمل کے عالم کو وعظ جائز نہیں ہے اور حضرت مصنف کے کلام سے بھی یہ شبہ ہو سکتا ہے مگر حکم شرعی یہ نہیں ہے امر بالمعروف و نہی عن المنکر مستقل فرض ہے اور عمل دوسرا فرض ہے، ایک فرض کے ترک سے دوسرے فرض کا ترک لازم نہیں ہو سکتا پس عالم بے عمل پر وعظ کہنا بھی فرض ہے اور خود عمل کرنا بھی فرض ہے اگر وہ خود عمل نہ کرے تو اس سے ترک وعظ جائز نہ ہوگا بلکہ اس حالت میں وعظ ترک کریگا تو دو فرضوں کا تارک ہوگا اور وعظ کہتا ہے تو صرف ایک ہی فرض کا تارک ہوگا اور تجربہ ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی برکت سے کچھ دنوں میں اسے توفیق عمل بھی ہو جاتی ہے بعض دفعہ سامعین میں کوئی مقبول بندہ ہوتا ہے اس کی دعا و توجہ سے واعظ بھی صاحب عمل

ہو کر اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو جاتا ہے اور اس آیت میں قول سے مراد دعوت نہیں بلکہ دعویٰ ہے مطلب یہ کہ ایسا دعویٰ نہ کرو جس پر عمل نہ کر سکو اور بدون کام کئے ڈینگیں نہ مارو کہ ہم نے یوں کیا اور وہ کیا حالانکہ کچھ بھی نہیں کیا۔ یہ معنی نہیں کہ ایسی بات کی دعوت بھی نہ دو جس پر تم عمل نہیں کرتے ۔

قول کا اطلاق جسطرح دعوت پر ہوتا ہے دعوی پر بھی ہوتا ہے اور یہاں دعویٰ ہی مراد ہے جس کی دلیل آیت کا شان نزول ہے ۔

روی عن ابن عباس ومجاھد انھا نزلت فی قوم قالوا لو علمنا احب الاعمال الی اللّٰہ تعالی لسارعنا الیہ فلما انزل فرض الجھاد تثاقلوا عنہ وقال قتادۃ نزلت فی قوم کانوا یقولون جاھدنا وابلینا ولم یفعلوا وقال الحسن نزلت فی المنافقین وسماھم بالایمان لاظھارھم لہ ص۴۲ ج۳

راحکام القرآن للجصاص) اور آیت اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم میں محل انکار تنسون انفسکم ہے تامرون الناس بالبر محل انکار نہیں مطلب یہ ہے کہ واعظ کو بے عمل نہ ہونا چاہیئے یہ مطلب نہیں کہ بے عمل کو وعظ نہ کہنا چاہیئے اور دونوں میں جو فرق ہے ظاہر ہے ۔

وھذا من افادات سیدی حکیم الامت دام مجدھم و علاھم ۔

(۱۸۲) تبرک بالاشیا المحترمہ کی دلیل

حدیث میں ان چیزوں سے برکت حاصل کرنے کی بھی دلیل ہے جن کی حرمت اور عظمت شریعت میں ثابت ہے مگر برکت حاصل کرنے کا طریقہ شریعت کے موافق ہونا چاہیئے برکت حاصل کرنے کی دلیل تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپسی کے وقت تبرک کے لئے مسجد سے ابتدار فرماتے تھے اسی کے حکم میں مرحومشئے ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کوئی وجہ خیر رکھ

برکت کی رکھی ہو اور اس کی دلیل کہ تبرک کا طریقہ شریعت کے موافق ہونا چاہیئے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں عشر نماز ہی پڑھتے تھے جس کی وجہ سے مسجد کو رفعت حاصل ہے اس کی دیواروں کو چومتے نہ تھے نہ اس کے سامنے کھڑے ہوکر سر جھکاتے نہ ہاتھ اٹھانے تھے اسی طرح دوسری چیزوں میں لازم ہے کہ ان کی تعظیم کرنا اور برکت حاصل کرنا شریعت کے قاعدہ پر ہونا چاہیئے اسی لئے حضرات صوفیہ ان چیزوں کا بہت احترام کرتے ہیں جن کی حرمت شریعت نے ظاہر کی ہے اور ان کا یہ احترام شریعت کے موافق ہی ہوتا ہے حدود کے تجاوز کے ساتھ نہیں ہوتا چنانچہ ایک بزرگ سے منقول ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو بھول کر بایاں پیر پہلے مسجد میں رکھ دیا حالانکہ سنت یہ ہے کہ دایاں پیر اول رکھا جائے تو وہ اپنی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ سے شرما کر بیہوش ہوکر گر پڑے کیونکہ ان سے مسجد میں داخل ہونے کی سنت فوت ہوگئی اور اس کی مخالفت ہوگئی تھی کہ سنت یہ ہے کہ مسجد میں جاتے ہوئے اول دایاں پیر رکھا جائے اور علماء کا ارشاد ہے کہ جو شخص بھولے سے بایاں پیر پہلے رکھ دے اس کو چاہیئے کہ بایاں پیر مسجد سے نکال کر دائیں کو آگے بڑھائے کیونکہ بھول کی جانب میں وہ معذور ہے تو دیکھو ان بزرگ کے دل میں مسجد کا احترام کیسا تھا کہ بائیں پیر کو آگے کرنے سے بیہوش ہوگئے حالانکہ شریعت کے نزدیک وہ اس فعل میں معذور تھے کہ بھول سے ایسا ہوگیا تھا قصداً نہ ہوا تھا تو اور کاموں میں جو فرائض و واجبات کی قسم سے ہیں اور ان کا کیا حال ہوگا جب ایک سنت کے بھول جانے کا ان پر ایسا اثر ہوتا تھا اللہ تعالیٰ ہم کو ان چیزوں کی توفیق عطا فرمائیں جو اپنے فضل سے ان کو عطا فرمائی ہیں اور اس دولت سے ہم کو بھی کامیاب فرمائیں آمین۔

قولہ الوجہ الرابع فی الحدیث دلیل علی التبرک لکل ما جعلت لہ حرمۃ الی قولہ

واسعد ناب بمنہ

ف صوفیہ میں بزرگوں کے تبرکات کے احترام کا دستور ہے کسی بزرگ کا خرقہ کسی جگہ محفوظ ہے تو اس کی زیارت کرائی جاتی ہے کسی بزرگ کی تسبیح و سجادہ کی

زیارت کرائی جاتی ہے اور اس میں عام طور سے حدود سے تجاوز کیا جاتا ہے کہیں اس کے لئے عرس ہوتا ہے کہیں اس پر نذرانہ لیا جاتا ہے۔ بعض ان تبرکات کو سجدہ کرتے ہیں ایسا تبرک و احترام شریعت کے خلاف ہے یہاں یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مشائخ سے جب ان کے معتقدین تبرک مانگتے ہیں تو ان مشائخ کا اپنی کسی چیز کو بابرکت سمجھنا اور تبرک کے طور پر مریدوں کا دینا حرام ہے ان کو تو محض تطییب قلب مسلم کی نیت کرنا چاہیئے کہ ایک شخص نے سوال کیا ہے اس کا سوال پورا کر دینے سے اس کا دل خوش ہوگا رد کرنے سے دل شکنی ہوگی اور اپنے کو بابرکت سمجھنا اور اپنی کسی چیز کو تبرک کے طور پر دینا تو صریح تکبر و عجب اور نری جہالت ہے۔

٭٭٭

باب سی و سوم

حدیث

صلوۃ الملئکۃ علی المصلی ما دام فی مصلاہ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے تم میں سے ہر شخص کو دعا دیتے رہتے ہیں جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ میں رہے جہاں اس نے نماز پڑھی تھی جب تک وضو کو نہ توڑے یوں کہتے رہتے ہیں اے اللہ اسکی مغفرت فرما اے اللہ اس پر رحم فرما۔

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ فرشتے برابر نمازی کو دعا دیتے رہتے ہیں جب تک اس جگہ میں رہے جہاں اس نے نماز پڑھی تھی اسکے لئے استغفار کرتے اور رحمت طلب کرتے ہیں اس پر چند وجوہ سے کلام ہے

۳۸۱۔ نماز شرعی اور لغوی کا فرق کیا یہ حکم ہر نمازی کے لئے عام ہے خواہ اسکی نماز کامل ہو یا ناقص ؟ اگر لغت پر نظر کی جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ ہر مصلی کو عام ہے مگر یہ درست نہیں اور اگر شریعت کے لحاظ سے دیکھا جائے کہ نماز کس لئے مقرر کی گئی اور نماز کیا ہے جس کو شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فرمایا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جس نے نماز میں رکوع و سجود پوری طرح نہیں کیا تھا یہ ارشاد فرمایا تھا ارجع فصل فانک لم تصل نماز دوبارہ لوٹاؤ کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی اسکو لغۃً تو آپ نے مصلی قرار دیا شرعاً مصلی نہیں قرار دیا نیز آپ کا ارشاد ہے جب نماز مقبول نہیں ہوئی،

تو پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر پڑھنے والے کے منہ پہ مار دی جاتی ہے نیز حضور کا ارشاد ہے من لم تنھہ صلاتہ عن الفحشاء والمنکر لم یزدد من اللہ الا بعداً جس کی نماز نے اس کو بے حیائی اور برے کاموں سے نہ روکا وہ اللہ سے دور ہی ہوتا رہیگا تو شرعاً جس شخص نے نماز شرعاً نہیں پڑھی (گو ظاہراً پڑھی ہو) اور جس کی نماز کے منہ پہ مار دی گئی اور جسکو اللہ سے بعد ہی بڑھتا گیا اس کے لئے ملائکہ کیونکر دعا یا استغفار کر سکتے ہیں؟ یہ تو شرعاً و عقلاً محال ہے۔
شرعاً محال ہونیکی دلیل تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے اولٰئک الذی یلعنھم اللہ ویلعنھم اللاعنون یہ وہ لوگ ہیں جن پہ اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنیوالے بھی لعنت کرتے ہیں تو جس پہ اللہ تعالیٰ اور سب لعنت کرنیوالے لعنت کریں اس کے لئے دعا د استغفار کیسا؟ اور عقلاً محال ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جس کا عمل عذاب عقاب کو مقتضی ہو اس کے لئے فرشتوں کی طرف سے دعا یا استغفار کیسے ہو سکتا ہے؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ میں ہے جہاں نماز پڑھی ہے، اس نمازی کے حق میں ہے جس نے شرعی نماز پڑھی ہو جس پہ ثواب عطا ہوتا ہے۔ ایسی نماز نہ پڑھی جائے جو اس پہ لعنت کرتی ہوئی جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو اس وبال سے محفوظ رکھے اور کامل نماز کی توفیق عطا فرمائے (آمین) یہاں ایک سوال ہوگا وہ یہ کہ جس کی کچھ نماز قبول ہوگئی ہو اور کچھ قبول نہ ہوئی ہو اسکو بھی یہ خیر و برکت حاصل ہوگی یا نہ؟ کیونکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی نماز تو پوری قبول ہو جاتی ہے کسی کی آدھی قبول ہوتی ہے۔ کسی کی تہائی کسی کی چوتھائی۔ وعلیٰ ہذا القیاس تو ایسے لوگ اگر نماز کے بعد کچھ دیر اسی جگہ بیٹھے رہیں جہاں نماز پڑھی تھی ان کے لئے فرشتے دعا یا استغفار کریں گے یا نہیں تو واللہ اعلم ظاہر تو یہ ہے کہ ان کے لئے اس خیر کی امید ہے کیونکہ ان کی فرض نماز قیامت کے دن نفل نمازوں سے پوری کی جائیگی جو نقصان فرض میں رہ گیا ہوگا نوافل سے اسکی تلافی کر دی جائیگی یہ اسی دعا کا اثر ہے جو فرشتوں نے اس کے لئے کی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پہ فضل فرمایا کہ فرض میں جو کوتاہی رہ گئی تھی اسکی جگہ نفل کو قبول فرمالیا، یہ اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے اسکے لئے مغفرت کی دعا کرتے اور یوں کہتے ہیں

اے اللہ اسکی مغفرت فرما اور مغفرت اسی وقت ہوتی ہے جب کچھ کوتاہی ہو گئی ہو اور اسکے ساتھ فرشتوں کا یہ کہنا کہ اے اللہ اسکی مغفرت فرما اس بات کو بتلاتا ہے کہ یہاں کوئی عمل ایسا بھی ہے جو رحمت کو مقتضی ہے۔ قولہ الوجہ الاول ھل ھذا علی عمومہ الی قولہ دل ان ھنالک عملا یوجب الرحمۃ

ف غرض فرشتوں کا اللھم اغفرلہ واللھم ارحمہ کہنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ جن لوگوں کی نماز میں سے کچھ حصہ مقبول کچھ نا مقبول ہو وہ اس فضیلت کے مستحق ہیں کیونکہ مغفرت و رحمت کے مستحق ایسے ہی لوگ ہیں جنہوں نے کچھ کوتاہی کی ہو کچھ نیکی کی ہو

(۱۸۴) دلیل فضیلت نماز بر اعمال دیگر

اس میں دیگر اعمال سے نماز کی فضیلت پر بھی دلیل ہے یہ اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے نمازی کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں اگرچہ نماز سے فارغ ہوکر کسی اور کام میں لگ بھی جائے جب تک وہ اسی جگہ میں رہے جہاں نماز پڑھی تھی اور یہ بات نماز کے سوا کسی اور عبادت کے لئے وارد نہیں ہوئی الوجہ الثانی فیہ دلیل علی فضیلۃ الصلوٰۃ الی قولہ ولم یأت مثل ذلک فی غیرھا من العبادات

ف افسوس ہے کہ ایسی افضل عبادت کیساتھ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ اسکو اسطرح بے پروائی سے ادا کرتے ہیں کہ یہی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ قابل قبول ادا ہوئی یا نہیں حضرات صوفیہ رضی اللہ عنہم کو تکمیل صلاۃ کا جس قدر اہتمام ہے مشاہد ہے ہم نے اپنے اکابر کو اسی قدم پر پایا ہے۔ حضرت مولانا گنگوھی قدس اللہ سرہٗ کی نماز کو جس نے دیکھا ہے وہ بیساختہ بول اٹھتا ہے کہ خدا کیلئے نماز ایسی ہی ہونی چاہیئے یہی شان حضرت سیدی مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نماز کی تھی رزقنا اللّٰہ وایاکم تمام الصلوٰۃ وتمام الوضوٗ وتمام رضوانہ آمین

(۱۸۵) دلیل فضیلت صلحائے بنی آدم بر ملائکہ

اس میں ان لوگوں کی بھی دلیل ہے جو صلحاء بنی آدم کو ملائکہ پر فضیلت دیتے ہیں کیونکہ یہ نیک بندے اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں

اور فرشتے ان کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔ یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ اس جگہ سے کیا مراد ہے جہاں نمازی نے نماز پڑھی آیا اس سے مراد وہی جگہ ہے جہاں قیام اور سجدہ کیا تھا یا وہ پورا مکان یا گھر جس میں نماز کی جگہ تجویز کی گئی

نماز کی جگہ سے کیا مراد ہے سو جمہور تو اسی طرف ہیں کہ قیام و سجدہ کی جگہ مراد ہے اور بعض نے جو غالباً قاضی عیاض ہیں یہ فرمایا ہے کہ وہ پورا گھر مراد ہے جس کو نماز کے لئے تجویز کیا گیا ہے اگرچہ اس خاص جگہ میں نہ بیٹھے جہاں نماز ادا کی ہے (بلکہ جب تک اس مسجد یا گھر میں رہیگا جہاں نماز پڑھی تھی فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے رہیں گے مثلاً کسی نے مسجد میں نماز پڑھی پھر اس جگہ سے جہاں نماز پڑھی تھی ہٹ گیا مگر مسجد کے اندر ہی رہا اس سے اور اس کے حدود و متعلقات سے باہر نہیں گیا مسجد کے حجرہ میں چلا گیا یا مسجد کے اندرونی یا بیرونی حصہ میں بیٹھ گیا تو فرشتے اسکے لئے دعا کرتے رہیں گے وھو قول کثیر بعض مجمع علیہ وقول واحد (ولم ینشرح صدری بھذا الکلام فلم ادترجمہ) حدث سے مراد وہ شے ہے جو وضو کو توڑ دے یہاں ایک سوال اور ہے کہ آیا یہ حکم تمام نمازوں کو عام ہے خواہ فرض نماز ہوں یا نوافل ظاہر عموم ہی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو عموم ہی سے بیان فرمایا ہے۔ قولہ الوجہ الثالث فیہ دلیل لمن یفضل الصالحین من بنی آدم الی قولہ لانہ صلی اللہ علیہ وسلم اتی بہ نکرۃ

ف ہم نے اپنے اکابر کو اسی قول پر عامل پایا ہے جو قاضی عیاض سے منقول ہے حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ نماز فجر وغیرہ کے بعد اپنے حجرہ میں تشریف لے آتے تھے جو مسجد سے ملحق تھا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی معمول تھا اور حضرت حکیم الامت دام مجدہم کا بھی اسی پر عمل ہے یہ حضرات مصلی کو اسی مقام سے مخصوص نہیں کرتے جہاں نماز ادا کی ہے بلکہ مسجد اور متعلقات مسجد کو عام رکھتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم وفی الحدیث انا عند ظن عبدی بی فلیظن بی ماشاء

(۱۸۶) خوشخبری سنانے میں سنت یہ ہے کہ اول ادنیٰ کو بیان کرے پھر اعلیٰ کو

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بشارت دینے میں سنت یہ ہے کہ اول کمتر بات بیان کی جائے پھر اعلیٰ درجہ پر اسکو ختم کیا جائے کیونکہ دل خوش کرنے میں اس کا زیادہ اثر ہے، یہاں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً بشارت کو اجمالاً بیان فرمایا کہ فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں، پھر بعد میں اسکی تفسیر فرمائی تو اجمال میں یہ احتمال تھا کہ وہ اعلیٰ درجہ کی دعا دیتے ہوں یا ادنیٰ درجہ کی مگر سننے والوں کو اس سے بھی خوشی حاصل ہوئی کیونکہ یہ بھی خیر میں ترقی اور زیادت ہی ہے کہ فرشتے دعا کریں خواہ کیسی ہی دعا کریں اسکے بعد دعا کی تشریح فرمائی کہ مغفرت اور رحمت کی دعا دیتے ہیں اور جسکی مغفرت ہو جائے اور جس پر رحمت ہو جائے تو یہ تو بڑا اعلیٰ درجہ کا انعام ہے۔ قوله الوجه الخامس فيه دليل على ان السنة فى البشرى الخ قوله فمن غفر له ورحم فهو اعلى الجوائز

ف مغفرت اور رحمت کا اعلیٰ درجہ کا انعام ہونا ہمارے اکابر کا خاص مذاق ہے۔ یہ حضرات عالی مقامات عالیہ کے طالب نہیں ہوتے صرف مغفرت و رحمت کے طالب ہوتے ہیں کہ جس کو بخش دیا گیا جس پر رحمت ہو گئی اس کو سب کچھ مل گیا اگرچہ جنتیوں کی جوتیوں میں ہی جگہ مل جائے قاله سیدی حکیم الامت دام مجده وعلاه وقد تايد قوله بقول المصنف فلله الحمد

(۱۸۷) جس طاعت کے بعد دوسری طاعت نہ ہو اس میں خلل ہے

اس میں حضرات صوفیہ کے اس قول کی بھی دلیل ہے کہ جس طاعت کے بعد دوسری طاعت نہ ہو اس میں خلل ہے یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ ملائکہ تم میں سے ہر شخص کو دعا دیتے رہتے ہیں جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ میں رہے تو چونکہ اس کی نماز یا اس کا کچھ حصہ مقبول ہو چکا تھا تو اس کے بعد دوسری طاعت اس کے پیچھے پائی گئی یعنی نماز کی جگہ میں بیٹھا رہنا جسکی وجہ سے فرشتوں نے اس کے لئے استغفار کیا تو ایک خیر کے پیچھے دوسری

خیر پائی گئی جیسا بزرگوں نے فرمایا ہے،

یہاں یہ سوال ہوگا کہ اس واقعہ کی اطلاع دینے پر شرعی اور علمی فائدہ کون سا مرتب ہوا؟ جواب یہ ہے کہ اس میں اس جگہ پر (کچھ دیر تک) جمے رہنے کی ترغیب ہے جہاں نماز پڑھی گئی ہے تاکہ نمازی کو یہ خیر زائد ہو کہ فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی خبر نہ دیتے تو کسی کو بھی اس کا علم نہ ہوتا جو اس پر عمل کر کے یہ خیر و برکت حاصل کرتا مگر دیکھو تو کہ آج اسکے جاننے کے بعد بھی کتنے ہیں جو اس پر عمل کرتے ہیں۔ شاذ و نادر ہی کوئی اس پر عمل کرتا ہے۔ تو جاننے کے بعد اس سے اعراض کرنا اس حقیقت کو بتلا رہا ہے جسکی طرف حضرات صوفیہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ نماز کی جگہ سے جلدی ہٹ جانا اسکی دلیل ہے کہ نماز قبول نہیں ہوئی۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص مواضع خیر سے محروم ہوگیا اس پر اندیشہ ہے کہ وہ اہل خیر سے نہیں بلکہ اہل شر سے ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قصہ سے روشنی پڑتی ہے کہ انہوں نے حق تعالیٰ سے عرض کیا اے رب! کیا میں اس بات کو معلوم کر سکتا ہوں کہ آپکے نزدیک میرا واسطے کیا ہے؟ (یعنی میں آپکے نزدیک کیسا ہوں؟) فرمایا اے موسیٰ! جب تم دنیا حاصل کرنا چاہو اور میں تم کو اس سے روک دوں اور آخرت حاصل کرنا چاہو تو میں اسکو تمہارے لئے آسان کر دوں پس سمجھ جاؤ کہ تمہارے لئے میرے پاس کچھ حصہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا کسی کے لیے نیکی کو آسان کر دینا علامات خیر میں سے ہے قوله الوجه السادس فيه دليل لاهل الفتوى الى قوله فالتيسير منه عزوجل للخير من علامة الخير

ف حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کا ارشاد ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کہہ کر جب دوبارہ اللہ کہنے کی توفیق ہوگئی تو سمجھ لو پہلی دفعہ کا قبول ہوگیا ہے ورنہ دوبارہ توفیق نہ ہوتی۔ اسی طرح ایک نماز کے بعد جب دوسری نماز کی توفیق ہوگئی یہ اسکی علامت ہے کہ پہلی قبول ہوگئی ہے ورنہ دوسری کی توفیق نہ ہوتی۔ اس مقام سے بھی حاجی صاحب کے اس ارشاد کی تائید ہوتی ہے وقال الرومی ؎

گفت آں اللہ تو لبیک ماست

ویں نیاز و سوز و دردت پیک ماست

اللہ کے ساتھ حسن ظن اور تقویت رجا کیلئے یہ مضمون بہت مفید ہے حدیث میں ہے
انا عند ظن عبدی بی فلیظن بی ماشاء میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں،
اب وہ جو چاہے میرے ساتھ گمان قائم کرے پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ گمان
رکھے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کا خاتمہ بالخیر کریں گے اور بدون حساب و عذاب کے اس کو
بخش دیں گے انشاء اللہ اس کے ساتھ یہی معاملہ ہوگا اور جو یہ گمان رکھے گا کہ اللہ تعالیٰ
نے میری عبادت کو قبول فرما لیا ہے اس سے ایسا ہی معاملہ ہوگا پس اللہ سے نیک
گمان رکھو اور وساوس و خطرات شیطانی و نفسانی کی پرواہ نہ کرو کہ وہ تم کو اللہ سے
بدگمان کرنا چاہتے ہیں۔

اعاذنا اللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا

و

باب ۲۱ دینی تعلیم

حدیث

سجود السہو

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں شام کی دو نمازوں میں سے ایک نماز پڑھائی (ظہر کی یا عصر کی) ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ نے تو اس نماز کا نام لیا تھا مگر میں بھول گیا، ابوہریرہ نے کہا پس آپ نے ہم کو دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیا اسکے بعد ایک لکڑی سے جو مسجد کے عرض میں لگی ہوئی تھی سہارا لگا کر کھڑے ہو گئے (ایسا معلوم ہوتا تھا) گویا آپ غضبناک ہیں۔ حضور نے دائیں ہاتھ کو بائیں پہ رکھ لیا اور انگلیوں میں انگلیاں کو پھنسا لیا اور دائیں رخسارہ کو بائیں ہاتھ کی پشت پہ رکھ لیا جلدی جانیوالے تو مسجد کے دروازوں سے نکل گئے جو رہ گئے انہوں نے آپس میں کہا کیا نماز کم کر دی گئی کہ چار رکعت کی جگہ دو ہی رکعتیں رہ گئی ہیں۔ جماعت میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے مگر ہیبت^ع کی وجہ سے حضور سے گفتگو نہ کر سکے۔ جماعت میں ایک شخص اور تھا جسکے ہاتھ لمبے تھے اور ان کو ذوالیدین کہا جاتا تھا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ بھول گئے یا نماز کم ہو گئی ؟ حضور نے فرمایا نہ میں بھولا نہ نماز کم ہوئی پھر آپ نے صحابہ سے دریافت فرمایا کیا ذوالیدین جیسا کہہ رہا ہے ویسا ہی ہوا ہے ؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں تو حضور مصلی پر آگے بڑھ گئے اور جتنی نماز رہ گئی تھی اس کو پورا کیا پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کیا

ع مقربان را بیش بود حیرانی ۱۲ ط

نماز کے سجدہ کے برابر یا اس سے بھی لمبا پھر سر اٹھایا اور اللہ اکبر کہا پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کیا پہلے سجدہ کے برابر یا اس سے بھی لمبا پھر سر اٹھایا اور اللہ اکبر کہا (یہ سجدہ سہو تھا) بعض دفعہ لوگ ان سے (یعنی حضرت ابن سیرین سے) دریافت کرتے کہ پھر (سجدہ سہو کرکے) حضور نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ بھی کہا تو فرماتے مجھے خبر ملی ہے کہ عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ پھر حضور نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا۔

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ نماز میں عمل قلیل جائز ہے اور کلام قلیل نماز کے پورا کرنے کو مانع نہیں جبکہ بھول کر ہو یا قصداً اس شخص سے کلام کیا جائے جو بھول گیا ہے جبکہ اسکی نماز اسکی نماز سے مربوط ہو جیسے امام اور مقتدی (باہم نماز کے اندر گفتگو کریں اور ایک دوسرے کو بھول چوک پر متنبہ کرے تو امام مالک و شافعی کے نزدیک اس صورت میں کلام قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی حنفیہ کے نزدیک فاسد ہو جاتی ہے خواہ عمداً کلام کیا جائے یا سہواً اور یہ حدیث حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے تفصیل کے لئے اعلاء السنن جلد پنجم ملاحظہ ہو) اس حدیث میں چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۸۸) جس کو علم نہ ہو اسے بزرگوں کے افعال پر انکار نہ کرنا چاہیئے

حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس شخص کو یہ علم نہ ہو کہ بزرگان کا فلاں عمل صواب اور درست ہے یا نہیں اسے بزرگوں کے افعال کو تسلیم کرنا چاہیئے ان کو سلامتی پر محمول کرنا چاہیئے یہ اس سے معلوم ہوا کہ جلدی جانے والے یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ نماز کم کر دی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کچھ عتاب نہیں فرمایا کیونکہ حضور کی زندگی میں نسخ ممکن تھا اور دوسروں کے متعلق یہ احتمال نہیں ہو سکتا تو ان کے افعال کو اسی حد تک تسلیم کیا جائیگا جب تک اجماع کی مخالفت لازم نہ آئے اسکے علاوہ جہاں تک تاویل و احتمال کا امکان ہو ان کے افعال کو سلامتی پر محمول کیا جائیگا اگرچہ اس احتمال کا یقین نہ ہو سکے بلکہ احتمال بعید ہی ہو۔ قولہ الوجہ الثالث فیہ دلیل علی التسلیم لاهل الفضل الی قولہ وان کان غیر مقطوع بہ

ف ۔ یہ حکم ان لوگوں کے متعلق ہے جن کا اہل فضل و صاحب کمال ہونا پہلے سے معلوم ہو چکا ہو کہ ان کا کوئی فعل خلاف شرع معلوم ہو تو جب تک تاویل کا امکان ہو تاویل کرنا چاہیئے اور جن لوگوں کا فضل و کمال ہی ثابت نہیں ان کے افعال و اقوال میں تاویل کی ضرورت نہیں ان کا جو عمل یا قول خلاف شرع معلوم ہو فوراً اسکی تردید کی جائیگی ورنہ ہر شخص کو مخالفت شرع کرکے تاویل کا حق ہو جائیگا اور اسمیں جس قدر مفسدہ ہے مخفی نہیں ۔

(۱۵۹) چھوٹے کو بڑے کیساتھ ادب سے گفتگو کرنا چاہیئے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چھوٹے کو بڑے سے مراجعت اور گفتگو کرنا جائز ہے جبکہ اس سے ایسی بات صادر ہو جو بظاہر خلاف معروف ہے مگر یہ مراجعت ادب کیساتھ ہونی چاہیئے یہ اس سے معلوم ہوا کہ ذوالیدین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مراجعت کی مگر ایسی ادب کی ساتھ (جس کیطرف اشارہ کیا گیا ہے)

(۱۹۰) بزرگوں کی عظمت کرنا چاہیئے اگرچہ ان سے خلاف قاعدہ فعل کا صدور ہی ہو

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کی عظمت کرنا چاہیئے اگرچہ ان سے کوئی ایسا فعل بھی صادر ہوتا ہوا دیکھے جو اسکے نزدیک خلاف قاعدہ ہے مگر اس دیکھنے والے کو لازم ہے کہ انکے ساتھ برابر لگا رہے یہاں تک کہ اس فعل کی حقیقت معلوم ہو جائے کہ وہ بزرگ اسکو کس وجہ پر محمول کرتے ہیں یہ مسئلہ حضرت صدیق اکبر و عمر رضی اللہ عنہما کے فعل سے مستنبط ہوا کیونکہ جو کچھ ذوالیدین کو معلوم تھا ان حضرات کو بھی معلوم تھا مگر ہیبت نے ان کو گفتگو کرنے سے روک دیا مگر صورتحال کی نزاکت نے ان کو اس پر مجبور کیا کہ حضور سے اس وقت تک علیحدہ نہ ہوں جب تک حکم معلوم نہ ہو جاوے اور ان سب صورتوں کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو برقرار رکھا کسی پر انکار نہیں فرمایا نہ ان کو ملامت کی جو حضور کے فعل کو سلامتی پر محمول کرکے یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ نماز کم ہو گئی نہ ذوالیدین پر انکار فرمایا کہ تم نے مراجعت کیوں کی، نہ حضرات شیخین سے باز پرس کی کہ تم خاموش کیوں رہے۔

اگر ان احوال میں سے کوئی حالت بھی ناجائز ہوتی تو حضور اس کے بارہ میں کچھ ضرور فرمانے کیونکہ آپ صاحب تشریع ہیں اور شارع کو یہ جائز نہیں کہ ضرورت کے وقت حکم بیان نہ کرے بعد میں بیان کرے الوجہ الخامس یؤخذ منہ اکبار ذی الفضل الی قولہ ولا یجوز لہ تلخیر البیان عن وقت الحاجۃ

(۱۹۱) جب بزرگ چھوٹوں سے اپنی بابت کچھ دریافت کریں تو صحیح واقعہ بیان کرنا چاہیے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب بزرگ چھوٹوں سے اپنی بات دریافت کرے کہ مجھ سے کچھ کوتاہی تو نہیں ہوئی تو ان کو چاہیئے کہ جو کچھ ہوا ہو اس کو بجنسہ بیان کر دے دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر و عمر رضی اللہ عنہما سے اس واقعہ کے متعلق دریافت فرمایا تو انہوں نے جو کچھ ہوا تھا اسکو بجنسہٖ ہی بیان کر دیا۔ قولہ فیہ دلیل علی انہ اذا سأل الفاضل المفضول الی قولہ فاخبراہ بما وقع

(۱۹۲) حکمت کی حفاظت کے ساتھ ساتھ قدرت بھی اپنا کام کرتی ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حکمت کی حفاظت کے ساتھ ساتھ قدرت بھی اپنا کام کرتی رہتی ہے یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس موقع میں نماز کے اندر نسیان ہو گیا حالانکہ آپ کی عادت مبارکہ تو یہ تھی کہ نیند کی حالت میں بھی صرف آپ کی آنکھیں سوتی تھیں دل نہیں سوتا تھا اور اس واقعہ میں حضور کی حالت میں (رکعات) نماز کی گنتی کو بھول گئے یہ محض قدرت کی کار فرمائی نہیں تو اور کیا ہے ؟ مگر اس واقعہ میں حضور کو نسیان ہونا دو عظیم الشان اسباب کی وجہ سے ہوا ایک سبب تو وہی جس کو خود حضور نے صراحتہً ارشاد فرمایا ہے انما انسی او انسی لاسن (رواہ مالک بلاغا) میں جو کبھی بھولتا ہوں یا بھلا دیا جاتا ہوں تو اس کا سبب صرف یہ ہے کہ امت کیلئے عملاً نسیان وسہو کے احکام مقرر کر دوں چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب تشریع ہیں آپکی اقتدار کی جاتی ہے اور ان تمام اعمال کا جو آپ کی اقتدار میں قیامت تک کئے جائیں گے ثواب آپ کو ملتا ہے اس لئے آپ کا یہ نسیان جو تشریع احکام کا سبب ہوا یاد سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ آپ کے حق میں

موجب کرامت وعظمت وترقی ہے کسی درجہ میں بھی قابل نقص نہیں۔ رہا یہ سوال کہ آپ کے بھولنے میں حکمت کیا ہے؟ اور بھلائے جانے میں کیا حکمت ہے؟ جواب یہ ہے کہ آپ کے بھولنے میں تو حکمت یہ ہے کہ آپ کے اندر صفات بشریہ کا ظہور ہو صفات بشریہ کے ظہور سے یہ بات ثابت ہو جائیگی کہ انسانوں سے زیادہ جو کچھ آپ کے اندر کمالات ہیں وہ آپکی خصوصیت و رفع منزلت پر دلالت کرتے ہیں اور بھلائے جانے میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ قدرت آپکے ہاتھوں آپکے اقوال وافعال کے ذریعہ سے خواہ اختیاری ہوں یا غیر اختیاری بھلائیوں کو جاری کرتی رہتی اور احکام مقرر کرتی رہتی ہے تاکہ اس سے یہ بات ظاہر ہو کہ حق تعالیٰ کو آپ پر کس قدر توجہ ہے کہ آپ کی کوئی حالت حکمت سے خالی نہیں ہوتی اور تاکہ اس بات کی تصدیق ہو جو آپنے فرمائی ہے اور اس مطالبہ اور دعویٰ کی تائید ہو جو دنیا کے سامنے آپنے پیش کیا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں میں خود کچھ نہیں کہتا خود کچھ نہیں کرتا بلکہ وہی کرتا اور کہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ مجھ سے ظاہر کرانا چاہتے ہیں اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مواقع کے سوا کبھی نسیان کا صدور نہیں ہوا دو دفعہ افعال میں سہو ہوا کہ (تشریع) حکم کے لئے اتنی ہی ضرورت تھی ایک تو یہی واقعہ ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے کہ دو رکعت پڑھ کر آپ کھڑے ہوگئے تھے دوسرا واقعہ یہ ہے کہ چار رکعت پڑھ کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہوگئے تھے اور اقوال میں صرف ایک دفعہ نسیان ہوا کہ اقوال میں (تشریع) حکم کے لئے اتنی ہی ضرورت تھی وہ یہ کہ ایک دفعہ سورۃ الملک پڑھتے ہوئے اسکی ایک آیت آپسے چھوٹ گئی تھی (جو نماز کے اندر ہی آپ کو یاد آگئی) اور سلام کے بعد آپنے پوچھا ابی بن کعب جماعت میں شریک تھے یا نہیں؟ انہوں نے عرض کیا حاضر ہوں فرمایا پھر تم نے مجھ کو وہ آیت کیوں یاد نہ دلائی جسکو میں چھوڑ گیا تھا انہوں نے عرض کیا ارادہ تو ہوا تھا پھر یہ خیال ہوا کہ شاید منسوخ ہوگئی ہو فرمایا اگر منسوخ ہوتی تو میں اطلاع کر دیتا (اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ کو یہ حکم مقرر کرنا تھا کہ اگر امام کوئی بات بھول جائے تو مقتدی کو لسے لقمہ دیکر بتلا دینا چاہئیے) ان مواقع کے سوا آپ کو کبھی نسیان نہیں ہوا۔

اور دوسرا سبب یہ بھی محتمل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور حق اور غلبۂ ادب

میں ایسی استغراقی حالت کو پہنچ گئے تھے کہ رکعات نماز کی شمار سے ذہول ہو گیا قولہ الوجہ السابع فیہ دلیل علی ان الفذ سرۃ تفعل الیٰ قولہ من حالۃ استغراقہ علیہ السلام فی الحضور والادب حتی ذہل عن العدد

ف . یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے کیونکہ عالم الغیب سے سہو و نسیان نہیں ہو سکتا خدا اہل بدعت پر رحم کرے اور انکی ہدایت دے کہ انہوں نے عبث رسول کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائی کے درجہ پر پہنچا دیا جائے۔ حضور کے سہو نسیان میں یہ بھی مصلحت وحکمت تھی کہ اگر کسی عابد زاہد مجاہد متقی کو ایسا واقعہ پیش آ جائے تو وہ دلگیر نہ ہو اور یہ نہ سمجھے کہ میرا مجاہدہ بیکار گیا کہ نماز میں غفلت وسہو ہونے لگا اگر حضور کو سہو کا واقعہ پیش نہ آتا تو اہل مجاہدہ تو ایسی حرکت کے پیش آنے سے اپنے آپ کو غم میں ہلاک کر دیتے اب ان کو یہ واقعات تسلی کے لئے کافی ہیں کہ جب بشریت کیوجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسا اتفاق پیش آیا ہے تو ہماری کیا مجال ہے کہ سہو و نسیان سے اپنے کو معصوم سمجھ لیں یعنی طمع ملد وصال دوام را

اس حکمت کو حضرت شارح نے بھی وجہ تاسع میں بیان فرمایا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے لطف اور مہربانی کی دلیل ہے جو وہ اپنے بندوں پر فرماتے ہیں کہ تعلیم امت کو حضور کے فعل سے دی گئی اگر آپ قول سے تعلیم دیدیتے جب بھی کافی تھا مگر آپ کے بعد صحابہ کو اور امت کے بابرکت لوگوں کو سہو ہوتا تو وہ اس سے اپنے دل میں بہت غمگین ہوتے کہ ان سے نماز میں ایسا فعل کیوں صادر ہوا جو ان کے نبی سے کبھی صادر نہیں ہوا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عملی تعلیم سے ان کا حزن وغم زائل کر دیا گیا اور یہ عین رحمت ومہربانی ہے۔

(۱۹۳) جس امر کا علم نہ ہو اس پر گواہ طلب کرنے چاہئیں

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس بات کا خود کو علم نہ ہو اس پر بیّنہ (گواہ) طلب کرنے چاہئیں اگرچہ خبر دینے والا سچا ہی ہو چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالیدین کی بات سن کر حضرت صدیق وعمر رضی اللہ عنہما سے تصدیق چاہی حالانکہ ذوالیدین کو حضور نے ذوالشہادتین کا لقب عطا فرمایا

تھا کہ ان کی شہادت بمنزلہ دو شہادتوں کے تھی) کیونکہ وہ صوفیہ میں (یعنی اصحاب صفہ میں) سب سے
زیادہ سچے تھے اور یوں تو سب ہی سچے تھے بس کامل و اکمل کا فرق تھا، مگر جب انہوں نے
ایسی بات کہی جسکا حضور کو علم نہ تھا تو آپ نے ان پر بینہ طلب کیا الوجہ العشرون
فیہ دلیل علی طلب البینۃ الی قولہ طلب منہ البینۃ علی قولہ

ف ذوالیدین کا لقب ذوالشہادتین ہونا میری نظر سے نہیں گذرا حضرت خزیمہ بن ثابت
انصاری کا لقب ذوالشہادتین مشہور ہے۔ ذوالیدین کو بعض روایات میں ذوالشمالین کہا
گیا ہے کچھ تعجب نہیں کہ ذوالشمالین کو غلطی سے کاتب نے ذوالشہادتین لکھ دیا ہو جس سے حضرت
شارح کو غلط ہو گیا واللہ تعالیٰ اعلم

(۱۹۴) جو شخص کام میں لگا ہوا ہو اس کے خلل کی تلافی کر دی جاتی ہے

حدیث میں ایک اشارہ صوفیہ بھی ہے کہ جو شخص اپنے کام میں لگا ہوا ہو اسکے خلل
کی تلافی کر دی جاتی ہے اور اگر اس حالت میں دشمن اس سے مکر و فریب کرے اسکے مقابلہ میں
اسکی مدد کی جاتی ہے اور جو شخص اپنی حالت کی نگہداشت چھوڑ دے اس میں اس کا دشمن
شریک ہو جائے گا (یعنی شیطان اسکے کاموں میں حصہ لیگا) اے شخص تو دین کی درستی بھی
چاہتا ہے اور نفس کی راحت بھی۔ ہیہات ہیہات بھلا آفتاب اور ظلمتیں کہاں جمع ہو
سکتی ہیں ؟ قولہ الوجہ السابع والعشرون ھنا اشارۃ صوفیۃ الی قولہ ھیھات
کیف تجتمع الشموس والظلم۔

ف۔ مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے سہو کا منشا مراقبہ و استحضار حق ہو اسکی نماز میں بظاہر
سہو وغیرہ سے جو خلل ہو جاتا ہے اس سے نماز ناقص نہیں ہوتی بلکہ مراقبہ کی برکت سے خلل
کی تلافی ہو جاتی ہے اور شیطان جو اس خلل سے خوش ہوا تھا سجدہ سہو سے اسکی خوشی خاک
میں ملا دی جاتی ہے اور جو سہو مراقبہ کی وجہ سے نہ ہو بلکہ راحت نفس کی وجہ سے ہو کہ نماز
توجہ سے نہیں پڑھی گئی کیونکہ توجہ سے نماز پڑھنا نفس پر گراں ہوتا ہے تو اسکے خلل کی تلافی
سجدۂ سہو سے نہیں ہوتی گو ظاہر میں نماز صحیح ہو جاوے بلکہ اس خلل کی تلافی نماز کے اعادہ سے

ہوگئی کہ دوبارہ توجہ کے ساتھ نماز پڑھی جائے۔

ف۔ دین کی درستی راحت نفس کیساتھ نہیں ہوسکتی بلکہ اسکے لئے مجاہدہ اور مراقبہ یعنی اہتمام اور فکر ونگہداشت کی ضرورت ہے جو نفس پر گراں ہے، اور مجاہدہ بھی اپنی رائے سے کافی نہیں بلکہ شیخ عارف کی تجویز سے ہونا چاہیئے پھر کبھی تو شیخ کوئی خاص مجاہدہ تجویز نہیں کرتا بلکہ محض داروگیر اور ڈانٹ ڈپٹ سے نفس کی اصلاح کر دیتا ہے بعض دفعہ خلوت اور چلہ کشی وغیرہ تجویز کرتا ہے مگر لوگوں کی بے حسی ملاحظہ ہو کہ صلاح دین کی طلب کا بھی دعویٰ ہے اور شیخ کی تنبیہ سے ناگواری بھی ہے۔ ان لوگوں کو عارف کا یہ قول یاد کرلینا چاہیئے

ے
نازپروردہ تنعم نہ برد راہ بدوست
عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

باب سی و دوم ۳۲

حدیث

السترۃ للمصلی والمرور بین یدیہ

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو سامنے رکھ کر نماز پڑھے جو لوگوں کے اور اسکے درمیان آڑ ہو جائے۔ (مراد سترہ ہے) پھر کوئی اسکے سامنے سے استرہ کے اندر کو) گذرنا چاہے تو اسکو ہٹا دے اگر وہ انکار کرے (اور سامنے گذرنے سے باز نہ آئے) تو اس سے قتال کرے یعنی سختی سے دفع کر دے کیونکہ وہ نرا شیطان ہے۔

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ جو نمازی کے اور سترہ کے درمیان سے گذرے اس سے قتال جائز ہے۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۱۹۵) نماز کے سامنے سے گذرنے والے کو کیوں کر ہٹایا جائے

اس قتال میں اور اسکی کیفیت میں لوگوں نے بہت اختلاف کیا ہے یہاں تک کہ بعض غالی علماء نے تو یہ کہدیا ہے کہ اس کو جان سے بھی مار ڈالے تو اس کا خون معاف ہے مگر صحیح مطلب وہ ہے جو حدیث کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمودہ علت سے معلوم ہوتا ہے اگرچہ یہ بات مقتدین میں کسی سے ہم نے نہیں سنی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ نرا شیطان ہے تو اس کے ساتھ قتال بھی ویسا ہی ہونا چاہیئے جیسا شیطان کے ساتھ ہوا کرتا ہے اور شیطان سے مقاتلہ و مقابلہ معمولی اعمال

سے ہوا کرتا ہے جیسے تعویذ یا جھاڑ پھونک وغیرہ (اس کے ساتھ کشتی کون لڑتا ہے) اور نماز میں ضرورت کیوقت عمل قلیل جائز ہے، اور اگر اس شخص کیساتھ پوری طرح لڑائی کی گئی جو نمازی کو نماز کی حد سے باہر کردے تو اس صورت میں خود یہ نمازی اس سے بھی بڑھ کر دوسرا شیطان ہوجائے گا اسی لئے ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ اس کو نرمی سے ایسی طرح ہٹادے جو نمازی کی نماز کو فاسد نہ کرے اگر وہ اس پر بھی باز نہ آئے تو جانے دے اور اپنی نماز میں مشغول رہے قولہ فی الوجہ الاول واما المقاتلۃ وکیفیتہا الی قولہ واشتغل بالصلوٰۃ

ف ہرچند کہ یہ مسئلہ بظاہر تصوف کا نہیں مگر عجیب تحقیق ہے اس لئے اس کا ترجمہ کردیا گیا۔ نیز بعض غالی صوفیوں کو نماز کے سامنے سے گذرنے والے پر بڑا غصہ آتا ہے اور بعض دفعہ ایسی حرکت سے اس کو روکتے ہیں جس سے نماز فاسد ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے صوفیوں کو اس تحقیق سے مطلع کرنے کی ضرورت بھی تھی، ۱۲ ظ

(۱۹۶) ظاہر سے باطن پر استدلال کیا جاتا ہے

حدیث میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ ظاہر سے باطن پر استدلال کیا جاتا ہے جبکہ باطن پر رسائی نہ ہوسکتی ہو کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر کوئی اس کے سامنے سے گذرنا چاہے اور اس کے ارادہ کا علم اس طرح ہوسکتا ہے کہ ہم اس کو سترہ کے قریب آتا ہوا دیکھیں تو اس حالت سے ہی اس کی نیت پر دلالت ہوگی اور ہم اس وقت بات کرنے سے شرعاً مجبور ہیں اس کی نیت کو دریافت نہیں کرسکتے اس لئے دلالت حال کے مقتضی پر عمل کرنا پڑا۔ الوجہ الرابع فیہ دلیل علی ان الظاہر یستدل بہ علی الباطن الی قولہ فعلمنا بمقتضی مادل علیہ حالہ

ف ظاہر سے باطن پر استدلال کرنا صوفیہ کا خاص حصہ ہے، علماء مجتہدین بھی اس میں ان کے شریک ہیں مگر اجتہاد ظاہر تو آج کل مفقود ہوچکا ہے اجتہاد باطن کا دروازہ بند نہیں ہوا چنانچہ مشائخ طریق میں بحمد اللہ اب تک یہ شان موجود ہے اور جس صوفی کو

اجتہاد فی الباطن کا درجہ حاصل نہ ہو وہ مصلح اور مربی بننے کے قابل نہیں اگرچہ وہ صالح
ومتقی وصاحب ولایت ہوئے۔

(۱۹۷) کسی پر کوئی حکم قطعی بدون دلیل یقینی کے نہیں لگایا جاسکتا

کسی شے پر قطعی حکم بغیر دلیل (واضح) کے جو متحمل تاویل نہ ہو نہیں لگایا جاسکتا دیکھو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو شیطان کا لقب اسی وقت دیا جب کہ اسکو ہٹایا
گیا اور واپس نہ ہوا۔ اگر ہٹانے سے ہٹ گیا تو وہ شیطان نہیں کیونکہ ممکن ہے اس کا
دل کسی طرف مشغول ہو جس کی وجہ سے نمازی کو اس نے دیکھا نہ ہو یا دیکھا ہو اور یہ نہ
سمجھا ہو کہ نماز پڑھ رہا ہے یا اور کوئی عذر ہو اور جب اسکو ہٹایا گیا پھر بھی واپس نہ
ہوا تو اب کوئی عذر باقی نہیں رہا اس وقت تحقیق اور یقین کے ساتھ اس پر شیطان
ہونے کا حکم لگایا گیا ہے۔

احتمال کی رعایت بھی ضروری ہے

یہاں سے ایک اور علمی مسئلہ
مستنبط ہوا وہ یہ کہ اگرچہ محتمل
کا حکم قطعی کے برابر نہیں مگر محتمل کے حکم کو بھی ضائع نہ کیا جائیگا بلکہ احتمال کی رعایت
بھی ضروری ہے کیونکہ اگر احتمال کے احکام کو ضائع کر دیا گیا تو اس پر بہت سے مفاسد
مرتب ہوں گے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً یہ حکم دیا ہے کہ سامنے سے گذرنے
والے کو ہٹاؤ کیونکہ احتمال ہے کہ وہ سہو یا نسیان کی بنا پر آگے سے گذر رہا ہو اب اگر
یہ احتمال واقع کے موافق ہوا اور وہ واپس ہو گیا تو مقصود حاصل ہو گیا ورنہ اسکو سختی سے
روکا جائے اور یہ حکم لگا دیا جائے کہ وہ شیطان ہے۔ الوجہ الخامس فیہ دلیل
علی ان لا یقطع بالشئ الی قولہ وحکمنا بانہ شیطان۔

ف حضرت حکیم الامت دام مجدہم کی یہ خاص تعلیم ہے کہ سالک کو تمام احتمالات
کی رعایت کر کے کام کرنا چاہیئے فرمایا کرتے ہیں میرے نزدیک انسان کی تعریف
حیوان ناطق نہیں بلکہ حیوان متفکر ہے جس کو تمام پہلوؤں کی فکر نہ ہو وہ انسان نہیں ۱۲

(۱۹۸) احترام اسی کا کیا جائیگا جو خود بھی احترام کرے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ احترام اسی کا کیا جائیگا جو خود بھی شریعت کا احترام کرے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلے کے سامنے سے گذرنے کو حرام اور اس کے ہٹانے اور سختی سے روکنے کا حکم اسی نمازی کیلئے دیا ہے جس نے اپنے سامنے سترہ کرلیا ہو اس کے سوا جس نے نماز کے وقت سترہ کے حکم کو ضائع کیا ہو اس کے لئے یہ احترامات نہیں ہیں اسکی زیادہ توضیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے

من خاف اللّٰہ خوف اللّٰہ منہ کل شیٔ ومن لم یخف اللّٰہ خوفہ اللّٰہ من کل شیٔ جو اللہ سے ڈرے گا

اللہ تعالیٰ ہر چیز میں اس کا خوف ڈال دے گا اور جو اللہ سے نہ ڈرے گا اللہ تعالیٰ ہر چیز سے اسکو ڈرائے گا۔

پس احترام کے عوض احترام ہے برابر کا بدلہ ہے الوجہ السادس فیہ دلیل علی انہ لا یحترم الا من یحترم الحی قولہ جزاء وفاقا

ف یہاں سے سالکین کو خصوصاً اور سب مسلمانوں کو عموماً سبق لینا چاہیئے کہ آجکل جو ان کی عزت ذلت سے اور ہیبت خفت سے بدل گئی ہے اس کا سبب کیا ہے؟ سید الحکماء صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم نے خوف خدا اور احترام شریعت میں کمی کی ہے اسی کا یہ بدلہ ہے۔ پس اہل سیاست کی تدابیر کا تجربہ تو ہوچکا اب مسلمان اپنے رسول کی ارشاد فرمودہ تدبیر کا بھی تجربہ کرلیں دلوں میں خوف خدا اور احترام احکام شریعت پیدا کریں اور عمل سے اس کا ثبوت دیں اغراض نفسانی کو چھوڑ دیں پھر دیکھیں کہ ان کے دن کس طرح پھرتے ہیں یہ وہ تدبیر ہے جس کا تجربہ ہزار سال تک ہمارے اسلاف نے کیا ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ ان سے زیادہ باعزت وجلال وصاحب رعب ووقار دنیا میں کوئی قوم نہ تھی مگر افسوس ہے کہ

مسلمان اپنے گھر کی دولت سے غافل ہیں اور کفار کی تقلید کرکے وہ اسباب عزت اختیار کرتے ہیں جو کفار ہی کے مناسب ہیں مسلمان کے شایان شان نہیں فاعتبروا یا اولی الابصار

(۱۹۹) ادب و احترام عمل سے بھی افضل ہے

اس میں تصوف کی بھی ایک دلیل ہے وہ یہ کہ صوفیہ کے نزدیک شریعت کا ادب و احترام عمل سے بھی افضل ہے اسکی تائید اس سے ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو اپنی نماز کا احترام کرے اور اپنے آگے نماز کے وقت سترہ قائم کرے سامنے سے گذرنیوالے پر حکومت دیدی ہے اس کے ہٹانے اور دفع کرنے کا اختیار دیدیا ہے اور جو اس کا حکم نہ مانے اس کو فاسق قرار دیا حتیٰ کہ شیطان بھی فرمادیا ہے اور اگر یہ شخص سترہ قائم نہ کرتا تو صرف نماز پڑھنے سے اسکو یہ حکومت اور عزت حاصل نہ ہوتی پس ثابت ہوا کہ نماز کا ادب و احترام نماز سے بھی افضل ہے۔ الوجہ الثامن فیہ دلیل صوفی الحی قولہ حتیٰ جعلہ شیطانا

ف اسکی توضیح فقہا کے اس قول سے ہوتی ہے کہ مستحبات و سنن کا استخفاف کفر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان کا احترام ایمان ہے حالانکہ مستحبات و سنن کا بجالانا لازم نہیں نہ ان کے ترک سے کوئی گناہ اس سے ثابت ہوا کہ احکام شرعیہ کا احترام ان کے بجالانے سے بھی زیادہ ضروری ہے یہاں سے ان لوگوں کی حماقت ظاہر ہوگئی جو اسلام و کفر کا مدار صرف عمل پر رکھتے ہیں اعتقاد و احترام کو بیکار سمجھتے ہیں حالانکہ ایمان شرعاً و لغۃً اعتقاد ہی کا نام ہے عمل اس کا ثمرہ ہے خوب سمجھ لو۔

(۲۰۰) ہر شخص پر وقتی فعل کے موافق حکم لگایا جائے گا

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر شخص پر اس کے وقتی فعل کے موافق حکم لگایا جائیگا گذشتہ عمل کو نہ دیکھا جائیگا

دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الاطلاق فرمایا ہے کہ وہ تو شیطان ہے جو باوجود روکنے کے نمازی کے آگے سے گذرے اس فرق کا لحاظ نہیں فرمایا کہ اس سے پہلے وہ متقی تھا یا غیر متقی الوجہ التاسع فیہ دلیل علی انہ یحکم للشخص بمقتضی فعلہ فی الوقت الی قولہ و لم یفرق بین ما کان قبل ذلک علی تقوی او غیرھا

ف یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو بعض رہنماؤں کے مضر اسلام افعال پر یہ کہہ کر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے گذشتہ زندگی میں قوم کے لئے ایسی قربانیاں کی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ اعمال سابقہ سے وقتی افعال پر پردہ نہیں پڑ سکتا کسی عابد زاہد کا وقتی گناہ اس کے پہلے اعمال کی وجہ سے جائز نہیں ہو سکتا

(۲۰) اس میں صوفیہ کی بڑی دلیل ہے جو حال ہی پر حکم لگاتے ہیں اس کے ماسوا ماضی یا مستقبل پر حکم نہیں لگاتے یہاں تک کہ ان کا ارشاد ہے کہ اپنے ہر سانس میں اسی حال پر رہو جس پر تم مرنا چاہتے ہو کیونکہ اندیشہ ہے کہ تم کو اسی سانس میں موت آجائے۔ پھر کس بھروسہ پر بعض اوقات ایسی حالت میں رہتے ہو جس پر تم کو مرنا پسند نہیں اور جس نے اپنے حسن حال کو ماضی کے حوالہ کر دیا وہ گویا کچھ تھا ہی نہیں یعنی جو شخص اپنے حسنِ حال پر اسلئے مطمئن ہو گیا ہے کہ زمانہ ماضی میں اسکی حالت اچھی تھی اور حالتِ موجودہ پر نظر نہیں کرتا کہ اب کیا سے کیا ہو گیا ہے وہ کسی درجہ میں بھی قابل اعتبار نہیں ہم سب کے سب اعتقاداً حق اور صواب کو جانتے پہچانتے ہیں مگر ہم نے نفسانی خواہشوں کو اختیار کر رکھا ہے اس لئے اس مضمون کا حال بنانا ہم کو دشوار ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں سے کرے جن پر فروع و اصول کی تحصیل سے وصول آسان کر دیا گیا ہے۔ قولہ الوجہ العاشر فیہ دلیل لاھل الصوفۃ الذی یجعلون الحکم للحال لا بغیرہ الی قولہ جعلنا اللّٰہ ممن سھل علیہ الوصول بتحصیل الفروع والاصول

ف یہاں سے ان لوگوں کو سبق لینا چاہئیے جو بعض دفعہ کفار کے جلسوں میں کفار کی صدارت میں مشرکانہ ترانوں میں شریک ہوتے ہیں ان کو سوچنا چاہیئے کہ کیا اس حالت

میں مرنا ان کو پسند ہوگا۔ بحث و تکرار سے فیصلہ نہ کبھی ہوا نہ ہوسکتا ہے دل کو ٹٹولئے اور دل کی گہرائیوں تک پہنچنے کے بعد ہر مومن خود فیصلہ کر دیگا کہ اس حالت میں مرنا اس کو ہرگز پسند نہیں۔ پھر اپنی زندگی کا کوئی لمحہ بھی ایسی حالت میں کیوں گذارا جائے جس پر مرنا پسند نہیں ؎

شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود

ف سالکین اس قاعدہ کو پیش نظر رکھیں کہ ہر سانس اور ہر لمحہ میں اسی حالت پر رہیں جس پر مرنا پسند ہو کسی وقت بھی اللہ کی مرضی کیخلاف کوئی حالت نہ ہونی چاہئے۔۔ اور اگر خطا ہو جاوے فوراً توبہ کرلیں اور اس فقرہ کو آب زر سے لکھ لیں کہ

"جس نے اپنے حسنِ حالت کو ماضی کے حوالہ کردیا وہ گویا کچھ تھا ہی نہیں"

حقیقت میں تمام منازل سلوک طے کرنے کے لئے یہ روشن ہدایت ہے جو اس پر مستقیم ہوگیا وہ ہی صاحبِ استقامت ہے۔ جعلنا اللہ وایاکم کما یحب ویرضی آمین

باب سی و سوم ۳۳

حدیث

فتنة الاھل والمال کفارتھا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد کو اپنے گھر والوں میں اور مال و اولاد اور ہمسایوں میں جو فتنہ پیش آتا ہے اس کا کفارہ تو نماز و روزہ اور صدقہ اور امر و نہی سے ہو جاتا ہے۔

شرح ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ خاص فتنہ جس کا حدیث میں ذکر ہے اس کا کفارہ یہ چار چیزیں ہو جاتی ہیں جو مذکور ہیں یعنی نماز، روزہ اور صدقہ اور امر و نہی، اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۲۰۲) سوال فتنہ کیا چیز ہے؟ اس کی حد کیا ہے؟ اور یہ فتنہ مردوں ہی کے لئے مخصوص ہے عورتوں کے لئے نہیں یا دونوں کو عام ہے اور مردوں کی تخصیص میں اعلیٰ سے ادنیٰ پر تنبیہ کی گئی ہے۔ اور جس عبادات کا یہاں ذکر کیا گیا ہے ان سے فرض عبادات مراد ہیں یا فرض کے علاوہ (نفل نماز و روزہ وغیرہ) اور کفارہ ان سب کا مجموعہ ہوگا یا ان میں سے ایک بھی کفارہ ہو جائیگا

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ لغت میں فتنہ کے معنے آزمائش کے ہیں اور آزمائش کبھی خیر سے ہوتی ہے کبھی شر سے چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ونبلوکم بالشر والخیر فتنة ہم تم کو بھلائی برائی میں آزمائش کے لئے مبتلا کریں گے (یعنی راحت و تکلیف سے تم کو آزمائیں گے) اور گھر والوں اور اولاد ہمسایوں سے

آزمائش کی چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ آدمی ان سب کا وہ حق ادا کرتا ہے یا نہیں جو ان کے لئے اس پر واجب ہے کیونکہ وہ ان کا ذمہ دار ہے اور اس ذمہ داری سے آخرت میں سوال ہوگا، پس اگر کسی نے حق واجب کو ادا نہ کیا ہو اس کا کفارہ ان طاعات کے بجالانے سے نہ ہوگا (جو حدیث میں بطور کفارہ کے مذکور ہیں) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ اگر میں اللہ کے راستہ میں استقلال کے ساتھ محض اللہ کیلئے دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے بدون پیٹ پھیرے قتل کیا جاؤں تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو میری تمام خطاؤں کا کفارہ بنا دیں گے ؟ حضور نے فرمایا ہاں سوائے دین کے کہ وہ بدون ادا کئے یا معاف کئے معاف نہ ہوگا ؟ اور یہ حقوق بھی جو کہ اہل وعیال وغیرہ کے لئے شرعاً انسان کے ذمہ واجب ہیں) منجملہ دیون کے ہیں وہ بھی کسی طاعت کے بجالانے سے معاف نہ ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من کانت له مظلمة لاخيه من عرض اوشئ فليتحلله من اليوم جس شخص پر اسکے بھائی کا کوئی مطالبہ آبرو یا اور کسی چیز کے متعلق ہو وہ آج ہی اس سے معاف کرالے کہ قیامت میں کوئی اپنا حق معاف نہ کرے گا اور یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ جب حقوق واجب ہوجاتے ہیں تو ان کو بجز ادا یا معافی کے اور کوئی چیز ساقط نہیں کرسکتی اور اگر یہ حقوق جن کو تلف کیا ہے حقوق واجبہ نہ تھے بلکہ مستحبات کی قسم سے تھے تو مستحب کے ترک سے گناہ نہیں ہوتا جس کے لئے کفارہ کی حاجت ہو؟

ہاں ایک صورت باقی رہ گئی وہ یہ کہ دل کو ان سے تعلق ہوجاوے سو تعلق دو قسم ہے ایک یہ کہ تعلق مفرط ہو (یعنی حد سے بڑھا ہوا) حتیٰ کہ اسکو حقوق اللہ سے بھی مشغول کردے (روکدے) تو یہ اس باب سے نہیں جس کا کفارہ طاعات سے ہوجائے بلکہ یہ اسکے وعید کے تحت میں داخل ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے قل ان كان اباءكم وابناءكم واخوانكم وازواجكم وعشيرتكم واموال اقترفتموها وتجارة تخشون كسادها ومساكن ترضونها احب اليكم من الله ورسوله وجهاد فى سبيله فتربصوا حتى ياتى الله بامره

فرما دیجئے اگر تمہارے باپ دادا اور بیٹے (پوتے) اور بھائی بند اور بیبیاں اور خاندان والے اور وہ اموال جن کو تم نے محنت سے کمایا ہے اور وہ تجارت جس کے مندا ہونے کا اندیشہ لگا رہتا ہے اور وہ مکانات جو تم کو بھلے لگتے ہیں یہ سب تمہارے دل میں اللہ سے اور اسکے رسول سے اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق اپنا دوسرا حکم بھیجیں یعنی حکم ثانی کا انتظار کرتے رہو اور شاہی محاورات میں یہ جملہ سخت وعید ہے اور دوسری قسم تعلق کی یہ ہے کہ اللہ کے حقوق میں سے کسی حق کی ادائیگی سے مشغول نہ کرے نزدیک یہ نوع البتہ وہ ہے جس کا کفارہ اعمال طاعت سے ہو جاتا ہے واللہ اعلم ۔

کیونکہ جب اس کے دل میں خواہش نفس کا لحاظ اور اللہ تعالیٰ کے حق کا خیال دونوں جمع ہو گئے اور اس نے اللہ کے حق کو مقدم کیا خواہش نفس کو مؤخر کیا تو یہ مراعات جسکی اسے توفیق ہوگئی ہے غیر اللہ کے ساتھ دل کی مشغولی کا کفارہ ہو جائیگی اسکی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے انتم فی زمان کثیر فقہاءہ قلیل قراءہ تحفظ فیہ حدود القرآن وتضیع حروفہ قلیل من یسأل کثیر من یعطی یطیلون فیہ الصلوٰۃ ویقصرون الخطبۃ یبدأون اعمالھم قبل اھوائھم وسیأتی علی الناس زمان قلیل فقھاءہ کثیر قراءہ تحفظ فیہ حروف القرآن وتضیع حدودہ، کثیر من یسأل قلیل من یعطی، یطیلون فیہ الخطبۃ ویقصرون الصلوٰۃ یبدأون اھواءھم قبل اعمالھم، تم ایسے زمانہ میں ہو جسمیں سمجھنے والے زیادہ ہیں پڑھنے والے کم ہیں، قرآن کے احکام کی حفاظت زیادہ کی جاتی ہے حروف والفاظ کی خدمت زیادہ نہیں کی جاتی، مانگنے والے کم ہیں دینے والے زیادہ ہیں نماز لمبی لمبی پڑھتے ہیں تقریر مختصر کرتے ہیں، اپنی خواہشوں سے پہلے اعمال (شرعیہ) بجالاتے ہیں اور عنقریب ایک زمانہ آئے گا جس میں شریعت کے سمجھنے والے کم ہوں گے پڑھنے والے بہت ہوں گے الفاظ قرآن کی بہت حفاظت کی جائیگی اور احکام د

حدود ضائع کئے جائیں گے مانگنے والے بہت ہوں گے دینے والے کم ہوں گے ۔
تقریریں لمبی کریں گے نماز کو مختصر کریں گے اعمال شرعیہ سے پہلے اپنی خواہشوں
کو پورا کریں گے ۔اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی تعریف
کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اپنی خواہشوں سے پہلے اعمال کو بجا لاتے
ہیں یہ نہیں فرمایا کہ وہ خواہش سے بالکل پاک ہیں ، اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ
کے ساتھ دل کو تعلق ہونا مطلقاً مذموم نہیں بلکہ اس کا اللہ کے تعلق پر غالب ہونا
مذموم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کے درمیان عدل کیساتھ
برابری کیا کرتے تھے اگرچہ یہ آپ کے ذمہ فرض نہ تھا اور یہ آپ کی خاص خصوصیت
تھی کہ آپکے ذمہ بیبیوں کے ساتھ برابری کرنا لازم نہ تھی مگر آپنے پھر بھی کسی پر کبھی
زیادتی نہیں کی اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپکے اہل وعیال پر درود وسلام نازل فرمائے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان کے ساتھ عدل کا برتاؤ کیا کرتے اور اس کے
بعد فرماتے کہ اے اللہ یہ تو میری اپنی طاقت کے موافق کوشش ہے اور جس چیز پر
مجھے قدرت نہیں اس میں مجھ سے مواخذہ نہ فرمائیے ۔اس سے مراد قلب کا کسی کی
طرف زیادہ مائل ہونا اور کسی کی طرف زیادہ مائل نہ ہونا ہے اور یہ بات حضور
نے ہماری تعلیم کے لئے ارشاد فرمائی ہے کیونکہ آپ کو خود ایسے میلان کسی سے
نہ تھا جیسے ہم لوگوں کو ہوا کرتا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ جب آپ سے بعض بیبیوں
نے اس بات کی شکایت کی کہ آپ حضرت عائشہ کو دوسری بیبیوں پر ترجیح دیتے
ہیں جس سے ان لوگوں کو جو حضور کی حالت رفیعہ سے ناواقف ہیں یہ گمان ہوا
ہوگا کہ اس ترجیح کا سبب حضرت عائشہ کی نوجوانی اور ان کا حسن وجمال تھا تو
حضور نے اس شکایت کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ مجھے اس معاملہ میں ملامت
نہ کرو چونکہ مجھ پر کسی بیوی کے بستر پر وحی نازل نہیں ہوتی بجز عائشہ کے بستر
کے کہ ان کے بستر میں ہونا مانع نہیں ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
صاف بتا دیا کہ دوسری بیویوں پر حضرت عائشہ کی ترجیح کا سبب یہ تھا کہ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے یہاں خاص درجہ اور خاص مرتبہ سے ممتاز فرمایا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ کو خاص تعلق ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے خاص تعلق کیوں نہ ہوگا۔

رہی یہ بات کہ فتنہ ان چار چیزوں ہی کے ساتھ مخصوص ہے یا غالب کو بیان کر کے ادنیٰ پر تنبیہ کی گئی ہے سو احتمال دونوں ہیں مگر ظاہر یہ ہے کہ غالب کو بیان کر کے ادنیٰ پر تنبیہ کی گئی ہے جیسا بہت سی حدیثوں میں ہم نے بتلایا ہے کہ جب کسی علت پر حکم کو مرتب کیا جاتا ہے تو جہاں وہ علت پائی جائیگی حکم بھی پایا جائے گا اور اس قاعدہ پر اہل سنت کا اجماع ہے تو جو تعلق بھی اللہ تعالیٰ کے کسی حق سے مشغول کر دے وہ انسان کے لئے وبال ہے اور جس چیز سے نفس کو تعلق تو ہو مگر اللہ تعالیٰ کے کسی حق سے مشغول نہ کرے تو حقوق ماموربہا کا بجالانا اس تعلق کا کفارہ ہو جاتا ہے جیسا ان دلائل سے معلوم ہوا جو کتاب وسنت سے ہم نے بیان کی ہیں آیات اور احادیث اس باب میں اور بھی بہت ہیں مگر سمجھ دار کے لئے وہی کافی ہیں جو ہم بتلا چکے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ یہ فتنہ مردوں ہی کے لئے مخصوص ہے عورتوں کے لئے نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ھن شقائق الرجال عورتیں مردوں کی بہنیں ہیں یعنی لزوم احکام بھی وہ بھی مردوں جیسی ہیں اس کا مقتضی یہ ہے کہ حکم بھی مردوں کے ساتھ مخصوص نہ ہو بلکہ سب کو عام ہو اور یہاں مردوں کی تخصیص کا نکتہ وہی ہے جو ہم نے اوپر بتلایا ہے کہ اغلب کو بیان کر کے ادنیٰ پر تنبیہ کی گئی ہے اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔ ما ترکت بعدی فتنة ھی اضر علی الرجال من النساء میں اپنے زمانہ کے بعد کسی فتنہ کو مردوں کے حق میں عورتوں سے زیادہ مضر نہیں پاتا، عورتوں کے بارہ میں آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کے حق میں مردوں سے زیادہ مضر فتنہ کوئی نہیں، حالانکہ جیسا مرد عورتوں کی محبت میں حد سے تجاوز کرتے ہیں بعض دفعہ عورتیں بھی مردوں کی محبت میں حد سے نکل جاتی ہیں کیونکہ مرد اس بلا میں زیادہ مبتلا ہیں اور اولاد کے بارہ میں بعض دفعہ عورت مرد سے بڑھ جاتی ہے یعنی

اس کو اولاد سے زیادہ تعلق ہوتا ہے مگر چونکہ باپ کی طرح اس کی حکومت اولاد پر نہیں۔
اس لئے آپ نے اعلیٰ کو بیان فرمادیا (حاکم کا محکوم کی محبت میں حدود سے تجاوز کرنا
زیادہ برا ہے (۲) مال ومتاع وغیرہ کا تعلق سو اس میں مرد وعورت سب برابر مگر پھر بھی
غلبہ مردوں ہی کو ہے کیونکہ وہ صاحب حکومت ہیں ان پر کسی کی حکومت نہیں اور عورتیں
اکثر محکوم ہوتی ہیں اگر ان کو مال ومتاع سے تعلق بھی ہو تو مرد اپنی حکومت سے اس تعلق کو
اعتدال پر لا سکتا ہے لیکن مرد کو مال ومتاع سے محبت ہو تو عورت اسکو اعتدال پر نہیں
لا سکتی تو واللہ اعلم اسی وجہ سے حضور نے یہاں مردوں کا ذکر فرمایا ہے عورتوں کا ذکر
نہیں فرمایا۔ (۲) یہ سوال کہ یہ چاروں عبادات ہی کفارہ ہو جائیں گی یا جملہ اعمال کا مجموعہ
کفارہ ہوگا اس کا بھی وہی جواب ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ یہاں بھی اعلیٰ کو بیان فرما کر
بقیہ پر تنبیہ کی گئی ہے مقصود نہ ایک ہے نہ چار فقط بلکہ تمام اعمال صالحہ مراد ہیں
کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اعمال بدنیہ میں سے اعلیٰ کو بیان
فرمایا ہے۔ یعنی نماز و روزہ کو اور نماز کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے و
انہا لکبیرۃ الا علی الخشعین نماز بہت گراں ہے مگر اہل خشوع پر گراں
نہیں اس سے نماز کا تمام اعمال بدنیہ میں اعلیٰ ہونا ظاہر ہے۔ نیز حقوق اموال
یعنی طاعات مالیہ میں سے بھی اعلیٰ کو بیان فرمایا ہے یعنی صدقہ کو اور اقوال میں
سے بھی اعلیٰ کو بیان فرمایا ہے یعنی امر ونہی کو تو جو شخص یہ چار اعمال بجا لائے
گا اس سے بقیہ اعمال فوت نہیں ہو سکتے وہ اس پر قادر ہی نہ ہوگا کیونکہ اعمال صالحہ
میں ایسا ارتباط ہے کہ ایک کا سلسلہ دوسرے سے ملا ہوا ہے۔ ایک عمل دوسرے کو وہ
تیسرے کو مسلسل اپنے ساتھ لے آتا ہے اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا
ہے اذا رأیت الحسنۃ فاعلم ان لہا اخیات جب تم کسی میں کوئی بات
اچھی دیکھو تو سمجھ لو کہ اسکی بہنیں اور بھی ہیں اور یہی حال سیئہ کا ہے کہ ایک
گناہ کا سلسلہ دوسرے گناہ سے ملا ہوا ہے جس کو ایک گناہ کا مرتکب دیکھو سمجھ لو کہ
اس کے ساتھ اور گناہ بھی ہیں۔

(۱) یہ سوال کہ ان اعمال میں سے ہر ایک الگ الگ کفارہ ہے یا ان کا مجموعہ کفارہ ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ سب کا مجموعہ کفارہ ہوگا جبکہ بقیہ واجبات و فرائض بھی بجالائے اور ان پر پابندی کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من لم تنہہ صلاتہ عن الفحشاء والمنکر لم یزدد من اللہ الا بعدا جس کی نماز نے اسے بے حیائی اور گناہ سے نہ روکا وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہی ہوتا جائے گا اور جس نے واجبات میں سے ایک کو بھی ترک کر دیا اس نے بے حیائی اور گناہ کا ارتکاب کیا اور جس نے ان دونوں کا ارتکاب کیا وہ اللہ سے دور ہو گیا اور جو اللہ سے دور ہو گیا اس کا کوئی عمل اس فتنہ کا کفارہ کیوں کر ہوگا جس میں گفتگو ہو رہی ہے جبکہ وہ اس فتنہ سے بھی سنگین تر فتنہ میں مبتلا ہے۔

اور یہاں سے تم کو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کا اندازہ ہوا ہوگا کہ حضور نے اتنے فوائد ایک خوبصورت جملہ میں کس خوبی سے جمع فرما دیئے ہیں۔ الوجہ الاول ماھذہ الفتنۃ وما حدھا الی قولہ فی الوجہ الثانی کیف جمع ھذہ الفوائد بھذہ العبارۃ الرائقۃ

ف یہاں سے ان چار اعمال کی اہمیت واضح ہو گئی کہ ان کو بجالانے والا بقیہ اعمال کو ضرور بجالائے گا مگر افسوس ہے کہ ان اعمال میں بہت کوتاہی کی جارہی ہے، عوام تو نماز روزہ میں بھی کوتاہی کرتے ہیں مگر خواص صدقہ اور امر و نہی میں بہت کوتاہی کرتے ہیں، یہ مسلم کہ اکثر خواص پر زکوٰۃ فرض نہیں مگر تہجد اور اشراق و اوابین و صوم عاشورا اور صوم عرفہ وغیرہ ہی ان پر کب فرض ہے؟ پس جیسا نماز روزہ میں وہ فرض پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ نوافل و مستحبات کا بھی اہتمام کرتے ہیں اسی طرح طاعات مالیہ میں بھی صدقہ نافلہ و مستحبہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔

نیز تبلیغ احکام کا خاص طور سے اہتمام کرنا چاہیے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے یہی مراد ہے، کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ خواص نے صرف درس و تدریس پر

پر قناعت کر لی ہے عامۃ المسلمین کو امر و نہی کرنے سے پہلو تہی کی جاتی ہے ،
حالانکہ انبیاء علیہم السلام کا جن کے یہ حضرات وارث ہیں اصل وظیفہ امر و نہی
اور تبلیغ ہی تھا اصطلاحی درس و تدریس ان کا وظیفہ نہ تھا، درس و تدریس دراصل
اسی مقصد کا وسیلہ اور ذریعہ ہے تاکہ مبلغ علم صحیح کے ساتھ تبلیغ کر سکے، پھر یہ
کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ وسیلہ اور ذریعہ کا تو اتنا اہتمام اور اصل مقصد سے
اتنی بے پروائی، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ منصب تبلیغ کو جاہلوں نے اپنے ہاتھ میں
لے لیا ہے اور وہ مسلمانوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں۔ اگر علماء اس منصب سے
تغافل نہ کرتے تو جاہلوں کو یہ جرأت نہ ہوتی اور عوام بھی حق و باطل میں تمیز کر
سکتے، مگر جب عوام کے سامنے صرف ایک ہی پہلو آتا ہے دوسرا پہلو نہیں آتا تو وہ
بھی جاہلوں کی پیروی کرنے لگتے ہیں، ضرورت ہے کہ ہر اسلامی مدرسہ میں جہاں درس و
تدریس کے لئے دس پندرہ مدرس مقرر کئے جاتے ہیں وہاں تبلیغ احکام کے لئے بھی
کم از کم تین چار مبلغ رکھے جائیں مگر ان سے چندہ کی تحصیل کا کام نہ لیا جائے کیونکہ محصل چندہ
مبلغ احکام نہیں ہو سکتا وہ اگر تبلیغ احکام کرتا بھی ہے تو اس کا سامعین پر اثر نہیں ہوتا
اور عامۃ مسلمین کو جان لینا چاہئے کہ تبلیغ احکام صرف علماء ہی کے ذمہ نہیں بلکہ
ہر مسلمان کے ذمہ ہے جس شخص کو جتنا علم احکام کا حاصل ہے اس کو دوسروں تک پہنچانا
اس کے ذمہ فرض ہے مثلاً سب کو معلوم ہے کہ نماز فرض ہے تو جو نماز نہیں پڑھتا
اس کو یہ حکم پہنچانا ہر شخص کے ذمہ ضروری ہے اسی طرح جن کاموں کا گناہ ہونا معلوم ہے
ان کا گناہ ہونا اس شخص کو بتلایا جائے جو ان میں مبتلا ہے۔ البتہ عام لوگوں کو
وعظ کی صورت سے تبلیغ نہ کرنا چاہیئے کہ یہ منصب اہل علم کا ہے۔ جاہل جب وعظ کہنا
شروع کرتا ہے تو غلط یا صحیح جو زبان پر آتا ہے کہہ جاتا ہے جس سے گمراہی کا اندیشہ ہے اس لئے
عوام کو وعظ نہ کہنا چاہیئے، بلکہ گفت و شنید اور نصیحت کے طور پر ایک دوسرے کو
احکام سے مطلع کرنا چاہیئے کیونکہ تبلیغ احکام فرض بھی ہے اور اس کو اصلاح حال
میں بھی بڑا دخل ہے، جن لوگوں کو تبلیغ کی ضرورت اور اس کے نظام عمل سے

واقف ہونے کا شوق ہو۔ حضرت حکیم الامت دام مجدہم کا رسالہ دعوت الداعی اور حیات المسلمین مطالعہ کریں۔

(۲۰۳) اعمالِ قلب کا اہتمام زیادہ ہونا چاہیئے

اس میں صوفیہ کی بھی دلیل ہے جو اعمال قلب کو اعمال بدنیہ پر ترجیح دیتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امور مذکورہ مال و اولاد وغیرہ سے دل کی مشغولی کو کفارہ کا محتاج قرار دیا ہے اور کفارہ اسی چیز کا ہوتا ہے جو ناپسند ہو پس معلوم ہوا کہ دل کا غیر حق سے مشغول ہونا ناپسندیدہ ہے۔ الوجہ الثالث فیہ دلیل لاھل الصوفۃ الی قولہ ولا یکفرالا ما لا یرضی

ف۔ اعمال قلب کو اعمال بدن پر ترجیح دینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اعمال بدن کا اہتمام نہیں کرتے محض اعمال قلب پر اکتفاء کرتے ہیں کیونکہ یہ تو مجاہدہ کے خلاف ہے اور مجاہدہ طریق صوفیہ کی اصل بنیاد ہے اور مجاہدہ بدون اعمال بدنیہ کے نہیں ہو سکتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کو اعمال بدنیہ کے ساتھ اعمال قلبیہ کا دوسروں سے زیادہ اہتمام ہوتا ہے کیونکہ اعمال بدنیہ بھی اسی وقت قابل ہوتے ہیں جب قلب درست ہو اور قلب کی درستی یہ ہے کہ اخلاص سے معمور ہو۔

(۲۰۴) اس میں صوفیہ کے ترک شہوات اور مجاہدۂ نفس کی بھی دلیل ہے کیونکہ ان فتنوں میں اور ان سے بھی بڑے فتنوں میں مبتلا ہونے کا سبب غلبۂ شہوات ہی تو ہے اور غلبۂ شہوات کا علاج بجز مجاہدہ اور ترک شہوات کے کچھ نہیں الوجہ الرابع فیہ دلیل لھم علی ترک الشہوات الی قولہ انما ھو غلبۃ الشہوات

(۲۰۵) جس کو جلوت کے حقوق کا تحمل نہ ہو وہ خلوت اختیار کرے

حدیث کے مضمون میں ایک لطیف اشارہ اس پر بھی ہے کہ گویا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم ان فتنوں سے ہم کو ڈراتے ہیں کہ ان سے الگ رہنا ہی بہتر ہے کیونکہ ان سے بھاگنے ہی میں سلامتی ہے اور سلامتی کے برابر کوئی چیز نہیں پس جو شخص ان فتنوں کے تحمل پر قادر ہو اور جو کچھ ان کے حقوق اس کے ذمہ شرعاً ہیں ان کو پوری طرح ادا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے خاص درجہ اور تعلق کو بھی محفوظ رکھے وہ تو اہل حقیقت و اہل شریعت کے نزدیک یکتائے زمانہ ہے، ورنہ ضعیف ہے اور اہل حقیقت کے نزدیک ضعیف وہ ہے جو میل جول اور تعلقات سے بھاگنے والا ہو یعنی خلوت کو جلوت پر ترجیح دینے والا ہو اور اہل علم کے نزدیک ضعیف وہ ہے جو تعلقات اور میل جول سے عہ نکلنے پر قادر نہ ہو، یعنی جب تک وہ پہلے مقام پر نہ پہنچے جس کے کمال پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ اس مقام پر پہنچنے کے بعد تعلقات سے نکلنے کی ضرورت نہیں رہتی اس مقام پر پہنچنے کے بعد یہ تمام تعلقات موجب ترقی بن جاتے ہیں موجب تنزل نہیں ہوتے۔

جب تم کو ہدایت اور اسکے طرق معلوم ہو گئے پھر بھی حظ نفس کی طرف جھکتے رہو تو سلوک کے وقت راستہ تم پر دشوار ہو جائے گا۔ الوجہ الخامس یؤخذ من مفھوم الحدیث اشارۃ لطیفۃ الیٰ قولہ توعرت علیک عند السلوک الطرق

ف تعلقات دنیویہ کی جڑ نکاح ہے جس شخص نے نکاح نہیں کیا وہ گویا دنیا میں داخل ہی نہیں ہوا اسی لئے علماء میں اختلاف ہوا ہے کہ نکاح کرنا اور عبادات ضروریہ پر اکتفا کرنا افضل ہے یا نکاح نہ کرنا اور عبادات ضروریہ کی ساتھ نوافل کی کثرت کرنا افضل ہے، حنفیہ کا رجحان مسلک اول کی طرف ہے اور شافعیہ کے نزدیک مسلک دوم افضل ہے مگر یہ اختلاف اسی صورت میں ہے جبکہ نکاح کے بعد حقوق نکاح ادا کرنے کی قدرت ہو۔ بیوی کا نان و نفقہ و مہر وغیرہ

عہ یعنی نہ قلب کو ان تعلقات سے فارغ اور یکسو کرنا چاہتا ہے مگر دل یکسو نہیں ہوتا جمعیت قلب میسر نہیں ہوتی ۱۲ ظ

ادا کر سکے اس کی دلجوئی دلداری کر سکے اور اولاد ہو جائے تو ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا انتظام کر سکے وغیرہ وغیرہ

تو جو شخص ادائے حقوق پر قادر ہو اس کے لئے نکاح کرنا کثرت نوافل سے افضل ہے کیونکہ نکاح حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے تمام انبیاء علیہم السلام بجز ایک دو کے صاحب ازواج تھے اور جو شخص ان حقوق کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو افلاس کے یا بوجہ آزادیٔ طبیعت کے اس کے لئے کثرت نوافل نکاح سے افضل ہے اور اس صورت میں اسکو غلبۂ شہوت کے مفاسد سے بچنے کے لئے سخت مجاہدات کی ضرورت ہوگی جیسے کثرت صیام وقلت اختلاط مع الانام وغیرہ وغیرہ

ف ۔ جو شخص باوجود ادا حقوق سے عاجز ہونے کے تعلقات دنیویہ میں مشغول ہوتا ہے وہ اہل حقیقت کے نزدیک ضعیف نہیں بلکہ ہلاک ہونیوالا ہے ان کے نزدیک ضعیف وہ ہے جو اس حالت میں تعلقات سے الگ ہی رہے نکاح ہی نہ کرے، آبادی میں بھی نہ رہے جو ہمسایہ وغیرہ کے حقوق ادا کرنے پڑیں۔

ف ۔ یہاں سے ان جاہل صوفیوں کی غلطی واضح ہوگئی جو نکاح کر کے بیوی اور اولاد کے حقوق ادا نہیں کرتے اور فخر کرتے ہیں کہ ہم نے دس سال یا بیس سال سے بیوی کا منہ نہیں دیکھا وہ یاد رکھیں کہ اہل حقیقت کے نزدیک ایسے لوگ ہلاک و برباد ہونیوالے ہیں اگر ان کو بیوی کا منہ دیکھنے سے بچنا تھا تو نکاح کرنے کو کس نے کہا تھا اور اگر نکاح کیا ہے تو اس کے حقوق ادا کرنا تمام مجاہدات وریاضات سے مقدم ہے۔ مجاہدات وریاضات فرض نہیں اور ادائے حقوق فرض ہے غیر فرض کے لئے فرض کو ترک کرنا پوری ہلاکت ہے خوب سمجھ لو۔

باب سی و چہارم ۳۴

حدیث

تعاقب الملائکۃ الکرام الکاتبین

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے درمیان کچھ فرشتے رات کو اور کچھ فرشتے دن کو باری باری آتے ہیں اور وہ سب نماز فجر اور نماز عصر میں جمع ہو جاتے ہیں پھر وہ فرشتے جو رات کو آئے تھے آسمان پر چڑھ جاتے ہیں تو ان سے ان کا پروردگار سوال فرماتا ہے، اور وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے، کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ؟ تو وہ عرض کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو نماز پڑھتا ہوا چھوڑا اور جب ان کے پاس گئے تھے اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے ؛

شرح ظاہر حدیث بتلا رہا ہے کہ ہمارے درمیان کچھ فرشتے رات کو کچھ دن کو باری باری آتے ہیں اور نماز صبح اور نماز عصر میں سب اکٹھے ہو جاتے ہیں اور اللہ عزوجل ہمارے پروردگار اپنے بندوں کے متعلق ان سے سوالات کرتے ہیں اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۲۰۶) یہاں چند سوالات ہیں

۱۔ اللہ تعالیٰ شانہ صرف آخری عمل کو کیوں دریافت فرماتے ہیں، دوسرے اعمال کو کیوں نہیں پوچھتے ؟ کیونکہ حدیث کا لفظ یہ ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ؟ تو سوال اسی عمل سے ہوتا ہے جس پر بندوں کو چھوڑ کر فرشتے

آسمان پر گئے تھے اور وہ آخری عمل ہے جو ان کے سامنے ہوا)

۲۔ فرشتے سوال سے زیادہ جواب کیوں دیتے ہیں (کیونکہ وہ سوال کا جواب دے کر اتنا اور بڑھاتے ہیں داتیناھم وھم یصلون جب ہم ان کے پاس گئے تھے اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے)

۳۔ یہ بندے کون ہیں جن کی بابت سوال ہوتا ہے۔

۴۔ سوال کے لئے یہی اوقات کیوں مقرر ہوئے دوسرے اوقات کیوں نہ ہوئے

۵۔ ہم لوگوں کو اس سوال و جواب کی اطلاع سے کیا فائدہ ہے؟ اور اس پر علمی احکام کیا مرتب ہوئے؟

اعتبار خاتمہ کا ہے پس اپنے دن اور رات کو اعمال حسنہ پر ختم کرنا چاہئے

پہلی بات کا جواب تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ان الاعمال بخواتیمہا کہ اعمال کا اعتبار ان کے خاتمہ پر ہے تو یہاں بھی وہی حکم ہے جو وہاں ہے جیسا زندگی بھر کے اعمال میں خاتمہ کے اعمال کا اعتبار ہے اسی طرح دن بھر اور رات بھر کے اعمال میں اخیر عمل کا اعتبار ہے جس کی رات اور دن اچھے عمل پر ختم ہوا اسکی ساری رات اور سارا دن اچھا ہی شمار ہوگا۔

(۲) ملائکہ کا سوال سے زیادہ جواب دینا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو یہ بات معلوم ہے کہ اس سوال کا منشا رحمت و فضل ہے تو وہ جواب میں ایک بات اور بڑھا دیتے ہیں جو رحمت و فضل کا مزید سبب ہے کہ ہم نے یہاں سے جا کر بھی ان کو نماز ہی پڑھتا ہوا پایا تھا اور اس سے دو علمی مسئلے مستنبط ہوئے

نماز تمام عبادات سے اعلیٰ و افضل ہے

ایک یہ کہ نماز تمام عبادات میں اعلیٰ و افضل ہے کیونکہ سوال و جواب اسی پر واقع ہوتا ہے۔

دوسرے یہ کہ

فرشتے ہمارے نیک اعمال سے خوش ہوتے ہیں

ملائکہ بندے کے نیک عمل سے خوش ہوتے ہیں اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بہترین جزا کے طالب ہوتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اپنی طرف سے ایسی بات نہ بڑھاتے جس کا ان سے سوال نہیں کیا گیا تھا رہا یہ کہ یہ بندے کون ہیں جن کی طرف اس عظیم الشان خصوصیت سے اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف منسوب فرماتے ہیں اور ان کو یاد فرماتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ان کو یاد فرمانا بڑی رحمت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بتلایا ہے کہ ان کا اپنے بندہ کو یاد کرنا رحمت ہی رحمت ہے چنانچہ سورۂ مریم میں فرمایا ہے ذکر رحمۃ ربک عبدہ پس یہ بندے وہی ہیں جن کی صفت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے ان عبادی لیس لک علیہم سلطان کہ اے ابلیس میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہ چلے گا۔

بعد فجر اور بعد عصر کی فضیلت

رہا یہ کہ اس سوال وجواب کے لئے ان ہی اوقات کو کیوں مخصوص کیا گیا (یعنی بعد فجر و بعد عصر کو) تو اس کی وجہ تشریف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اوقات کو شرف دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتے ہیں شرف عطا فرما دیتے ہیں خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان ہو یا کچھ بھی ہو اور اس پر دو علمی مسئلے مرتب ہوتے ایک یہ کہ یہ دو وقت تمام اوقات میں اشرف و اکمل ہیں اور اس پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں منجملہ ان کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے جو آپ نے حق تعالیٰ کی طرف سے بیان فرمایا ہے۔ اذکرنی ساعۃ بعد الفجر وساعۃ بعد العصر اکفک ما بینہما میرے بندے تو مجھے کچھ دیر فجر (کی نماز) کے بعد اور کچھ دیر عصر (کی نماز) کے بعد یاد کر لیا کر پھر ان دونوں کے درمیانی حصہ کے لئے میں تجھے کافی ہوں گا (یعنی تو میری پناہ میں ہوگا میں تیرے سارے کام بنا دوں گا)

رزق صبح کی نماز کے بعد تقسیم ہوتا ہے

منجملہ ان کے یہ ہے کہ رزق صبح کی نماز کے بعد تقسیم ہوتا ہے تو جو شخص اس وقت طاعت میں مشغول ہوگا اس کے رزق میں ترقی ہوگی۔ اسی لئے تم عابدوں کے رزق میں برکت دیکھتے ہو اور برکت تمام ترقیوں سے بڑھ کر ہے۔

اور حدیث میں اس شخص پر سخت وعید آئی جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائے اس سے معلوم ہوا کہ یہ وقت خاص عظمت رکھتا ہے منجملہ ان کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے استعینوا بالغدوۃ والروحۃ مدد لو صبح کے وقت اور شام کے وقت کام کرنے سے اگر ان میں فضیلت نہ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا پتہ نہ بتلاتے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جو نماز ان اوقات میں ادا کی جاتی ہے وہ تمام نمازوں سے افضل ہوتی ہے کیونکہ جس عمل کو اہتمام کے ساتھ دریافت کیا جاتا ہے وہ دوسرے اعمال سے ارفع ہوتا ہے اور سب نمازوں میں سے ان ہی دو نمازوں کی بابت سوال ہوتا ہے تو اس تاویل پر یہی صلاۃ وسطی ہے جس پر محافظت کا ہم کو حکم دیا گیا ہے تو اس صورت میں صلاۃ وسطی دو ہونگی۔ ایک صلاۃ وسطی رات کے وقت میں ہے دوسری صلوۃ وسطی دن کے وقت میں ہے کیونکہ صلاۃ وسطی کے متعلق علماء کے درمیان اختلاف ہے اس میں ان کے گیارہ اقوال ہیں اور کوئی قول ایسا نہیں جس میں دوسروں نے طعن اور اعتراض نہ کیا ہو اور مجھے امید ہے کہ جو تقریر ہم نے کی ہے اس پر سب سے کم اعتراض وارد ہوگا۔

علاوہ ازیں یہ کہ اس حدیث کی جب یہ تقریر کی گئی تو بعض طلبہ نے تو اس سے موافقت کی بلکہ اکثر نے تو اس کو تسلیم کیا اور پسند کیا بجز ایک شخص کے جس نے ہماری اس بات پر بے ڈھنگے پن سے اعتراض کیا کہ اس حدیث سے صلاۃ وسطی پر دلالت ہے۔ ایک طالب علم پر جسکو مقرر سے تعلق تھا یہ اعتراض گراں ہوا تو رات کو اس نے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ

مقرر حضور کے سامنے ہے اور عرض کر رہا ہے یا رسول اللہ مجھے اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں صلاۃ وسطی پر دلالت ہے اور اپنی تقریر بیان کی اور یہ بھی کہا کہ اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا ہے کہ اس سے صلاۃ وسطی پر دلالت نہیں ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ تم نے جو کچھ کہا خوب کہا اور جو تم نے سمجھا درست ہے۔ صبح ہوئی تو خواب دیکھنے والے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی مقرر کو اطلاع دی اس نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو درست فرمادیا ہے تو اب مجھے کسی کے رد کی پروا نہیں۔

رہا یہ کہ اس اطلاع میں فائدہ کیا ہے اور اس پر علمی مسائل کیا مرتب ہوتے تو اس میں بہت فائدہ ہے اور علمی مسائل بھی بہت ہیں۔

بیداری اور ہوشیاری سے کام کرنا چاہیئے

منجملہ فوائد کے ایک فائدہ یہ ہے کہ اس میں ہم کو بتلایا گیا ہے کہ ہمارے اعمال ضبط کئے جاتے ہیں اور ان کی کیفیت بھی بتلا دی گئی اس پر علمی مسئلہ یہ مرتب ہوا کہ ہم کو بیداری اور ہوشیاری سے کام کرنا اور امر و نہی کی حفاظت کرنا چاہیئے یہ تو عوام کا حصہ ہے اور خواص کا حصہ یہ ہے کہ ان کو ان اوقات سے فرحت و سرور ہونا چاہیئے

عارفین کو فجر اور عصر کے وقت مسرور ہونا چاہیئے

کیونکہ شاہی فرستادے ان کے پاس آتے اور اللہ تعالیٰ (ان سے) ان کا حال دریافت فرماتے ہیں اور یہ ان کے نزدیک تمام مسرتوں سے بڑھ کر مسرت ہے اسی لئے بعض اہل اللہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ جب رات کا پچھلا حصہ آتا اور وہ نماز تہجد سے فارغ ہو جاتے تو عمدہ سے عمدہ کپڑے پہن کر اچھے سے اچھے بستر پر بیٹھتے اور فرماتے میرے پروردگار کے معزز فرستادوں کو مرحبا بسم اللہ تشریف لائیے اور لکھیئے اس کے بعد برابر ذکر تلاوت میں لگے رہتے یہاں

تک کہ نماز کا وقت آتا تو نماز پڑھتے، پھر دن کی آخری نماز (یعنی عصر) کے لئے بھی ایسا ہی اہتمام کرتے اور رات میں بھی اسی طرح ذکر و تلاوت کرتے ہمیشہ ان کا یہی معمول تھا۔

ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے ہم کو ملائکہ کی اس محبت کا علم ہو گیا جو ان کو ہمارے ساتھ ہے جس کا علمی نفع یہ ہے کہ ہم کو بھی ان سے انس و محبت ہوگی

فرشتوں سے محبت ہونا چاہیئے

اور یہ محبت اللہ تعالیٰ سے قرب کا ذریعہ ہے کیونکہ حدیث میں ہے المرء مع من احب انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہو۔ پس صلحاء کی محبت انسان کو صلحاء کے ساتھ کرے گی اور وہ بارگاہ قرب میں واصل ہیں۔ تو یہ بھی مقرب ہو جائے گا۔

ایک فائدہ یہ ہے کہ اس میں غیب کی خبر دی گئی ہے اور یہ سب سے بڑا فائدہ ہے جس پر علمی نفع یہ مرتب ہوگا کہ اس سے ایمان کو ترقی ہوگی جس سے بہت بڑی نعمت اور وہ اعلیٰ درجہ کی مدح حاصل ہوگی جس سے اللہ تعالیٰ نے ایمان

غیب کی باتیں سننے سے ایمان کو ترقی ہوتی ہے

والوں کی تعریف میں فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے الذین یؤمنون بالغیب (قرآن ہدایت ہے ان لوگوں کے لئے جو غیب پر یقین رکھتے ہیں) نیز اس پر یہ فائدہ بھی مرتب ہوا کہ ان دو نمازوں کی حرمت و عظمت کی ہم کو اطلاع ہو گئی جس سے علمی نفع یہ ہوا کہ ان دو نمازوں کی پابندی اور حفاظت کا اہتمام کیا جائے گا۔ نیز اس سے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعت و عظمت بھی ہمارے قلوب میں زیادہ ہو گئی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امور غیب کی جس قدر اطلاع اور علم ہوا اور جتنا آپ ان کو بیان فرمائیں اسی قدر آپ کی رفعت و عظمت قلوب میں زیادہ ہوتی ہے اور ہم جس قدر حضور کی

جس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں ترقی ہو گی اسی قدر

قرب میں ترقی ہو گی

کی تعظیم زیادہ کریں گے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے قرب میں ترقی کریں گے۔

ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے اس امت محمدیہ کی رفعت دوسری امتوں پر معلوم ہوئی کیونکہ اس واقعہ کی اطلاع اسی واسطے تو دی گئی ہے کہ یہ بات معلوم ہو کہ حق تعالیٰ کی اس امت پر کس قدر عنایت ہے اس کا علمی نفع یہ ہے کہ ہم اس نعمت کا شکر کریں جو خاص طور پر ہمیں عطا کی گئی ہے اور شکر ترقی نعمت کو مقتضی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے

لئن شکرتم لازیدنکم

اگر تم نعمت کا شکر کرو گے تو میں تم کو زیادہ عطا کروں گا۔

ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں پر کیسی توجہ ہے جس کا علمی نفع یہ ہے کہ اس بات کے علم سے ہماری قوت یقین زیادہ ہو گی (اللہ تعالیٰ سے محبت میں ترقی ہو گی) اور یہ بڑا اعلیٰ درجہ ہے۔

قوت وضعف ایمان کا معیار

ایک فائدہ یہ ہے کہ اس حدیث کو سن کر تمہیں اپنے ایمان کا اندازہ ہو گا اپنے ایمان کی قوت وضعف کی معرفت حاصل ہو گی کیونکہ اگر اس حدیث سے عمل کی رغبت زیادہ ہوئی تو یہ قوت ایمان کی علامت ہو گی جو اس بات کی بشارت ہے کہ تمہارے اندر نسبت قوم موجود ہے (یعنی تم کو اللہ والوں کی نسبت سے حصہ ملا ہے) اور اگر تم یہ دیکھو کہ اس حدیث کے سننے سے تمہارے اندر کچھ زیادتی نہیں ہوئی بلکہ تم نے اسی طرح اس کو سنا ہے جیسا لوگوں کی باتوں کو سنا کرتے ہو تو معلوم ہو گا کہ تم ان مسکینوں اور محروموں

میں سے ہو جن کی حالت اندیشہ ناک ہے اور اس حالت میں معالجہ کر کے اپنے نفس کی اصلاح کا تم کو اہتمام ہوگا اور یہ علم کا بہت بڑا دروازہ ہے

قوله الوجه الاول ان يقال لم سأل مولانا جل جلاله عن اخر الاعمال لا غير الى قوله فى الوجه الخامس وهذا وجه كبير من الفقه

ف سالکین کو نماز فجر اور نماز عصر کے بعد خاص طور سے ذکر اللہ میں کچھ دیر مشغول رہنا چاہیئے۔ سلف صالحین نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک بات کرنا پسند نہ کرتے تھے بلکہ ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے۔ ہم نے اپنے اکابر کو اسی قدم پر پایا ہے۔

حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت مراقب رہتے تھے۔ حضرت حکیم الامت دام ظلہم ومجدہم بھی اس وقت کسی سے بات نہیں کرتے تھے اپنے خاص معمولات میں مشغول رہتے تھے، عصر کے بعد بھی کچھ دیر ذکر و تلاوت میں مشغول رہتے ہیں حالانکہ ان حضرات کی تو گفتگو بھی اللہ ہی کے لئے ہوتی ہے ان کا ہر کام ذکر ہی ہے ؎

گفتگوئے عاشقان در کار رب
جوشش عشق ست نے ترک ادب

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ صبح کی نماز کے بعد رزق تقسیم ہوتا ہے۔ یہ رزق ظاہر و رزق باطن دونوں کو عام ہے اس لئے اس وقت سے غافل نہ رہنا چاہیئے۔

ف صلوۃ وسطی کے متعلق حنفیہ کا قول یہ ہے کہ وہ صلوۃ العصر ہے۔ احادیث صحیحہ سے اسی کی تائید ہوتی ہے، حضرت شارح

نے یہاں جو تحقیق بیان فرمائی ہے کہ صلاۃ وسطیٰ دو ہیں۔
ایک وُسطی اللیل
ایک وُسطی النہار
یہ عجیب تحقیق ہے مگر سلف میں سے غالباً کوئی اس طرف نہیں گیا۔ سب کے نزدیک صلاۃ وسطیٰ ایک ہی ہے پس اعتقاداً تو حنفیہ کی تحقیق کو راجح سمجھا جائے اور عملاً دونوں نمازوں کا اہتمام صلاۃ وسطیٰ کی طرح کیا جائے واللہ اعلم بالصواب

باب سی و پنجم ۳۵

حدیث

من نسی صلوۃ فلیصلھا اذا ذکرھا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص کسی نماز کو بھول جائے تو جب یاد آئے اسی وقت اسکو پڑھ لے اس کے سوا اس کا کفارہ کچھ نہیں۔ اقم الصلوۃ لذکری نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو۔

شرح ظاہر حدیث بتلاتا ہے کہ بھولی ہوئی نماز کو جب وہ یاد آئے وقت پڑھنا چاہیئے یعنی بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو کیونکہ لیلۃ ... میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز فجر قضا ہوئی تو آپ نے عین طلوع شمس کے وقت قضا نماز نہیں پڑھی بلکہ کسی قدر توقف کے بعد قضا کی۔

(۲۰۷) ذکر اللہ جملہ اعمال سے اعلیٰ ہے اور ذکر کی اقسام

یہاں ایک اشارہ علم تصوف کا بھی ہے کیونکہ صوفیاء فرماتے ہیں کہ تمام اعمال میں اعلیٰ عمل ذکر ہے کیونکہ ذکر لسانی سے احکام الٰہی کی یادداشت پیدا ہوتی ہے اور وہی تمام اذکار میں بلند تر ہے جیسا حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو امر و نہی کے موقعہ پر یاد کرنا زبانی ذکر سے بہتر ہے اور غفلت کا سبب نسیان ہی تو ہے، پس جو محروم ہوا غفلت کے سبب محروم ہوا اور جو کامیاب ہوا ذکر و حضوری کی وجہ سے کامیاب ہوا، اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں ولذکر اللہ اکبر اللہ کی یاد سب سے بڑی دولت ہے۔ قوله الوجه الرابع هنا اشارة صوفية الى قوله ولذكر الله اكبر

ف یہ اشارہ اقم الصلوٰة لذکری سے حاصل ہوا جس میں اللہ کی یاد کے لئے نماز کی پابندی کا حکم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام فرائض و واجبات سے مقصود اللہ کی یاد ہے۔ پس ذکر تمام اعمال سے افضل ہوا۔ اس کے بعد سمجھو کہ لوگوں نے عام طور پر ذکر اور یاد کو زبانی ذکر میں منحصر کر رکھا ہے یہ غلط ہے بلکہ اصل ذکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو امر و نہی کے

امر و نہی کے موقعہ پر تعمیل حکم کرنا اصل ذکر ہے ذکر لسانی

اسی کا ذریعہ ہے کے موقعہ پر یاد رکھا جائے یعنی جس وقت جو حکم دیا ہے اور جس کام سے منع کیا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم اور نہی کو یاد کر کے مامور بہ بجا لائے اور منہی عنہ سے رک جائے۔ جو شخص امر و نہی کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کے حکم اور نہی کو یاد کر کے اس کی تعمیل نہیں کرتا وہ ذاکر نہیں گو زبان سے کتنا ہی ذکر کرتا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا یہی مطلب ہے۔

اور حضرات صوفیہ نے جو ذکر لسانی کا بہت اہتمام کیا ہے اور اس کی تاکید کی ہے وہ بھی محض اسی واسطے ہے کہ کثرت ذکر سے دل بیدار ہو جاتا ہے اور امر و نہی کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کے احکام کو یاد کر کے ان کی تعمیل پر مستعد ہو جاتا ہے۔ اگر ذکر لسانی سے یہ مقصود حاصل نہ ہو تو سمجھنا چاہئے

کہ ابھی ذکر ناقص ہے کامل نہیں اس شخص کو شیخ محقق کامل کی طرف رجوع کرکے تکمیل ذکر کا اہتمام کرنا چاہیئے، جب ذکر میں مرتبہ کمال حاصل ہوگا جس کا نام نسبت اور حضور دائم ہے تو امر و نہی کے وقت قلب حق تعالیٰ سے غافل نہ ہوگا اور ہر وقت کے متعلق جو احکام ہیں ان کی تعمیل ہوتی رہے گی یہی اصل ذکر ہے جو کامیاب ہوا اسی سے کامیاب ہوا پس جو لوگ ذکر لسانی کو فضول سمجھتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں کیونکہ اصل ذکر کا ذریعہ یہی ہے ؎

از صفت وز نام چہ زاید خیال ۔۔۔ واں خیالش ہست دلال وصال

اور جو لوگ محض ذکر لسانی یا ذکر قلبی کو کافی سمجھتے ہیں اور احکام الٰہیہ کی تعمیل کا اہتمام نہیں کرتے وہ بھی گمراہ ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ مجھے اس طریقہ سے یاد کرو جس طرح میں نے بتلایا ہے تو جو شخص نماز کے وقت نماز نہیں پڑھتا محض زبان یا دل سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو اس طریقہ سے یاد نہیں کرتا جس طریقہ پر وہ اس وقت اپنی یاد چاہتے ہیں اسی طرح جس پر زکوٰۃ فرض ہو اس کو سال تمام پر زکوٰۃ ادا کرنا چاہیئے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی یاد کا طریقہ یہی ہے، جس پر رمضان کا روزہ فرض ہے اس کو رمضان میں روزہ رکھنا چاہیئے کہ اس وقت اللہ کی یاد کا یہی طریقہ ہے جس وقت کوئی نامحرم عورت سامنے سے گذرے اس وقت اللہ کی یاد کا طریقہ یہی ہے کہ آنکھیں نیچی کرلے وعلیٰ ہٰذا ہر وقت کے متعلق جو بھی حکم ہے اس وقت اس کا بجا لانا ہی ذکر ہے اگر اس وقت حکم کی تعمیل نہ ہوئی تو نرا مراقبہ یا ذکر لسانی کرنے سے یہ شخص ذاکر نہ ہوگا بلکہ غافل اور نافرمان شمار ہوگا اسی لئے محققین صوفیہ کا ارشاد ہے کل مطیع للّٰہ فھو ذاکر جو شخص اللہ کی اطاعت میں لگا ہوا ہے وہ ذاکر ہے گو زبان سے ذکر نہ کر رہا ہو کیونکہ اطاعت میں لگا رہنا بدون محبت یا خوف الٰہی کے نہیں ہوتا اور محبت یا خوف ہی اصل ذکر ہے۔ خوب سمجھ لو۔

۳۶
باب سی و ششم

حدیث

الاذان فی البادیۃ وفضلہ

عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ انصاری مازنی رضی اللہ عنہما اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تم کو بکریوں سے اور جنگل میں رہنے سے محبت ہے تو جب تم اپنی بکریوں میں یا جنگل میں ہو اور نماز کے لئے اذان دو تو بلند آواز سے اذان دیا کرو کیونکہ مؤذن کی اذان جہاں تک جاتی ہے وہاں تک جو انسان یا جن یا جو چیز بھی اس کی آواز سُنے گی قیامت کے دن اس کے واسطے گواہی دے گی۔ ابو سعید خدری نے فرمایا کہ میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے۔

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ جو چیز مؤذن کی اذان سُنے گی وہ اس کے لئے قیامت کے دن گواہی دیگی۔

(۲۰۸) بے جان چیزیں بھی اعمال صالحہ کی گواہی دیں گی

شے سے مراد بظاہر ہر چیز ہے جاندار ہو یا بے جان کیونکہ شے کا اطلاق سب پر آتا ہے خصوصاً جب کہ دوسری حدیث میں مدر و شجر بھی آیا ہے

(یعنی ڈھیلے اور درخت بھی گواہی دیں گے) یہاں ایک سوال ہے کہ ان چیزوں کی
گواہی سے فائدہ کیا ہوگا؟ اور عمل کرنیوالے کے لئے اس پر کون سی خیر مرتب ہوگی
تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو سننے والوں کے عمل کے برابر ثواب ملے گا واللہ اعلم
اسکی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے من دعا الی ھدی فلہ
اجرہ واجر من عمل بہ جو شخص ہدایت کی طرف بلائے اس کو اس عمل
کا ثواب بھی ملے گا اور جو اس پر عمل کریگا اس کا ثواب بھی ملے گا نیز حدیث میں
بھی آیا ہے کہ زمین کے قطعات باہم ایکدوسرکو روزانہ پکارتے ہیں ایک دوسرے
سے سوال کرتا ہے کیا تجھ پر کوئی اللہ کو یاد کرنیوالا گذرا ہے؟ تو جس قطعہ پر اللہ کو یاد
کرنیوالا گذرا ہوگا وہ دوسرے قطعات پر فخر کرتا ہے تو چونکہ یہ شخص اذان دیکر ذکر
اللہ کی طرف بلا رہا ہے اس لئے اس کو دوہرا ثواب ملے گا، اگر یہ کہا جائے کہ
اذان تو ذکر نہیں بلکہ وقت نماز کی اطلاع ہے تو ہم کہیں گے بجا ہے مگر اس کو
ذکر ہی کا ثواب ملے گا کیونکہ اذان میں الوہیت (خداوندی) کا اقرار ہے اور شرک
کی نفی ہے اور جو کوئی اذان سنے اس کو اذان کا جواب دینا مشروع و مسنون ہے
تو اس میں نماز کی اطلاع بھی ہے اور افضل الاذکار یعنی نماز کی دعوت بھی
ہے اس لئے اس پر وہ ثواب مرتب ہوا جو ہم نے بتلایا ہے۔

الوجہ الاول ھل یعنی بشئ کل حیوان او جماد الی قولہ ھو جب لہ بذلک
من الاجر ما ذکرنا

(۲۰۹) جمادات میں شعور اور قوت سماع کا اثبات

حدیث میں اس پر بھی
دلالت ہے کہ جمادات سنتے ہیں علماء نے ان احادیث و آیات کی تفسیر میں اختلاف کیا
ہے جن میں جمادات کے متعلق اس قسم کی باتیں وارد ہوئی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
وان من شئ الا یسبح بحمدہ کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح و حمد نہ
کرتی ہو تو بعضوں نے کہا ہے کہ ان میں بعض اوقات حیات پیدا کردی جاتی ہے اس

دقت وہ تسبیح کرتے ہیں اور بعض نے ان آیات واحادیث کو ظاہر پر رکھا ہے۔ کہ جمادات اسی حالت میں سنتے اور خوش ہوتے اور تسبیح کرتے ہیں کیونکہ قدرت سب کچھ کر سکتی ہے اور یہی حق ہے خصوصاً جبکہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے وان من الحجارة لما یتفجر منہ الانھار وان منھا لما یشقق فیخرج منہ الماء وان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ ط کہ بعضے پتھر ایسے ہیں جن سے نہریں پھوٹ کر بہتی ہیں بعض ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو ان سے پانی رستا ہے اور بعضے اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ علماء محققین نے فرمایا ہے کہ جو پتھر مٹی کی طرح بہتا ہے اور جو پہاڑ گرتا ہے وہ اللہ عزوجل کے خوف ہی سے گرتا ہے، یہی قول حق ہے کیونکہ اگر یہ تسبیح وغیرہ زبان حال سے ہوتی جیسا ایک جماعت کا خیال ہے تو ہمیں اس کی اطلاع دینے سے کیا فائدہ؟ کیونکہ اتنی بات تو ہم کو بداہتہً معلوم ہے کہ ہر مخلوق اپنے انقلاب و تغیر واحتیاج سے اپنے خالق کا پتہ دے رہی ہے۔ اس کا بتلانا تو تحصیل حاصل ہے جو حکیم کے حق میں محال ہے۔

ف ۔ جمادات و نباتات میں شعور اور قوت تکلم کا ہونا صوفیہ کو کشف سے معلوم ہو چکا ہے بعض اہل اللہ سے درختوں اور پہاڑوں نے بات چیت کی ہے وہ ان آیات واحادیث کو جن میں جمادات کے متعلق اس قسم کی باتیں مذکور ہیں ظاہر پر محمول کرتے۔ فلاسفہ اور معتزلہ اور وہ علماء جن پر فلسفہ غالب ہے۔ ان میں تاویل کرتے ہیں مگر ظاہر قرآن وحدیث صوفیہ کا مؤید ہے۔

(۲۱۰) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زمین کے قطعات قیامت کے دن ان اعمال خیر و شر کی گواہی دیں گے جو ان پر کئے گئے ہیں اس کے متعلق اور بھی بہت احادیث وارد ہیں آیات قرآنیہ بھی اس پر دلالت کرتی ہیں، اور قدرت الٰہیہ سب کچھ کر سکتی ہے اور اس مضمون کی اطلاع سے فائدہ بھی جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ اس کو ظاہر پر رکھا جائے تاویل کرنے سے اس اطلاع کا

فائدہ کچھ نہیں رہتا۔ اور جو لوگ قدرت الٰہیہ پر حکم لگانا چاہتے اور یوں کہتے ہیں کہ سمجھنا اور بات کرنا بدون حیات و عقل کے ناممکن ہے، اُن کے پاس

فہم و تکلم کو حیات و عقل پر موقوف سمجھنا بلا دلیل ہے

اس دعوے کی شرعی دلیل کوئی نہیں، انہوں نے محض عقل سے یہ بات نکالی ہے

قدرت کو عقل کا پابند نہیں کیا جا سکتا

اور قدرت کو عقل کا پابند نہیں کیا جا سکتا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ویخلق مالا تعلمون اللہ تعالیٰ ایسی ایسی چیزیں پیدا کرتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر بھی نہیں اس مضمون پر ہم شروع کتاب میں بحث کر چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں قولہ الوجہ الثالث فیہ دلیل علی ان الجمادات تشہد الی قولہ اغنی عن اعادتہ ھنا

ف: اس زمانہ میں سائنس کی ایجادات نے فلسفۂ قدیمہ کے بہت سے نظریوں کو غلط کر دیا ہے۔ جن چیزوں کو پہلے عرض کہا جاتا ہے آج وہ جواہر میں داخل ہیں، ریڈیو اور گراموفون کی ایجاد نے جمادات کے تکلم کا استبعاد بھی دفع کر دیا کیا تعجب ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں ایسی برقی طاقت رکھی ہو جو ان اعمال کا اثر قبول کر لیتی ہو جو اس پر یا اس کے قریب کئے جاتے ہوں اور قیامت میں وہ ان اعمال کی گواہی دے۔ حضرات اہل کشف کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ ان کو بعض دفعہ زمین پر بیٹھتے ہی معلوم ہو گیا کہ یہاں کسی نے بُرا کام کیا ہے یا یہاں کسی بزرگ نے قیام کیا ہے یہ اسی اثر کا تو نتیجہ ہے جو اعمال صالحہ یا اعمال سیاہ کی وجہ سے اس جگہ پیدا ہو گیا تھا۔

قانون قدرت کی تحقیق

ف: نو تعلیم یافتہ جماعت کو جو بعض آیات واحادیث پر شبہات پیدا ہوتے ہیں ان کا منشا یہی ہے کہ وہ قدرت الٰہیہ کو اپنی عقل کا پابند کرنا چاہتے ہیں اور

اس کا حماقت ہونا ظاہر ہے ایک لفظ اس جماعت نے خوب یاد کر لیا ہے کہ قانون قدرت کے خلاف نہیں ہو سکتا، مگر کوئی ان سے پوچھے کہ جب تم قدرت کا احاطہ نہیں کر سکتے تو اس کے قوانین کا احاطہ کیونکر کر سکتے ہو ممکن ہے جس بات کو تم اپنے زعم میں قانون قدرت کے خلاف سمجھتے ہو وہ حقیقت میں قانون قدرت کے خلاف نہ ہو بلکہ کسی ایسے قانون کے موافق ہو جس کی تم کو خبر نہیں۔ غرض یہ لوگ اپنی عقل سے قدرت کا ایک قانون بنا لیتے ہیں اور جو بات اس کے خلاف سنتے ہیں اس کو رد کر دیتے ہیں حالانکہ عقل سے قدرت کے لئے کوئی قانون مقرر کرنا ہرگز جائز نہیں جب تک خود صاحبِ قدرت نہ کہے کہ میرا یہ قانون ہے۔ خوب سمجھ لو۔

(۲۱۱) حیوانات و جمادات نیک بندوں سے خوش ہوتے ہیں

حدیث میں اس پر بھی دلالت ہے کہ حیوانات و جمادات نیک بندوں سے خوش ہوتے ہیں (جب ہی تو وہ ان کے لئے گواہی دیں گے) آیت فما بکت[ع] علیہم السماء والارض کی تفسیر میں وارد ہوا ہے کہ جس زمین پر بندہ عبادت کرتا تھا اور آسمان کے جس دروازہ سے اس کے اعمال اوپر جاتے تھے وہ چالیس دن تک (اس شخص کے مرنے کے بعد) روتے ہیں، یہ حدیث جنگل میں عبادت کرنے کی بھی ترغیب دے رہی ہے کیونکہ جب مؤمن کو اس ثواب کی اطلاع ہوگی تو وہ اس میں کوشش کرے گا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص نماز کے وقت جنگل میں ہو اور اذان و اقامت کہہ کر نماز پڑھے تو اس کے پیچھے پہاڑوں کے برابر فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور اگر صرف اقامت کہے اذان نہ دے تو اس کے پیچھے صرف دو فرشتے نماز پڑھتے ہیں۔

ع نہ اُن پر آسمان کو رونا آیا نہ زمین کو

جنگل میں نماز پڑھنے کی فضیلت اور اس کا مطلب

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جنگل کی ایک نماز ستر نمازوں کے برابر ہے، پس ان احادیث سے جو جنگل میں عبادت کرنے کے متعلق ہیں اور ان احادیث سے جو بستی میں نماز پڑھنے اور جماعت میں حاضر ہونے اور مسجدوں کی پابندی کرنے ان میں عبادت کرنے وغیرہ کے متعلق ہیں یہ معلوم ہوا کہ مؤمن جب کتاب و سنت کے موافق عمل کر رہا ہو تو وہ جہاں بھی ہوگا حسبِ وعدہ بڑی خیر میں ہوگا۔

الوجه الرابع فيه دليل على ان الحيوان والجماد يفرح بالصالحين الى قوله فى خير عظيم بحسب الوعد الحق

ف جنگل کی نماز میں جو ثواب فضیلت وارد ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ بستی کو چھوڑ کر جنگل میں نماز پڑھنے جایا کریں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر کہ ضرورت سے جیسے بکریاں چرانا یا زراعت یا اور کسی مزدوری کام کے لئے جنگل جانا پڑے تو بستی کی مسجد اور جماعت کے فوت ہونے سے دلگیر نہ ہوں بلکہ اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ جنگل کی تنہا نماز ہی میں بھی بہت ثواب عطا فرمائیں گے۔ باقی بلا ضرورت بستی کی نماز چھوڑ کر جنگل میں نماز پڑھنے کے لئے جانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین سے منقول نہیں۔

(۲۱۲) جو حبِّ دنیا دین سے مانع نہ ہو وہ جائز ہے حدیث میں اس پر بھی دلالت

ہے کہ جس شخص کو دنیا کے کسی ساز و سامان سے محبت ہو اور یہ محبت دین کے حقوق واجبہ و مستحبہ کے پوری طرح بجا لانے سے مانع نہ ہو تو ایسی محبت جائز ہے کیونکہ ان بزرگ نے اپنے ساتھی کو اس محبت سے منع نہیں کیا بلکہ اس پر قائم

دکھا جو اس کے اندر نظر آئی تھی۔ یعنی بکریوں کی محبت ہاں اس کو ایک امر مستحب کی ترغیب دی کہ جنگل میں اذان کے ساتھ نماز پڑھا کرے۔

قوله الوجه السادس فيه دليل على ان من احب شيئا من متاع الدنيا الى قوله وهو الاذان والصلاة فيه

(۲۱۳) اختلاف اغراض مانع اتحاد نہیں

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اختلاف اغراض کے ساتھ بھی صحبت میں اتفاق واتحاد ہو سکتا ہے کیونکہ ان دونوں بزرگوں نے ایکدوسرے کو اس کے حال پر برقرار رکھا جائے اور باایں ہمہ دونوں میں اتفاق تھا کیونکہ ہر شخص اپنے حال میں شریعت کے موافق تھا۔ ایسا ہی قصہ امام مالک رضی اللہ عنہ کو اپنے ایک دوست کے ساتھ پیش آیا تھا جو عبادت میں مشغول تھا۔ اس نے امام مالک کے پاس خط بھیجا جس میں اس بات کی ترغیب دی تھی کہ علمی مشاغل اور اس میں جد وجہد کو چھوڑ کر ہمہ تن عبادت میں مشغول ہو جاؤ، امام مالک نے اسکو جواب دیا کہ تم بھی خیر پر ہو اور میں بھی خیر پر ہوں، میں اس خیر کو نہیں چھوڑ سکتا جس پر میں ہوں اور تم اس خیر کو نہیں چھوڑ سکتے جس پر تم ہو پھر دونوں میں دوستی بدستور قائم رہی حالانکہ ہر ایک اپنے خاص حال پر جما ہوا تھا۔

ف: یہاں سے ان صوفیوں کی غلطی واضح ہو گئی جو اپنے کو سب سے الگ رکھے اور سب کو دنیادار سمجھ کر چھوڑ بیٹھتے ہیں حالانکہ یہ کوشش کرنا کہ سارے ہم جیسے ہو جائیں نری جہالت ہے۔ اگر سارے صوفی ہی ہو جائیں تو علم کی اشاعت کون کرے گا درس وتدریس کا فرض کون ادا کرے گا زراعت وتجارت اور قضاء وحکومت کون کرے گا ممالک اسلامیہ کی جہاد کے ذریعہ دشمنوں سے کون حفاظت کرے گا۔ اسی طرح اگر علماء یہ چاہیں کہ سارے ہم جیسے ہو جائیں تو مقامات سلوک کون طے کریگا، امراض قلب کا علاج کون کرے گا؟

مسلمانوں کو اپنے حال و قال سے کون سنبھالے گا ؟ غرض یہ خیال کرنا کہ ہم اس سے محبت و اتفاق رکھیں گے جس کا حال ہمارے حال کے موافق ہو۔ اسلامی تعلیم کے خلاف ہے ہر شخص کو اس مسلمان سے دوستی اور محبت رکھنا چاہیئے جو اپنے احوال میں شریعت کیموافق عمل کر رہا ہو خواہ وہ بکریاں چرانے والا ہو یا عالم ہو یا قاضی ہو یا تاجر و زراعت پیشہ ہو۔

(۲۱۴) ہر ایک کو اس کے مناسب نصیحت کی جائے

اس سے یہ بھی معلوم کہ ہر شخص کو اس کے حالت کے مناسب نصیحت کرنا چاہیئے کیونکہ ان بزرگ اصحابی نے اپنے دوست کو اسی امر مستحب کی ہدایت کی جو اس کی حالت کے مناسب تھا یعنی اذان کے ساتھ نماز پڑھنا اس سے یہ نہیں کہا کہ مسجدوں میں نماز پڑھنے کی پابندی کرو اور اس کے مثل دوسرے ایسے کام جو وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کی سکونت بستی میں ہے (نہیں بتلائے) کہ اس سے اسکو تشویش ہوتی کیونکہ جس حالت میں وہ تھا اس میں رہتے ہوئے ان کاموں کو نہیں کر سکتا تھا

الوجه الثامن يوخذ منه ان نصيحة كل شخص بما يقتضيه حاله الىٰ قوله لكونه لا يقدر على فعله مع ما هو فيه۔

ف۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

چار پارا قدر طاقت بار نہ ۔۔۔ بر ضعیفاں قدر ہمت کار نہ
طفل را گر نان دہی بر جائے شیر ۔۔۔ طفل بیچارہ ازاں نان مردہ گیر

بعض لوگ سب لوگوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں وہ محقق نہیں عطائی ہیں محقق ہر شخص کو اس کے حال کے مناسب کام بتلاتا ہے۔

(۲۱۵) قرن اول میں ہر ایک کو دوسرے کی فکر تھی

اس سے قرن اول کی فضیلت بھی معلوم ہوئی کہ ان میں ہر ایک دوسرے کی فکر میں لگا رہتا تھا اگر یہ بات نہ ہوتی تو یہ بزرگ صحابی اپنے بھائی کو یہ بات نہ بتلاتے۔

الوجه التاسع فيه دليل على فضل الصدر الاول الى قوله لما ارشد هذا السيد اخاه الى ذلك

ف۔ ہم لوگوں کی بدحالی اور پستی کا بڑا سبب یہی ہے کہ ہر شخص کو اپنا فکر ہے اپنے بھائیوں کی فکر نہیں کہ وہ کس حال میں ہیں کوئی کسی کی خیر خواہی نہیں کرتا۔ افسوس۔

(۲۱۶) ہر ایک کے لئے جمعیت قلب کا طریق جدا ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر شخص کی جمعیت خاطر (جمعیت قلب) کا طریقہ جدا ہے۔ یا اس سے معلوم ہوا کہ ان بزرگ صحابی نے اپنے ساتھی کو اذان کی ہدایت کی دوسرے مستحبات و اوراد نہیں بتلائے جس کی وجہ وہی تھی جو ہم نے بتلائی کہ ایک کی جمعیت خاطر کا طریق الگ ہے۔

قوله الوجه العاشر فيه دليل على ان لكل شخص ما هو اجمع لخاطره الى قوله للعلة التى عللنا ها قبل

ف۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کو بارہ تسبیح اور مراقبات ہی سے جمعیت قلب حاصل ہو بعض کو اذان سے بعض کو تلاوت قرآن سے یہ دولت حاصل ہوتی ہے پس ہر ایک کو اس کے مناسب کام بتلاؤ۔

(۲۱۷) حضرات صحابہ کو مستحبات کا اہتمام بھی بہت تھا

اس سے یہ بھی معلوم

ہوا کہ قرن اول کے لوگ مستحبات کی بھی ایسی ہی پابندی کرتے تھے جیسی واجبات کی کیونکہ صحابی نے یوں فرمایا ہے کہ جب تم اذان دو اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اپنے ساتھی کی نسبت یہ گمان نہ تھا کہ وہ اس مستحب کو چھوڑ دیتے ہیں اور نماز کے وقت اذان نہیں دیتے اور اذان کی جو پانچ قسمیں فقہا نے بیان فرمائی ہیں۔ واجبؔ و مستحبؔ وحرامؔ و مکروہ ومباحؔ، یہ اذان ان میں سے نوع مستحب میں داخل تھی (کیونکہ جو شخص جنگل میں تنہا نماز پڑھے اس کے ذمہ اذان واجب نہیں صرف مستحب ہے، مگر صحابی نے اس شخص کو اس مستحب میں ایک چیز کے زیادہ کرنے کی ہدایت کی یعنی آواز بلند کرنے کی۔

قوله الوجه الحادی عشر فیه دلیل علی ان الصحابة
اول کانوا یحافظون علی المندوبات الی قوله و هو مد الصوت

(۲۱۸) سب سے اہم واقدم دین ہے

اس میں اہل تصوف کے حق پر ہونے کی بھی دلیل ہے کیونکہ ان کے نزدیک سب چیزوں سے اہم اور مقدم دین ہے اگر قرن اوّل کا بھی یہی حال نہ ہوتا تو یہ صحابی اپنے ساتھی کو یہ وصیت نہ کرتے جن کا ذکر ہو چکا ہے (بلکہ کوئی دنیا کی ترقی کا ذریعہ بتلاتے) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تو یہ حالت تھی کہ جب باہم ملاقات کرتے تو ایک دوسرے سے یوں کہتا تھا تعال نومن۔ آؤ ایمان کی باتیں کریں، یعنی ایسی باتیں کریں جن سے ہمارے ایمان کو قوت ہو (شارح فرماتے ہیں) کہ میرے احباب میں بھی ایک صاحب ایسے ہی تھے جن کا مرتبہ طریق علم اور طریق حال دونوں میں بلند تھا جب ہم دونوں ملاقات کرتے تو سلام کے بعد اوّل یہ سوال کرتے کہ تمہارے دین کا کیا حال ہے اور اپنے پروردگار کے ساتھ تمہارا کیسا حال ہے تمہاری قلبی حالت کیسی ہے، اس کے بعد دوسری باتوں کو

پوچھتے تھے (مثلاً مزاج کیسا ہے گھر میں خیریت ہے وغیرہ وغیرہ) ان سے مل کر جب میں جدا ہوتا تو سینہ میں انشراح اور ایمان میں خاص ترقی محسوس کرتا تھا جس کا سبب ان کا صدق اور قرنِ اوّل کے ساتھ تشبہ تھا کہ سب سے زیادہ اہم اور ضروری بات کو مقدم کرتے تھے۔ اخوت ایمان اسی طرح کی ہونی چاہئے اسی لئے اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرماتے ہیں

الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین

سب دوست اس دن ایکدوسرے کے دشمن ہوجائیں گے بجز متقین کے کہ ان کی دوستی وہاں کام آئے گی اور جو شخص لباس تقوی سے آراستہ ہوگا اس پر تقوے کے آثار ضرور ظاہر ہوں گے۔

قوله الوجه الثاني عشر فيه دليل لاهل الصوفة لان اهم الاشياء عندهم الدين الى قوله فمن لبس ثوب التقى ظهرت عليه بشارة

ف ۔ افسوس آجکل یہ طریقہ مسلمانوں میں بالکل متروک ہوگیا اعزہ اور احباب سے ملتے ہیں تو مزاج پرسی اور گھر باہر کی خیریت تو دریافت کرتے ہیں یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ تمہارے دین کا کیا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کیسا ہے قلبی حالت کی کیا کیفیت ہے۔ صوفیہ زمانہ کو اس واقعہ سے سبق لینا چاہئے

جعلنا الله و ایاکم کما یحب و یرضی

باب سی و ہفتم

حدیث

فضل الاذان والصف الاول والعتمۃ والصبح

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگ جانتے اس ثواب کو جو اذان اور صف اول میں ہے پھر قرعہ اندازی کے سوا کوئی صورت (تصفیہ) کی نہ پاتے تو وہ ضرور قرعہ اندازی کرتے (اور اذان وصف اول کو وہی شخص پاتا جس کا نام قرعہ میں نکلتا) اور اگر جانتے اس ثواب کو جو دوپہر کے وقت نماز کے لئے آنے میں ہے تو اس میں ایک دوسرے پر سبقت کرنے کی کوشش کرتے اور اگر جانتے اس (ثواب) کو جو عشاء اور صبح (کی نماز باجماعت) میں ہے تو ان کے لئے ضرور آتے، چاہے گھسٹ کر ہی آنا پڑتا۔

شرح ظاہر حدیث میں صف اول کی اور اذان کی اور ظہر کی نماز اور عشاء و صبح کی نماز میں جماعت کی ترغیب ہے۔ اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

۲) **اعمال صالحہ میں مسابقت کرنا چاہیئے** حدیث سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال میں باہم ایک دوسرے پر سبقت کرنا چاہیئے اور یہ کہ اس

سے عمل میں نقص لازم نہیں آتا اور نہ یہ ریا میں داخل ہے اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے لاستھموا علیہ کہ وہ اس پر قرعہ اندازی کرتے اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون اسی میں باہم آگے بڑھنے والوں کو آگے بڑھنا چاہیئے۔

قولہ فی الثانی فیہ دلیل علی المنافسۃ الی قولہ فلیتنافس المتنافسون"

(۲۲۰) نفس کو کسی عمل کا شوق نفع معلوم ہونے کے بعد ہوتا ہے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نفوس انسانی کو اعمال پر برانگیختگی اسی وقت ہوتی ہے جب یہ معلوم ہو جائے کہ اس سے کیا نفع حاصل ہوگا، اسکی دلیل حضور کا یہ ارشاد ہے لو یعلم الناس اگر لوگوں کو معلوم ہوتا الخ جس میں حضور نے ثواب کی عظمت پر اشارہ فرما دیا ہے اور دوسرے مواقع میں مفصل طریقہ پر بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ اذان دینے والوں کی گردنیں قیامت کے دن سب سے زیادہ لمبی ہوں گی، نیز ارشاد ہے کہ مؤذن مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے، وغیرہ وغیرہ چونکہ اس حدیث میں اذان وغیرہ کی ترغیب کا عنوان ہے اس لئے یہاں حضور نے عظمت ثواب پر اشارہ کافی سمجھا تفصیل بیان نہیں فرمائی اس سے یہ علمی مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ مخبر کو خبر کا عنوان ایسا اختیار کرنا چاہیئے جس سے زیادہ فائدہ کی امید غالب ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اجمال سے کام لیا اور دوسری احادیث میں تفسیر فرمائی ان دونوں میں تفرقہ کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ آپ نے ہر موقعہ کے مناسب عنوان اختیار فرمایا جس میں اس وقت زیادہ نفع کی امید تھی۔ قولہ فی الوجہ الثالث فیہ دلیل علی ان النفوس فی الغالب الیٰ قولہ الا بھذا الوجہ

(۲۲۱) اعمالِ خیر کے لیئے ہر ممکن تدبیر کرنا چاہیئے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعمالِ خیر کی تحصیل کے لئے ہر ممکن تدبیر سے کام لینا چاہیئے اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے "پھر کوئی صورت نہ پاتے" یعنی یہ لوگ قرعہ اندازی اسی وقت کریں گے جب اس عمل خیر کے حاصل کرنے کی قدرت نہ رہے گی۔ یہیں سے صوفیہ نے اپنے نفس کے مقابلہ میں تدبیر اور مجاہدہ کی دلیل اخذ کی ہے چنانچہ بعض صوفیہ سے منقول ہے کہ وہ ایک مدت اپنے نفس کو صوفیہ کے لباس پر آمادہ کرتے رہے اس کی خوبیاں اس کو بتلاتے رہے یہاں تک کہ اس نے صوفیہ کا لباس پہن لیا جب یہ لباس پہنا دیا تو اس کے بعد جب وہ کسی ایسے کام کا ارادہ کرتے جو صوفیہ کے طرز کے خلاف ہوتا تو نفس سے فرماتے کہ تو نے اس قوم کا لباس پہن لیا (ان کی سی صورت بنالی ہے) پھر ان کی مخالفت کرنا چاہتا ہے یا وہ اہل دنیا کی سی حالت کا تقاضا کرتا تو فرماتے یہ حالت اس لباس کے مناسب نہیں۔ اس جیسی تدبیریں ان حضرات سے بہت منقول ہیں۔

قولہ الوجہ الخامس فیہ دلیل علی التحصیل الی قولہ ومثلہ عنہم کثیر

ف۔ لباس اور وضع کو بھی اصلاحِ حال میں بہت دخل ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا نیں وہ لوگ سخت غلطی کرتے ہیں جو منہ اٹھا کر کہہ دیا کرتے ہیں کہ لباس میں کیا رکھا ہے اور بعضے حضرات سعدیؒ کا یہ شعر پڑھ دیا کرتے ہیں ؎

درویش صفت باش وکلاہ تتری دار

ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ سعدی کا مطلب لباس و وضع کی لغویت کا اثبات نہیں بلکہ درویش صفت ہونے کی ضرورت و اہمیت بتلانا ہے اور

تجربہ سے ثابت ہے کہ درویش صفت بدون اُن کی وضع اختیار کئے عادتاً نہیں ہوسکتا تو مقدمہ لازم کا لازم ہوگا، ہاں جب درجۂ کمال حاصل ہوجاوے اور انسان صحیح معنوں میں درویش صفت ہوجاوے پھر اس کو وضع اور طرز کی پابندی لازم نہیں رہتی۔

(۲۲۲) نشاط کے ساتھ کام کرنا چاہیئے حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عمل صالح کے لئے نشاط کے ساتھ کسل کو چھوڑ کر سبقت کرنا چاہیئے۔ اس کی دلیل حضورؐ کا یہ ارشاد ہے ولو حبوا چاہے گھسٹ ہی کر آنا پڑتا اور جس کا یہ حال ہوگا وہ تو کسل سے بہت دور ہوگا۔

(۲۲۳) مجاہدہ صوفیہ کی دلیل اس میں صوفیہ کی بھی دلیل ہے کہ وہ اپنے نفوس کو مجاہدہ سے پکڑتے ہیں (یعنی مجاہدات سے ان کو قابو میں لاتے ہیں) کیونکہ گھسٹ کر آنا تو بڑا مجاہدہ ہے۔

(۲۲۴) شعائر اسلام میں اخفاء افضل نہیں بلکہ اظہار افضل ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو اعمال شعائر اسلام مزدوریہ میں سے ہوں ان کو ظاہر کر کے ادا کرنا افضل ہے۔ چنانچہ یہ سب اعمال جن کا حدیث میں ذکر ہے اسلام کے شعائر مزدوریہ سے ہیں۔

(۲۲۵) دین کے لئے ظاہری بدنمائی گوارا کرنا چاہیئے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے ظاہری بدنمائی اختیار کرنا چاہیئے اسکی دلیل بھی حضورؐ کا وہی ارشاد ہے ولو حبوا کیونکہ بڑے درجہ کے آدمی کے حق میں گھسٹ کر چلنا بدنما صورت ہے خصوصاً

جب اس کو کوئی جاہ و مرتبہ بھی حاصل ہو مگر یہاں دین کی رعایت کی گئی اور بدنمائی کی رعایت نہیں کی گئی۔

اور اس میں لوگوں کے قول کی دلیل بھی ہے جو یوں کہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز ادا کی جائے اگرچہ راستہ میں گارا ہو جس سے کپڑوں وغیرہ کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کہ اگر راستہ میں گارا کیچڑ ہو جس سے کپڑوں اور بدن کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو یہ عذر ایسا ہے جس کی وجہ سے جمعہ کو چھوڑنا جائز ہو جائے؟ اس میں دو قول ہیں اور اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے حجت ہے جو اس کو عذر نہیں مانتے۔

ف۔ یہاں سے ان صوفیوں کا رد ہو گیا جو وقار وقار بہت پکارا کرتے ہیں کہ یہ کام وقار کے خلاف ہے ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ تصوف میں وقار کوئی چیز نہیں نہ شریعت نے فضائل کے مقابلہ میں اس کا کچھ لحاظ کیا۔ اصل چیز اتباع حق ہے اور صوفیہ کی بڑی دولت دنیا سے یکسوئی ہے۔

(۲۲۶) مسابقت کی تقسیم اور مسابقت معنویہ کی تحقیق

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ باہم ایک دوسرے پر سبقت ظاہراً بھی ہوتی ہے اور باطناً بھی اور یہاں سبقت معنویہ مراد ہے نہ کہ حسیہ کیونکہ سبقت حسیہ کی صورت تو یہ ہے کہ پیروں سے دوڑ کر ایک دوسرے سے آگے بڑھے اور یہ صورت یہاں ممنوع ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب نماز کے لئے آؤ تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکون و اطمینان کے ساتھ آؤ۔ پس اب سبقت معنویہ ہی رہ گئی یعنی وقت کی نگہداشت میں لگا رہنا سب سے پہلے وہی آئے گا جس کو وقت کا دوسروں سے زیادہ اہتمام ہوگا، اس موقعہ پر ایک سوال ہوگا وہ یہ کہ اس حدیث میں عشاء اور صبح کو ایک درجہ

میں رکھا گیا ہے۔ حالانکہ دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو عشاء کی جماعت میں حاضر ہوا اس نے گویا آدھی رات تہجد میں قیام کیا اور جو صبح کی جماعت میں آیا اس نے گویا تمام رات تہجد میں قیام کیا اس کا جواب یہ ہے کہ سبقت ومبادرت کے باب میں دونوں کے یکساں ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں کا ثواب واجر بھی برابر ہو جائے اور مبادرت میں دونوں کو اس لئے برابر کر دیا گیا کہ ان دو نمازوں کو دوسری نمازوں پر عظمت وفوقیت حاصل ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہمارے اور منافقین کے درمیان فرق کرنیوالی عشا اور صبح ہے منافقین ان دونوں میں نہیں آسکتے۔ دیکھو اگر دو گواہ عادل ہوں تو یہ ضرور نہیں کہ ان میں سے ایک کو دوسرے پر کسی بات میں بھی رفعت حاصل نہ ہو کیونکہ جتنی بات کی عدالت شرعیہ میں ضرورت ہے اس میں برابر ہو جانے کے بعد اگر ایک میں کوئی وصف دوسرے سے زیادہ ہو تو اس کا کچھ حرج نہیں ایسا ہی یہاں سمجھو کہ یہ دو نمازیں بقیہ نمازوں سے بڑھی ہوئی ہیں۔ رہا ان دونوں کے درمیان جو ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے وہ دوسری بات ہے۔

ف۔ حنفیہ کے نزدیک صلاۃ وسطیٰ کی تفسیر نماز عصر سے کرنا راجح ہے اور دلائل صحیحہ سے بھی مؤید ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ نماز عصر تمام نمازوں سے افضل ہو۔ پس یہاں جو صبح وعشا کی فضیلت بتلائی گئی ہے وہ فضیلت جزئیہ ہے جس کی تشریح دوسری حدیث میں وارد ہوئی ہے کہ یہ دونوں نمازیں منافقین پر گراں ہیں، مگر چونکہ مالکیہ کے نزدیک صلاۃ وسطیٰ کی تفسیر فجر کے ساتھ راجح ہے اس لئے شارح نے ان دو نمازوں کو بقیہ تمام نمازوں سے افضل کہہ دیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

باب سی و ششم ۳۶

حدیث

اتیان الصلوٰۃ بالسکینۃ

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے اچانک آپ نے لوگوں کا شور سنا نماز کے بعد فرمایا کیا بات تھی (یہ شور کیسا تھا) انہوں نے عرض کیا کہ ہم نماز کے لئے جلدی کر رہے تھے۔ حضور نے فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا جب تم نماز کے لئے آؤ تو سکون ووقار کے ساتھ آیا کرو پھر جتنی نماز مل جاوے اسکو تو امام کے ساتھ پڑھ لو اور جو فوت ہو جاوے اس کو بعد میں پورا کر لو۔

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ نماز کے لئے اطمینان سے آنا چاہئیے اور جو حصہ فوت ہو جاوے اس کو پورا کر لینا چاہئیے اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۲۲۷) کسی پر بدون تحقیق حال کے حکم نہیں لگانا چاہئیے

حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی فعل یا فاعل پر حکم شرعی تحقیق سبب کے بغیر نہیں ہو سکتا اس کی دلیل حضور کا یہ قول ہے ماشانکم (کیا بات تھی)

پھر جب لوگوں نے نماز کے لئے جلدی کرنے کا ذکر کیا اس وقت آپ نے اس کے متعلق حکم بیان فرمایا محض شور سنتے ہی فیصلہ نہیں کر لیا گیا کہ یہ حرکت بیجا تھی اور نہ تحقیق سبب سے پہلے آپ نے ان کے فعل پر کچھ مواخذہ فرمایا کیونکہ جلدی کرنے اور شور کرنے میں یہ احتمال بھی تھا جو صحابہ نے بیان کیا اور یہ احتمال بھی تھا کہ کوئی دوسرا عذر پیش آ گیا ہو کیونکہ حوادث تو شمار اور انحصار میں نہیں آسکتے۔

قوله الوجه الاول ان الحكم الشرعي لا يكون الا بعد تحقيق الحال

قوله لان الحوادث لا تنحصر۔

ف: آجکل صوفیہ اور مشائخ بھی اس معاملہ میں تساہل کرنے لگے ہیں کہ بدون تحقیق کے جس پر جو چاہتے ہیں حکم لگا دیتے ہیں ان کو اور سب مسلمانوں کو اس قاعدہ کی پابندی کرنا چاہیئے اور جان لینا چاہیئے کہ بدون تحقیق حال کے کسی پر کوئی حکم لگانا جائز نہیں۔

(۲۲۸) نماز میں خشوع و سکون کا وجوب مختلف فیہ ہے

یہاں ایک سوال ہے کہ یہ حکم بطور وجوب کے ہے یا بطور استحباب کے اور کیا اس سکون کی کوئی حد معین ہے یا نہیں؟ پہلے سوال کا تو جواب یہ ہے کہ صیغۂ امر کے متعلق اختلاف ہے لیکن اس مقام پر امر کا استحباب کے لئے ہونا زیادہ ظاہر ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ خود نماز کے اندر تادب و خشوع و سکون کے واجب ہونے میں اختلاف ہے اکثر فقہا کا قول یہ ہے کہ وہ شرط کمال ہے شرط صحت نہیں اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بندہ جب تک نماز کا انتظار کرتا ہے نماز ہی میں رہتا ہے جس میں نماز کے لئے چلنے نماز کے لئے وضو کرنے اور بیٹھے رہنے کو نماز ہی کے حکم میں کر دیا گیا حالانکہ یہ سب وسائل و مقدمات ہیں اور وسیلہ یا مقدمہ کا بڑا حکم

یہ ہے کہ اس کو خود اس شے کے مثل کر دیا جائے جس کا وہ وسیلہ ہے تو جب خود نماز کے اندر اس وصف سکون و خشوع کے واجب ہونے میں اختلاف ہے تو وسیلہ میں وجوب کیسے ہوگا، دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ امر وجوب کے لئے ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کلام میں کچھ اضافہ کرکے اس پر اشارہ فرماتے کیونکہ تنہا امر تو وجوب کے لئے کافی نہیں اور آپ صاحب تشریع ہیں اور یہ وقت حکم بیان کرنے کا تھا اور ضرورت کے موقعہ سے بیان کو مؤخر کرنا جائز نہیں، تیسری بات یہ ہے کہ صحابہ کا تیزی کے ساتھ چلنا نماز کے شوق اور ثواب کی رغبت اور اس میں ترقی کی طلب سے تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ بتلانا چاہا کہ ثواب جلدی کرنے اور جلدی پہنچنے ہی پر موقوف نہیں بلکہ اس صورت میں بھی ثواب مل جائے گا جس کا حکم کیا گیا ہے تاکہ ان کے دلوں کو سکون و اطمینان ہو جائے تو آئندہ نماز کے لئے سکون سے آیا کریں)

قولہ الوجہ الثانی وھنا بحث الی قولہ لان یسکن نفوسھم بذلک

ف۔ یہاں سے معلوم ہو گیا کہ جن صوفیہ نے بلا خشوع و بلا سکون کے نماز کو باطل کہا ہے ان کا مطلب بطلان کمال ہے کہ نماز ناقص ہو گئی بطلان اصل مراد نہیں کہ نماز صحیح نہ ہو ۱۲

(۲۲۹) حوادث کیطرف دل کا بلا اختیار متوجہ ہو جانا اور دیر تک متوجہ رہنا مفسد صلوٰۃ نہیں نہ موجب خلل

حدیث سے معلوم ہوا کہ حوادث کی طرف نماز میں دل کا متوجہ ہو جانا جائز ہے بشرطیکہ نماز کی طرف دل کی توجہ فوت نہ ہو اور یہ کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی جبکہ معمولی التفات

ہو زیادہ نہ ہو یا اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ نے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر آدمیوں کا شور سُنا اور کسی کو نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا گیا اور نہ آپ نے کسی سے یہ فرمایا کہ اس سے نماز میں کچھ خلل آگیا ہے اور یقیناً شور سننے سے اسکی طرف دل کو تھوڑی بہت توجہ ضرور ہوئی ہوگی۔

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دل دل میں کسی ضروری بات کے سوچنے سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی جبکہ دل پر غلبہ نماز کے شغل کو ہے، یہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں اس (غُل) شور کی یاد دیر تک برابر رہی یہاں تک کہ آپ نماز سے فارغ ہو گئے۔ اس وقت اس کے متعلق سوال فرمایا اور ان دونوں باتوں کا نماز میں بلا اختیار و قصد کے جائز ہونا اس حدیث کے مجموعی معنے سے ماخوذ ہے رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد جبکہ آپ سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا یہ شیطان کی شاطری ہے وہ تمہاری نماز میں سے کچھ اچک لیتا ہے سو وہ قصد کے متعلق ہے کیونکہ ادھر ادھر دیکھنا نمازی کے اختیار ہی سے ہوتا ہے کسی عذر طاری کی وجہ سے نہیں ہوتا سو یہ تو حقیقت میں اس رشتہ سے نکل جاتا ہے جس میں وہ داخل ہوا تھا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وما امروا الا لیعبدوا اللّٰہ مخلصین ان کو اس کے سوا کچھ حکم نہیں دیا گیا کہ اللہ کی عبادت اخلاص سے کریں اور جو اخلاص کے ساتھ عبادت کرتا ہے وہ ادھر ادھر نماز میں نہیں دیکھ سکتا اور جو بغیر اخلاص کے عبادت میں داخل ہو گیا وہ ان احکام کو پوری طرح کیونکر بجا لائے گا جن کا امر کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب آدمی نماز میں داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر پوری طرح متوجہ ہوتے ہیں پھر اگر وہ ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے رُخ پھیر لیتے ہیں تو جو شخص بے توجہی اور دل کی بے رُخی سے نماز میں داخل ہوا اور

جس حال میں نماز سے پہلے تھا اسی میں نماز کے اندر مشغول رہا اس کو اللہ تعالیٰ کی توجہ کہاں نصیب؟ ہیہات ان کے اور خدا کی توجہ کے درمیان تو بہت سے میدان ہیں جن کو ہمت و حوصلہ والے ہی طے کرتے ہیں پس بیدار ہو جاؤ اگر سوتے رہے ہو اور ہمت کرو اگر جاگ رہے ہو۔

(۲۳) نماز وہ اچھی ہے جس میں بشریت کا حصہ باقی رہے

اور ذکر وہ اچھا جسمیں فنا تام ہو جائے

اس میں صوفیہ کے اس قول کی بھی دلیل ہے کہ نماز تو اچھی وہی ہے جس میں بشریت کا بھی کچھ حصہ باقی رہے تاکہ کلام الٰہی کو سمجھتا رہے اور جن ارکان کا امر کیا گیا ہے ان کو پوری طرح بجالاتا رہے اور ذکر کی سب سے بہتر صورت تو یہ ہے کہ ذاکر مذکور میں بالکل فنا ہو جائے یہاں تک کہ اس کو یہ بھی خبر نہ رہے کہ اس کی داہنی جانب کیا ہے؟ اور بائیں طرف کون ہے؟ اگر یہ بات صحیح نہ ہوتی بلکہ نماز کا حکم بھی وہی ہوتا جو ذکر کا بتلایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع میں شور کی آواز کو نماز کے اندر نہ سُن سکتے تھے یہاں ایک سوال ہے کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ سب سے اچھی نماز وہ ہے جس میں بشریت باقی رہے یہ حکم سب نمازوں کو عام ہے یا صرف فرض نماز کے ساتھ خاص ہے تو واللہ اعلم ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم فرض نمازوں کے لئے تو بالاتفاق ہے اور نوافل کے بارہ میں ظاہر یہ ہے کہ ان کا حکم مثل ذکر کے ہے کہ ان میں فنا تام ہی بہتر ہے اس کی تائید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ اُن کی ران میں ایک تیر لگ گیا تھا جس سے ان کو تکلیف تھی لوگوں نے اس کو نکالنا چاہا تو آپ انکار کرتے تھے کہ ابھی نہیں تھوڑی دیر کے بعد نکالنا پھر وہ نکالنا چاہتے تو یہی جواب دیتے کہ ابھی نہیں، تو بعض لوگوں نے کہا کہ تم نماز کے سوا کسی وقت میں اس کو نہ نکال

سکو گے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کہ جس وقت نفل نماز کے سجدہ میں آپ گئے اس وقت تیر کو کھینچ کر نکال دیا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں میں اپنے آپ کو گھرا ہوا پایا فرمایا کیا بات ہے کیا تیر نکالنا چاہتے ہو، لوگوں نے عرض کیا وہ تو ہم نے نکال بھی لیا پھر اسکو سامنے کر دیا کہ دیکھئے یہی تو ہے فرمایا بخدا مجھے تمہاری اس حرکت کی کچھ بھی خبر نہیں ہوئی اور ایسے واقعات اہل کرامت صلحاء سے بہت منقول ہیں۔

قوله الوجه السادس فيه دليل لاهل الصوفة الى قوله

ومثله كثير عن المباركين مع حذف شئ من العبارة

من بينهما

ف۔ اس پر حنفیہ کے اصول سے یہ سوال وارد ہوگا کہ شروع کے بعد نفل بھی واجب ہو جاتی ہے اور اس میں بھی قرآن کو صحیح طور سے پڑھنا اور ارکان کا پوری طرح بجالانا ضروری ہے جیسا فرائض میں ضروری ہے اور یہ فناء تام کی صورت میں نہیں ہو سکتا یقیناً فناء تام کی صورت میں ارکان میں گڑبڑ ہوگی جس سے بعض اوقات سجدۂ سہو لازم ہوگا اور سجدۂ سہو بھول گیا تو نماز ناقص ہوگی، جواب یہ ہے کہ نوافل میں تطویل کی اجازت ہے کہ ارکان کو جتنا چاہے طویل کرے لمبا قیام کرے لمبا رکوع کرے لمبا سجدہ کرے پس اگر کسی شخص کو لمبے رکوع یا لمبے سجدہ میں فناء تام حاصل ہو جائے تو اس سے نماز میں کوئی خلل نہ ہوگا کیونکہ رکوع یا سجدہ میں محض تسبیحات ہوتی ہیں جو ذکر کی قبیل سے ہیں۔ البتہ حالت قیام میں قراءت قرآن واجب ہے، اسی طرح قعدہ میں تشہد واجب ہے۔ اس میں فناء تام ہونا اچھا نہیں تاکہ قراءت اور تشہد میں گڑبڑ نہ ہو اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نماز نفل کے سجدہ میں حالت فنا حاصل ہوتی تھی اسی لئے لوگوں نے سجدہ میں تیر کو نکالا۔ قیام

اور قعود میں نہیں نکالا۔ خلاصہ یہ کہ نوافل کے ان ارکان میں حالت فناً کا طاری ہونا اچھا ہے جن میں کوئی ذکر طویل واجب نہیں جیسے رکوع قومہ یا سجدہ اور جن ارکان میں قراءت یا تشہد واجب ہو ان میں اتنی بشریت کا رہنا ضروری ہے جس سے یہ معلوم ہوتا رہے کہ زبان سے کیا نکل رہا ہے خوب سمجھ لو۔

یہ جواب تو اس وقت ہے جب فنائے تام سے مُراد استغراق ہو جیسا شارح کے کلام سے متبادر ہے اور اگر فنائے تام سے حضور تام مراد ہو تو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ حضور جتنا کامل ہوتا ہے اسی قدر احکام عمدگی اور خوبی سے ادا ہوتے ہیں۔ حضور تام سے تلقی خطاب اور تکمیل ارکان میں اصلا خلل نہیں ہوتا اس میں لذت خطاب کے ساتھ تلقی خطاب اور تکمیل ارکان سب جمع ہوتے ہیں اس لئے فرض اور نفل نماز میں فرق کرنے کی ضرورت نہیں حضور تام دونوں میں مطلوب ہے، کیونکہ حضور تام میں بشریت کے اوصاف باقی رہتے ہیں گو بعض دفعہ لذت خطاب سے مغلوب ہو جاتے ہیں مگر مستور نہیں ہوتے اسی لئے ہمارے بزرگوں کا قول یہ ہے کہ نماز میں حضور تام ہونا چاہیئے اور ذکر میں استغراق تام حضور تام کی حقیقت وہی ہے جو حدیث نبوی میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

ان تعبد اللہ کانک تراہ

عبادت اسطرح کرو گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو

اس مراقبہ کو جس قدر کامل کیا جائے گا اسی قدر حضور تام حاصل ہوگا۔ جس کے لئے استغراق لازم نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(۲۳۱) نماز کے لئے سکون و وقار کے ساتھ آنے کی تحقیق

رہا یہ سوال کہ اس سکون کی کوئی حد بھی ہے یا نہیں ؟ تو علماء نے فرمایا ہے کہ سکون کی حد یہ ہے کہ انسان حد وقار سے باہر نہ ہو تو جب تک وقار محفوظ ہو سکون حاصل ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب وہ مسجد کو آتے ہوئے اقامت کی آواز راستہ میں سن لیتے تو قدم بڑھاتے اور جلدی جلدی قدم اٹھاتے تھے۔ یہ سکون کا انتہائی درجہ ہے اس سے زیادہ رفتار بڑھانے کو لپکنا یا دوڑنا کہا جائیگا جو وقار کی حد سے باہر اور سکون کے خلاف ہے۔

دین بہت آسان ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ دین بہت آسان ہے کیونکہ صحابہ کو جب نماز میں دیر ہو جانے سے فکر ہوا اور فکر کی وجہ سے تیزی کے ساتھ مسجد کی طرف چلے تو حضور نے ان کے لئے اس کوتاہی کا کفارہ یہ مقرر کیا کہ جب نماز کو آیا کرو تو سکون سے آیا کرو پھر جتنی جلدی نماز مل جائے اس کو پڑھ لو جو فوت ہو جائے اس کو بعد میں پورا کر لو ۔ ہاں تاخیر صلوۃ معمولی جرم نہیں جس سے یہ خطا سرزد ہو یعنی نماز میں وقت سے تاخیر کر دے وہ اس آیت کی وعید کا مصداق ہے

(فخلف من بعدھم خلف) اضاعوا الصلوۃ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیا ٥

(پھر ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور شہوتوں کے پیچھے پڑ گئے سو عنقریب جہنم کے طبقہ غی میں داخل ہوں گے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسکی تفسیر میں منقول ہے کہ بعض ان لوگوں

نے نماز کو چھوڑا نہیں تھا بلکہ وقت مختار سے مؤخر کر دیا تھا جب جی میں آتا تھا
پڑھ لیتے تھے خواہ تنگ وقت ہو یا وسیع مستحب ہو یا مکروہ جب اوقات
کی فضیلت کا یہ درجہ ہے کہ اس کے فوت کرنے پر ایسی وعید ہے تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت سے نماز کا کچھ حصہ رہ جانا کیا کچھ ہوگا کیونکہ
وقت کے بارہ میں تو علماء کے درمیان اختلاف بھی ہے بعض اول وقت
کو افضل فرماتے ہیں بعض اوسط کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت
میں جو نماز ہو اس کے متعلق تو کسی کو بھی اختلاف نہیں بلکہ اس پر سب متفق
ہیں کہ وہ تمام نمازوں سے افضل نماز ہے تو اتنی بڑی فضیلت میں کوتاہی
کرنا کتنا بڑا جرم ہوگا خود ہی سمجھ لو پھر اتنے بڑے جرم کا کفارہ کتنا آسان
مقرر کیا گیا ہے کہ نماز کے لئے سکون کے ساتھ آؤ دوڑ کر آنے کی ضرورت
نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سکون سے آنا دراصل کفارہ نہیں بلکہ کفارہ تو وہ
فکر ہے جو دوڑنے اور جلدی کرنے کا متقاضی تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے صحابہ کے اہتمام اور فکر کو معلوم فرما کر امر سکون کو بجائے کفارہ کے ذکر
فرمایا پس سکون کے ساتھ نماز کے لئے آنا اسی وقت کفارۂ تاخیر ہوگا جب
اس کے ساتھ فکر و اہتمام بھی مجتمع ہو خوب سمجھ لو، اور اس پر اصحاب قلوب
کے لئے یہ علمی مسئلہ مرتب ہوا کہ نیک کام کا فکر و اہتمام بھی اس کے فوت
ہونے کا بدل ہو جاتا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ بدل سب باتوں میں اصل
کے برابر نہیں ہو سکتا، اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس
ارشاد سے ہوتی ہے جبکہ زید بن حارثہؓ نے آپ سے دریافت کیا کہ جس سے
اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں اس کے اندر اللہ

محبتِ الٰہی کی علامت

کی طرف سے کیا علامت ظاہر ہوتی ہے جس
سے وہ یہ سمجھ لے کہ خدا کو مجھ سے محبت ہے۔ حضور نے فرمایا اے زید!
تم نے کس حال میں صبح کی ہے، کہا میں نے اس حال میں صبح کی ہے کہ اپنے

دل میں خیر کی اور اہل خیر کی محبت پاتا ہوں اور اگر قدرت پاتا ہوں تو خیر کی طرف سبقت کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے فوت ہو جائے تو رنجیدہ اور نادم ہوتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس یہی اللہ کی محبت کی علامت ہے اس شخص کے لئے جس کو وہ چاہتے ہیں اور اگر اس کے سوا وہ اور کچھ ارادہ کرتے تو دوسری حالت کے لئے تم کو تیار کر دیتے تو نیت کے اس قول پر بھی کہ خیر کے فوت ہو جانے پر رنجیدہ ہوتا ہوں ان کے لئے مضمون حدیث کی بشارت صحیح رہی تو معلوم ہوا کہ عمل خیر کے فوت ہونے پر فکر اور رنج ہونا بھی عمل کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے

الندم توبۃ ندامت توبہ ہے

تنہا ندامت بھی گناہ کا کفارہ ہو جاتی ہے

اور اس میں عجیب علمی مضمون ہے کہ تنہا ندامت ہی گناہ کو دور کر دیتی ہے جب کہ کسی فعل ممنوع کا ارتکاب ہو گیا ہو، اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو کہ ندامت توبہ ہے ظاہر ہی پر محمول کریں اور اگر یہ تاویل کریں کہ ندامت توبہ کے اسباب میں بڑا سبب ہے یا اس کے اجزاء میں بڑا جزو ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد الحج عرفۃ کہ حج عرفہ ہے کے یہی معنی ہیں تو اس تاویل پر تنہا ندامت سے تو گناہ دور نہ ہوگا البتہ ندامت اس ورطہ سے خلاصی پانے کا بہت بڑا سبب ہو جائے گی جس میں گناہ کے بعد انسان پھنس جاتا ہے اور جو صورت بھی ہو دونوں خیر عظیم ہیں اور بہر حال ندامت سے اس نقصان کی تلافی تو ضرور ہو جاتی ہے جو خیر کے فوت ہونے سے ہوتا ہے جیسا اوپر بیان ہوا ہے۔

مومن دنیا میں غمگین ھی رہتا ہے

اس کی زیادہ توضیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے

ما امسی المؤمن فیہا یعنی فی الدنیا ولا اصبح الا حزینا

مؤمن دنیا میں ہر صبح اور شام غمگین ہی رہتا ہے۔

کیونکہ دو حالتوں میں سے ایک حالت اس کو ضرور پیش آتی ہے یا کسی مستحب کام سے غفلت یا سہو کی وجہ سے کسی مکروہ کا ارتکاب یہ تو کم سے کم ہے اور ممکن ہے کبھی حرام کا ارتکاب بھی ہو جائے یا فرض ہی ترک ہو جائے تو یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کی یہ خاص شان بیان فرمائی ہے کہ وہ دنیا میں ہمیشہ غمگین ہی رہتا ہے اگر غم اور رنج کچھ نفع نہ دیتا تو اسکو مقام مدح میں ذکر کرنے کی کچھ وجہ نہ تھی پس معلوم ہوا کہ حزن وغم سے ان کوتاہیوں کا کفارہ ہوتا رہتا ہے جو مومن سے بصورت ترک مندوب یا ارتکاب مکروہ سرزد ہوتی ہیں اور اس مضمون پر بھی ایک فقہی مسئلہ اور ایک حقیقت و طریقت کا مسئلہ مرتب ہوا۔

خیر کے فوت ہونے پر رنج ہونا ایمان کی علامت ہے

فقہی مسئلہ تو یہ مرتب ہوا کہ کسی خیر کے فوت ہونے یا اسکی ضد کے ارتکاب پر رنج ہونا ایمان کی علامت ہے اور تصوف کا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ دل میں حزن وغم رہنا چاہیئے کیونکہ صوفیہ کا قول ہے

ان القلب اذا خلا من الحزن خرب

دل جب رنج وغم سے خالی ہوتا ہے ویران ہو جاتا ہے

دل جب رنج وغم سے خالی ہوتا ہے ویران ہوجاتا ہے

اور اس پر تصوف کا دوسرا مسئلہ یہ مرتب ہوا کہ جس شخص کا یہ حال ہوگا اس کی حالت ہردم مراقبہ اور نگہداشت کی حالت ہوگی کیونکہ ہر وقت رنج و غم اسی کو ہو سکتا ہے جو ہر وقت کے حقوق و آداب پر نظر رکھے اسی کو ان آداب کے فوت ہونے یا سہواً مکروہ کے سرزد ہو جانے سے رنج ہوگا اور جس کو حالت مراقبہ حاصل نہ ہو اس کو یہی خبر نہ ہوگی کہ مجھ سے اس وقت کا کون سا حق فوت اور کون سے مکروہ کا ارتکاب ہوا۔

نگہداشت بہت بڑی حالت ہے

اور مراقبہ و نگہداشت بہت بڑی حالت ہے اور بیش بہا دولت ہے مگر جس کو یہ حالت حاصل ہو اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ خوف کے اندر امید بھی ساتھ ساتھ ہو ورنہ یہ شخص حالت کمال سے ناقص رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہمارے اس قول کی دلیل ہے المؤمن تسرہ حسناتہ و تسوءہ سیئاتہ مومن کو نیکیاں خوش کرتی ہیں اور گناہ رنجیدہ کرتے ہیں تو یہ شخص

غلبۂ خوف میں اس خوف سے بھی خوش ہونا چاہئے کیونکہ خوف بھی ایک نعمت ہے

جب اپنے دل میں خوف پائے تو اس کو اس خوف سے خوش بھی ہونا چاہیئے کیونکہ خوف الٰہی بھی ایک حسنہ ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کا حسنہ ہے تو عین حالت خوف میں اس کے اندر ایمان کی دو علامتیں جمع ہو جائیں گی۔ ایک خوف کا اپنے موقع میں ہونا، دوسرے فرح کا اپنے محل میں ہونا۔ اسی لئے بعض بزرگوں نے اپنی ایک مناجات میں فرمایا ہے، ہیکون خوفک خوف محب و محبوب کہ مجھے آپ سے ایسا خوف حاصل ہو جیسا محب محبوب کا خوف ہوتا ہے کیونکہ عاشق کے

خوف کی تو یہ شان ہے کہ وہ تو ادنیٰ ادنیٰ بات بھی خطا کی اپنے اندر دیکھتا ہے تو ڈر جاتا ہے کہ یہ بُعد و فراق کا سبب نہ ہو جاوے، اور محبوب کے خوف کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ بڑی سے بڑی بات بھی موجب بُعد و فراق دیکھتا ہے تو زیادہ نہیں گھبراتا کیونکہ جانتا ہے کہ محبوب کی ایسی ایسی خطائیں کچھ مضر نہیں دیا کرتیں اس کو اپنی کسی خطا سے رنج بھی نہیں ہوتا۔ پس مناجات کا حاصل یہ ہوا کہ میرے اندر نہ صرف عاشق کا خوف ہو کہ ذرا ذرا سی خطا پر ناامید ہو جایا کروں نہ صرف معشوق جیسا خوف ہو جس کو اپنی کسی خطا سے بھی اندیشہ نہیں ہوتا کیونکہ اس کو اپنے محبوب ہونے کا ناز ہوتا ہے بلکہ میرے اندر دونوں کے خوف کو جمع کر دیجئے تاکہ فکر تو ہر خطا سے بچنے کی ہو مگر ناامیدی کسی حال میں نہ ہو تو یہ شخص ایک ہی وقت میں شان محب اور شان محبوب کا جامع ہوگا اور یہ تمام حالات سے کامل تر حالت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے کرم سے اس کا اہل بنا دیں۔

قوله فی الوجه السادس واما الجواب علی قولنا هل للسكينة حد الخ الی قوله جعلنا الله من اهلها بمنه

ف۔ خوف کے ساتھ رجاء کا جمع کرنا ہر حال میں ضروری ہے اس پر علماء اور صوفیہ سب کا اتفاق ہے لیکن اس پر ایک اشکال واقع ہوتا ہے کہ جس وقت کسی وارد کی وجہ سے خوف کا غلبہ ہوتا ہے تو عین غلبہ کی حالت میں رجاء کو کیوں کر جمع کیا جائے کیونکہ غلبۂ خوف بے اختیار ہوتا ہے اور شدت کے ساتھ ہوتا ہے اس وقت ضد کو اس کے ساتھ کیونکر جمع کیا جائے۔ شارح نے اس کا عجیب حل کیا ہے کہ عین حالت خوف میں اس خوف ہی سے اس کو خوش ہونا چاہیئے کہ الحمد للہ مجھے اللہ تعالیٰ

نے اپنا خوف عطا فرمایا جو بہت بڑی دولت ہے۔ جس پر بہت بڑی بشارت نص قرآن میں وارد ہے ولمن[ع] خاف مقام ربہ جنتان۰ بس اس سے رجاء حاصل ہو جائیگی۔ غلبۂ خوف میں اگر انسان کو اپنے اندر کوئی عمل صالح نظر نہیں آتا نہ اپنی نماز نماز معلوم ہوتی ہے نہ ذکر و تلاوت طاعت معلوم ہوتی ہے سارے حسنات سیئات ہی نظر آتے ہیں تو یہ خوف تو اسکو اپنے اندر ضرور نظر آتا ہے بس اس کو اسی سے خوش ہونا چاہیئے۔ اس خوف پر خوش ہونے ہی سے رجاء حاصل ہو جائے گی۔ بقیہ نعمتوں اور طاعات کو سوچنے کی اور ان سے رجاء حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، سبحان اللہ کیسا عجیب حل ہے۔ سچ ہے

اولٰئک ھم الفلاسفۃ حقا

[ع] ترجمہ، جو شخص اپنے رب کے مقام سے ڈرا اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔

۳۹
باب سی و نہم

حدیث

القیام الی الصلوٰۃ

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کے لئے اقامت کہی جائے تو جب تک مجھے مسجد کی طرف آتا ہوا نہ دیکھ لو کھڑے نہ ہوا کرو اور سکون و وقار کے ساتھ بیٹھے رہو۔

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ اقامت کے بعد کھڑا ہونا ضروری نہیں جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر نہ آ جائیں۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے امام مالک رحمہ اللہ کا قول اس حدیث کے موافق ہے اور یہی ان کی حجت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اقامت کے وقت کھڑا ہونا ضروری نہیں بلکہ لوگوں کو اختیار ہے خواہ اقامت کے شروع میں کھڑے ہوں یا وسط یا امام کے نماز شروع کرنے پر کھڑے ہوں اور امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ جب مؤذن قد قامت الصلوٰۃ کہے اس وقت سب کو کھڑا ہونا چاہیئے۔

(نصرہ الشارح نفسہ فی الوجہ الخامس) ان کی دلیل حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقامت کے وقت قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑے ہوتے ہی تکبیر کہہ دیتے تھے۔

حنفیہ نے دونوں حدیثوں کو جمع کیا اور یہ کہا ہے کہ اگر اقامت کے وقت

امام مسجد کے اندر موجود نہ ہو بلکہ مسجد سے باہر حجرہ وغیرہ میں ہو اس وقت تو امام کو دیکھ کر نمازیوں کو کھڑا ہونا چاہیئے قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑا نہ ہونا چاہیئے۔ اور اگر اقامت کے وقت امام مسجد میں موجود ہو تو قد قامت الصلوٰۃ پر سب کو اٹھنا چاہیئے۔ علامہ طحطاوی نے شرح مراقی الفلاح میں تصریح کی ہے کہ حنفیہ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ قد قامت الصلوٰۃ سے قیام کو مؤخر نہ کیا جاوے یہ معنے نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ پس یہ ایسی سنت نہیں ہے جس پر اصرار کیا اور مبالغہ کیا جائے نہ سلف نے اس پر اصرار کیا بلکہ تمام بلاد اسلام میں علماء نے اس میں توسیع ہی رکھی ہے جس کا جی چاہے اول اقامت سے کھڑا ہو جائے جس کا جی چاہے قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑا ہو جائے جس کا جی چاہے امام کی تکبیر پر کھڑا ہو، اس پر اصرار کرنا اور جو ایسا نہ کرے اس پر انکار وطعن کرنا حد سے تجاوز ہے اور یہ صورت تو سلف سے کہیں بھی منقول نہیں جو آجکل ہندوستان کے بعض شہروں میں رواج پارہی ہے کہ امام شروع اقامت میں یا اقامت کے متصل اپنے مصلے پر آکر اس غرض سے بیٹھتا ہے کہ قد قامت الصلوٰۃ پر کھڑا ہو۔ فقہاء نے تو ان لوگوں کے لئے جو پہلے سے مسجد میں بیٹھے ہوئے ہوں اٹھنے کا ایک معیار بتلایا تھا، ان کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ اس معیار کو جاری کرنے کے لئے قیام سے قعود کیا کرو اور قد قامت الصلوٰۃ پر اٹھا کرو مگر آجکل کچھ لوگوں کو نئی نئی باتیں نکالنے میں مزا آتا ہے جس کے لئے اہل دنیا نے تو ملبوسات ومطعومات کو تختۂ مشق بنایا تھا آئمہ مساجد نے عبادات کو تختۂ مشق بنالیا فالی اللہ المشتکی اس حدیث پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۲۳۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی نہیں چھوڑا

حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے تمام احکام کی تعلیم بطریق کمال دیدی ہے کیونکہ آپ نے اس
چھوٹی سی بات کو بھی نہیں چھوڑا جس پر بہت کم کسی کی نظر جاتی ہے۔ مگر
حضورؐ نے قول اور فعل سے اس کو بھی ظاہر کر دیا اس تعلیم میں رفق اور سہولت
کی بھی رعایت ہے اور واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں پر
بہت ہی مہربان تھے۔ آپ کو یہ احتمال ہوا کہ شاید کسی وقت جماعت
میں کوئی کمزور آدمی ہو اگر وہ بھی اقامت کو سن کر کھڑا ہو اور کسی وجہ سے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر تشریف لانے میں دیر ہو گئی تو یہ کمزور
آدمی نماز اس وقت شروع کرے گا جب کہ پہلے سے کھڑا کھڑا تھک گیا
ہو گا اور کیا عجب ہے کہ تھک کر بیٹھ جائے اور بیٹھ کر نماز ادا کرے اور
قیام کی فضیلت اس سے فوت ہو جائے اور ممکن ہے کسی وقت گرمی یا
سردی ہو اور حضرات صحابہ میں زیادہ ایسے ہی تھے جن کے پاس کپڑے کم
تھے اور کھڑے ہوئے آدمی کو گرمی سردی زیادہ لگتی ہے تو اقامت کے وقت
سے کھڑا ہونا ان کے لئے نماز میں تشویش کا سبب ہو گا۔

عبادت میں مشغول ہونے سے پہلے اپنی حالت کو دیکھ لینا چاہیئے

اور اس پر یہ علمی مسئلہ مرتب ہوا کہ عبادت کرنے والے کو نماز یا
اور کسی عبادت میں مشغول ہونے سے پہلے دیکھ لینا چاہیئے کہ اسے
کس حالت پر عبادت کرنا چاہیئے جس سے عبادت اچھی طرح ادا ہو
اور تشویش و پریشانی کا سامنا نہ ہو۔

قولہ الوجہ الرابع منہ دلیل علی توفیتہ صلی اللہ
علیہ وسلم تعلیم جمیع الاحکام الی قولہ ولا یکون
معہ تشویش

ف۔ بعض اہل اللہ اسی سنت پر نظر کر کے اپنے خدام کو ذرا ذرا سی

چھوٹی چھوٹی باتوں کی تعلیم دیتے ہیں جو دیکھنے میں چھوٹی معلوم ہوتی ہے مگر نتیجہ اور اثر کے لحاظ سے بہت بڑی ہوتی ہیں ان پر ناواقف لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ بڑے سخت گیر ہیں اتنی معمولی معمولی باتوں کو بھی نہیں چھوڑتے ان کو اس مقام سے سبق لینا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو تمام احکام پوری طرح پہنچائے ہیں۔ معمولی سے معمولی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی آپ نے نہیں چھوڑی مگر وہ باتیں ناواقف ہی کی نظر میں معمولی ہیں۔ حکماء و عقلاء کی نظر میں جب ان کی حکمتیں آتی ہیں تو پہاڑ سے بھی بڑی دکھائی دیتی ہیں۔

(۲۳۳) احکام میں کمزوروں کا اوّل لحاظ کیا جائے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ احکام میں قوی لوگوں کو کمزوروں کا تابع کیا جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عموم کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے

لاتقوموا حتی ترونی

جبتک مجھے نہ دیکھ لو نماز کے لئے کھڑے نہ ہو

جس میں قوی اور ضعیف سب کو یکساں (مساوی) خطاب ہے۔ حضور نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے دیکھنے سے پہلے ضعفاء کھڑے نہ ہوں۔ اقویاء کھڑے ہو سکتے ہیں بلکہ آپ نے کمزوروں کی رعایت سے قانون مقرر فرمایا اور اقویاء کو ان کا تابع کر دیا گیا۔ اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔

سیروا بسیر اضعفکم

اپنے کمزور ساتھیوں کی چال چلا کرو

اقویاء کی چال نہ چلو ورنہ کمزور پیچھے رہ جائیں گے یا تھک کر پریشان ہوں گے اور سب کو پریشان کریں گے۔

قوله الوجه السادس فيه دليل على ان يحمل القوى

الى قوله سيروا بسير اضعفكم

ف۔ حضرات اہل اللہ کو اس سنت کا بہت زیادہ اہتمام ہے جیسا ان کی صحبت میں رہنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔

(۲۳۴) حکمت کے ساتھ قدرت پر بھی نظر رہنا چاہیئے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چھوٹی سے چھوٹی بات میں حکمت کیساتھ قدرت الہیہ میں بھی نظر رہنا چاہیئے چنانچہ اس مسئلہ میں حکمت کا پہلو تو یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت کی ایک حالت بیان فرمائی ہے کیونکہ اقامت نماز وقتیہ کے شروع ہونے کا وقت بتلانے کی ایک علامت ہے (تو حضور نے بتلادیا کہ یہ ضروری نہیں کہ اقامت ختم ہونے کے ساتھ ہی امام اللہ اکبر کہدے۔ کبھی کسی عذر سے اس میں تاخیر بھی ہو سکتی ہے اور قدرت پر نظر یہ ہے کہ حضور نے لوگوں کو اس وقت تک کھڑا ہونے سے روک دیا جب تک آپ کو نہ دیکھ لیں کیوں کہ ممکن ہے غیب سے کوئی مانع پیش آجائے جو وقت پر آپ کو باہر تشریف لانے سے روک دے اور احکام حکمت کے ساتھ قدرت کو پیش نظر رکھنا اہل فہم کے نزدیک بڑا بلند مرتبہ ہے جیسا چند حدیثوں میں ہم نے پہلے بھی اس کو بیان کیا ہے۔

قوله الوجه السابع فيه دليل على لحظ القدرة الى

قوله في غير ما حديث

(۲۳۵) عبادت کا ادب یہ ہے کہ اعلیٰ سے ادنیٰ کیطرف نہ لوٹے

اس میں صوفیہ کے اس قول کی دلیل بھی ہے کہ عبادت کا ادب یہ ہے

کہ اعلیٰ حالت سے ادنیٰ کی طرف نہ لوٹے چنانچہ حضورؐ نے اس وقت
تک کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے جب تک آپ کو دیکھ لیں مبادا تقدیم
سے کوئی ایسی بات پیش آجائے جو موجب تاخیر ہو تو اس وقت لوگوں
کو عبادت کے لئے کھڑے ہوجانے کے بعد قعود کی طرف لوٹنا پڑیگا
جس میں ایک گونہ نقصان مرتب ہے۔

قولہ الوجہ الثامن منہ دلیل لاھل الصوفۃ الخ
قولہ فیکون نقص مرتبۃ

(۲۳۶) مقدم کا اہتمام پہلے کرو اگرچہ مؤخر اس سے اعلیٰ ہو

حدیث سے معلوم ہوا کہ سنت یہ ہے کہ جو کام مقدم ہو پہلے اس کا پورا اہتمام
کیا جائے اگرچہ اس کا مابعد اس سے بھی ارفع وافضل کیوں نہ ہو چنانچہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تک مجھے نہ دیکھ لو اس وقت تک
نماز کے لئے نہ کھڑے ہو۔ حالانکہ نماز یقیناً اقامت سے ارفع واولیٰ ہے
مگر اس وقت امام کو دیکھنے میں مشغول رہنا کہ باہر آگیا ہے یا نہیں جو
درحقیقت اقامت کے حق کو ادا کرنا ہے۔ نماز میں مشغول ہونے سے اولیٰ
ہے جو اقامت کے جملہ شرائط ادا کرنے کے بعد شروع ہوگی، اس میں
حکمت کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہر حق دار کا حق پورا ادا کیا جائے اگرچہ قلیل
ہی ہو۔ اعلیٰ کا حق ادا کرنا ادنیٰ کا حق ادا کرنے سے مانع نہ ہو۔ اسکی دلیل
بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد ہے۔ فلا تقوموا حتی ترونی

(۲۳۷) ادائے حق وقت کا لحاظ رکھو

حدیث میں حضرات صوفیہ کی اس
تعلیم کی بھی دلیل ہے کہ وہ ادائیگی
حق وقت میں مشغول رہنے اور اسکی نگہداشت رکھنے کی ترغیب دیا کرتے ہیں اگرچہ
معمولی ہی حق ہو۔ کیونکہ امام کو دیکھتا رہنا (جس کی تعلیم اس حدیث میں ہے) ایک معمولی بات

ہے مگر چوں کہ اس وقت کا حق ہے تو اس کو چھوڑ کر اگلے کام میں مشغول نہ ہونا چاہئے اگرچہ وہ اس سے اعلیٰ ہی ہے۔ حق وقت میں سستی سے کام نہ لو ورنہ عتاب یا مذمت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ بعض اہل خیر کا ارشاد ہے جو شخص اپنے وقت کا حق پوری طرح ادا کرتا رہے گا اگرچہ قلیل ہی ہو اس کا بوجھ ہلکا رہے گا، فکر کم ہوگا، علم درست ہوگا، عمل اچھا ہوگا، کامیابی اور معرفت کا لفظ اس کے لئے درست ہوگا۔ دین و دنیا دونوں میں سود مند ہوگا۔

ف حق وقت کی تاکید حضرات فقہاء نے بھی فرمائی ہے چنانچہ کتب فقہ میں مصرح ہے کہ تلاوت کرتے ہوئے اگر اذان ہونے لگے تو تلاوت کو موقوف کرکے اذان کا جواب دینا افضل ہے کیونکہ یہ جواب سنت وقت ہے اور سنت وقت دوسرے اعمال سے مقدم و افضل ہے اگرچہ وہ اعمال فی نفسہ اس سنت سے ارفع ہوں مگر حق وقت کی وجہ سے سنت وقت ان سے مقدم ہوگی۔ پس عارف کو ہر وقت یہ سوچتا رہنا چاہیئے کہ اس وقت کا میرے اوپر کیا حق ہے؟ اگر کوئی خاص حق نہ ہو تو اللہ کی یاد میں لگا رہنا تو ایسا حق ہے جس سے کسی وقت کو خالی نہ جانے دیا جائے۔ جعلنا اللہ وایاکم کما یحب ویرضی

حدیث

انتظار الامام

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ نماز کے لئے اقامت کہی گئی لوگوں نے صفیں برابر کر لیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آگے بڑھ گئے حالانکہ آپ اس وقت جنابت کی حالت میں تھے پھر جب آپ کو یاد آیا کہ مجھے غسل کی ضرورت ہے تو فرمایا اپنی اپنی جگہ پر رہو پھر واپس گھر میں گئے اور غسل کیا پھر اس حالت میں تشریف لائے کہ آپ کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا اور آپ نے نماز پڑھائی۔

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ لوگ نماز کی صفیں برابر کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ آپ لوٹ کر گھر میں گئے اور غسل کیا اور باہر تشریف لائے، اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۲۳۸) قرینۂ حال سے کوئی حکم لگانا جائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرینہ حال سے حکم لگانا جائز ہے جب کہ ایک صورت کے سوا کسی اور صورت کی گنجائش ہی نہ ہو، اس کی دلیل صحابی کا یہ قول ہے وھو جنب کہ آپ جنابت کی

حالت میں تھے، کیونکہ صحابی کو اس کا علم قرینۂ حال ہی سے ہوا تھا اور قرینہ وہ ہے جو بعد میں بیان کیا ہے کہ آپ اس حالت میں تشریف لائے کہ سر سے پانی ٹپک رہا تھا اس قرینہ پر نظر کر کے اس کے سوا اور کسی احتمال کی گنجائش نہیں کہ اس وقت حضور کو غسل کی ضرورت تھی اور غسل بھی مستحب یا سنت نہ تھا بلکہ فرض تھا۔ کیونکہ جب حضور نے نماز کو چھوڑا حالانکہ لوگ صفیں برابر کر چکے تھے اور ان کو اپنے انتظار کا حکم دیا پھر غسل کر کے آپ باہر تشریف لائے تو اس جگہ جنابت کے سوا اور کوئی وجہ نہیں بن سکتی۔ پس صحابی نے صحیح کہا اگر کوئی دوسرا احتمال ہو سکتا تو صحابی یقین اور جزم کے ساتھ حکم نہ لگاتے اس پر یہ علمی مسئلہ مرتب ہوا کہ جس دلیل سے مدلول تک قطعی طور پر رسائی ہو جائے وہی علم صحیح حاصل کرنے کا راستہ ہے جس پر حکم لگا دینا چاہیئے (خواہ قرینہ حال ہو یا کوئی دلیل عقلی یا نقلی ہو)

قوله الوجه السادس فيه دليل على جواز الحكم بقرينة الحال الى قوله يجب الحكم به

ف یہ قاعدہ علم فقہ اور علم تصوف دونوں میں مشترک ہے۔ فقہا اور صوفیہ دونوں اس قاعدہ سے کام لیتے ہیں اگرچہ فقہاء قرآئن پر حکم کم لگاتے ہیں اور صوفیہ زیادہ مگر قاعدہ دونوں کے یہاں مسلم ہے۔ لیکن قرینہ پر حکم لگانے کی یہ شرط ہے کہ اس میں ایک صورت کے سوا دوسری صورت کی گنجائش ہی نہ ہو جیسا واقعۂ حدیث میں واضح ہے۔

(۲۳۹) حوائج بشریہ عبادت کے منافی نہیں

حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جو چیزیں حوائج بشریہ میں داخل ہیں وہ عبادت کے منافی نہیں ہیں بشرطیکہ طریق مشروع یعنی جائز طریقہ پر ادا کی جائیں کیونکہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاجماع

سب سے زیادہ عبادت کرنیوالے تھے اور تم دیکھ رہے ہو کہ ضروریات بشریہ جماع وغیرہ کچھ بھی آپ کی عبادت میں مخل نہ ہوتی تھیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ضروریات کو طریق مشروع پہ ادا کرتے تھے اور بشریت کے اندر رہتے ہوئے غایت کمال یہی ہے کیونکہ اس وقت امور طبعیہ اوامر الٰہیہ کے تابع ہو جاتے ہیں اور اس کا غایت کمال ہونا ظاہر ہے کہ احکام الٰہیہ طبیعت ثانیہ بن جائیں اور امور طبعیہ احکام الٰہیہ کے تابع ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

ولقد ارسلنا رسلا من قبلک وجعلنا لھم ازواجا وذریۃ

اور ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت رسول بھیجے ہیں اور ہم نے ان کو بھی بیوی بچے دیئے تھے۔

مطلب وہی ہے کہ سب کے سب ضروریات بشریہ کا حق ادا کرتے تھے اور بیوی بچوں کا ذکر خاص طور سے اس لئے کیا گیا کہ یہ دونوں ان اسباب میں سب سے اعظم واشد ہیں جن سے عام لوگ مبتلا فتن ہوتے ہیں۔ نیز نکاح تمام شہوتوں میں سب سے بڑی شہوت ہے۔ غرض اس آیت سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پوری طرح طبیعت بشریہ پہ تھے اور تقاضائے بشریت سب کے سب ان کے اندر موجود تھے اور وہ سب کا حق ادا کرتے تھے۔ مگر یہ ان کو احوال عالیہ کا حق ادا کرنے یعنی نبوت و رسالت کا حق پوری طرح ادا کرنے سے ذرا مانع نہ ہوتا تھا اور اسی سے دوسروں کا عذر ساقط ہو گیا کہ بشریت کے ساتھ حق عبادت ادا نہیں ہو سکتا۔ حق تعالیٰ نے اس عذر کو باطل کرنے کے لئے ہی انبیاء و رسل فرشتوں میں سے نہیں بھیجے بلکہ انسانوں میں سے بھیجے تاکہ ان کو دیکھ کر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ ضروریات بشریہ اور طبیعت انسانیہ ان احکام کی بجا آوری سے مانع نہیں

ہو سکتی جن کا بارگاہ ربوبیت نے ان کو مکلف بنایا ہے پس اللہ کی حجت بندوں پر قائم ہو گئی

قل فللہ الحجۃ البالغۃ

کہہ دیجئے حجت کاملہ تو اللہ ہی کیلئے ہے

(۲۴۰) دین کے معاملہ میں حیا و شرم نہ کرنا چاہئے

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دین کے معاملہ میں حیا و شرم کی ضرورت نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اپنا جنبی ہونا یاد آ گیا تو آپ نے کوئی بہانہ نہیں کیا نہ سر کو چھپایا تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ نکسیر پھوٹ گئی ہو گی اور جنابت کا حال مخفی رہے بلکہ آپ نے صورت واقعہ کو اسی کے حال پر چھوڑ دیا تاکہ اس سے یہ قاعدہ اخذ کر لیا جائے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے کہ دین کے معاملہ میں شرم عرفی کی ضرورت نہیں.

قولہ الوجہ الثامن فیہ دلیل علی عدم الحیاء فی الدین الی قولہ حتی تنعقد ہذہ القاعدۃ التی ذکرنا

(۲۴۱) عبادات میں کاوش اور وہم کرنا بدعت ہے

حدیث میں اس کی بھی دلیل ہے کہ عبادت میں کاوش کرنا اور وہم میں پڑنا یا بدعت ہے (اگر بقصد ہے) یا مصیبت ہے (اگر بلا قصد ہے) یہ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل میں زیادہ دیر نہیں کی جس کی دلیل صحابی کا یہ پر شوکت قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو کھڑا ہوا چھوڑا اور واپس تشریف لے گئے پھر غسل کیا اور باہر آ گئے پھر ان کو نماز پڑھائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ آپ کے انتظار میں کھڑے ہی رہے۔ اگر آپ کا غسل

دیر میں ہوا کرتا تو آپ یقیناً صحابہ کو بیٹھنے کا حکم دے کر جاتے کیونکہ امت کے ساتھ آپ کی نرمی اور شفقت اور تمام امور میں یسر و سہولت کی رعایت جس قدر تھی وہ ایسی بدیہی ہے جس کے لئے دلیل بیان کرنے کی حاجت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے ایک اور علمی

وضو اور غسل میں جلدی کرنا اور نماز میں دیر کرنا ھی سنت ہے

مسئلہ معلوم ہوا کہ طہارت میں خواہ وضو ہو یا غسل جلدی کرنا اور نماز میں دیر تک مشغول رہنا ہی سنت ہے، حضور نے اس مسئلہ کو اپنے عمل سے ظاہر فرمادیا کیونکہ عملی تعلیم قولی تعلیم سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بھی عادت تھی کہ خطبہ کو مختصر کرتے تھے اور نماز کو طویل، مگر آج کل اکثر مدعیان علم کا طرز عمل اس کے خلاف ہے۔ پھر ہم سے ان کی اقتداء کیونکر ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل و احسان سے اس بلا سے بچائے۔

قوله فی دلیل علی ان التعمق فی العبادة والوسواس الی

قوله اعاذنا الله من ذلک بمنه

(۲۴۲) عبادت میں اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف عود نہ کرنا چاہئے

اس میں صوفیہ کے اس قول کی بھی دلیل ہے کہ عبادت کرنیوالے کو اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف رجوع نہ کرنا چاہئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو یہ حکم دیا کہ اپنے حال پر رہو۔ بیٹھنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ اس وقت وہ توجہ (الی اللہ) کے لئے کھڑے ہو چکے تھے تو حضور نے یہ پسند

نہ کیا کہ ان سے یوں کہا جائے کہ پھر پہلی حالت کی طرف لوٹ جاؤ اور بیٹھ جاؤ بلکہ یہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر رہو۔

(۳۴۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کا ایمان زیادہ قوی تھا

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زمانہ مابعد سے زیادہ قوی تھا کیونکہ صحابی فرماتے ہیں کہ لوگوں نے صفیں برابر کرلیں (پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صفوں کو سیدھا کرنے کا حکم دینے کی نوبت نہیں آئی۔ نیز آپ کو صفیں سیدھی ہوجانے کی خبر دینے کی ضرورت نہیں ہوئی بلکہ لوگوں نے خود ہی صفیں سیدھی کرلیں اور حضور بھی بے فکر رہے اور زمانۂ خلفاء کے متعلق روایات میں یہ آیا ہے کہ انہوں نے کچھ آدمیوں کو صفیں سیدھی کرنے پر مامور کر رکھا تھا جب تک وہ آکر اطلاع نہ دیتے کہ صفیں برابر ہو گئی ہیں اس وقت تک وہ حضرات نماز کے لئے تکبیر نہ کہتے تھے جیسا امام مالکؒ نے موطا میں روایت کیا ہے تو دونوں زمانوں کے ایمان میں فرق نمایاں ہوگیا۔ پھر ہمارے زمانہ کے ایمان کا حال کیا پوچھتے ہو اللہ تعالیٰ اپنے فضل ہی سے ہم کو ایمان کا بڑا حصہ عطا فرمائے۔

قوت ایمان ھی سے اعمال میں سہولت ہوتی ہے

یہاں سے ایک علمی مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ قوت ایمان کے اندازہ ہی سے اعمال صالحہ میں خفت اور سہولت ہوتی ہے جسکی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے

وانها لکبیرۃ الا علی الخاشعین

نماز بیشک بہت گراں ہے مگر اہل خشوع پر نہیں

اس کمال قوت ایمان ہی کا یہ اثر تھا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں سے ایسے کارنامے ظاہر ہوئے جو دوسروں کے ہاتھوں ظاہر نہیں ہوئے اور نہ وہ اس پر قادر ہیں، صحابہ کے بعد حضرات صوفیہ کا درجہ ہے کہ ان کے ابدان کو ان مجاہدات (شاقہ) کا تحمل اور ان پر ان حالات عالیہ کا ظہور اسی قوت ایمان کی وجہ سے تو ہے (جو اُن کو دوسروں سے زیادہ حاصل ہے)

قولہ الوجہ الثانی عشر فیہ دلیل علی ان الایمان الی قولہ الا بقوۃ ایمانہم

(۲۴۴) جماعت کو امام کا انتظار کرنا چاہیئے

حدیث سے معلوم ہوا کہ جماعت کو امام کا انتظار کرنا چاہیئے جب اسے کوئی عذر پیش آجائے بشرطیکہ نماز میں داخل نہ ہوگئے ہوں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ انتظار اسی وقت کیا جائے جبکہ عذر تھوڑی دیر کا ہو جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عذر اتنی دیر کا تھا کہ آپ نے غسل کر لیا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ امام کا انتظار اسی وقت کیا جائے جب کہ اس نے جماعت کو انتظار کا حکم دیا ہو یہ مضمون اس حدیث کو اس حدیث کے ساتھ ملانے سے مفہوم ہوا جس میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار بعض عشیر قبائل میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے اور نماز کا وقت آگیا تو صحابہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے ہیں تو صحابہ نماز میں تھے آپ نے ان کے ساتھ اپنی نماز پوری کی۔ نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کہ تم نے

اچھا کیا اور کما قال صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ جب آپ باہر تشریف لے گئے اور لوگوں کو یہ حکم نہیں دیا کہ نماز میں آپ کا انتظار کریں تو صحابہ نے نماز کا وقت ہو جانے پر نماز شروع کر دی جس کے وہ مامور تھے اور اس واقعہ میں حضور نے ان کو انتظار کا حکم دیا تھا تو انہوں نے حکم کی تعمیل کی، ان دونوں حدیثوں کے ملانے سے وہ علمی مسئلہ مستنبط ہوا جس کو ہم نے ابھی بیان کیا ہے، البتہ اگر نمازیوں کو یقین ہو یا گمان غالب ہو کہ امام کا عذر تھوڑی دیر کا ہے تو اگرچہ اس نے انتظار کا حکم نہ دیا ہو تب بھی اس کی حرمت کی وجہ سے کچھ دیر تک اس کا انتظار کرنا چاہیئے جبکہ وقت میں گنجائش ہو اور وقت مستحب کے نکلنے کا اندیشہ نہ ہو بلکہ بعض علماء نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ نمازیوں میں سے بھی اگر کوئی شخص کسی خاص مسجد میں نماز پڑھنے کا پابند ہو اور نماز کا وقت آجائے اور وہ شخص نہ آیا ہو تو اتنی دیر اس کا انتظار کیا جائے جتنی دیر میں ایک نماز ادا ہو جائے۔ یعنی دو رکعت کے برابر انتظار کیا جائے۔ اس کے بعد نماز شروع کر دیں کیونکہ اس کی پابندی کا بھی ایک حق ہے جس کا احترام کرنا چاہیئے اسکی بیقدری نہ کرنا چاہیئے اور یقیناً امام کی حرمت اور اس کا حق بہت زیادہ ہے۔ خوب سمجھ لو

اسی مناسبت سے ہم ایک شیخ کی حکایت بیان کرتے ہیں جو تمام نمازوں میں پابندی سے آیا کرتے تھے اور مسجد کے دروازہ پر اذان دے کر مسجد میں داخل ہوتے تھے ایک دن وقت معین سے ذرا پیچھے رہ گئے تو مؤذن نے نماز کے لئے اقامت کہہ دی اور لوگوں نے نماز شروع کر دی شیخ تشریف لائے تو لوگوں کو نماز میں دیکھا جس سے ان کا دل متغیر ہوا کیونکہ آج ان سے اذان و اقامت فوت ہوئی اور تکبیر تحریمہ بھی فوت ہوئی مگر انہوں نے کسی کو کچھ نہیں کہا۔ جب رات ہوئی تو مؤذن نے خواب میں

سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اس سے فرماتے ہیں

تأدب مع الشیخ شیخ کیساتھ مؤدب ہو کر رہو

(تمیز سے کام کیا کرو بدتمیزی کا معاملہ نہ کرو)

جب صبح کی نماز کیلئے شیخ تشریف لائے تو خود ہی مؤذن سے فرمایا کیا تو نے یہ سمجھا ہے کہ میرے ساتھ کوئی نہیں جو میرا بدلہ لے (شیخ کو مؤذن کا خواب بطور کشف کے پہلے ہی معلوم ہو گیا) تب مؤذن نے توبہ کی اور شیخ سے معافی مانگی، اسی طرح جو شخص بھی اپنے مولیٰ کے ساتھ سچائی کا معاملہ کرتا ہے وہ اسکی مدد کرتا ہے۔

قولہ فی الوجہ الاول والثانی والثالث ان الجماعۃ

ینتظرون الامام الیٰ قولہ فانہ بنصرہ

ف ہر چند کہ یہ مسئلہ تصوف کا نہیں مگر صوفیہ کے معمولات میں سے ہے وہ اپنی خانقاہوں کی مساجد میں شیخ کا انتظار نماز کے لئے ضرور کرتے ہیں بدون شیخ کے نماز شروع نہیں کرتے چونکہ عموماً خانقاہوں کی مساجد میں اہل خانقاہ ہی زیادہ ہوتے ہیں جن کو شیخ کا انتظار گراں نہیں ہوتا اس لئے اس انتظار میں کوئی قباحت نہیں جب تک وقت میں گنجائش ہے۔ خانقاہ امدادیہ میں حالانکہ کسی کو بھی حضرت شیخ کی تشریف آوری سے پہلے نماز شروع کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا بلکہ گراں گذرتا ہے مگر حضرت حکیم الامت کا ارشاد ہے کہ پانچ منٹ سے زیادہ جبرا انتظار نہ کیا جائے۔ بہرحال انتظار امام کے لئے یہ حدیث حجت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب چہل و یکم ۴۱

حدیث

سبعة یظلهم الله یوم القیامة فی ظل عرشه

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ سات شخص ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دیں گے جس دن کہ اس کے سایہ کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا۔

(ایک ۱) امام عادل اور

(دوسرا ۲) وہ جوان جس کا اٹھان اپنے پروردگار کی عبادت میں ہوا ہو اور

(تیسرا ۳) وہ شخص جس کا دل مسجدوں ہی میں اٹکا رہتا ہو اور

(چوتھے ۴) وہ دو شخص جن میں باہم اللہ کے لئے محبت ہو اسی پہ جمع ہوتے ہیں اسی پہ جدا ہوتے ہیں۔ اور

(پانچواں ۵) وہ شخص جس کو کسی معزز خوبصورت عورت نے اپنے پاس غرض نفسانی کے لئے بلایا اور اس نے صاف کہدیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور

(چھٹا ۶) وہ شخص جس نے کچھ صدقہ کیا اور چھپا کر دیا یہاں تک کہ اس کے بائیں

ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ دایاں ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے۔ اور

(ساتواں) وہ شخص جس نے اللہ عزوجل کو تنہائی میں یاد کیا پھر اس کی آنکھیں بہنے لگیں، (اللہ کی محبت یا ہیبت سے رونے لگا)

شرح ظاہر حدیث تو یہ ہے کہ ان سات شخصوں کو جن کا ذکر ہوا اللہ تعالیٰ قیامت میں سایہ کی جگہ دیں گے جبکہ اللہ کے سوا کسی کے پاس سایہ نہ ہوگا، اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۲۴۵) اعمال صالحہ دلیل سعادت ہیں

حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اعمال صالحہ انسان کی سعادت پر دلالت کرتے ہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ سات شخص ہیں جن کو حق تعالیٰ قیامت میں سایہ دیں گے پھر آپ نے سایہ کا سبب ان اعمال کو بتلایا جن کا حدیث میں ذکر ہے۔

قولہ الوجہ الثانی فیہ دلیل علی ان اعمال الخیر دالۃ الی قولہ فجعل موجب الظل تلک الاعمال

(۲۴۶) اعمال صالحہ سب مطلوب ہیں

حدیث سے معلوم ہوا کہ ہم سے تمام اعمال صالحہ مطلوب ہیں اگرچہ بعضے افعال فرض و واجب بھی نہ ہوں کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اعمال کا ثواب بیان فرما دیا اور ان سب کے بجالانے کا حکم نہیں دیا بلکہ ان میں سے بعض کا تو آپ نے حکم دیا ہے جو واجب ہیں اور بعض کا حکم نہیں دیا وہ مستحب ہیں کیونکہ فائدہ کا زیادہ ہونا ضمناً خود ہی عمل پر ترغیب دیتا ہے۔

قولہ فیہ دلیل علی ان جمیع افعال البر مطلوبۃ منا الخ

قولہ لان کثرۃ الربح تحض بضمنہ علی المعاملۃ

(۲۴۷) ثواب کی بناء کسی علت پر نہیں

حدیث سے معلوم ہوا کہ اعمال پر ثواب کا عطا ہونا کسی علت عقلیہ یا علت ذاتیہ پر مبنی نہیں کیونکہ ان سات اعمال میں سے بعض واجب ہیں اور بعض مستحب ہیں اور ثواب سب کا برابر ہے کہ عرش کا سایہ عطا ہوگا اور دلائل شرعیہ کی بناء پر امت کا اس پر اتفاق ہے کہ فرائض کا مرتبہ دوسرا اعمال سے بڑھا ہوا ہے پس اگر ثواب کی بناء پر کسی علت پر ہوتی تو فرض و مستحب کا ثواب برابر نہ کیا جاتا حالاں کہ یہاں برابر کر دیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ کسی علت کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہے۔

قوله فی الوجه الخامس فیه دلیل علی ان اعطاء الاجور علی الاعمال الی قوله فلیس ذلك لعلة

(۲۴۸) خواہش نفس کو پوری طرح دبانا اور اخلاص حقیقی حاصل کرنا ہی کامیابی کا سبب ہے

یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ ان سات اعمال کے ساتھ اس ثواب کا مخصوص ہونا امر تعبدی ہے جس کی کوئی علت عقلی نہیں یا قیاسی ہے جس کی علت عقل سے معلوم ہو سکتی ہے؟ اگر کہا جاوے کہ یہ امر تعبدی ہے جس کی علت عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی تب تو کچھ بحث نہیں اگر یہ کہا جائے کہ اسکی علت معقول ہے تو وہ کیا ہے؟ تو اس سوال کا جواب واللہ اعلم یہ ہے کہ یہاں دو علتیں ہیں ایک تو پوری قوت سے نفس کو اور اس کی خواہش کو دبانا اور یہ دنیا و آخرت کی خیر کے لئے بڑا سبب ہے، کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ونهى النفس عن الهوىٰ فان الجنة هى المأوىٰ

"اور جس نے نفس کو خواہش سے روک لیا تو جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

رجعتم من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر وھو جہاد النفس

اب تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس جاتے ہو جو کہ نفس کا جہاد ہے۔

اور دوسری علت حقیقت اخلاص کا حاصل ہونا ہے اور اس کی عظمت اور اس کا موجب ترقی ورفعت ہونا ظاہر ہے۔ حق تعالیٰ جل جلالہ فرماتے ہیں

وما امروا الا لیعبدوا اللّٰہ مخلصین لہ الدین

لوگوں کو اور کسی بات کا حکم نہیں دیا گیا بجز اس کے کہ اللہ کی عبادت کریں خلوص کے ساتھ اللہ کے لئے منقاد بن کر۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

ان اللّٰہ لا یقبل عمل امرئ حتی یتقنہ قالوا وما اتقانہ یا رسول اللّٰہ قال یخلصہ من الریاء والبدعۃ

اللہ تعالیٰ کسی شخص کا عمل اس وقت تک قبول نہیں کرتے جب تک اس کو پختہ نہ کرلے۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ عمل کی پختگی کیا ہے فرمایا یہ کہ اسکو ریاء اور بدعت سے پاک کرلے اور ریاء کا چھوڑنا ہی عین اخلاص ہے اور ان دونوں علتوں کی علت اللہ عزوجل کا خوف ہے (خوف ہی کی وجہ سے اخلاص کی طلب اور ریاء سے نفرت ہوتی ہے اور اسی سے نفس کو دبانے اور اس کی خواہشوں کو فناء کرنے کی ہمت ہوتی ہے۔ اب تم ان سب میں الگ الگ غور کرو تو خود ہی اسکی تصدیق کروگے۔

چنانچہ اول امام عادل ہی کو لو کہ وہ اپنے کو محض شدت خوف الٰہی

کی وجہ سے ہی ظلم سے رکتا اور اپنے نفس کو عدل پر مجبور کرتا ہے ،
باوجودیکہ اس کو ظلم پر قدرت حاصل ہے کیونکہ وہ ظالمانہ حکم بھی دے سکتا
ہے اور دوسروں کو دبا بھی سکتا ہے کوئی اس کو ظلم سے روک نہیں سکتا
اب بجز شدت خوف خدا کے کیا چیز ہے جو اس کو عدل پہ مجبور کر دی ہے
اور ایک حدیث میں اس شخص کی حکایت ہے جس نے اپنے گھر والوں
کو وصیت کی تھی کہ جب میں مرجاؤں مجھے جلا دینا چنانچہ وہ مرگیا تو انہوں
نے ایسا ہی کیا حق تعالیٰ نے اس کے تمام اعضاء کو جمع کیا اور زندہ کرکے
اس سے پوچھا کہ تو نے ایسی وصیت کیوں کی تھی کہا اے پروردگار! محض تیرے
خوف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسکو بخش دیا، تو شدت خوف ہی اس شخص کی
نجات کا سبب بنی۔ رہا وہ جوان جس کا اٹھان اللہ کی عبادت میں ہوا، تو
ظاہر ہے کہ عبادت حقیقت میں نفس کو دبانا اور راحت سے نکالنا اور
مجاہدات پر آمادہ کرنا ہے اور اس پر مداومت باوجودیکہ جوانی کے زمانہ میں
نفس کی خواہشیں زوروں پر ہوتی ہیں بدون خوف شدید کے نہیں ہو
سکتی اسی لئے ایک نوجوان عابد کی نسبت منقول ہے کہ وہ بستر پر لیٹتے
تو سو نہیں سکتے تھے بس یہ کہہ کر کھڑے ہوجاتے کہ اے اللہ! آپ جانتے
ہیں کہ آپ کی جہنم کے خوف نے مجھے سونے سے روک دیا ہے اور کھڑے ہو
کر صبح تک نماز پڑھتے رہتے۔ رہا وہ شخص جس کا دل مسجدوں[ع] میں اٹکا ہوا
ہو تو بظاہر ہے کہ اخلاص حقیقی دل کو عبادات سے پیوستہ کر دیتا ہے

ع مراد جنس مسجد ہے خواہ کسی مسجد سے دل اٹکا ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
جمع کا صیغہ غالباً اسلئے اختیار فرمایا کہ اس زمانہ میں المسجد سے متبادر مسجد حرام یا مسجد نبوی
ہوتی تھی اور مقصود تعمیم تھی اس لئے المسجد کی جگہ المساجد جمع محلی باللام کا صیغہ اختیار فرمایا
جو استغراق یا جنس پر دال ہوتا ہے قالہ الشارح ۱۲ ظ

اور تمام عبادات میں ارفع و اعلیٰ نماز ہے اور نمازوں میں سب سے ارفع وہ ہے جو مسجدوں میں ادا ہوتی ہے تو یہ شخص اخلاص کی وجہ سے اعلیٰ درجے کی عبادت کی دھن میں لگا رہتا ہے جیسا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت منقول ہے کہ لوگوں نے ان کا نام حمام المسجد مسجد کا کبوتر کہہ لیا تھا کیونکہ وہ مسجد سے بہت لگے لپٹے رہتے تھے، اور جن دو شخصوں میں اللہ کے لئے محبت ہو اسی پر جمع ہوں اسی پہ جدا ہوں یعنی محض منہ دیکھے کی محبت نہیں بلکہ سچی اور واقعی محبت ہے جو ملاقات و اجتماع کے وقت بھی رہتی ہے اور مفارقت و جدائی کی حالت میں بھی رہتی ہے تو یہ بات ان دونوں کے شدت اخلاص ہی سے پیدا ہو سکتی ہے یہاں تک کہ نفس کی کوئی خواہش کوئی غرض اور کسی شے کی طلب درمیان میں نہ ہو محض اللہ کا واسطہ ہو اور اللہ کے لئے تعلق ہو۔

رہا وہ شخص جس کو کسی معزز خوبصورت عورت نے اپنے پاس بلایا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں تو یہ بات سختی کے ساتھ نفس کی خواہشوں کے دبانے سے حاصل ہو سکتی ہے، اور اس کا سبب شدت خوف خدا ہوتا ہے، رہا یہ سوال کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ عزت دار خوبصورت عورت نے بلایا حالانکہ عورت تو ہر حالت میں بڑا فتنہ ہے خواہ معزز ہو یا ذلیل خوبصورت ہو یا بدصورت۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

عہ اس زمانہ کی تہذیب تو یہ تھی اب اپنے زمانہ کی تہذیب ملاحظہ ہو کہ ملانوں کو مسجد کا مینڈھا کہا جاتا ہے۔ ایک رئیس نے کسی طالب علم کو مسجد سے آتا دیکھ کر کہا وہ آئے مسجد کے مینڈھے تو اس نے برجستہ جواب دیا کہ مسجد کا مینڈھا سگ دنیا سے اچھا ہے۔ خاموش ہی تو رہ گئے ۱۲ ظ

ما ترکت بعدی فتنۃ ھی اضر علی الرجال من النساء
میں نے اپنے پیچھے کوئی فتنہ مردوں کے حق میں عورتوں سے
زیادہ خطرناک نہیں چھوڑا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان دو صفوں کو اس لئے بیان کیا گیا ہے تاکہ یہ بات محقق ہو جاوے کہ اس کے انکار کا سبب شدت خوف خداوندی کے سوا اور کچھ نہ تھا کیونکہ اگر کوئی ذلیل عورت شریف آدمی کو بلائے اور وہ انکار کر دے تو احتمال ہو سکتا ہے کہ انکار کا منشا عزت نفس ہے اس کی شرافت نے ایسی ذلیل عورت سے اختلاط گوارا نہ کیا۔ اسی طرح بدصورت عورت نے کسی کو اپنی طرف بلایا اور اس نے انکار کر دیا تو احتمال ہو سکتا ہے کہ طبعی نفرت کی وجہ سے انکار کیا ہے مگر جہاں یہ دونوں باتیں نہ ہوں بلکہ عورت معزز خاندان کی ہو اور خوبصورت بھی ہو اور خود ہی طالب وصال بھی ہو اس صورت میں مرد کے انکار کا منشا خوف خداوندی کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ نیز یہ کہ ان دونوں وصفوں میں سے ہر ایک کو عورت کی طرف رغبت و میلان اور شہوت جماع کے بھڑکانے میں بڑا دخل ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

تتزوج المرأۃ لجمالھا و حسبھا

عورت سے شادی کی جاتی ہے اسکے جمال کی وجہ سے یا شرافت کی وجہ سے اور جس چیز کی طرف ایک سبب سے بھی رغبت ہو جاتی ہے وہاں اگر دو سبب رغبت کے جمع ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ رغبت زیادہ اور خواہش پوری قوت کے ساتھ ہوگی۔ اسی لئے اس خواہش کے دبانے پر ثواب بھی بہت زیادہ عطا ہوا۔

اس کی نظیر بعض صوفیہ سے منقول ہے کہ ان میں سے کچھ تو خلوت میں مقید تھے اور بعضے مقید نہ تھے پھر ان کو فتوحات میں عمدہ کھانا حاصل ہوا

تو شیخ نے فرمایا خلوت والوں کو مقدم کرو (پہلے ان کے سامنے یہ کھانا رکھو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا) تو ان میں سے بعضے تو کھانے کو دیکھتے ہی اپنے دوسرے بھائیوں کو خبر دینے چل دیئے یہ بھی معلوم نہ کیا کہ یہ کیا ہے اور کس قسم کا کھانا ہے اور بعضوں نے کھڑے ہی کھڑے کھانے کو کھولا اس کو دیکھا اور پہچان لیا کہ کیا ہے اور بدون کھائے چل دیئے اور بعض نے اس کو دیکھا اور ایک لقمہ اٹھا کر منہ میں دیا اس کا مزا چکھا (لذت حاصل کی) یہاں تک کہ مزا چکھنے کی وجہ سے کھانے کی خواہش نے زور کیا مگر اس کے بعد اس نے دوسرا لقمہ نہیں لیا بلکہ چھوڑ کر چل دیا تو اس شخص کا زہد جس نے کھانے کا مزا چکھ لیا تھا دوسروں سے بڑھا ہوا تھا کیونکہ اس کی خواہش زبردست تھی جس کو اس نے قوت سے دبا دیا (دوسروں نے کھانے کو دیکھا اور چکھا ہی نہیں تو خواہش کیا خاک ہوتی۔

(۱) وہ جس نے صدقہ کیا اور چھپا کر دیا حتی کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوئی کہ داہنے نے کیا کیا تو یہ کمال اخلاص ہی سے ہو سکتا ہے۔ اسی کے قریب بعض صوفیہ سے منقول ہے کہ وہ کسی کا ہدیہ بہت کم وصول کیا کرتے تھے۔ ایک دن عشاء کے بعد ایک شخص نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا وہ باہر آئے تو دیکھا کہ ان کا ایک پڑوسی ہے جو کپڑا سینے کا کام کرتا تھا پوچھا کیا کہنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا کہ آج میں نے اتنی رقم کا کپڑا سیا ہے اور اس سے یہ کھانا خرید کر لایا ہوں جو میرے ساتھ ہے اور کچھ گھر کی ضرورت کی چیزیں خرید لی ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ سب حلال طریقہ سے حاصل کیا ہوا ہے میں اس کو خوشی کے ساتھ آپ کے واسطے لایا ہوں اور اس وقت اندھیری رات ہے اور بخدا میں نے کسی کو اس ہدیہ کی اطلاع نہیں کی اور نہ کسی نے مجھے آپ کے پاس آتا ہوا دیکھا، وہ کھانا یہ ہے اس کو لے لیجئے یہ کہہ کر دروازہ ہی میں اس کو رکھ کر چلتا بنا، تو دیکھو اس درجہ اہتمام اخفاء

پر اس شخص کو اس بات ہی نے تو برانگیختہ کیا تھا کہ اس کو عمل میں اخلاص کی طلب تھی۔

(۲) وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھیں بہنے لگیں تو اس میں تو دونوں وصف مجتمع ہیں۔ خوف بھی اور اخلاص بھی اور ان اوصاف حمیدہ میں سے کوئی وصف بھی اس وقت تک پوری طرح حاصل نہیں ہوتا۔ جب تک نفسانی صفات زائل نہ ہو جائیں، جس قدر صفات نفس غائب ہوں گی راسی قدر راستہ کھلے گا۔ اسی لئے بعض لوگوں کا جن کو اس قوم (صوفیہ) سے تعلق نسبت حاصل ہے یہ ارشاد ہے کہ جب تک تیری نظر اپنے نفس پر ہے اس وقت تک تو اس کے سوا کسی کو نہ دیکھے گا اور جب اپنے نفس سے نظر ہٹالے گا تو کوئی چیز بھی تیری نظر سے غائب نہ رہے گی، پس ان چیزوں کے دیکھنے کی رغبت کر جن کو تو شمار بھی نہیں کر سکتا (ایک اپنے نفس کو دیکھنے سے کیا ملے گا اور ہمارے بزرگوں کا ارشاد ہے کہ بیشمار چیزوں کے دیکھنے سے بھی کیا فائدہ، اس ایک کو دیکھو جس کے دیکھنے کے بعد کسی کے دیکھنے کی ہوس ہی دل میں نہ آئے ؎

دل ہو وہ جسمیں کچھ نہ ہو جلوہ یار کے سوا
میری نظر میں خاک بھی جام جہاں نما نہیں

اور بعض کمالات وہ ہیں جن کے ایک ذرہ کی معرفت بھی تجھ کو اس وقت تک حاصل نہ ہوگی جب تک اس چیز سے اعراض نہ کرے جو حقیقت میں ذرہ کے برابر بھی نہیں یعنی دنیا اور سب سے بڑی دنیا تیرا نفس ہے اور جب تجھ کو یہ وصف حاصل ہو جائے یعنی دنیا سے اور اپنے نفس سے تیری نظر اٹھ

عـــہ اس مقام کو ناچیز مترجم خود حل نہیں کر سکا حضرت حکیم الامت دام مجدہم نے اس کو حل فرمایا وللہ الحمد ۱۲ ظ

جلائے تو ساری مخلوق تیرے ایک ذرہ کے بھی برابر نہ ہوگی یعنی اس وقت تیری قیمت اللہ کے نزدیک بہت زیادہ ہوگی ۔

قوله فی الوجه العاشر وهنا بحث هل هذه السبعة خصت بهذا الثواب تعبداً الی قوله فی الوجه السابع عشر عاداً الوری باسره لا یعدل منك ذرة

ف ۔ یہ حدیث طریق صوفیہ کی واضح حجت ہے کیونکہ جن اعمال عظیمہ پر اسمیں اجر عظیم کی بشارت دی گئی ہے ان پر حضرات صوفیہ ہی پوری طرح عامل ہیں خصوصاً ہر شخص کے ساتھ عدل کا معاملہ کرنا اور مسجدوں میں دل کا اٹکا رہنا اور باہم اللہ کے لئے محبت کرنا اور کیسی ہی حسین وجمیل عورت بلائے اللہ کا خوف کرکے اس سے بچ جانا اور تنہائی میں اللہ کی یاد میں رونا اور چھپا کر صدقہ خیرات کرنا ان حضرات کا معمول خاص ہے ، معتبر لوگوں سے سنا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معرفت گنگوہ کی بیواؤں غریبوں کے مکان پر عشا کے بعد روپیہ بھجواتے تھے اور مولانا محمد یحییٰ صاحب اپنے منہ پر لنگی یا رومال بطور نقاب کے ڈال لیتے تھے تاکہ کوئی پہچانے نہیں جب حضرت کے وصال کے بعد دات کو روپیہ کی تقسیم موقوف ہوئی اس وقت بیواؤں اور غریبوں کو علم ہوا کہ یہ سب کچھ حضرت قدس سرہ کی طرف سے ہوتا تھا اور اگر اخیر عمر میں مولانا کی بینائی زائل نہ ہوگئی ہوتی تو شاید حضرت والا اس تقسیم میں مولانا محمد یحییٰ صاحب کو بھی واسطہ نہ بناتے اور خود اپنے ہاتھ ہی سے اس کام کو انجام دیتے تاکہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوتی کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ۔

ف ۔ یہ صدقہ نافلہ ہے جس کے چھپا کر دینے میں اتنا ثواب ہے اور صدقہ فرض یعنی زکوٰۃ اور صدقہ فطر وغیرہ کو ظاہر کرکے دینا افضل ہے کیونکہ

اخفاء کی فضیلت ریا سے بچنے کے لئے ہے اور فرائض میں ریا نہیں ہوتی جو کام فرض ہے اس کے بجالانے میں کیا ریا ؟ وہ تو سب ہی کرتے ہیں مگر زکوٰۃ و صدقۂ فطر کے ظاہر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ جس غریب کو دو اس کو زکوٰۃ کا روپیہ کہہ کر دو، اس کی ضرورت نہیں بلکہ یوں کہنا اچھا بھی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے غرباء کو نقد وغیرہ دو چھپا کر نہ دو تاکہ لوگ خواہ مخواہ بدنام نہ کریں کہ فلاں شخص کے پاس اتنا روپیہ ہے مگر ہم نے کبھی اس کو زکوٰۃ دیتے ہوئے نہ دیکھا، اگر تم دو چار کے سامنے زکوٰۃ کی رقم دیتے رہوگے تو تمام مسلمان بدگمانی سے بچیں گے ان کو تم سے ہمدردی بھی ہوگی اور کیا عجب ہے کہ تم کو دیکھ کر کوئی دوسرا مالدار بھی زکوٰۃ دینے لگے تو اس کے عمل کا ثواب بھی تم کو ملے گا اگرچہ اس کا ثواب بھی کم نہ کیا جائے گا۔

(۲۴۹) اللہ کے واسطے محبت کرنیوالوں کی تین قسمیں ہیں

المتحابون فی اللہ یعنی اللہ کے واسطے باہم محبت کرنیوالوں کی تین قسمیں ہیں ایک یہ کہ اللہ کے واسطے محبت ہو مگر ساتھ میں کسی دنیوی منفعت کی بھی امید ہو خواہ ظاہری ہو یا باطنی، ظاہری جیسے مال و دولت، باطنی جیسے جاہ و عزت وغیرہ تو یہ تو طالب غرض ہے اس کا مقصود دنیا ہی ہے بس یہ ہوگا اور اسکی غرض خواہ وہ پوری ہو یا نہ ہو۔

دوسری قسم یہ ہے کہ صحبت و رفاقت تو اللہ کے لئے ہو مگر اس کے ساتھ کسی اُخروی نفع کی بھی اُمید ہے خواہ ظاہری ہو یا باطنی ظاہری جیسے توفیق اعمال صالحہ و ذکر و شغل وغیرہ باطنی جیسے اخلاق حمیدہ و نسبت و احسان و اخلاص کا حصول علوم و معارف کا ورود اور مرنے کے بعد شیخ کی شفاعت سے دخول جنت وغیرہ سو یہ بھی طالب حاجت اور صاحب غرض ہے

مگر اس کا نفس پہلے سے بلند حوصلہ ہے کہ اس کو منافع کی طلب تو ہے مگر منافع اخرویہ کی طلب ہے، منافع دنیویہ کی طلب نہیں اور اسی قسم کے لوگ اُن حضرات کے پاس زیادہ ہوتے ہیں جو بزرگ کہلاتے ہیں۔

تیسری قسم یہ ہے کہ صحبت اور رفاقت و محبت محض اللہ کے لئے ہے اور کوئی غرض نہیں نہ دنیوی نہ اخروی یعنی شیخ سے تعلق صرف اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ والا ہے اور اس قابل ہے کہ اس سے محبت اور تعلق پیدا کیا جائے خواہ تم کو نفع ہو یا نہ ہو جیسا بادشاہ عادل سے سب کو محبت ہوتی ہے اگرچہ کسی خاص شخص کو اس کے عدل سے نفع حاصل کرنے کا موقعہ نہ ملا ہو مگر عدل کمال ہی ایسا ہے کہ جس میں بھی ہو اس سے طبعاً محبت ہوتی ہے اسیطرح اللہ والا ہونا وصف ہی ایسا ہے کہ جس میں یہ وصف ہو اس سے محبت اور تعلق ہونا چاہیئے اگرچہ کسی خاص شخص کو اس سے نفع نہ پہنچا ہو جس کو یہ بات حاصل ہو بس وہ ہے جس کو اللہ کے لئے محبت کرنے والا سچ مچ کہہ سکتے ہیں اور جو ایسا ہوگا اس کو اپنے بھائی کی کوئی بات بھی جو اس کے حق میں صادر ہو متغیر نہ کرے گی کیونکہ اس کی محبت اپنے واسطے نہیں بلکہ اللہ کے واسطے ہے اور اللہ تعالیٰ کا تعلق اس کے کسی برتاؤ سے بدل نہیں سکتا اور جو ایسا نہ ہو وہ امتحان کے موقعہ پر بہت کم ثابت قدم رہے گا اور اگر ایک کی نیت اللہ کے لئے ہو اور دوسرے کی نیت کچھ اور ہو یعنی دنیا کے لئے ہو تو ہر شخص کو اس کی نیت کا پھل ملیگا چنانچہ دو شخصوں کی جو اللہ کے واسطے باہم صحبت رفاقت رکھتے تھے حکایت ہے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے کے ساتھ جفا کی تو اس نے اس سے کہا عزیز من! ذرا تم فلاں بزرگ کی مجلس میں تو ہو آؤ چنانچہ وہ اس کے کہنے سننے سے چلا گیا جب مجلس میں پہنچا تو ان بزرگ نے اس وقت باتوں میں وہ بات ظاہر کردی جو اسکی طرف سے اپنے ساتھی کے ساتھ صادر ہوئی تھی اور یہ سمجھ گیا کہ میں نے اپنے دوست پر زیادتی کی اور اسکے

ساتھ جفا کی۔ اسی وقت اس نے توبہ کی استغفار کی اور عزم کر لیا کہ واپس جاتے ہی اپنے دوست کے پاؤں پکڑوں گا شاید وہ میری خطا معاف کر دے جب دوست کے پاس پہنچا اس کو اپنے ارادہ کی اطلاع دی اس نے کہا عزیز من! تم اپنے نفس کے پاؤں پکڑو کیونکہ مجھے تو تم سے خالص اللہ کے واسطے تعلق ہے مجھ پر تمہاری کوئی حرکت گراں نہیں ہو سکتی مگر تمہارا رُخ صرف اپنے نفس کی طرف ہے اور کسی طرف نہیں چنانچہ اب بھی تم اپنے نفس کے کہنے ہی سے معافی مانگنے آئے ہو تو تم اسی کے پاؤں پکڑ لو۔

قولہ فی البحث الرابع فالمتحابون فی اللہ علی ثلثۃ وجوہ الی قولہ وانما وجہک فی حق نفسک لا غیر

(۲۵۰) اللہ کو تنہائی میں یاد کرنے کی تین صورتیں ہیں

یہاں ایک سوال ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو تنہائی میں یاد کرنے سے مراد ظاہری تنہائی ہے یا باطنی یا دونوں کا مجموعہ؟ ظاہری تنہائی کے معنی تو یہ ہیں کہ اپنی جگہ پر تنہا ہو اس کے پاس کوئی دوسرا نہ ہو اور باطنی تنہائی کے معنی یہ ہیں کہ اس کے رونے کا سبب صرف اللہ کا خوف ہو اور کوئی سبب نہ ہو اور مجموعہ کی صورت یہ ہے کہ اس کے پاس کوئی دوسرا بھی نہ ہو اور رونے کا سبب بھی خوف خدا کے سوا کچھ نہ ہو اگر یہ دونوں باتیں ایک ساتھ جمع ہوں تو اس میں شک نہیں کہ یہ حالت زیادہ کامل ہے اور اگر تنہائی پوری ہو پاس کوئی نہ ہو مگر اللہ کو یاد کرتے ہوئے کسی اور خیال سے رونے لگا اللہ کے خوف کی وجہ سے نہیں رویا نہ اللہ کی یاد سے محبت میں رویا تو بالاتفاق یہ حالت وہ نہیں جس کی طرف اس جگہ اشارہ کیا گیا ہے بلکہ یہ حالت مذموم ہے کیونکہ دھوکہ پر مشتمل ہے ظاہر تو یہ کر رہا ہے کہ اللہ کی وجہ سے رویا ہے۔ کیونکہ یاد الٰہی کے ساتھ گریہ طاری ہوا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں بلکہ آنسو اتفاقاً اللہ کو یاد کرتے ہوئے ظاہر میں نکل آئے مگر جب تنہائی میں رونا فرض کیا گیا ہے تو

دہوکہ کے کیا معنی؟ دہوکہ کی صورت تو وہ ہے جبکہ مجمع میں ذکر ہو اور اللہ کی یاد سے نہ دیا ہو اور جو صورت شارح نے بیان کی ہے اس میں نہ دہوکہ ہے نہ ثواب رہی تیسری صورت کہ مجمع میں اللہ کو یاد کر رہا ہو اور دل ماسواے سے خالی ہو ذکر اللہ ہی کے اثر سے آنسو نکلے ہوں تو امید ہے کہ یہ شخص بھی ان بابرکت لوگوں میں داخل ہے جن کا حدیث میں ذکر ہے کیونکہ اس پر بھی یہ بات باطناً صادق ہے کہ اس نے خلوت میں اللہ کو یاد کیا کیونکہ اس کا باطن ماسواے سے خالی تھا گو ظاہر مجمع میں تھا اور جو صورت بطور احتمال کے حدیث کے تحت میں داخل ہو اس امید تو ضرور ہوتی ہے اگرچہ یقینی صورت وہی ہے جہاں مضمون حدیث کا پورا متحقق ہو اور وہ وہی ہے جہاں دونوں باتیں مجتمع ہوں (خلوت ظاہر بھی خلوت باطن بھی)

ذکر اللہ کے اقسام

یہاں ایک اور سوال ہے وہ یہ کہ ذکر اللہ سے مراد وہ ہے جو زبان اور لبوں سے ہو یا وہ جو دل سے ہو اگرچہ زبان کو حرکت نہ ہو یا جس صورت سے بھی ہو ہر حال میں ذاکر کہلائے گا، جواب یہ ہے کہ ان صورتوں میں سے ہر ایک پر ذکر اللہ صادق ہے جس کی دلیل سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے جو صحیح حدیث قدسی میں وارد ہے۔

منؑ ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی ومن ذکرنی
فی ملاءٍ ذکرتہ فی ملاءٍ خیر منہم

جس نے مجھے اپنے دل میں یاد کیا میں اس کو اپنے دل میں یاد کروں گا
اور جو مجھے جماعت میں یاد کریگا میں اسکو اس سے بہتر جماعت میں یاد کروں گا

عہ یہاں سے اُس قول کا بھی جواب ہوگیا جو بخاری شریف کی ایک تقریر میں جو بہت بڑے علامہ کی طرف منسوب ہے لکھا ہے کہ ذکر قلبی کی ہمیں کوئی دلیل سنت سے نہیں ملی ۱۲ ظ

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ذاکر کا لقب دیا ہے اور طفیلی تو اس سے بھی کم تر بہانہ سے امید وابستہ کر لیتا ہے۔ یہ تو بہت صاف دلیل ہے جس سے احتجاج مجتہدانہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ہمارے واسطے کیوں کافی نہ ہوگی۔

صوفیہ کے نزدیک ذکر قلبی افضل ہے

پھر مذہب صوفیہ پر تو ذکر قلبی افضل ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر امر و نہی کے موقعہ پر اللہ کو یاد کرنا اور حکم کی تعمیل کرنا زبانی ذکر سے افضل ہے کیونکہ ان کا قول ہے

ذکر اللّٰہ عند امرہ و نہیہ خیر من ذکرہ باللسان

سو حضرت عمرؓ کے ارشاد کے مطابق جواب تو یہ ہے کہ بیشک امر و نہی کے موقعہ پر اللہ کو یاد کرنا اور حکم کی تعمیل کرنا زبانی ذکر سے بہتر ہے مگر یہ حدیث اس کو شامل نہیں اگرچہ امید یہ ہے کہ اس کا حال اس ذاکر کے حال سے بھی بلند تر ہے جس کا یہاں ذکر ہے اور صوفیہ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو پیش نظر رکھ کر فرمایا ہے۔

مضغۃ فی الجسد اذا صلحت صلح الجسد کلہ الا وھی القلب

انسان کے بدن میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے سارا بدن درست ہوجاتا ہے سن لو وہ دل ہے۔

اس بنا پر صوفیہ کا قول دوسروں کے قول پر راجح ہے کیونکہ جب تمام بدن کی صلاح کو صلاح قلب پر موقوف کیا گیا ہے اور سب کی صلاح ذکر اللہ سے ہے تو ذکر قلب ذکر لسان اور ذکر جوارح سے افضل ہوا اور بات تو یہ ہے کہ عمل اختلاف سے بچ کر اور تمام صورتوں میں سے درجۂ کمال کو لیکر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان میں سے کرے جن کو اللہ نے اپنے احسان

سے یہ دولت عطا فرمائی ہے۔

قولہ فی البحث السابع ذکر اللّٰہ خالیاً فغاضت عیناہ هل یعنی بقولہ خالیاً حساً او معنی الی قولہ جعلنا اللّٰہ ممن من علیہ بذلک بمنہ

ف ۔ حضرت حکیم الامت دام مجدہم کی بھی یہی تحقیق ہے کہ سب سے افضل ذکر وہ ذکر ہے جس میں ذکر لسانی کے ساتھ ساتھ ذکر قلبی مجتمع ہو تنہا ذکر قلبی گو افضل ہے مگر مختلف فیہ ہے، دوسرے یہ تجربہ ہے کہ تنہا ذکر قلبی دیر تک نہیں رہتا کچھ دیر کے بعد دل ادھر ادھر متوجہ ہو جاتا ہے اور یہ شخص دھوکہ میں رہتا ہے کہ میں ذکر قلبی کر رہا ہے البتہ اگر کسی کا دل ذکر قلبی میں غیر حق کیطرف متوجہ نہ ہوتا ہو تو اس کو ذکر لسانی کی ضرورت نہیں اگر اس سے تشویش ہوتی ہو، خوب سمجھ لو۔

باب چہل و دوم ۴۲

حدیث

تقدیم العشاء علی الصلوۃ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ جب شام کا کھانا سامنے آجائے اور نماز کی اقامت ہو جائے تو کھانے کو مقدم کرو۔

شرح ظاہر حدیث یہ ہے کہ شام کا کھانا جب سامنے آجائے اس کو پہلے کھا لینا جائز ہے اگرچہ نماز کھڑی ہو گئی ہو اس پر چند وجوہ سے کلام ہے۔

(۲۵۱) حضور و خشوع و اخلاص ہی نماز کے قبول ہونے کے

اسباب ہیں یہاں ایک سوال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذا وضع العشاء کیوں فرمایا کہ جب شام کا کھانا سامنے رکھا جائے اذا کان وقت العشاء کیوں نہیں فرمایا کہ جب شام کا وقت آجائے جواب یہ ہے کہ کھانے کا سامنے رکھا جانا خواہش طعام کو بھڑکانے کا سبب ہے اور خواہش طعام کا بھڑکنا اس کے ساتھ دل کو وابستہ کرتا ہے اور دل کا اس سے وابستہ ہونا نماز میں حضور و خشوع و اخلاص نہ ہونے کا سبب ہے، اور

یہی وہ چیزیں ہیں جو نماز کے مقبول ہونے کے اسباب ہیں تو جب کھانے کا سامنے آنا ایسی علت ہے جس سے نماز کے قبول نہ ہونے کا اندیشہ ہے تو اس سے کہا جائیگا کہ پہلے کھانا کھا کر اپنی اس علت کا علاج کر لو اس کے بعد نماز کی طرف پیش قدمی کرو کیونکہ اللہ جل جلالہٗ فرماتے ہیں۔

فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب

جب فارغ ہو جاؤ اس وقت محنت کرو اپنے پروردگار ہی کی طرف متوجہ ہو

ضروریات سے فارغ ہو کر ذکر اور نماز میں مشغول ہونا چاہیئے

علماء نے فرمایا ہے کہ ضروری امور سے فارغ ہونا مراد ہے کیونکہ دل ہمیشہ اپنی ضرورتوں میں اٹکا ہوا رہتا ہے جب ان سے فراغت ہو جائے اسی وقت عبادت میں مشغول ہونا بہتر ہے، چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ روزہ سے ہوتے اور اپنی کسی باندی کی کوئی ادا ان کے دل کو بھا جاتی تو مغرب کے وقت کھانا کھا کر اس سے جماع کرتے اور غسل کر کے نماز پڑھتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ مغرب کا وقت ایسا تنگ نہیں جیسا عوام نے سمجھ رکھا ہے کہ افطار کرنے ہی نماز کی جلدی مچا دیتے ہیں دیکھو عبداللہ بن عمر روزہ افطار کرنے کے بعد باندی سے جماع کرتے پھر غسل کرتے پھر نماز مغرب کو جاتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں رمضان کے دنوں میں مغرب کی نماز غروب کے کافی دیر بعد ہوتی تھی، تو ان بزرگ صحابی نے آیات و حدیث کا مطلب خوب سمجھا اس لئے وہ سب لوگوں سے زیادہ متبع سنت کہلاتے تھے پس اگر مغرب کا وقت آجائے اور کھانا سامنے نہ لایا گیا ہو تو اس وقت نماز کو کھانے پر مقدم کرنا واجب ہے کیونکہ اب کھانے کے انتظار میں بیٹھنا فضول وقت ضائع کرنا ہے کہ نہ اس وقت یہ شخص کھانا کھا رہا ہے نہ اس فرض نماز کو ادا کرتا ہے جو اس کے ذمہ ہے اور یہاں سے یہ علمی مسئلہ

معلوم ہوا کہ حق اس کا ہے جو پہلے آئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب شام کا کھانا سامنے رکھدیا جائے اور نماز بھی کھڑی ہو جائے تو کھانا پہلے کھاؤ کیونکہ کھانا نماز کی اقامت سے پہلے آ گیا ہے تو حق اسی کا ہے اور اس میں اہل خواطر کی یعنی صوفیہ اہل کشف کی دلیل بھی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جب چند خواطر یکے بعد دیگرے قلب پر وارد ہوں تو حکم خاطر اول کے لئے ہے یعنی اسی کو مقدم کیا جائے۔

قولہ فی الوجہ الخامس وھنا بحث لم قال اذا وضع العشاء الی قولہ فی الوجہ السابع الحکم للخاطر الاول

ف حضرت حکیم الامت دام مجدہم نے حضرت مولانا گنگوھی قدس سرہ سے دریافت کیا کہ بعض دفعہ ذکر کے وقت کوئی ضروری کام یاد آجاتا ہے اس وقت اگر اس کام کو نہ کیا جائے تو ذکر میں کشاکشی ہوتی ہے اس سے فراغت کر لی جائے تو ذکر میں یکسوئی ہوتی ہے تو اس وقت ذکر کو مقدم کیا جائے یا اس کام کو پہلے کر لیا جائے فرمایا اس کام کو پہلے کر لیا جائے پھر یکسوئی کے ساتھ ذکر کیا جائے، یہ تحقیق اس دلیل سے مؤید ہے جو شارح نے یہاں بیان فرمائی ہے

(۲۵۲) مستحبات کی پابندی کرنا سنت ہے

حدیث میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ مستحبات کی پابندی کرنا سنت ہے بلا ضرورت کے ان کو ترک نہ کرنا چاہیئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب شام کا کھانا سامنے رکھدیا جائے اور نماز کی اقامت ہو جائے تو کھانے کو مقدم کرو اور جماعت سے نماز پڑھنا اکثر علماء کے نزدیک مستحب ہے مگر حنفیہ کے نزدیک واجب یا سنت موکدہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی عذر نہ ہو تو مستحب کو ترک نہ کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے چھوڑنے کی اجازت صرف کھانے کی وجہ سے دی ہے جب وہ آگے رکھدیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ مستحب کو بلا وجہ ترک نہ کیا جاوے۔

قولہ فی الوجہ الثامن فیہ دلیل علی ان من السنۃ المحافظۃ
علی المندوبات الی قولہ الا من اجل علۃ الطعام وتقدیمہ

(۲۵۳) متبع سنت کے سارے کام طاعت ہی ہوتے ہیں

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ متبع سنت کے سارے کام طاعت ہی ہوتے ہیں جن پر اسے اجر ملتا ہے کیونکہ متبع سنت ایسے وقت میں کھانے کو مقدم صرف اس لئے کریگا شارع علیہ السلام نے اس کا حکم دیا ہے تو اس کو ثواب ملے گا کیونکہ اس کا کھانا محض امر کی وجہ سے ہوگا اور غیر متبع سنت محض اپنے اختیار سے اور اپنی خواہش کی رعایت سے کھائے گا اور بڑا فرق ہے اس میں جو امر کی وجہ سے کھائے اور اس میں جو شہوت کی وجہ سے کھائے اسیطرح تمام کاموں میں دونوں کا یہی حال ہوگا۔ نیز اسمیں صوفیہ کی بھی دلیل ہے جنہوں نے شہوت کی حصہ ہی کو چھوڑ دیا اور یہاں تک چھوٹا کہاں میں خواہش نفس کا نام بھی نہیں رہا۔ کیونکہ یہ خواہش ہی نماز کے مؤخر کرنے کا سبب ہوتی ہے جب یہ ہی نہ ہوگی تو نماز اپنے مستحب وقت میں ادا ہوگی حدیث سے اللہ تعالی کی مہربانی بھی اپنے بندوں پر معلوم ہوئی اور یہ کہ اللہ تعالی ان کی عبادت سے مستغنی ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر شام کے کھانے کو نماز سے مقدم کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ نفس کو غذا کی خواہش ہوتی ہے اس سے راحت و آرام ملتا ہے اور عبادت میں تو غالب حالت یہی ہے کہ لوگوں کو تعب ہی ہوتا ہے گو سب کی یہ حالت نہیں۔

خاصان خدا کو عبادت سے بھی ویسی ہی راحت ملتی ہے جیسی دوسروں کو غذا سے

کیونکہ خاصان خدا کو تو عبادت سے بھی ویسی ہی راحت ملتی ہے جیسی دوسروں کو عمدہ غذاؤں سے ملتی ہے اسی حقیقت کی وجہ سے

ابراہیم بن ادہم نے فرمایا ہے جیسا ان سے منقول ہے کہ دنیا والے مسکین ہیں
دنیا سے چلے گئے اور اس کی راحت کا کچھ بھی مزہ نہ چکھا لوگوں نے کہا دنیا کی
راحت کیا ہے جس کا اہل دنیا نے مزہ نہیں چکھا۔ فرمایا طاعت کی لذت کہ یہ
دنیا والے اس کو بدون چکھے ہی چلے گئے تو ان کو نہ دنیا ہی ملی نہ آخرت ہی اور اسی
حقیقت کی بنا پر سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے

أرحنا بها يا بلال يعني الصلوة

(اے بلال ہم کو نماز کے ذریعے سے راحت دو (یعنی جلدی نماز کیلئے اذان و اقامت کہو)

قوله الوجه التاسع فيه دليل على ان المتبع السنة الى قوله

في الوجه الحادي عشر ارحنا بها يا بلال يعني الصلاة

ف۔ حدیث ارحنا بها یا بلال جو مطلب شارح نے بیان کیا ہے اس پر
وہ اشکال وارد نہیں ہوتا جو دوسرے علماء کی تفسیر پر وارد ہوتا ہے اہل
علم اس کو سمجھ جائیں گے۔

(۲۵۴) اللہ والوں کے نزدیک دنیا کے کام اسی وقت مباح ہیں جب آخرت میں معین ہوں

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل ارادت یعنی وصلہ والوں کے نزدیک
دنیا کے کام اسی وقت مباح سمجھے جاتے ہیں جبکہ وہ آخرت میں معین ہوں
کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کو مقدم کرنے کی اجازت صرف
اس لئے دی ہے تاکہ نماز اچھی طرح کامل طریقے سے ادا ہو اور کھانا نفس کے
حظوظ اور شہوات میں سے ہے اور حظوظ نفس جتنے بھی ہیں سب دنیا ہیں اور نماز
آخرت کا کام ہے تو دنیا کی سب سے بڑی چیز کھانا پینا ہے جس کے سب محتاج
ہیں دوسری چیزوں سے تو کبھی استغنا بھی ہو سکتا ہے اور ان کے ترک سے
کچھ ضرر نہیں ہوتا مگر کھانا نہ ہو تو عادۃ مستمرہ یہ ہے کہ انسان ہی نہ ہوگا اور یہ

آخرت کے سب سے بڑے کام یعنی نماز میں معین ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مومن اور کافر کے درمیان امتیازی نشان نماز کا چھوڑنا ہے جس سے معلوم ہوا کہ نماز تمام اعمال آخرت سے اعلیٰ وافضل ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سب سے بڑے کام کا حکم آخرت کے سب سے بڑے کام کے مقابلہ میں بتلادیا کہ اس کو اس کے لئے معین بنانا چاہیئے اب ان کے سوا جو اور کام رہ گئے وہ ان کے تابع ہیں پس یہاں اعلیٰ سے ادنیٰ پر تنبیہ کی گئی ہے کہ دنیا کے سب کاموں کو اعمال آخرت میں معین بنانا چاہیئے کوئی کام محض دنیا کے واسطے نہ کرنا چاہیئے ۔

قوله الوجه الرابع عشر فيه دليل على ان امور الدنيا ما تستباح الى قوله من باب التنبيه بالاعلى على الادنى ۔

الحمد للہ کہ آج بتاریخ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ بعد نماز عصر بروز یکشنبہ حصہ اول رحمت القدوس تمام ہوا، اللہ تعالیٰ بقیہ حصص کی تکمیل کی بھی توفیق عطا فرمائیں اور اس کتاب کو نافع عام وخاص اور مقبول بارگاہ بنائیں آمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا النبی الامی محمد وعلیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین والحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ و نعمتہ تتم الصالحات ۱۲

رحمت القدوس کا پہلا حصہ ختم ہوا

*